

انگریز کا

ایجنٹ کون



صاحبزادہ محمد ہر حق بیدی

الہدی فاؤنڈیشن لاہور

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
8	شرف انتساب
9	پیش لفظ
10	تقریظ
	باب اول
16	تحریک بالا کوٹ تاریخ و حقائق کے آئینے میں
16	بانی جماعت اسلامی کی شہادت
17	سید احمد بریلوی کے انگریزوں سے تعلقات
18	مجاہدین تحریک بالا کوٹ کی گزران انگریزی امداد پر
18	سید احمد بریلوی کا انگریزوں سے جہاد کرنے سے روکنا
19	انگریزوں سے جہاد کرنا درست نہیں۔ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ
19	انگریزوں کے حملہ آور پر مسلمانوں کا لڑنا فرض ہے۔ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ
20	سید احمد بریلوی کا انگریزوں کے ساتھ تعاون کرنا
21	انگریزوں کے ساتھ جہاد نہ ہی طور پر واجب نہیں۔
21	سرکار انگریزی سکھوں کا زور کم کرنے کی خواہشمند تھی
22	سید احمد بریلوی کو انگریزی حمایت کا حاصل ہونا
22	انگریزوں کا سید احمد بریلوی کی جنگی ضروریات کو پورا کرنا
23	انگریزوں کے جاسوس
23	سید احمد بریلوی کے لیے انگریزی کھانا

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : انگریز کا ایجنٹ کون ؟

مصنف : صاحبزادہ محمد منظر الحق ہندیا لوی

اشاعت دوم : اپریل 2002ء

تعداد : 1100

ناشر : الہدی فاؤنڈیشن لاہور

قیمت : روپے

ملنے کے پتے

- دارالعلوم منظر یہ امدادیہ ہندیاں ضلع خوشاب
- مکتبہ جمال کرم 9 مرکز الالویس دربارہد کیٹ لاہور
- مکتبہ رضویہ دربارہد کیٹ لاہور
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز خوش روڈ لاہور
- مکتبہ مریہ رضویہ ڈسکہ
- ضیاء الدین پبلی کیشنز کھارلور کراچی
- احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمپنی چوک راولپنڈی
- مکتبہ دارالخلاص صدق پلازہ قصہ خوانی بازار پشاور

باب دوم

- 24 سید احمد بریلوی کی حکومت کے کارنامے
- 25 سید احمد بریلوی کے نام نہاد غازیوں کا راہ چلتی دوشیزاؤں سے زبردستی نکاح
- 25 تحریک بالا کوٹ کے نام نہاد مجاہدوں کا فوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح
- 25 تحریک بالا کوٹ کے مجاہدین کی اکثریت کا رہنا
- 26 سید احمد بریلوی کا پسلا جہڑ مسلمانوں سے کرنا، حکیم الامت علماء دیوبند کی شہادت
- 26 علماء دیوبند کے گھر کی ایک شہادت، جو کہ قتل شہید علی بیگ
- سید احمد بریلوی کی انتظامیہ کے قتل کی وجہ علاقہ کی جواں سال
- 27 لڑکیوں سے مجاہدین کا زبردستی نکاح کرنا تھا۔ (روزنامہ نوائے وقت)
- 27 ازالہ غلط فہمی
- 28 مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کی شہادت
- 29 اہم سوال

باب سوم

- 30 ۱۸۵ء کی جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار
- مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند)
- 30 کا اپنی مہربان سرکار کا دلی خیر خواہ ہونا
- 31 اکابرین دیوبند کا انگریز کے باغیوں سے لڑنا
- 31 محمد میاں ناظم جمعیت علماء ہند کا کھلا اعتراف

باب چہارم

- 32 تحریک پاکستان اور علماء دیوبند
- 32 لوارہ دیوبند کا مسلم لیگ کی حمایت کرنے کے لیے پچاس ہزار روپے طلب کرنا

- 32 مرزا ابوالحسن اصفہانی کی شہادت
- 33 علماء دیوبند کی اکثریت کا مسلم لیگ اور قائد اعظم کو گالیاں دینا
- 33 ہوا الکلام آزاد اور تحریک پاکستان
- 34 مولوی حسین احمد مدنی اور تحریک پاکستان
- 37 دارالعلوم دیوبند کے طلباء کا تحریک پاکستان میں کردار
- 40 جمعیت علماء ہند کا کردار
- 40 علماء دیوبند کی مسلم لیگ کی مخالفت کے متعلق چوہدری حبیب احمد کی شہادت
- 41 مفتی محمود اور ان کے لڑکے فضل الرحمن کا کھلا اعتراف

باب پنجم

- 42 علماء دیوبند اور انگریزوں کی مالی امداد
- 42 مولوی اشرف علی تھانوی کا انگریزوں سے تنخواہ لینا
- 42 مولوی اشرف علی تھانوی (دیوبندی) کا اپنا بیان
- 43 تبلیغی جماعت اور انگریزی وظیفہ
- 43 مدرسہ دیوبند کا کردار
- 43 علماء دیوبند کے گھر کی ایک اور شہادت
- 43 جمعیت علماء اسلام کو انگریزی امداد
- 44 اکابرین دیوبند کا کانگریس سے روپیہ لینا

باب ششم

- 45 اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی پر الزام کی حقیقت
- 45 مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا فتویٰ

46	مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا فتویٰ
46	مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ
46	مولوی محمود الحسن دیوبندی کا فتویٰ
47	اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ کے فتویٰ کا سیاسی پسلو
48	تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں علماء اہل سنت اور علماء دیوبند کا کردار
55	لحہ فکریہ
55	اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت کے متعلق مفکرین کی آرا
	باب ہفتم
58	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء و مشائخ اہل سنت کا کردار
58	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء اہل سنت کے کردار کا غیروں کا اعتراف کرنا
59	مولانا محمد اسماعیل پانی پتی کا اعتراف کرنا
59	غلام رسول مر کا اعتراف
60	رکبیس احمد جعفری کا اعتراف
60	ترجمان دیوبند بیت "خدا م الدین" کا اعتراف
60	مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کا اعتراف
61	مفتی انتظام اللہ شاہی کا فرمان
61	شاہد احمد خاں شروانی دیوبندی کا اعتراف
	باب ہشتم
63	تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ اہل سنت کا کردار
63	امیر ملت میر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کا کردار

65	سید العرفاء، سند الایقان میر سید غلام محی الدین گولڑوی کا کردار
66	شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب کا کردار
70	شیخ الاسلام اور ان کے والد گرامی کی انگریز سے نفرت
72	مجاہد ملت علامہ میر سید امین الحسنات (ناگنی شریف) کا کردار
74	میر عبد الرحیم صاحب بھر چونڈی شریف کا کردار
76	مولانا عبدالحامد ایوبی کا کردار
78	میر سید محمد محدث کچھوچھوی کا کردار
80	فقیر العصر استاذ الاساتذہ علامہ یار محمد صاحب مدنی یالوی کا کردار
85	استاذ العلماء حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق مدنی یالوی مدظلہ کا کردار
89	مولانا صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کا کردار
92	شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی کا کردار
94	مجاہد ملت حضرت مولانا عبد الستار خاں نیازی کا کردار
96	تحریک پاکستان اور دیگر علماء اہل سنت

شرف انتساب

اس کی خدمت میں

..... جس کی

نگہ بلند، زبان ہو شہید اور دل درد مند ہے

..... جس نے

ایک ویران اور بے آب و گیاہ صحرا کو علم و حکمت کا لہلہاتا ہوا گلشن بنا دیا

..... جس کے فیض نے

جامعہ مظہریہ امدادیہ کی شکل میں فکر و نظر، فضل و کمال اور شعور و آگہی کا

ایک شہرستان آباد کر دیا

..... جس نے

اپنے علاقہ کے یونیورسٹی امراء اور ڈکٹیٹروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

کمال جرأت سے تحریک پاکستان کے لیے مسلسل جہد فرمائی

..... جس کے خوشہ چین

شہباز طریقت، امیر شریعت تاج الفقہاء علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق

مدنیالوی مدظلہ العالی کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم کرتے ہیں

محمد مظہر الحق مدنیالوی

پیش لفظ

کافی عرصہ قبل ہدیال میں ایک مولانا صاحب کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا۔

انہوں نے جوش خطابت میں فرمایا کہ پاکستان علماء دیوبند نے بنیاد تحریک پاکستان کی

کامیابی کا سرا مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

وغیرہ کے سر ہے اور شاہ احمد رضا خان فاضل بریلی تو انگریزوں کے ایجنٹ تھے۔“

حالانکہ ہم نے اس سے قبل تو یہی سنا اور پڑھا تھا کہ اکابرین دیوبند کی غالب

اکثریت تحریک پاکستان کی مخالف تھی۔ اس لیے بندہ نے تحریک پاکستان میں علماء کے

کردار کے متعلق مخالف و موافق ہر قسم کی کتب کا بھرپور مطالعہ کیا تو مولانا کے خطاب

کو حقیقت کے برعکس پایا۔ پھر احباب کے مشورہ پر تحریک پاکستان، تحریک عدم

تعاون، اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکابر علماء دیوبند اور علماء اہل سنت کے کردار کے

تقابلی جائزہ کو در طہ تحریر میں لایا۔

اور پھر تحریک بالا کوٹ کی اصل حقیقت کو بھی مستند حوالہ جات سے لکھا۔

تاکہ اس موضوع پر نام نہاد مؤرخین نے جو مصلحتوں کی گرد چڑھادی ہے اس کو دور کر

دیا جائے۔

محقق اہل سنت، شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نے تقدیم لکھ

کر حوصلہ افزائی فرمائی جس پر بندہ ان کا بھد مشکور ہے۔

اللہ رب العزت بطفیل نبی رحمت حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خاکپائے علماء حق

محمد مظہر الحق

تقریظ

بسم الله الرحمن الرحيم

امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ چودہویں صدی ہجری کے وہ قبح عالم دین ہیں کہ علمی وسعت اور کثرت تصانیف میں دنیا بھر کا کوئی ہم عصر عالم ان کا مد مقابل دکھائی نہیں دیتا، پچاس سے زیادہ علوم میں کامل دسترس اور تقریباً ایک ہزار تصانیف ان کی یکتائی کا واضح ثبوت ہیں۔

تقویٰ، اخلاص اور للہیت میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھے حضرت مولانا تقدس علیخان رحمۃ اللہ علیہ (چیر صاحب پگڑا کے استاذ) نے بیان کیا کہ ایک دفعہ نواب حیدر آباد کن کی طرف سے امام احمد رضا خان بریلوی کے فرزند اکبر حضرت جتہ الاسلام مولانا حامد رضا خان کو مکتوب موصول ہوا جس میں انہیں حیدر آباد کن کے صدر الصدور کے منصب کی پیش کش کی گئی تھی، جتہ الاسلام نے وہ مکتوب امام احمد رضا خان بریلوی کی خدمت میں پیش کیا، تو فرمایا: ہم لاریہ نشینوں کو صدر الصدور کے منصب سے کیا غرض؟ اور یہ مصرع ارشاد فرمایا۔

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب لولی

یہ بے معنی دفتر اس لائق ہے کہ اسے شراب میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جتہ الاسلام نے معذرت کر دی۔

یہ بھی حضرت مولانا تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ نظام حیدر آباد کن نے امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ مدرسہ منظر اسلام، بریلی کے لیے دو سو روپے ماہانہ منظور کئے، اس وقت دو سو روپے بہت بڑی رقم تھی، لیکن امام احمد رضا

بریلوی نے تازیت وہ رقم قبول نہیں کی، امام احمد رضا بریلوی نے سچ فرمایا اور ان کی پوری زندگی کا عمل اس پر شاہد ہے۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

امام احمد رضا بریلوی نے اپنی تمام قوت دین متین، مسلک اہل سنت و جماعت اور مذہب حنفی کی تبلیغ و اشاعت اور تائید و حمایت میں صرف کر دی، اللہ تعالیٰ، اس کے حبیب مکرم ﷺ، صحابہ کرام، اہل بیت اور اولیاء عظام کی بارگاہ میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والوں کی پوری قوت سے سرکوبی کی۔ مخالفین کی طرف سے اس کا رد عمل یہ ہوا کہ ان پر طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے، ایک الزام یہ بھی لگایا گیا کہ (معاذ اللہ!) وہ انگریز کے ایجنٹ تھے، حیرت ہوتی ہے کہ وہ سراپا اخلاص و للہیت شخصیت جس نے زندگی بھر کسی مسلمان حکمران کی مدح سرائی نہیں کی، کسی مسلم حاکم سے امداد قبول نہیں کی، اس پر کس منہ سے یہ الزام عائد کیا جاسکتا ہے کہ وہ غیر مسلم، غاصب اور ظالم انگریز کا نمائندہ اور ایجنٹ ہے، جبکہ ان کے مخالفین کسی نہ کسی انداز میں انگریز گورنمنٹ سے متعلق رہے ہیں اور مفاد حاصل کرتے رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مقالہ ”گناہ سب گناہی“ از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ و دعوت فکر از مولانا علامہ محمد منشا تاش قصوری زید مجدہ اور راقم کا مقالہ ”شیشے کے گھر“ جو البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ایک عرصہ پہلے مشہور دیوبندی عالم مولوی شبیر احمد عثمانی کا یہ مقالہ پڑھا تھا:

”دیکھتے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے آپ کے مسلم بزرگ اور پیشوا تھے ان کے متعلق بعض

لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔“ (مکالمۃ الصدرین (طبع دیوبند ص ۹)

ایک مدت تک یہ عقیدہ نہ کھل سکا کہ آخر حکومت انہیں ماہانہ چھ سو روپے (جو اس وقت کے چپاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہوں گے) کیوں دیتی تھی؟ اسے تھانوی صاحب کی ذات سے کیا فائدہ تھا؟ سندھ کے ایک صحافی انجم لاشاری نے ستمبر ۱۹۸۷ء میں جمعیت العلماء اسلام صوبہ سندھ کے سربراہ مولوی محمد شاہ امروٹی (فرزند مولوی تاج محمود امروٹی) سے انٹرویو کیا جس میں مولوی محمد شاہ امروٹی نے دم مرگ راز سرستہ سے نقاب ہٹا دیا اور بتایا کہ تحریک ریشمی رومال کی ناکامی اور انگریز کے اس تحریک پر قابو پانے میں تھانوی صاحب کا ہاتھ تھا۔ جناب انجم لاشاری کا بیان ملاحظہ ہو!

اپنے انٹرویو میں مولانا محمد شاہ امروٹی نے دل گرفتہ ہو کر بتایا کہ انگریزوں کو ریشمی رومال کے اس سفر کی اطلاعات لمحہ بہ لمحہ مل رہی تھیں اور یہ لڑکا گھر کے ایک بھیدی نے ڈھائی تھی اور یہ تھے..... مولانا اشرف علی تھانوی۔ مولانا امروٹی کے بھول مولانا تھانوی کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف کچھ نہ کیا جائے بلکہ ان کی سرپرستی میں رہ کر مسلمانوں کے لئے فوائد حاصل کئے جائیں۔ وہ چونکہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین میں سے تھے اس لئے انہیں تحریک خلافت اور جنود ربانیہ کے تمام پروگراموں

سے آگاہی رہتی تھی۔ انہوں نے ریشمی رومال کی حقیقت اور انقلابی کارروائیوں کے لئے طے کردہ تاریخ سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دیا اور ان کے بھائی (منظر علی) نے جو اٹیلی جینس کے ایک اعلیٰ افسر تھے پورے قصبے سے انتظامیہ کو خبردار کر دیا۔“

(انجم لاشاری ماہنامہ شوٹنگ، کراچی، شمارہ اپریل ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۱)

اس وضاحت کے بعد یہ سوچنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انگریز حکومت تھانوی صاحب کو ماہانہ چھ سو روپے کیوں دیتی تھی؟ علماء دیوبند کی ہمت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے تھانوی صاحب کی پردہ دہری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، یہ الگ بات ہے کہ حقیقت کسی نہ کسی وقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں سابق فضلاء کی ایک تنظیم تھی۔ ”الانصار“ اس کے قواعد و مقاصد میں ایک شق یہ تھی۔

جمعیت (الانصار) گورنمنٹ انٹیلیجی (جس کے ظلِ عاطفت میں ہم نہایت آزادی کے ساتھ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں اور مذہبی تعلیم کی ترقی کے لئے ہر قسم کی کوشش کر سکتے ہیں) پوری وفادار رہے گی اور انارکستانہ کوششوں کے قلع قمع میں اپنے اثر سے پورا کام لے گی۔ (ماہنامہ الہدیٰ لاہور، شمارہ رجب ۱۳۲، ص ۱۳۸)

چلتے چلتے ایک اور حوالہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو کسی نامعلوم شخص نے داسرائے ہند لارڈ ہارڈنگ پر بم سے حملہ کیا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔ اس حادثہ کا دیوبند کے ہر فرد کو صدمہ ہوا۔ باقاعدہ اساتذہ اور طلبہ کا اجلاس بلایا گیا اور بذریعہ تار انعام ہمدردی کیا گیا، رپورٹ ملاحظہ ہو۔

دارالعلوم کے اہل شوری، اساتذہ، موجود طلبہ، پرانے طلبہ

(جمیعت الانصار) اس صدمہ کا اثر محسوس کرتے ہیں۔ مولانا محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم نے دارالعلوم کے تمام دوستوں کی طرف سے اظہار ہمدردی اور غصہ کا تار دیا۔ جس کا جواب نہایت شکریہ آمیز الفاظ میں آیا۔
الحمد للہ کہ ہزار پچیسویں وائسرائے کی جان پر گزند نہیں آیا اور لینڈ ہارڈنگ محفوظ رہیں اور بفضلِ تعالیٰ حضور وائسرائے کی صحت روز بروز کامیابی کے ساتھ رو بہ ترقی ہے۔

(ماہنامہ القاسم، دیوبند: شمارہ محرم ۱۳۳۱ھ، ص ۱)

یہ چند مثالیں ہیں تفصیل تو آپ پیش نظر مقالہ ”انگریز کا ایجنٹ کون“ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ مقالہ علوم جدیدہ و قدیمہ کے فاضل صاحبزادہ محمد مظہر الحق ہندیاوی زید مجدہ کے تحقیقی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ جس میں انہوں نے تحریک بالاکوٹ، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، تحریک خلافت، تحریک ترک موالات، تحریک پاکستان کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ اور تاریخی حوالوں سے بتایا ہے کہ علماء اہل سنت اور علماء دیوبند کا کردار کیا رہا؟ کس نے انگریز حکومت سے رولہا استوار کئے اور کس نے مفادات حاصل کیئے؟ اور کون محض رضائے الہی کے لئے دین و ملت کی پاسداری کرتا رہا۔ صاحبزادہ صاحب عظیم علمی اور دینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، ان کے جد امجد فقہیہ العصر استاذ العلماء مولانا یار محمد ہندیاوی اور والد گرامی فقہیہ جلیل، محسن اہل سنت علامہ صاحبزادہ محمد عبدالحق ہندیاوی مدظلہ ہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے نوعمری کے باوجود مسلک اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت میں متعدد رسائل قلم بند کئے ہیں۔ اور ہندیاوی ایسے دور افتادہ قصبے میں بیٹھ کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ پیش نظر مقالہ

کے مطالعہ کے بعد کسی بھی دیانت دار شخص کو یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہو گا کہ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا الزام لگانے والوں کے ہاں کتنی صداقت اور دیانت ہے؟ اور وہ کس منہ سے حرف الزام زبان پر لاتے ہیں اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مقالہ نگار کسی کردار کشی کے درپے نہیں ہیں۔ انہوں نے صرف حقائق کو یکجا کرنے کا اہتمام کیا ہے اور وہ بھی ٹھوس حوالوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادہ صاحب کے علم و قلم میں برکتیں عطاء فرمائے اور انہیں احقاق حق کا فریضہ انجام دیتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

لاہور

باب اول

تحریک بالاکوٹ تاریخ و حقائق کے آئینے میں

۱۸۳۱ء میں معرکہ بالاکوٹ پیش آیا جس نے ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل پر منفی اثرات مرتب کیے۔ میری مراد سید احمد بریلوی کی تحریک سے ہے، جنہیں ان کے معتقدین جہاد کا نام دیتے ہیں۔ بعض مصلحانہ عقیدہ قسم کے مؤرخین سلطنت اسلامیہ کے قیام اور تحریک آزادی ہند کے شجرے میں مولوی سید احمد بریلوی کی اس تحریک کو بھی شامل کرتے ہیں، مگر وہ اس عقدے کو حل نہیں کر پاتے کہ تاریخ ہند کے اس نازک دور میں جبکہ سیاسی تقاضے کچھ اور تھے۔ سکھوں کے خلاف ”لڑائی“ کیوں کی گئی اور اس بے سود کوشش میں وہ مسلمانوں سے بھی دوہرو ہوئے۔ اس تحریک کے نتیجے میں پاک و ہند میں انگریزوں کے قدم اور جم گئے۔ جس وقت معرکہ بالاکوٹ پیش آیا، اس وقت انگریز ہندوستان پر چھا چکے تھے۔ ضرورت تھی کہ انگریزوں کی سختی سے مزاحمت کی جاتی۔ ایسے نازک دور میں اپنی قوت کو اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف اور سکھ جو کہ انگریز کی آنکھوں میں ہر وقت کھٹکتے تھے، ان کے خلاف لگا دینا دانشمندی کے خلاف معلوم ہوتا ہے اور یہ صرف میرا ہی خیال نہیں، بلکہ بانی جماعت اسلامی کا بھی یہی نظریہ ہے۔

بانی جماعت اسلامی کی شہادت

بانی جماعت اسلامی جناب مودودی لکھتے ہیں :

”جس وقت یہ حضرات (سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی) جہاد کے لیے اٹھے ہیں۔ اس وقت نہایت کسی سے چھپی ہوئی نہ تھی کہ ہندوستان میں اصل طاقت سکھوں کی

نہیں، انگریزوں کی ہے اور اسلامی انقلاب کی راہ میں سب سے بڑی مخالفت اگر ہو سکتی ہے تو انگریز کی ہو سکتی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح ان بزرگوں کی نگاہ دور رس سے یہ پہلوئی او جھل رہ گیا۔ (تجدید و احیائے دین، اشاعت تیرہویں ص ۱۲۸)

جہاں تک سید صاحب اور ان کے رفقاء کی نام نہاد تحریک جہاد کا تعلق ہے، دراصل خالص دہلی سلٹیٹ کی تخلیق و قیام کا بہانہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہوس ملک گیری اور امیر المومنین بننے کا ذوق تھا۔ اس تحریک کو عرب کی دہلی تحریک کا چہرہ کہا جائے، تو غلط نہ ہو گا ان حضرات نے سکھوں سے کم اور پٹھان مسلمانوں سے زیادہ جہاد فرمایا اور انگریزوں میں سے تو ان حضرات کی جنگ وجدل اور جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کرنے کے لیے کئی فتوے دیئے۔

سید احمد بریلوی کے انگریزوں سے تعلقات

”۱۲۳۱ء ہجری تک سید احمد بریلوی، امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک ناموری کا کام اس نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کروادی۔ لارڈ ہسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش ہوا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے بڑی مشکل سے امیر خاں کو شیشہ میں اسرار تھا۔“ (حیات طیبہ ص ۲۸۳ صفحہ حیرت دہلوی)

قارئین کرام! خود فیصلہ فرمائیں کہ جو شخص انگریزوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان صلح کرانے کا کام سرانجام دے رہا ہو، وہ انگریزوں کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے اور اس کا انگریز کا دشمن ثابت کرنا تاریخ کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے۔

مجاہدین تحریک بالاکوٹ کی گزران انگریزی امداد پر

مولوی عبید اللہ سندھی دیوبندی کی یہ یعنی شہادت بھی ملاحظہ فرمائیے :

ایک دفعہ میں سرحد پار سبز کے مقام پر گیا۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں کوئی کرن دکھائی دے، اور ہر چل دیا وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے۔ کسمپرسی کی حالت میں ہے اور اس کی گزران اور زندگی کس طرح صاحبزادہ خاں کی وساطت سے انگریزی حکومت کی مرہون منت ہے۔

(افادات و ملفوظات عبید اللہ سندھی مصنفہ محمد سرور ص ۳۶۲)

سید احمد بریلوی کا انگریزوں سے جہاد کرنے سے روکنا

مشہور اٹل حدیث عبدالرحیم صادق پوری الدر المنشود ص ۲۵۲ پر لکھتے ہیں :

”سید احمد صاحب کی برادریہ روش یہی ہے کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادہ جہاد کرتے تھے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتنا کہ لوگوں کو اس کے مقابلہ سے روکتے تھے۔“

یہ عبارت بتاتی ہے کہ لوگ اس وقت انگریزوں سے آمادہ جہاد تھے، لیکن سید صاحب اپنی محبوب اور امن پسند انگریزی حکومت سے لوگوں کا رخ موڑ کر سکھوں کی طرف کر رہے تھے تاکہ ان کو ہندوستان پر قبضے پر آسانی رہے، وہ لوگ جو سید صاحب کو انگریزوں کا ظاہر کرتے ہیں، وہ سید صاحب کے دشمن تو ہو سکتے ہیں، محبت نہیں، لہذا یہ سید صاحب انگریزوں کے دوست تھے اور یہ سید صاحب کو انگریزوں کے دشمن کی صورت دیتے ہیں۔ یہ سید صاحب نے ظاہر و دہم شاہ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

انگریزوں سے جہاد درست نہیں۔ اسماعیل دہلوی کا فتویٰ

مولوی جعفر تھانی سوانح احمدی ص ۱۷۱ پر لکھتے ہیں :

”یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام گلگتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا صاحب سے فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزوں سے جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے روزگیاں، اور غیر منصف سرکار پر کسی طرح بھی جہاد درست نہیں۔“

انگریزوں کے حملہ آور پر مسلمان کا لڑنا فرض ہے : اسماعیل دہلوی کا فتویٰ مرزا حیرت دہلوی، حیات طیبہ ص ۳۲۳ پر لکھتے ہیں :

”گلگتہ میں جب مولانا اسماعیل صاحب نے جہاد کا وعظ فرماتا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی ہے تو ایک شخص نے دریافت کیا۔ آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا ان پر جہاد کرنا کسی طرح بھی واجب نہیں۔ ایک تو ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرہ بھی دست درازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے، بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آئینہ آنے دیں۔“

مندرجہ بالا عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی ضرورت تھی اور لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ کوئی انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کرے اسی لیے ایک دور بین آدمی نے یہ سوال اسماعیل دہلوی کو انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف توجہ دلانے کی غرض سے کیا۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے مسائل کی اصلی غرض کو سمجھتے ہوئے یہ جواب دیا کہ اگر کوئی انگریزی حکومت پر حملہ

سرحد گئے تو ان کی بیوی بچوں اور املاک کی پوری پوری حفاظت کی اور بعد میں ہندوستان سے جو مالی اور انفرادی اعانت ہوتی رہی، اس میں بھی رخنہ اندازی نہیں کی۔ اگر سید صاحب سرحد میں جا کر انگریزی حکومت سے جہاد کا اعلان کرتے، تو انگریز مجاہدین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ ان کے رشتہ داروں کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے اور جائیداد ضبط کر لیتے، لیکن ایسا نہ ادر سے ہو اور نہ ادر سے کارروائی ہوئی۔

سید احمد بریلوی کو انگریزی حمایت کا حاصل ہونا

آخر میں مولانا محمد میاں دیوبندی کا نقطہ نظر بھی معلوم ہو، شاید قبول حق کی توفیق ہو :

”جب تک اس تحریک کا تعلق انگریزی مقبوضات سے صرف اتنا رہا کہ رگروٹ بھرتی کیے جائیں اور سرمایہ فراہم کیا جائے، تو انگریزی حکومت کے ذمہ داروں نے اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا، بلکہ انگریزوں نے اس کی حمایت کی“

(علماء ہند کا شاندار ماضی حصہ دوم ص ۲۴۱ مصنفہ مولانا محمد میاں)

انگریزوں کا سید احمد بریلوی کی جنگی ضروریات کو پورا کرنا

دیوبندی مکتبہ فکر کی اس سے بڑی شہادت ملاحظہ فرمائیے : جمعیت علماء ہند کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی کتاب ”آب حیات“ جلد دوم ص ۱۴ پر لکھتے ہیں۔

”جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔ کیا دیوبند کے شیخ الحدیث کا بیان جھوٹا ہے؟ کیا انہوں نے عثمان حق کیا ہے؟ یا حقیقت سے بے خبر تھے۔ حق چھپائے نہیں چھپتا۔ ایک روز ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ سید صاحب نے

انگریزوں کی سخت انگریزوں سے اپنے روابط اور تعلقات کو چھپانے کی کوشش کی،

انگریزوں کے جاسوس

محمد امین پانی پتی حاشیہ مقالات سید حصہ شانزدہم ص ۲۵۱ پر لکھتے ہیں :

”جب حضرت سید شہید بہ عزم جہاد صوبہ شدہ اور سرحد کے علاقہ میں

داخل ہوئے جو اس وقت انگریزوں کی عملداری میں نہ تھے، تو ان کے متعلق عام طور پر

یہ خیال کیا کہ یہ انگریزوں کے جاسوس ہیں اور یہ شبہ اس بناء پر کیا گیا کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔

سید احمد بریلوی کے لیے انگریزی کھانا

”اتنے میں دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا

لے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت سید احمد نے

جواب دیا میں یہاں موجود ہوں۔ انگریز گھوڑے پر سے اتر اور ٹوپی ہاتھ میں لیے کشتی پر

پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر

دئے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں۔ آج انہوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ

حضرت سید احمد قافلہ کے ساتھ آج تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں۔ یہ اطلاع پا کر

فروغ آفتاب تک میں کھانے کی تیاری میں مشغول رہا، تیار کرنے کے بعد لایا ہوں۔

سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے۔ کھانا لے کر قافلہ

میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا۔“

(سیرت سید احمد مصنفہ ابوالحسن ندوی حصہ اول ص ۱۹۰)

باب دوم

سید احمد بریلوی کی حکومت کے کارنامے

سید صاحب جب سرحد پہنچے، تو ابتدائے میں سرحدی مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا اور کچھ علاقے پر ان کا قبضہ گیا اور سید صاحب کی حکومت قائم ہو گئی۔ اب سید صاحب کی حکومت کا نقشہ مؤرخین کی زبانی ملاحظہ فرمائیے

مرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ ص ۲۸۱ پر لکھتے ہیں :

”تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی۔ انتظام سلطنت ان مسجد کے ملاکوں کے ہاتھ میں تھا، جن کا جیش سوائے مسجد کے داور سن کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب ان کو حاکم امور سلطنت بنادیا گیا تھا۔“

جناب شیخ اکرام ”موج کوثر“ ص ۳۱ پر لکھتے ہیں :

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا، بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے۔“

اب فاتحانہ تشدد کی مثال بھی ملاحظہ فرمائیں :

مولوی مظہر نے یہ اعلان دے دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رائنڈیں ہیں، سب کے نکاح ہو جانے ضروری ہیں، ورنہ اگر کسی کے گھر میں بے نکاح رائنڈہ گئی، تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔“

(حیات طیبہ ص ۲۸۲ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

یہ ہے فاتحانہ تشدد کا کوئی مظاہرہ یہ معاملہ افہام تقسیم سے بھی ہو سکتا تھا۔ کیا انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اگر ایک عورت نکاح غائبی نہیں کرنا چاہتی تو کیا آپ اس کے مکان کو آگ لگا دیں گے؟ کیا قرآن وحدیث میں ایسا کوئی حکم ہے؟ عیش و نشاط

دلدادہ اور عورتوں کے رسیادہانی مجاہدین نے نکاح غائبی کی آڑ میں کیا کھیل کھیلے، ان کی زبانی سنئے :

سید احمد بریلوی کے نام نہاد غازیوں کا راہ چلتی دوشروں سے زبردستی نکاح مرزا حیرت دہلوی ”حیات طیبہ“ ص ۲۸۰ پر لکھتے ہیں :

”سید صاحب نے صد ہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر فائز فرمایا تھا کہ وہ شرح محمدی کے مطابق عمل درآمد کریں، مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دوشیزہ لڑکیاں جاری ہیں۔ مجاہدین میں سے کسی شخص نے پکڑا اور مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھوایا۔“

تحریک بالاکوٹ کے نام نہاد مجاہدوں کا نوجوان لڑکیوں سے زبردستی نکاح کرنا

یہی مرزا حیرت دہلوی ”حیات طیبہ“ ص ۲۸۱ پر رقمطراز ہیں :

”ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح غائبی ہو، مگر مجاہد زور دے رہے ہیں، نہیں ہونا چاہیے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی حوالہ مجاہد کرتے اور ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔“

تحریک بالاکوٹ کے مجاہدین کی اکثریت کا براہ ہونا

مجاہدین کیسے لوگ تھے؟ یہ سید صاحب کے جاں نثار کی زبانی سنئے :

”مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے، برے بھی کھیلے بھی، بلکہ ایک اندازہ کیا گیا ہے کہ برے زیادہ اور کھلے کم تھے۔“ (حیات طیبہ ص ۲۸۰ مصنفہ مرزا حیرت دہلوی)

سید احمد بریلوی کا پہلا جہاد مسلمانوں سے کرنا

حکیم الامت علماء دیوبند کی شہادت

”سید صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔ سید صاحب نے پہلے اپنا قاصد یار محمد خاں کے پاس بھیجا اور پیغام سنایا۔ اس نے جواب دیا سید صاحب سے کہ دو کیوں عبث جنگ پر آمادہ ہے؟ المختصر لڑائی ہوئی اور یار محمد خاں نے ہزیمت پائی۔“ (ارواح ثلاثہ ص ۱۷۳، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی)

علماء دیوبند کے گھر کی ایک اور شہادت

”مولوی عبدالحی دہلوی، مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے۔ یہ سب حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسکی یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا۔“

(تذکرہ رشید حصہ دوم ص ۷۷، مصنفہ مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبندی)

وجہ قتل شہید یحییٰ نجد

بعض لوگ احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کو شہید بالا کوٹ قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان لوگوں کا قتل کسی جہاد فی سبیل اللہ میں نہیں ہوا۔ ”تاریخ ہزارہ“ ہی اٹھا کر دیکھ لیں۔ ”جرگہ یوسف زئی کے پٹھان جو کہ سکھوں امقابلہ کرنے کے لیے تیار تھے اور مولوی اسماعیل کے حامی ہو چکے تھے۔ ان کے خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ یہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادی دیر سے کرتے تھے۔ مولوی اسماعیل نے خلیفہ سید احمد کو اس کی اطلاع دی، تو خلیفہ صاحب نے ان پٹھانوں پر شرعی حکومت کا زور دے کر بیس لڑکیاں اپنے ہنپانی ہمراہیوں سے بیاہ لیں اور کچھ پٹھانوں کو راضی کر کے دو لڑکیوں سے خود نکاح کر لیا۔ اس معاملہ سے تمام یوسف زئی جرگہ میں مولوی اسماعیل اور سید احمد کے

عینی نفرت پھیل گئی اور ان لوگوں نے سید احمد کی بیعت توڑ دی اور اپنی لڑکیاں واپس لے کر مطالبہ کر دیا مولوی اسماعیل وغیرہ نے انکار کیا۔ پھر سید احمد اور مولوی اسماعیل نے ان پٹھانوں پر کفر کا فتویٰ صادر کر کے ان سے جہاد کرنا فرض قرار دے دیا۔ اوہر پٹھانوں نے تنظیم قائم کر لی۔ اوہر مولوی اسماعیل پٹھانوں سے مقابلے کے لیے نکلا۔ ایک یوسف زئی پٹھان نے ایسی گولی چست کی کہ سب سے اول مولوی اسماعیل ہی کا دل ٹوٹ کر رہا۔ اس کے بعد ہنپانی بھاگ گئے اور پٹھان کامیاب ہو گئے۔“ (تاریخ ہزارہ)

سید احمد بریلوی کا انتظامیہ کے قتل کی وجہ جواں سال لڑکیوں سے زبردستی نکاح ہے۔ روزنامہ ”نوائے وقت“ کی شہادت

مولانا عبید اللہ سندھی کے مطابق سید صاحب کی انتظامیہ کے کارکنوں کا مختلف دیہات میں ایک ہی رات میں موت کے گھاٹ اتارے جانے کا سبب اس علاقہ کی جواں سال بیوہ لڑکیوں کا مجاہدین سے زبردستی نکاح کرنا تھا۔ غلام رسول مرنے جو سید صاحب کے بہت مداح ہیں، ان کی حکومت کی تنگ نظری اور تشدد کے کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ (روزنامہ ”نوائے وقت“ ملتان ۷۷ نومبر ۱۹۷۷ء)

ازالہ غلط فہمی

بعض مصعب لوگ تحریک بالا کوٹ کو برصغیر پاک و ہند کی آزادی کی تحریکوں میں شامل کرتے ہیں اور اس تحریک کو جنگ آزادی کی بنیاد قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بات سراسر غلط ہے بلکہ ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں پر تحریک بالا کوٹ کے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ اس دور میں انگریز کے پیش نظر مسلمان اور سکھ دو بڑی طاقتیں تھیں، جن سے نیرو آزمائی جان جو کھم کا پھیل تھا۔ انگریز نے بڑی عیاری سے سید صاحب کے کام میں انداد کی تاکہ دونوں طاقتیں آپس میں ٹکرا کر ختم یا کمزور ہو

جائیں مسلمان سکھوں سے ٹکرانے کے بعد مذہبی اختلاف کی وجہ سے آپس میں الجھے اور ۱۸۳۱ء بالاکوٹ میں اپنا کام تمام کر لیا۔ اب انگریز کے سامنے صرف سکھ باقی رہ گئے تھے۔ ان سے سرحدی امن کا معاہدہ کیا اور بعد میں دوسرے معاہدے کے تحت پنجاب پر قبضہ کر لیا جو ڈیڑھ سو سال تک قائم رہا۔ سید صاحب کی تحریک سے انگریزوں کو فوری فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور سکھوں کی توجہ انگریز سے ہٹ کر ایک دوسرے پر لگ گئی اور انگریزوں کو چیر جانے کا موقع مل گیا۔

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کی شہادت

”جناب خلیق احمد نظامی نے ”۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ“ کے دیباچہ میں ص ۱۵ پر سر سید احمد خاں مرحوم کے یہ چند فقرے نقل کر کے اور ان کی تائید میں ہنر کے بے جیاد الزامات کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف پیدا ہونے والی تحریکوں کے بانی دراصل حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید ہی تھے اور ۱۸۵۷ء میں جو کچھ ہوا، وہ ان دونوں حضرات کی تبلیغ کا نتیجہ تھا، مگر اس بیان کا حقیقت سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل صاحب کی عملی زندگی سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے، چنانچہ ان حضرات کے انگریزوں سے جیسے تعلقات اچھے تھے، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔“ (مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۳۱۸)

”سید صاحب اور شاہ صاحب نے جو کام نہیں کیا اور جس کے کرنے کا نہ کبھی اظہار کیا اس کو خواہ مخواہ ان کے ذمے لگانا تاریخ کے ساتھ ظلم کرنا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد ہر مذہبی جماعت اپنے اپنے کار کو انگریز دشمن ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ یہی جذبہ شاہ صاحب اور سید صاحب کو انگریز دشمن ثابت کرنے کے لیے مجبور کر رہا ہے۔“ (مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۳۱۹)

اموال

قدکین کرام! آپ اب سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تحریک کی دوسری غایت سے غولی واقف ہو چکے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھرے۔ بے شک تاریخی حقائق سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ سید احمد بریلوی کی تحریک کا آزادی کی تحریکوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور ان کی تحریک کے نتیجے میں ہندوستان میں انگریزوں کے قدم پہلے سے زیادہ جم گئے، لیکن آج کا جدید تعلیم یافتہ اہل حق سید احمد بریلوی کو مجاہد فی سبیل اللہ اور ان کی تحریک کو تحریک جہاد کیوں سمجھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب ہمارے ارباب قلم کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے؟

ہمارے ارباب قلم صرف اور صرف سید احمد بریلوی سے فکری اتحاد کی وجہ سے تحریک بالاکوٹ کو تحریک جہاد کا نام دیتے رہے۔ غلام رسول مرحوم رخ ہونے کے ساتھ سید احمد بریلوی سے فرط عقیدت کے جذبات بھی رکھتے ہیں۔ اس عقیدت کو حال رکھنے کے لیے محض قیاس اور دروغ نویسی سے بھی گریز نہیں کیا۔ چنانچہ غلام رسول مرحوم ”افادات مر“ ص ۳۱ پر خود رقم طراز ہیں:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں۔ اگرچہ وہ بعض سابقہ روایات اور توجہات کے مطابق نہ ہوں۔“

مر صاحب نے سب سے پہلے سید احمد بریلوی کا تاریخی پھر شرعی مجسمہ تیار کر کے نئی پود کے سامنے رکھا اور اس کا تصور دل و دماغ میں بسانے کے لیے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے کورس میں شامل کروایا جس کے نتیجے میں جدید تعلیم یافتہ حضرات سید احمد بریلوی، کو مجاہد فی سبیل اللہ کا خطاب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سید صاحب کے سارے سوانح نگاروں میں مر صاحب ہی ایسے ہیں جنہوں نے یہ نکتہ اٹھایا کہ وہ انگریزوں سے لڑنا چاہتے تھے، سکھ تو ویسے ہی آگئے۔

باب سوم

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء دیوبند کا کردار

اکابر علماء دیوبند نے جنگ آزادی میں بھی اپنی سابقہ روایات پر عمل کرتے ہوئے ملک و ملت سے غداری اور انگریز دوستی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اکابر علماء دیوبند نے جنگ آزادی میں کیسے ثبوت دیا، اس کا اندازہ آئندہ کے چند حوالوں سے بخوبی ہو جائے گا۔ ہوا یوں کہ کسی مہتر نے ذاتی دشمنی کی بناء پر مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی (بانی دارالعلوم دیوبند) کے باغی ہونے کی مہتری کر دی۔ اس سے آگے علماء دیوبند کے سرکردہ آدمی مولوی عاشق الہی میرٹھی کی زبانی سینے :

مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانی دارالعلوم دیوبند محمد قاسم نانوتوی کا اپنی مہربان سرکار (انگریزی) کا دلی خیر خواہ ہونا

”یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے، مگر دشمن کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی اور مفسد و سرکاری خطا کار ٹھہرا رکھا تھا، اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی، مگر حق تعالیٰ کی حفاظت برسر تھی اور اس لیے کوئی آئینہ آنی اور جیسا کہ آپ حضرات (مولوی رشید احمد گنگوہی، محمد قاسم نانوتوی) اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست خیر خواہ ہی ثابت رہے“ (تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۷۷ مصنفہ مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبند)

اس سے آگے مولوی عاشق الہی میرٹھی لکھتے ہیں :

”آپ کوہ استقلال سے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں، تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی ہیکانہ ہو گا اور اگر میرا بھی گیا، تو سرکار مالک ہے، اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔“

(تذکرۃ الرشید جلد دوم ص ۸۰)

اکابرین دیوبند کا انگریز کے باغیوں سے لڑنا

حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (نانوتوی) اور طبیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب دینیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ ہندوؤں سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما دیر جتنا اپنی سرکار (انگلشیہ) کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگے اور ہٹ جانے والا نہ تھا، اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پراجہ کرڈٹ گیا اور سرکار انگلشیہ پر جاں نثاری کے لیے تیار ہو گیا..... چنانچہ آپ پر فائرنگ ہوئی اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر شہید ہو گئے (تذکرۃ الرشید جلد اول ص ۷۷ مصنفہ مولوی عاشق الہی میرٹھی دیوبند)

مذکورہ بالا حوالہ جات کے بعد عقل سلیم رکھنے والے شخص سے جنگ آزادی میں علماء دیوبند کا کردار چھپا ہوا نہیں رہ جاتا، بلکہ یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ انگریز کے بچے اور بچے وفادار بلکہ جاں نثار تھے اور علماء دیوبند کے پیرو مرشد انگریز کا حق ملک ادا کرتے کرتے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

محمد میاں نازم جمعیت علماء ہند کا کھلا اعتراف

دوسری تنظیم جو اس تحریک کے زمانے میں موجود تھی، وہ تنظیم ہے جس کو وہابی تحریک کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، جس کا مرکز صادق پور تھا۔ یہ تنظیم ”جمعیت تنظیم تحریک سے الگ رہی، بلکہ اگر مولانا عبد الرحیم صاحب مصنف ”الدر المنشور“ کا قول صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو یہ تنظیم ۱۸۵۷ء کی تحریک کے مخالف رہی۔“

(علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم، ص ۲۱۳)

قارئین کرام! وہابیوں و دیوبندیوں کا اپنا آدمی واضح الفاظ میں اس بات کا اعلان

کر رہا ہے کہ وہابی حضرات کی اکثریت ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے مخالف رہی۔

تحریک پاکستان اور علماء دیوبند

علماء دیوبند مجموعی طور پر تحریک پاکستان کے مخالف اور گاندھی کی سیاست کے پیروکار رہے ہیں۔ مولوی حسین احمد مدنی، مولوی محمود الحسن، ابو الکلام آزاد، عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی، مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی، مولوی کفایت اللہ، مولوی احمد سعید وغیرہ نے جس شد و مد سے تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور گاندھی جیسی نقطہ نظر کی حمایت کی، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مسلم لیگ کی طرف جب ان لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آپ بھی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ مل جل کر آزادی وطن کی کوشش کی جائے، تو علماء دیوبند نے اتنی زیادہ رقوم کا مطالبہ کیا کہ جس کے ادا کرنے سے مسلم لیگ قاصر تھی۔

ادارہ دیوبند کا مسلم لیگ کی حمایت کے لیے پچاس ہزار روپے طلب کرنا خواجہ رضی حیدر (کراچی) "قائد اعظم کے ۷۲ سال" میں لکھتے ہیں:

"ان اجلاسوں (۱۹۳۶ء) سے مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور انہوں نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات مسلم لیگ کے لیے پیش کر دے گا۔ ہر ٹیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لیے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی، جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی۔ اس لیے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لیے صرف قومی جذبے کے پیش نظر کام کیا جائے۔"

مرزا ابوالحسن اصفہانی کی شہادت

مرزا اصفہانی "قائد اعظم میری نظر میں" لکھتے ہیں:

ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلنے

لگے۔ گاندھی جی کی رائے پر چار کرنے لگے جو ظاہر ہے ان کے مالی تقاضے پورے نہیں کیے گئے۔

علماء دیوبند کی اکثریت کا مسلم لیگ و قائد اعظم کو گالیاں دینا

قائد ابوالوی کی شہادت

"نوائے وقت" کے کالم نگار اور شاعر و قارئین ابوالوی لکھتے ہیں:

"علماء دیوبند کی اکثریت باوجود غالب اکثریت حضرت قائد اعظم سے سوء

ظن تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کے سوا سبھی مخالفت کا اظہار کرتے رہے۔۔۔ سبھی مسلم

لیگ اور قائد اعظم کا نام لے کر ایسی جلی کٹی سناتے جو کسی غیر مسلم کے منہ میں بھی

آب نہ دیتی۔ مثال کے طور پر قائد اعظم کو انہی ہزرگوں نے کافر اعظم کہا۔"

(روزنامہ نوائے وقت ۱۹ جنوری ۱۹۷۹ء)

تحریک پاکستان میں ابوالکلام آزاد کا کردار

"مولانا ابوالکلام نے تحریک پاکستان میں کانگریس کا ساتھ دیا اور انہوں نے

ہندو مسلم اتحاد کے لیے چوٹی کا زور صرف کر دیا۔ ۱۹۳۱ء میں جب مولانا آزاد کی تفسیر

چھپ کر آئی، تو اس وقت تک وہ بکے قوم پرست من چکے تھے۔ انہوں نے یہ تفسیر بھی

گاندھی کی پالیسیوں اور گاندھی جی کی نظریات کو قرآن کے مطابق ثابت کرنے کے لیے

لکھی۔ یہی وجہ ہے کہ مصعب ہندو (جسے قرآن کی تفسیر سے کوئی غرض نہیں ہو سکتی)

گاندھی نے اس تفسیر کے بعض حصوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ اس حقیقت

کو خود گاندھی کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۳۱ء میں ایک

تقریر کے دوران کہا:

”مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایک ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات و خلاص کو اپنے پیروں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے ہی اندر بنائے، لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے، تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے، لہذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام شائع کر دیا ہے۔ (مسلم انڈیا راکاش برنی مطبوعہ سنار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور ص ۱۳۵)

ابو اکام آزاد اویب و صحافی ہونے کے ساتھ مفسر قرآن بھی تھے، لیکن کانگریس پر اسے عاشق ہوئے کہ ان کی تفسیر بھی ”گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ“ ہو کر رہ گئی، بقول اکبر الہ آبادی مرحوم :

یہ کانگریسی ماں میں تم کو بتاؤں کیا ہیں
گاندھی کی پالیسی کے عربی میں ترجمہ ہیں
علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بھی غائبانہی پس منظر میں کتنے درد سے فرمایا :
”ادکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تداول سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاؤند
تحریک پاکستان کے ایک تخلص کارکن مولانا ظفر علی خاں، ابو اکام کے متعلق فرماتے ہیں
جہاں اسلام کا نام آئے، تو خاموش رہتا ہے
قسم ہے مجھ کو اے آزاد تیری دعا الکلای کی
تحریک پاکستان میں حسین احمد مدنی دیوبندی کا کردار

”مولوی حسین احمد مدنی نے کہا : ”قومیں لو طمان سے بستی ہیں“ یعنی ایک وطن میں رہنے والے خواہ وہ مسلمان یا ہندو اور سکھ، ایک ہی قوم ہیں۔ علامہ اقبال علیہ

الرحمہ نے اس نظر یہ کو غیر اسلامی قرار دیا اور اپنے عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا
”میں ہندو نہ اندر رموز دیں ورنہ حسین احمد دیوبندی لکچر ہوا عجیبی است
دور سر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بگو نرسیدی تمام بولہبی است
مولوی حسین احمد مدنی کے متعلق مولانا ظفر علی خاں چمنستان ص ۷۷ پر
فرماتے ہیں :

”حسین احمد سے کہتے ہیں خوف ریزے مدینے کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سنگم کے موتی پر
قارئین کرام! مسلم لیگ کے متعلق مولانا حسین احمد مدنی کے ارشادات
عالیہ سن لیں تاکہ ان کی کانگریس نوازی آپ پر بھی واضح ہو جائے۔
”لیگ ایک طرف زور و شور سے علماء کے اقتدار کو منانے کے لیے پیدا
اٹھائے ہوئے ہے۔ علی الاعلان مجامع میں آواز کس رہی ہے۔ مشرقی اور اس کی جماعت
”مولوی کے ایمان“ کے نام سے اہل دین سے انتہائی نفرت پھیلا رہی ہے۔ مودودی
صاحب اور ان کے ہم نوا کس زور سے حملہ کر رہے ہیں۔ قادیانی ایک طرف زہریلی
بیس پھیلا رہے ہیں۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۹۰ طبع دیوبند)
”ان کے نکل جانے کی وجہ سے لیگ میں جان باقی نہیں رہی تھی۔ موجودہ
ناصر کا دیوبند تقریباً امن سبھا کا ممبر اور گورنمنٹ کا کلکٹر پڑھنے والا تھا۔ ہم نے اسی
نام پر کبھی لیگ کا رخ نہیں کیا۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۱۳ طبع دیوبند)
مولوی حسین احمد مدنی کہتے ہیں

”انگریز کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ لڑو اور حکومت کرو۔ اسی اصول پر عمل کرنا ہوا اور نکاح سے قبل پونہ میں چھ ماہ یا اس سے زائد بغیر نکاح کے ایک ہوٹل میں برآمد کے ذریعے اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور آج تک کیے ہوئے ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں جمع ہو کر کورٹ شپ کرتے رہے۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۲۲)

جیاد پر اس نے کانگریس کے مقابلے میں ۱۹۰۶ء میں لیگ اور مہاسیجہ کی بنیاد ڈالی۔“

(ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۷۶)

قارئین دیکھئے! مولوی حسین احمد مدنی کیسے عجیب و غریب انکشافات فرما رہے ہیں اور ان کے نزدیک مسلم لیگ ساختہ انگلینڈ تھی۔ آگے لکھتے ہیں

”کیا لیگ کو ہائی کمان اور اعلیٰ عہدیداروں کو اسلام اور مذہب سے قریب کا تو درکنار، دور کا بھی واسطہ رہا ہے یا اب موجود ہے۔ کیا لیگ کے علماء میں کلیت یا اکثریت متخلص غیور لوگوں کی ہے یا خود غرضوں اور جاہ پرستوں کی وزارت اور عہدوں کے بھوکوں کی۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۷۷ طبع دیوبند)

مولوی حسین احمد مدنی کے نزدیک مسلم لیگ بے دینوں اور بے غیرتوں کی جماعت تھی، اس لیے تو انہوں نے مسلمانوں اور پنڈتوں، دوسرے لفظوں میں بے طمع، نیک، متقی لوگوں کی جماعت کانگریس میں شمولیت فرمائی تھی۔

علماء دیوبند کے پیشواؤں نے قائد اعظم کے ناموس پر بڑے ظالمانہ انداز میں یلغار کی ہے۔ اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے دل درد میں ڈوب جاتا ہے۔ قلم ہوا گلے لگتا ہے، مگر کیا کریں ان کی دریدہ دہائی نے ہم سے وہ بھی لکھوایا، جو ہم لکھنا نہیں چاہتے تھے:

”جو امور ڈاکٹر خان، عبدالغفار خاں، یونس خان کے جناب نے ذکر فرمائے

ہیں، یقیناً موجب صد ہزار افسوس ہیں، مگر ذرا دھرم بھی تو نظر دوڑائیے خود قائد اعظم

نے سول میرج پر ۱۹۱۷ء میں یا اس کے قریب اپنا نکاح ایک پارسی لڑکی سے کیا۔ پھر ان

کی بیٹی نے ۱۹۲۳ء میں سول میرج پر ایک عیسائی کے ساتھ اپنا نکاح بمبئی میں ایک

”انگریز کا ہمیشہ سے یہ اصول رہا ہے کہ لڑو اور حکومت کرو۔ اسی اصول پر عمل کرنا ہوا اور نکاح سے قبل پونہ میں چھ ماہ یا اس سے زائد بغیر نکاح کے ایک ہوٹل میں برآمد کے ذریعے اس نے ہندوستان پر قبضہ کیا اور آج تک کیے ہوئے ہے۔ اسی اصول کی روشنی میں جمع ہو کر کورٹ شپ کرتے رہے۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۲۲)

جیاد پر اس نے کانگریس کے مقابلے میں ۱۹۰۶ء میں لیگ اور مہاسیجہ کی بنیاد ڈالی۔“

(ملفوظات شیخ الاسلام ص ۱۷۶)

قارئین دیکھئے! مولوی حسین احمد مدنی کیسے عجیب و غریب انکشافات فرما رہے ہیں اور ان کے نزدیک مسلم لیگ ساختہ انگلینڈ تھی۔ آگے لکھتے ہیں

”کیا لیگ کو ہائی کمان اور اعلیٰ عہدیداروں کو اسلام اور مذہب سے قریب کا تو درکنار، دور کا بھی واسطہ رہا ہے یا اب موجود ہے۔ کیا لیگ کے علماء میں کلیت یا اکثریت متخلص غیور لوگوں کی ہے یا خود غرضوں اور جاہ پرستوں کی وزارت اور عہدوں کے بھوکوں کی۔“ (ملفوظات شیخ الاسلام ص ۷۷ طبع دیوبند)

مولوی حسین احمد مدنی کے نزدیک مسلم لیگ بے دینوں اور بے غیرتوں کی جماعت تھی، اس لیے تو انہوں نے مسلمانوں اور پنڈتوں، دوسرے لفظوں میں بے طمع، نیک، متقی لوگوں کی جماعت کانگریس میں شمولیت فرمائی تھی۔

علماء دیوبند کے پیشواؤں نے قائد اعظم کے ناموس پر بڑے ظالمانہ انداز میں یلغار کی ہے۔ اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے دل درد میں ڈوب جاتا ہے۔ قلم ہوا گلے لگتا ہے، مگر کیا کریں ان کی دریدہ دہائی نے ہم سے وہ بھی لکھوایا، جو ہم لکھنا نہیں چاہتے تھے:

”جو امور ڈاکٹر خان، عبدالغفار خاں، یونس خان کے جناب نے ذکر فرمائے

ہیں، یقیناً موجب صد ہزار افسوس ہیں، مگر ذرا دھرم بھی تو نظر دوڑائیے خود قائد اعظم

نے سول میرج پر ۱۹۱۷ء میں یا اس کے قریب اپنا نکاح ایک پارسی لڑکی سے کیا۔ پھر ان

کی بیٹی نے ۱۹۲۳ء میں سول میرج پر ایک عیسائی کے ساتھ اپنا نکاح بمبئی میں ایک

رکھا ہے کہ بچے گاندھی نے جشن دیوبند کے شرکاء کو تین روز تک کھانا دیا جو پلاسٹک کے ٹھافوں میں بند تھا۔ (کتنے شرم کی بات ہے کہ ہندو عورت کی صدارت کرائی جائے اور ان کا کھانا کھایا جائے) (روزنامہ امروز ۱۹ اپریل ۱۹۸۰ء)

مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی دیوبندی

”مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی میرٹھ میں ایک دفعہ اس قدر جوش میں آئے کہ دانت بیس کر لینے لگے: ”دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت اور ظفر (مولانا ظفر علی خاں) جو اہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جاسکتے ہیں۔“

(چمنستان ص ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خاں)

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری

عطاء اللہ شاہ بخاری بھی کانگریسی تھے اور انہوں نے مکمل طور پر تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور وہ ہندو دوستی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ۔

”دیناج پور جیل میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنا نام پنڈت کرپارام برہمچاری رکھ لیا تھا۔“ (کتاب عطاء اللہ شاہ بخاری ص ۷۳)

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے امر وہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے، وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں۔“ (چمنستان ص ۱۶۵ از مولانا ظفر علی خاں)

”عطاء اللہ شاہ بخاری نے پسرور کانفرنس ۱۹۴۶ء میں کہا کہ پاکستان کا بدنام تو بڑی بات ہے۔ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔“

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۸۸۳)

مولانا ظفر علی خاں نے امیر الاحرار عطاء اللہ شاہ بخاری کی یوں دھجیاں لڑائی ہیں۔

ہندوؤں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے

گندہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے

پانچ سکھوں کا ہے پابند شریعت کا امیر

اس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھکار سے ہے

آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل

سب یہ ذلت اسی طبقہ غدار سے ہے

(چمنستان ص ۴)

احرار کا جنازہ

اللہ کے قانون کی پہچان سے ہزار اسلام اور ایمان، احسان سے ہزار

ناموس پیغمبر کے نگہبان سے ہزار کافر سے حوالات، مسلمان سے ہزار

اسی پر ہے دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار

پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

جا کے کہے ان سے کوئی اللہ کا بندہ جب دین کی حرمت کا گلے میں نہیں پھندا

اور شرع کی تذلیل ہے احرار کا دھندا پھر کہیں ہیں مسلمانوں سے چندے کے طلبگار

پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

سو جھی ہے شہداء پر انہیں مردار کی پھبتی سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی

توحید کے بیٹا! یہ ہے احرار کی پھبتی گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار

پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

اللہ کے گھر کوئی ڈھارے تو یہ خوش ہیں مسجد کے نشان کوئی مٹا دے تو یہ خوش ہیں

مسلم کا کوئی خون بہا دے، تو یہ خوش ہیں لاہور میں آثار قیامت ہیں نمودار

پنجاب کے احرار، اسلام کے غدار

ایک دفعہ مسلم لیگ اور کانگریس کے سٹیج قریب قریب لگے ہوئے تھے اور کانگریس کے سٹیج پر عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کر رہے تھے اور مسلم لیگ سٹیج پر حضرت شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی تقریر کر رہے تھے۔ لوگ عطاء اللہ شاہ بخاری کے سٹیج کو چھوڑ کر مسلم لیگ کے سٹیج کی طرف آنے لگے، تو اس موقع پر مسلم لیگ سٹیج پر مولانا ظفر علی خاں موجود تھے۔ آپ نے وہاں ایک رباعی کہی۔

ہوں آج سے مرید میں عبدالغفور کا چشمہ اہل رہا ہے محمد کے نور کا
ہند اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ سو اس سے کیا مقابلہ ہو اس بے شعور کا
تحریک پاکستان میں جمعیت علماء ہند کا کردار

جمعیت علماء ہند اگرچہ بڑے بڑے بالغ نظر لوگوں پر مشتمل تھی لیکن سیاسیات میں وہ آخر دم تک حتیٰ کہ انتقال اقتدار اور تقسیم اقتدار جیسے اہم اور نازک مسائل میں بھی اس کی آواز ہندو کے نعرہ مستانہ کی صدائے بازگشت ثابت ہوئی۔

اس نے بھی ہندو کی دلدادگی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی۔ لاہور کی شاہی مسجد رام بھج دت چودھری اور دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شر دھانند اس دلدادگی کی وجہ سے منبر امامت پر جبار ابے تھے۔ اگرچہ اس مقام و منصب کے وہ نہ تو کسی طرح اہل تھے نہ حقدار۔“ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۷ جولائی ۱۹۷۸ء)

علماء دیوبند کی مسلم لیگ کی مخالفت کے متعلق چودھری

حبیب احمد کی شہادت

مولوی حبیب الرحمن اور عطاء اللہ شاہ بخاری نے قائد اعظم کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزیدوں سے تشبیہ دی۔“ (تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۸۸۳)

مشہور مورخ جناب رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں ”جمعیت العلماء اور خاکسار اور دیگر جماعتوں نے مسلم لیگ کے خلاف ایک محاذ بنالیا تھا۔ دیوبند کے طلباء کی حمایت مولانا حسین احمد مدنی کی سربراہی میں شہر شہر اور قریہ قریہ گشت کر رہی تھی، یہاں موقع ملتا مولانا آواز بھی وہاں پرواز کر کے پہنچ جاتے۔ غرض تفریق بین المسلمین اور تلمذِ جمعیت شوکت موئین میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا گیا۔ ان کا کوئی عظیم الشان جلسہ ایسا نہ ہوا جس میں مسلم لیگ اور قائد اعظم کو ایک ایک منہ سو سوا گالیاں نہ دی گئی ہوں۔“ (آزادی ہند ص ۱۶)

مفتی محمود اور ان کے لڑکے فضل الرحمن کا کھلا اعتراف

قارئین کرام! آج کل علماء دیوبند کی ذریت اس بات پر مصر ہے کہ تحریک پاکستان میں ان کے اکابرین نے بڑا کام کیا تھا اور پاکستان انہی کے اکابرین کی کوششوں کے نتیجے میں بنا۔ مفتی محمود اور ان کے لڑکے فضل الرحمن نے کھلے انداز میں تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے کا اعتراف کر کے علماء دیوبند پر تحریک پاکستان کی حمایت کا الزام لگانے والوں کا منہ بند کر دیا ہے روزنامہ نوائے وقت ۷ جولائی ۱۹۸۵ء لکھتا ہے۔

”جمعیت العلماء اسلام کے ایک گروپ کے لیڈر مولانا مفتی محمود کے فرزند دلہند مولانا فضل الرحمن اطفال اللہ عمرہ نے ملتان میں قومی کونسل برائے شہری آؤلوی کے کونفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تاریخ میں دودفعہ اسلام کے نام پر دھوکہ کیا گیا ہے۔ پہلی بار تو تحریک پاکستان میں اسلام کے نام پر برطانوی ہند کے دس کروڑ مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا اور تین پھر اسلام کے نام پر دھوکہ دیا جا رہا ہے اور پرانی روایت دہرائی جا رہی ہے۔ مولانا فضل الرحمن کے والد نے یہاں تک کہ دیا تھا کہ الحمد للہ ہم پاکستان بنانے کی غلطی میں شامل نہیں تھے۔“ اس کے علاوہ ترجمان اسلام ۷ جون ۱۹۶۶ء نے لکھا ہے کہ مفتی محمود کا قول موجود ہے۔ ”ہم تحریک پاکستان کے حق میں نہ تھے۔“

باب پنجم

علماء دیوبند اور انگریزوں کی مالی امداد

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا انگریزوں سے تنخواہ پانا

دیوبندی شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی جمعیت علماء ہند کے وفد کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

”دیکھیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس بات کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔“ (مکالمۃ الصدرین ص ۱۶ مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی و مصدقہ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

مولوی اشرف علی تھانوی کا اپنا بیان

”ایک شخص نے مجھ (اشرف علی تھانوی) سے دریافت کیا تھا کہ اگر تمہاری حکومت ہو جائے، تو انگریزوں سے کیا ہتھ کرو گے، میں نے کہا محکوم ہونا کر رکھیں گے، کیونکہ جب خدا نے حکومت دی ہے، تو محکوم ہونا کر ہی رکھیں گے، مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا، اس کے لیے کہ انہوں نے ہمیں بہت آرام پہنچایا ہے۔“ (الافاضات الیومیہ حصہ چہارم ص ۶۹)

تبلیغی جماعت اور انگریزی وظیفہ

”مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہادی ناظم اعلیٰ جمعیت علماء ہند نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب کی تبلیغی تحریک کو بھی لہذا حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب پچھ روپیہ ملتا تھا۔“ (مکالمۃ الصدرین ص ۱۳، مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی) مدرسہ دیوبند کا کردار

۳۱ جنوری ۱۹۷۷ء بروز یک شنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خطیہ معتقد انگریز مسی پامر نے اس مدرسہ (دیوبند) کو دیکھا، تو اس نے، نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا، اس کے معائدہ کی چند سطور درج ذیل ہیں:

”جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپوں کے صرف سے ہوتا ہے۔ وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پر ٹیل ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے، وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں، بلکہ موافق سرکار و معاون سرکار ہے۔“ (کتاب مولانا احسن نانوتوی دیوبندی ص ۲۱)

علماء دیوبند کے گھر کی ایک اور شہادت

مدرسہ دیوبند کے کارکنوں اور مدرسین کی اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی، جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پشتر تھے، جن کے بدلے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔“ (سوانح قاسمی جلد دوم ص ۲۳)

جمعیت علماء اسلام کو انگریزی امداد

جمعیت علماء ہند کا جو وفد مولوی شبیر احمد عثمانی کے پاس اس غرض سے آیا تھا کہ انہیں بھی کانگریس میں شامل کیا جائے۔ اس کے رکن مولانا حفظ الرحمن صاحب

سیوہاروی تاظم جمعیت علماء ہند کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا۔

”کلکتہ میں جمعیت العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی تھی۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیت علماء ہند کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ گفتگو کے بعد طے ہوا کہ گورنمنٹ (برطانیہ) ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے، چنانچہ ایک پیش یہار قم منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالے بھی کر دی گئی اس انگریزی روپیہ سے کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کا کام شروع کیا گیا۔ مولوی حفظ الرحمن سیوہاروی صاحب نے کہا کہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرماتا چاہیں، تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔“ (مکالمہ الصدرین، مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی و مصدقہ مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

اکابرین دیوبند کا کانگریس سے روپیہ لینا

ہفت روزہ چٹان جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۱۶، اپریل ۱۹۵۱ء زیر عنوان ”بوائے گل نالہ دل دود چرائی محفل“ قسط نمبر ۷۱۰ کے اقتباسات میں سے ایک ملاحظہ ہو۔ ان اقتباسات میں ایڈیٹر ”چٹان“ جناب شورش کاشمیری نے اس روپیہ کا ذکر کیا ہے جو احراری لیڈر، یونائٹڈ حکومت اور کانگریس سے حاصل کرتے رہے۔

”جہاں تک کانگریس کے روپے کا تعلق ہے، وہ تو خود مولانا حبیب الرحمن کے علم میں ہے، بلکہ پچاس ہزار روپے قسط دلوانے کے حصہ دار آپ تھے۔ رہا یونینسٹ پارٹی کے روپے کا سوال تو میرا مخبر تمام کاغذات شاہ جی یا مولانا غلام غوث ہزاروی کو دھانے کے یہ تیار ہے۔ ان کے سوا وہ کسی کو بھی کاغذ دکھانے کے حق میں نہیں۔ وہ سب کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہے۔ وہ ایک سرکاری ملازم ہے، میں اس کا نام بتانے کو تیار نہیں، البتہ شاہ جی اور مولانا غلام غوث ہزاروی چاہیں تو وہ ان سے ملنے کو تیار ہے۔“

باب ششم

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلوی پر الزام کی حقیقت

موجودہ دور کے دیوبندی حضرات اپنے اکابر کی انگریز دوستی اور انگریزوں سے امداد لینے پر پردہ ڈالنے کے لیے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلوی پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے دارالسلام ہونے کا فتویٰ دیا، اس لیے وہ انگریز کے ایجنٹ ٹھہرے۔

قارئین کرام! یہ ایک خالص فقہی مسئلہ ہے اور اکثر فقہاء اسی طرف گئے ہیں کہ ہندوستان دارالسلام ہے، چنانچہ اکابرین دیوبند بھی اسی طرف گئے ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی

”ہندوستان نہ تو صاحبین کے قول پر دارالحرب ہے..... اور نہ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول پر دارالحرب ہے۔“ (تحدیر الاخوان ص ۸ مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی) ”ترجیح ہندوستان کے دارالسلام ہونے کو دی جائے گی۔۔۔ اس صورت میں بھی ہندوستان دارالسلام ہوگا۔“ (تحدیر الاخوان ص ۹)

(امام اعظم ابو حنیفہ) نے جو دارالحرب کی تعریف کی ہے، اس کا ہندوستان پر صادق آنا محل نظر ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے پاس دارالحرب ہونے کی یہ شرط ہے کہ کوئی حکم مسلمانوں کا باقی نہ رہے اور یہاں (ہندوستان) میں بہت سے احکام مسلمانوں کے جاری ہیں۔ (تحدیر الاخوان ص ۲۰، مصنفہ مولوی اشرف علی تھانوی) ”ہندوستان کو بہت سے علماء نے دارالسلام کہا ہے۔“ (تحدیر الاخوان ص ۲۰)

مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ

سوال: ”ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالسلام ہے، مدلل ارقام فرمائیں؟“

جواب: ”دارالحرب ہونا ہندوستان کا مختلف علماء حال میں ہے اکثر دارالسلام کہتے ہیں اور بعض دارالحرب کہتے ہیں، مدہ فیصلہ نہیں کرتا۔“

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۷ جلد اول مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوہی)

مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

”ہمارے دارالسلام کے اس ملک میں غیر اسلامی حکمرانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو چکا تھا۔“ (سوانح قاسمی جلد اول ص ۴۲ مصنفہ مولوی مناظر احسن گیلانی دیوبندی)

(نوٹ) سوانح قاسمی، مولوی محمد قاسم نانوتوی کی سوانح حیات ہے جو مولوی مناظر احسن گیلانی مؤلفہ ہے۔ صدر مدرسہ دیوبند مولوی حسین احمد مدنی کی مصدقہ ہے اور قاری محمد طیب کے ایماء پر چھپی ہے۔

مولوی عبدالحی لکھنوی دیوبندی کا فتویٰ

مخفی نمائند کہ بلاد ہند کہ در قبضہ نصاریٰ اند و دارالسلام مستند چہ اگرچہ در الہا احکام کفر جاری اند مع ہذا احکام اسلام ہم خصوصاً اصول و ارکان اسلام جاری اند۔“

(مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد اول)

مولوی محمود الحسن دیوبندی کا فتویٰ

مولوی حسین احمد مدنی کانگریسی صدر مدرسہ دیوبند ”سفر نامہ شیخ الہند“ میں لکھتے ہیں۔

”ایک شخص نے مولوی محمود الحسن دیوبندی سے پوچھا کہ ہندوستان

دارالحرب ہے یا دارالسلام؟“ مولانا محمود الحسن نے فرمایا: ”علماء نے آپس میں اس میں اختلاف کیا ہے، اس نے کہا: آپ کی رائے کیا ہے؟“ مولانا نے کہا: ”میرے نزدیک دونوں ٹھیک ہیں۔“ (سفر نامہ شیخ الہند ص ۱۶۶)

قارئین کرام! مقام غور ہے کہ اگر مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمود الحسن دیوبندی، مولوی حسین احمد مدنی یہ سب کے سب ہندوستان کو دارالسلام کہہ دیں تو دیوبندی حضرات ان پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا الزام نہیں لگاتے۔ اگر یہی بات امام احمد رضا بریلوی کہہ دیں، تو وہ انگریز کے ایجنٹ ہو جائیں، کتنی الٹی سمجھ ہے؟

اعلیٰ حضرت بریلوی کے فتویٰ کا سیاسی پسلو

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کا ہندوستان کو دارالسلام قرار دینا علمی و تحقیقی لحاظ سے صحیح و صواب ہونے کے علاوہ سیاسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کی بہتری کا سامان تھا اور ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے بعض دیوبندی علماء کا نظریہ مسلمانوں کی تباہی و انگریز کی تقویت کا باعث تھا۔

ماہنامہ فاران، کراچی، مئی ۱۹۶۵ء مدبر ماہر القادری دیوبندی، رقمطراز ہے۔

”انگریز کے دور میں ہندوستان کے بعض علماء جن میں علماء دیوبند کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا کہ یہاں کے مسلمان ہجرت کر کے کسی دارالسلام میں چلے جائیں۔ اس فتویٰ کے جو پریشان کن نتائج سامنے آئے، اس کا حال جناب ظفر حسن ایم۔ اے سے سنئے: جو اپنی دیانتداری اور انگریزوں کے خلاف عمل باغیانہ جدہ جہد میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔“

ظفر حسن ایم اے لکھتے ہیں۔

”ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں سادہ لوح مسلمان اپنے گھر بار سے محروم ہوئے۔ افغانستان پر مالی بوجھ پڑا۔ ہندوستانی مسلمان افغانوں سے اور وہ ہندوستانی مسلمانوں سے کبیدہ خاطر ہوئے۔ اگر کسی نے فائدہ اٹھایا، تو وہ انگریز تھے۔“ (ماہنامہ فاران، کراچی، مئی ۱۹۶۵ء)

قارئین کرام! ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے علماء نے عوام کو تو ہندوستان سے ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا اور ان کی باتوں میں آکر سادہ لوح عوام میں سے بعض نے ہجرت بھی کی، لیکن فتویٰ دینے والے علماء سے کسی ایک نے بھی ہجرت نہ کی۔ تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون میں علماء اہل سنت

اور علماء دیوبند کا کردار

تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف تحریک خلافت شروع ہوئی اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف ایک شورش برپا ہو گئی۔ ممکن ہے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اور مسلمانوں کے فطری جذباتیت اور تحریک خلافت کی کامیابی کے آثار دیکھ کر مسٹر گاندھی نے کانگریس کی طرف سے ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا اعلان کیا ہو۔

چنانچہ اس متحدہ و مشترکہ مقصد کی وجہ سے یہ دونوں تحریکیں ایک دوسرے کے قریب آ گئیں، بلکہ ایک دوسرے میں ضم ہو گئیں اور ایک دوسری صورت پیدا ہو گئی، یعنی انگریزوں کے خلاف ”ہندو مسلم اتحاد“ اس اتحاد نے مسئلے کو شرعی حیثیت سے زیادہ نازک بنا دیا، کیونکہ ایک طرف انگریزوں سے معاملت کو بھی ناجائز و حرام قرار دے دیا گیا اور دوسری جانب سے کفار و مشرکین سے معاملت تو معاملت، موالات اور دوستی قائم کر لی گئی۔

لیڈر حضرات جو اس اتحاد پر زور دیتے تھے، ان کی آواز پر تو مسلمانوں نے زیادہ کان نہ دھرے، بلکہ اس سازش کی جڑیں اس وقت زیادہ مضبوط ہو گئیں۔ جب اس سے علماء اس نظریہ کے قائل بلکہ مبلغین کر گاندھی کو اپنا امام بنائے۔ گاندھی کو یہ دس میں لے جایا گیا، حتیٰ کہ اس کو منبر رسول پر بٹھا کر منبر رسول کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ کانگریس مولوی اسے اپنے دینی مدارس میں لے گئے اور ”گاندھی جی کی جے“ کے نعرے بھی لگاتے رہے۔ کانگریسی مولویوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ختمِ نبوت نہ ہوتی، تو مسلمان گاندھی نبی ہوتے۔ کوئی کتا ”زبانی جے“ پکارنے سے کچھ نہیں کہتا۔ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر لو گے تو خدا راضی ہو گا۔ کسی نے یوں صدارتِ امت کی کیا کہ ان (گاندھی) کو اپنا رہنما بنا لیا ہے، جو وہ کہتے ہیں۔ وہی مانتا ہوں۔ میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت

رفیقِ دینار مت پرستے کر دی

کسی نے مستانہ دارِ نعرہ یہ لگایا میں اپنے لیے بعد رسول اللہ ﷺ گاندھی جی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں۔

خان عبد الوحید خاں مسلمانوں کا ایثار جنگِ آزادی“ ص ۱۴۲ پر لکھتے ہیں :

”جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند کی تقریریں کرائی گئیں۔ ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں نے قہقہے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرآن کا خطاب دیا گیا۔ گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاویٰ اونٹوں کی پشت پر تقسیم کیے گئے۔ اسی دوران ہندوؤں نے بعض کانگریسی علماء سے یہ فتویٰ حاصل کر لیا کہ

ہندوؤں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے گائے کی قربانی نہ کی جائے۔“

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے ”انفس الفکر فی قربان البقر“ لکھ کر ہندوؤں کو خاک میں مالدیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے فرمایا: گائے کی قربانی شعار اسلام ہے اور یہ ہمارا حق ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ شعار اسلام پر پابندی لگائے۔

”الافاضات یومیہ“ جلد ششم ص ۲۵۵ میں مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: ”جس وقت مولانا محمود الحسن کا موٹر چلا، تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا،

اس کے بعد گاندھی جی کی ”جے“ کے نعرے بلند ہوئے۔ چنانچہ ایسے نازک حالات میں بعض علماء کرام نے تحریک خلافت اور تحریک موالیات کے اس اتحاد کے خلاف فتوے دیئے اور ردِ وقت انتہاء فرمایا جس کو بعض سطحی نظر رکھنے والے حضرات نے انگریز دوستی پر محمول کیا، مگر جو سیاسیات ہند اور علوم شرعیہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ مخالفت دین اسلام اور خود مسلمانوں کی حفاظت و عظمت کے لیے ناگزیر تھی۔

ترک موالیات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمان محکموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی، مگر ترک موالیات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا، بحث اس سے تھی اور اسی بناء پر اس کی شدید مخالفت کی گئی۔ جن علماء نے مخالفت کی، ان میں سر فرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نامی آتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک کسی سیاسی جماعت کی حمایت جزو ایمان نہیں، بلکہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے، اس لیے تردید و مخالفت میں آپ نے اپنے بیگانے کسی کی رعایت نہیں کی۔

اس دور سے پہلے بھی ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں ہوئیں۔ اسلام کو ہندو مت میں مدغم کرنے کی تحریک کا منوس سر امفضل باوشاہ اکبر کے سر ہے۔ اکبر کا دین الہی

اسی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس سے پہلے کبیر اور گرو نانک وغیرہ نے بھی اسی قسم کی کوششیں کی تھیں جو کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئیں۔ بہر کیف اکبر کے اس انداز فکر نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک زبردست المیہ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اکبر بادشاہ کے اس قومی نظریہ کی سخت مخالفت فرمائی، چنانچہ آپ کی زبردست کوشش سے دور اکبری کا یہ عظیم فتنہ خاک میں مل گیا۔ اسی لیے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان!

اللہ نے بردقت کیا جس کو خبردار

ہندوستان کی سر زمین میں جب اکبری دور کی فتنہ سامانیوں کی تجدید ہونے لگی، تو شیخ احمد سرہندی کی طرح جس مرد حق آگاہ نے اس ناپاک منصوبے کے خلاف علم جہاد بلند کیا، وہ امام احمد رضا بریلوی تھے۔ مرکزِ دائرہ علوم ہونے کے ساتھ ساتھ وہ سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے بھی مسیحائے قوم اور ناخدائے ملت ثابت ہوئے۔ انہوں نے دو قومی نظریہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں عام و خاص کے سامنے پیش کرتے ہوئے ”ہندو مسلم اتحاد“ کے خلاف علمی اور قلمی جہاد کیا۔

غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کی دو حیثیات تھیں: ایک حیثیت کا تعین ملک سے وابستگی سے ہوتا تھا اور دوسری حیثیت کا تعین دین سے وابستگی سے۔ اسلامی نقطہ نظر سے دوسری حیثیت پہلی پر مقدم تھی۔ یعنی ”مسلمانیت“ کو ”ہندوستانیہ“ پر فوقیت حاصل تھی۔ اس طرح اسلام اور کانگریس کے نقاط نظر میں زمین و آسمان کا فرق تھا، کیونکہ کانگریس کے نزدیک مذہب کی حیثیت ثانوی تھی۔ اختلاف کا نقطہ آغاز اس اساسی فرق تھا۔ اس لیے ہندوستانیہ کو مسلمانیت پر فوقیت دینے والے کانگریسی

عالم مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی پر تنقید کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

بچم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ زد یوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرور سر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
پہ مصطفیٰؐ ساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست اگر باور سیدی تمام بولہبی است
وطن اور قومیت کی اگر اسلام میں گنجائش ہوتی، تو سب سے پہلے حضرت محمد

مصطفیٰؐ عرب کے ہر سر پیکار قبائل کو اسلام کے نام پر متحد کرنے کی بجائے عربیت یا قریشیت کے نام پر متحد فرماتے۔ قوم پرستی اور وطن پرستی کے خلاف آپ نے حق پسندی اور حق پرستی کو اپنا شعار بنایا اور اسی بنیاد پر کائنات کے تمام انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کی سعی فرمائی اور اس راہ میں بے شمار تکالیف کو برداشت کیا اور دنیا والوں کو یہ بتا دیا کہ اصل چیز دین کی حفاظت ہے، وطن کی حفاظت نہیں۔ وطن کی حفاظت ہے تو صرف اس لیے کہ وہ دین کا محافظ ہو۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

فاضل بریلوی نے ترک موالات کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کی جو وطنیت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا، سخت مخالفت فرمائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا، مگر فاضل بریلوی نے اظہار حق کے لیے ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہ کی اور فقہ ہمانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے بالآخر جو کچھ فرمایا سچ ثابت ہوا۔ جب طوفان جنوں ختم ہوا اور آنکھیں کھلیں، تو وہی سچا نظر آیا، جس کو کل تک جھوٹا کہا گیا

علامہ قائد اعظم اور علامہ اقبال جیسے مفکرین اور راہنما ہندو میں ایک قومی نظریہ کے حامی تھے، مگر بعد میں اچانک اپنا رخ موڑتے ہیں اور ایک قومی نظریہ کی مخالفت پر آمادہ ہو کر دو قومی نظریہ کی حمایت کرتے ہیں۔ دو قومی نظریہ کی بنیاد ہندو مسلم عدم اتحاد اور عدم موالات پر تھی۔ یہ وہی نظریہ ہے جس کی حفاظت کے لیے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت بریلوی نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

کاگر لیں کا مقصد یہ تھا کہ ملی امتیازات کو خیر باد کہہ کر ہندو ستانیت میں گم ہو جائیں۔ اس طرح مذہب کی بنیاد خود بخود گر جاتی۔ اسی زمانے میں جب فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرما کر ملت اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت فرما رہے تھے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے ایک قومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے تصور وطنیت پر سخت تنقید فرمائی۔ اور وہ شاعر جس نے کبھی ”نیا سوالہ“ اور ”ترانہ ہندی“ لکھی تھیں، اب یہ کہتا ہوا نظر آیا۔

باز تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دیں ہے، تو مصطفوی ہے
ہو قید مقامی، تو نتیجہ ہے تباہی ہو بحر میں آزاد وطن صورت مائی
ہے ترک وطن سنت محبوب الہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

اعلیٰ حضرت بریلوی ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے۔ ان کی آنکھیں وہ کچھ دیکھ رہی تھیں کہ دوسری آنکھوں نے دیکھ نہ دیکھا تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حمایتی مولوی محمد علی اور مولوی شوکت علی اب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت

دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرمادیا: ”مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔ مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔“

جو نام نہاد علماء ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور ”گاندھی کی بچے“ کے نعرے لگاتے تھے، وہ قرآن کریم کی ان آیات کو (جن میں غیر مسلموں کو اپنا رازدار بنانے کی ممانعت تھی) پیش کرتے تھے اور ان آیات میں سراسر تحریف کر کے یہ کہتے تھے کہ ”انگریزوں سے فقط معاملہ کرنا بھی ناجائز ہے، لیکن دوسری جانب وہ ہندوؤں کو اپنا رازدار بناتے پھرتے تھے اور ہندوؤں کو مستثنیٰ قرار دیتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اس تحریف قرآن کے خلاف فتویٰ دیا اور فرمایا کہ ”قرآن کریم نے غیر مسلموں سے موالات (رازداری اور دوستی) کو منع کیا ہے نہ کہ معاملت کو۔ دنیوی معاملت جس میں دین پر ضرر نہ ہو، سوائے مرتدین کے کسی سے ممنوع نہیں۔ کانگریسی ملاؤں نے ترک موالات کو ترک معاملت، مگر قرآن کی آیتوں سے غلط استدلال کیا اور آیتیں جن میں حکم عام ہے، ان میں تحریف کے ذریعے گاندھی اور دوسرے لیڈروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ لیڈر حضرات نے مسئلہ موالات پر سب سے بڑی اودھم مچائی۔

ترک موالات کی تحریک میں انگریزی مال خریدنا جائز نہ تھا، البتہ اس کی چیزوں سے تمتع جائز تھا، مثلاً ذاک و تار، ریل وغیرہ سے تمتع کو کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ اس عجب طرز عمل پر اعلیٰ حضرت اظہار حیرانی فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب کہ مقاطعات میں مال دینا حلال ہوا، لینا حرام۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ذاک ہمارے ہی ملک میں اور ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا مادہ تعلیم کا رویہ انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی تو ہمیں کا ہے تو حاصل دہی

مقاطعات میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع ٹھہر اور خود نفع لینا ممنوع، اس میں مثل کا کیا علاج؟“

ترک موالات کے سلسلے میں فاضل بریلوی کو لاکھ پور سے یکے دیگرے، استفتاء ارسال کیے گئے، جس کا آپ نے مفصل اور مبسوط جواب مرحمت فرمایا۔ بعد میں حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب نے ایک رسالے کی شکل میں شائع کر دیا۔

فکر یہ

اعلیٰ حضرت بریلوی نے محض مذہب کی بنیاد پر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس میں کوئی اور امر ہرگز کارفرمانہ تھا اور اگر ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دینے سے وہ مخالفین کے نزدیک انگریز کے دوست قرار پاتے ہیں، تو پھر انہیں مولوی اشرف علی تھانوی پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا فتویٰ لگا دینا چاہیے تھا! کیونکہ ترک موالات کے خلاف تو علماء دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی یہی فتویٰ دیا تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری ”پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ“ کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیے۔“

اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت کے متعلق مفکرین کی آرا

نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے سرگرم رکن جناب شفیع (م۔ش) نے ”دوقومی نظریہ کی حمایت میں اعلیٰ حضرت بریلوی کی خدمات کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

”اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس یکسوئی اور استغفال سے دور غلامی میں دین کی ممانعت کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ جوں جوں وقت گزرنا جائے گا، اس کا اعتراف امت کے تمام طبقات کو ہوتا جائے گا۔ جس وقت اعلیٰ حضرت کی ہدایتوں

سے سلطنت ہمارے ہاتھ سے چھن گئی تھی اور جس دور میں سب سے اہم کام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ ملت کے اجماع کو پارہ پارہ ہونے سے بچایا جائے۔ ان کے عقائد کو مسخ ہونے سے محفوظ رکھا جائے اور ہر اس سازش کو کچل کر رکھ دیا جائے، جس کا مقصد مسلمانوں کے دلوں میں محمد مصطفیٰ ﷺ سے غیر فانی محبت کا رشتہ مناکر غیر اسلامی عقائد کی ختم ریزی تھی۔ یہ کارنامہ اعلیٰ حضرت نے نامساعد حالات میں انجام دیا۔ اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت ملت اسلامیہ کے عظیم محسن تھے۔“

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۷ جون ۱۹۶۸ء)

اعتراف حقیقت کے ان بیانات میں مشہور مؤرخ اور کالم نگار روزنامہ ”نوائے وقت“ جناب میاں عبدالرشید صاحب کا بیان خصوصی توجہ کا مستحق ہے، وہ لکھتے ہیں:

When Pakistan resolution was passed in 1940 the efforts of Hazrat Bralvi bore fruit and all his adherents and followers including ulma and spiritual leaders rose as one man to support the Pakistan movement. Thus the contribution of Hazrat Bralvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-e-Azam. (Islam In Indo- Pak- Subcontinent Page)

ترجمہ: ”۱۹۴۰ء میں جب قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تو اعلیٰ حضرت بریلوی کی کوششیں بار آور ثلثت ہوئیں اور علماء کرام اور پیران عظام سمیت آپ کے پیروکار اور متوسلین جسد واحد بن کر تحریک پاکستان کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس طرح قیام پاکستان میں اعلیٰ حضرت بریلوی کا حصہ علامہ اقبال اور حضرت قائد اعظم سے کم نہیں۔“

دو قومی نظریہ کے داعی کی حیثیت سے امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ

کے افکار و نظریات سے افکار متاثر ہوئے۔ اثر اندازی کی اس حقیقت کو پروفیسر ڈاکٹر محمد امجد ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی نے یوں بیان کیا ہے:

”پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے جو پہلے ایک قومی نظریہ کے پیرو تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتویٰ رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا، اس لیے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔“ (فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۹)

پاکستان کے مرکزی وزیر تعلیم خان محمد علی خاں نے یوں اعتراف حقیقت کیا ہے:

”فاضل بریلوی جنہوں نے مسلمانوں کی فکری آبیاری کے لیے ایک ہزار کے لگ بھگ کتب ہر موضوع پر تحریر فرمائی ہیں، مسلمانوں کو یہ پیغام دے رہے تھے کہ کفر کی سب قسموں سے الگ رہنا چاہیے۔ اگر انگریز سے ترک موالات ضروری ہے، تو ہندو سے بھی ترک موالات ضروری ہے۔ نہ ہندو مسلمان کا ساتھی بن سکتا ہے اور نہ ہی غم خواہ۔“ (تقریر یوم رضا، منعقدہ راولپنڈی حوالہ افق ۶ فروری ۱۹۸۰ء)

”تھانوی اور بریلوی مکاتب فکر گو کسی طرح بھی برطانیہ کے دلدادہ نہ تھے، مگر وہ ہندوؤں کے عزائم کے بارے میں بہت ہی تشکک تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ مسلم قیادت مہاتما گاندھی اور انڈین نیشنل کانگریس کے زیر نگیں ہو جائے۔ وہ اس حقیقت سے اور بھی حیران و پریشان تھے کہ مہاتما گاندھی کے منشور اور انڈین نیشنل کانگریس کی تجویز کی حمایت و تائید کے لیے مفتیان اسلام، قرآنی آیات اور احادیث نبوی کی تلاش میں سرگرم عمل تھے۔“ (علماء ان پالیٹکس، صفحہ ۱۱۱، اشفاق حسین قریشی)

باب ہفتم

آزادی کی تحریکوں میں علماء اہل سنت کے

کردار کا مختصر جائزہ، جنگ آزادی میں علماء و مشائخ کا کردار

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں اسی فیصد اہل سنت و جماعت ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اسلام کے خلاف کوئی سازش کی گئی یا ملک و ملت پر کوئی مشکل وقت آیا، تو سنی علماء و مشائخ نے اس کا مقابلہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھا۔ سن ستاون کی جنگ آزادی میں علماء و مشائخ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس جنگ میں علماء اہل سنت کے فتویٰ جہاد نے وہ کام کیا جو بڑی بڑی عسکری قوتوں سے ناممکن تھا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی شہید مراد آبادی، مولانا احمد اللہ شہید مدرسی، مولانا فیض احمد، مولانا دہاج الدین مراد آبادی، مولانا رسول بخش کاکوروی، مفتی صدر الدین دہلوی، علامہ فضل رسول بدایونی اور ان کے احباب و تلامذہ اور دوسرے اکابر سنی علماء فرنگی سامراج سے ٹکرائے۔ ان ہی بزرگوں کی لٹاکار سے ایوان فرنگ میں تسلک بچ گیا۔ ظالم انگریز نے اس کی پاداش میں کچھ علماء اہل سنت کو تختہ دار پر کھینچا اور علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کو جزیرہ انڈیمان میں قید کر دیا۔ مولانا کفایت اللہ کافی مراد آبادی اور مولانا علامہ فضل رسول بدایونی کو سرعام تختہ دار پر کھینچ دیا گیا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں علماء اہل سنت کے کردار کا غیروں کا اعتراف کرنا

نواب صدیق حسن خاں (اہل حدیث) کا اعتراف

”زمانہ غدر میں سواروں اور رتلہوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جہاد کے

سلسلہ پر مہر کرائی۔ فتویٰ لکھوایا جس نے انکار کر دیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا، وہ مہر کرنے والے اور فتویٰ لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت و اہل بیت کو زبردستی دہائی نام رکھتے ہیں۔“ (ترجمان دہلیہ از نواب حسن خاں ص ۵۵)

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کا اعتراف

”ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام تھے، جو عقیدہ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے دور میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔“ (حاشیہ مقالات سر سید حصہ شانزدہم ص ۵۲ از مولوی محمد اسماعیل پانی پتی)

فتویٰ جہاد سب سے پہلے علامہ فضل حق خیر آبادی نے تیار کیا تھا۔ جمعہ کے موقع پر دہلی میں جہاد کے موضوع پر خطبہ دیا اور فتویٰ کی دوسرے علماء سے تائید کروائی۔ اگرچہ بعض لوگوں نے محض تعصب اور عقیدہ کی مخالفت کی وجہ سے حضرت علامہ کی مساعی جلیلہ سے جان بوجھ کر چشم پوشی کی، لیکن سید احمد بریلوی کے مدارج خاص اور انتہائی معصب مؤرخ غلام رسول مر کو بھی مجبوراً تسلیم کرنا پڑا۔

غلام رسول مر کا اعتراف

”مولانا کے دہلی پہنچنے سے پیشتر بھی لوگوں نے جہاد کا پرچم بلند کر رکھا تھا۔ مولانا پہنچے، تو مسلمانوں کو جنگ آزادی پر آمادہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ ایک فتویٰ مرتب کیا جس پر علماء دہلی کے دستخط لیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ یہ فتویٰ مولانا فضل حق ہی کے مشورے سے تیار ہوا تھا اور انہی نے علماء کے نام تجویز کیے تھے جن کے دستخط لیے گئے۔“ (مر ۱۸۵۷ء کے مجاہد۔ از غلام رسول مر)

رئیس احمد جعفری کا اعتراف

”مولانا فضل حق خیر آبادی علمی قابلیت میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کو فتویٰ جہاد کی پاداش اور جرم بغاوت میں انڈیمان بھیج دیا گیا۔“
(بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مصنفہ رئیس احمد جعفری ص ۳۱۵)

ترجمان دیوبند بیت ”خدام الدین“ کا اعتراف

”مولانا فضل حق خیر آبادی“ فضل الجہاد کلہ حق عند سلطان جہاد کا فریضہ ادا کیا اور اپنی عمر عزیز انڈیمان میں جس دوام کی نذر کر دی۔“
”علامہ فضل حق خیر آبادی وغیرہ نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دے کر مسلمانوں کو عدم تعاون پر آمادہ کیا۔“

”مولانا فضل حق خیر آبادی بھی باغی قرار دیئے گئے سلطنت مغلیہ کی وفاداری، فتویٰ جہاد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ کر کے سینٹاپور سے لکھوئے لائے گئے۔“ (ہفت روزہ خدام الدین، لاہور، ۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء)

مولوی حسین احمد دیوبندی کا اعتراف

”مولانا نے اپنے اوپر جس قدر الزام لیے تھے، ایک ایک کر کے سب رو کر دیئے۔ جس بخر نے فتویٰ کی خبر کی تھی، اس کے بیان کی تصدیق و توثیق کی۔ فرمایا پہلے اس گواہ نے سچ کہا تھا اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی، اب عدالت میں میری صورت دیکھ کر مرعوب ہو گیا اور جھوٹ بولا، وہ فتویٰ صحیح ہے میرا ہی لکھا ہوا ہے اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔ سچ بار بار علامہ کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ بخر نے عدالت کا رخ اور حضرت علامہ کی بارعب اور پروقاہ شکل دیکھ کر شاخت کرنے

”یہ وہ فضل حق نہیں، وہ دوسرے تھے۔“ گواہ حسن
”اور پاکیزگی سیرت سے بے انتہا متاثر ہو چکا تھا، مگر علامہ کی شان استقلال کے
”خالہ بائیے۔ خدا کا شیر گرج کر کستا ہے۔ وہ فتویٰ صحیح ہے، میرا لکھا ہوا ہے اور آج اس
(یہ بھی میری یہی رائے ہے۔“)

نالہ از بہر ربائی نہ کند مرغ اسیر

خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

(نقش حیات از حسین احمد مدنی ص ۳۶۲)

مفتی انتظام اللہ شہابی کا فرمان

مفتی صدر الدین آزرہ کے بیان کے مطابق مفتی انتظام اللہ شہابی فتویٰ جہاد کی تیاری کی ساری ذمہ داری مولانا فضل حق پر ڈالتے ہیں۔ ہنگامہ ۱۸۵ء رو نما ہوا
”انا فضل حق اور سے ولی آئے۔ جنرل خٹ خان نے نقشہ اقتدار جہاد کھا تھا استفتاء
”انا نے لکھا مفتی صاحب اور دیگر علماء نے فتویٰ دیا۔“ مولانا فضل حق کو اقرار
”م پر انڈیمان جانا پڑا۔“ (عذر کے چند علماء از انتظام اللہ شہابی ص ۷۷)

شاہد احمد خان شروانی دیوبندی کا اعتراف

شاہد احمد خان شروانی دیوبندی ”باغی ہندوستان“ ص ۱۵۶ پر لکھتے ہیں:
”علامہ (فضل حق خیر آبادی) سے جنرل خٹ خان ملنے پہنچے۔ مشورہ کے بعد
”علامہ نے آخری تیر ترکش سے نکالا، بعد نماز جمعہ جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر
لی، استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین آزرہ صدر الصدور دہلی، مولوی عبدالقادر،
قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فضل احمد بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خاں اکبر آبادی، سید
مبارک شاہ رامپوری نے دستخط کر دیئے۔ اس فتویٰ کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام

شورش بڑھ گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی۔ (حوالہ تاریخ ذکاء اللہ)

اس وقت علماء اہل سنت ہی تھے، جنہوں نے فریضیت جہاد کے فتوے صادر کیے، ان علماء اہل سنت میں مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی اور مولانا احمد شاہ مدد راسی وغیرہ پیش پیش تھے اور اپنی تقریروں سے عوام و نواس میں روح جہاد پھونک دی۔ انہی کی تحریک اور قیادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کفن بردوش میدان جہاد میں کود پڑے اور جام شہادت نوش کر گئے۔ دساکل کی کمی کے باعث تحریک جہاد کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور انگریز نے اپنا اقتدار بحال کر کے تحریک آزادی سے تعلق رکھنے والے علماء کرام اور مجاہدین پر وہ مظالم ڈھائے کہ الامان والحفیظ۔ بعض مجاہدین کو کالے پانی کی سزا دی گئی۔ زندہ مسلمانوں کو سڑکی کھال میں سلوا کر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ مسجد فتح پوری دہلی سے قلعہ کے دروازے تک مسلمانوں کی لاشیں درختوں سے لٹکادی گئیں۔ مساجد کی بے حرمتی کی گئی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا شاہ احمد شاہ مدد راسی، مولانا کفایت علی کافی مراد آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا مفتی صدر الدین آزرہ، ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی، مولانا فیض احمد بدایونی، مفتی مظہر کریم دریا آبادی وغیرہ یہ تمام علماء اہل سنت ہی تھے، جن کی قیادت اور شمولیت نے تحریک کو شعلہ بدایا، ان میں بعض کو کالے پانی کی سزا دی گئی، مثلاً حضرت فضل حق خیر آبادی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی کو جزائر انڈیمان میں قید کر کے بھیجا گیا۔ مولانا کاکوروی کو مراد آباد جیل کے متصل برسر عام بھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدد راس میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بعض کو انگریز کے ایجنٹوں نے شہید کر دیا۔ بعض کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

باب ہشتم

تحریک پاکستان میں علماء و مشائخ کا کردار

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ علی پور سید اس ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نجیب المرفیقین سید تھے اور سادات شیرازی مراد آباد سے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے جاملتا ہے۔

آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ تحریک خلافت میں آپ نے کرائے کی خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے خلافت فنڈ میں لاکھوں روپے پندہ دیا۔

ایک بار مولانا شوکت علی نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے ہر مسلمان سے فی کس ایک روپیہ خلافت فنڈ کے لیے وصول کیا جائے، تو آپ نے نیا جھوٹی سے اپنا اور اپنے متعلقین کا چندہ بمبئی بھیج دیا اور ساتھ ہی اعلان فرمادیا کہ فقیر کے سب متعلقین ایک ایک روپیہ فی کس اپنا اور اپنے متعلقین کا خلافت فنڈ میں داخل کرائیں۔

مولانا نے اس اعلان کو قد آور اشتہارات کے ذریعے تمام ہندوستان میں منتشر کیا، جس کے نتیجے میں ملک کے گوشے گوشے سے زرخیز وصول کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کے اکثر متقدمین نے اپنے اپنے محور پر ہزاروں روپے خلافت فنڈ میں دیئے، مثلاً نورانی سینہ بمبئی، نے آپ کے ارشاد مبارک پر ۲۵ ہزار روپے اور اہل کوہاٹ نے ۷۲ ہزار کی گرانقدر رقم خلافت فنڈ میں داخل کیں، لیکن آپ نے ہر گز یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے ارشاد عالیہ پر عامۃ المسلمین تو عمل کریں اور خود اس کار خیر میں شامل نہ ہوں۔

”چنانچہ آپ نے علی پور سیدال میں منعقدہ ”انجمن خدام الصوفیہ ہند“ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک مرتبہ تیرہ صد روپے اور دوسری مرتبہ ۱۸ صد روپے اپنی جیب خاص سے عنایت فرمائے۔“ (حضرت امیر ملت کے ”قومی کارنامے“ مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۵ء ص ۹-۱۰)

ایک دفعہ حیدر آباد کن میں آپ نے جلسہ خلافت کی صدارت فرمائی اور صدارتی تقریر اس مؤثر انداز سے کی کہ آپ کی تحریک پر ۳۰ ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ اس جلسہ کے بعد حکومت کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے لکھا:

”حکومت کو اس قدر گاندھی جی سے خطرہ نہیں، جتنا پیر جماعت علی شاہ سے ہے۔“ (انوار الصوفیہ جنوری ۱۹۶۱ء امیر ملت کے قومی کارنامے ص ۱۱)

”۱۹۱۹ء میں آپ نے تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے۔ اگر مسلمان مرے تو دو گز زمین اس کی جاگیر ہوتی ہے۔ مسلمانو! ہجرت نہ کرو، یہ آپ کا جدی ورثہ ہے، اسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔“ (انوار الصوفیہ، قصور، ۱۹۶۱ء)

”۱۹۳۵ء میں تحریک شہید گنج چلی، تو حضرت امیر ملت بھی مردانہ وار میدان میں نکل آئے۔ مسجد شہید ہو گئی تو واگزار کی لیے راولپنڈی میں کانفرنس ہوئی جس میں آپ کو امیر ملت منتخب کیا گیا۔“ (صوفیاء نقشبند ص ۲۵۵) (ماہنامہ انوار الصوفیہ سیالکوٹ، اپریل ۱۹۵۸ء)

”۱۹۳۴ء میں آپ سری نگر تشریف فرما تھے۔ آپ نے قائد اعظم کی پر تکلف دعوت کی۔ دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے قائد اعظم کی کامیابی کی پیش گوئی کی اور دو جھنڈے عطا فرمائے ان میں سے ایک سبز جھنڈا تھا۔ فرمایا سبز جھنڈا مسلم

اور دوسرا کفر کا۔ پھر تمام اشتہارات کے ذریعے اعلان فرمایا:

”مسلمانو! مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ میرا جو مرید مسلم لیگ کی خدمت میں نہیں کرے گا، وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس وقت دو جھنڈے ہیں ایک بلالی پرچم اور دوسرا کفر کا۔ اب فیصلہ کرو کہ تم کس کے ساتھ ہو۔“

(صوفیاء نقشبند ص ۳۵۵، ماہنامہ انوار صوفیہ مئی ۱۹۶۰ء)

”۱۹۴۶ء میں ہماری آل انڈیا سنی کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی، جس میں پانچ ہزار سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ آپ نے خطبہ صدارت میں مسلمان کی حمایت کا اعلان فرمایا۔ پھر تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر رے آپ ہر جگہ دوران تقریر فرماتے۔

”مسلمانو! یہاں دو جھنڈے ہیں ایک اسلام کا، ایک کفر کا۔ یہ کس جھنڈے کے پرچم پر چلتے ہو؟“ لوگ کہتے اسلام کے جھنڈے کے نیچے۔ چنانچہ انہوں نے انہوں نے انہوں نے آپ کی ہدایت پر پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ (صوفیاء نقشبند ص ۳۵۶)

سید العرفان سید غلام محی الدین گولڑوی

فخر القیاء پیر سید غلام محی الدین گولڑوی ۱۸۹۱ء کو قبلہ عالم پیر سید مر علی گڑھی کے ہاں پیدا ہوئے۔ حضرت بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پاکستان میں ہر طور حصہ لیا۔ (نوائے وقت، لاہور، ۲۶ جون ۱۹۶۴ء ۱۳ مارچ ۱۹۷۵ء)

حیات حرم جوانی ۱۹۷۴ء)

ملک کے نامور صحافی اور تحریک پاکستان کے مجاہد جناب میاں محمد شفیع (مستقل) تحریک پاکستان کے بارے میں آپ کی خدمات کے متعلق رقمطراز ہیں:

”یہ ایک عظیم حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برصغیر

میں ممبر کے حق و باطل پتا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام سر بلند کیے لیے حق خود ارادیت کا علم بلند کیا، تو پنجاب کے جن سجادوں نے تنہا دھن سے قائد اعظم کا ساتھ دیا، ان میں تونسہ شریف (خواجہ سدید الدین) نے سیال شریف (خواجہ قمر الدین صاحب) جلال پور شریف (میر فضل شاہ صاحب) اور گولڑ شریف (میر سید غلام محی الدین شاہ صاحب) پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو عام انتخابات کے موقع پر یونیٹ پارٹی کے مقابلہ پر مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔ ان لوگوں کے عظیم کردار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یونیٹ پارٹی کے اس وقت کے لیڈر ملک خضر حیات تونسہ اور ان کے دست راست نواب اللہ بخش گولڑہ شریف اور سیال شریف سے ارادت رکھتے تھے۔ لیکن عظیم تر ملی مقصد کے پیش نظر خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ اور خواجہ سید میر غلام محی الدین شاہ صاحب نے پوری ہمت سے مسلم لیگ کے لیے کام کیا۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ جون ۱۹۷۲ء)

حضرت خواجہ سید غلام محی الدین ایک انسان کامل تھے۔ آپ مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح حصول پاکستان کی تحریک میں شامل تھے۔

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی ۱۳۲۴ھ کو سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ محمد ضیاء الدین تھا۔

خواجہ صاحب نے مسلمانوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ سیاسی راہنمائی بھی فرمائی۔ آپ نے علماء حق کے ساتھ مل کر آزادی وطن کے لیے تن من کی بازی لگادی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کی۔ حصول

پاکستان کے لیے قربانیوں میں مصروف ہو گئے۔ انگریزوں نے آپ کو طرح طرح کے دباؤ کے تحت حق سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر خواجہ صاحب ان کے دامن سے ہٹ کر آگے بڑھے۔ حکومت پنجاب کی سفارش پر ملک معظم نے خواجہ صاحب کو ہربائی پولیٹیکل طالب پیش کیا، مگر آپ نے اس چٹھی کو نذر آتش کر دیا جس میں یہ پیشکش کی گئی تھی۔ (ماہنامہ آئینہ لاہور، نومبر ۱۹۷۰ء دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام کی سوانح)

جب انگریز حکومت لالچ دے کر خواجہ صاحب کا ایمان نہ خرید سکی، تو انہیں لو کر قتل کر کے گور اور گندے پانی سے بھری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا، جس میں انہیں بائسکٹا تھا اور نہ ہی نماز پڑھی جاسکتی تھی۔ پھر آپ کی ساڑھے گیارہ مہینہ اور ان کی دل لاری گئی، جب اس پر بھی مروت حق نے سر نہ جھکایا، تو طرح طرح سے اذیتیں دینا شروع کر دیں تاکہ آپ تحریک پاکستان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں، لیکن آپ نے انگریزوں کی ماری کوشتوں پر پانی پچھتے ہوئے فرمایا: "عزت صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر میں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے، تو میں مشرک ہو جاؤں گا۔" (ماہنامہ ضیاء ۷ م، لاہور، دسمبر ۱۹۷۲ء)

سرگودھا کے نوائوں کے ساتھ آپ کے بہت اچھے مراسم تھے، مگر ۱۹۴۷ء کے الیکشن میں آپ نے مسلم لیگ ہا اتھ دے کر انہیں درط حیرت میں ڈال دیا، نہانچہ حکیم آفتاب احمد قریشی رقمطراز ہیں:

"مشائخ میں سیال شریف کے سجادہ نشین حضرت نواب محمد قمر الدین سیالوی نے تحریک پاکستان کی بڑی سرگرم حمایت کی۔ سیال شریف سرگودھا کی مشہور گدی ہے جس کے عقیدت مند تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس خاندان کا سرگودھا

میں بڑا اثر تھا۔ نوانے تو کئی پشتوں سے اس خاندان کے مرید چلے آ رہے ہیں اور ان کے خواجہ صاحب سے بڑے گہرے رولہ ہیں۔ تحریک پاکستان کا دور آیا، تو نوانے مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ یونیٹ پارٹی میں شامل تھے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں نوانے یونیٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی کے ٹوانوں سے ذاتی مراسم تھے، مگر خواجہ صاحب نے ان ذاتی مراسم کی پروا نہ کی۔ انہوں نے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں۔ خواجہ صاحب کا یہ ایثار محض قومی جذبہ اور اسلام پر مبنی کامیابی کا منت تھا۔ (روزنامہ امر ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء)

پاکستان بنا تو حضرت خواجہ صاحب نے قائد اعظم کو پاکستان میں فی الفور اسلامی قوانین نافذ کرانے کے متعلق حکم فرمایا۔ اس پر قائد اعظم نے جواب میں تحریر فرمایا: ”پاکستان کی تحریک میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابل قدر ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی نظام ہی نافذ ہو گا۔“

(ماہنامہ ضیائے خرم و سحر ۳۱ دسمبر ۱۹۷۳ء)

ماہنامہ ضیائے خرم و سحر اسلام نمبر ۵۱ پر حضرت کی خدمات تحریک پاکستان کے سلسلے میں یوں رقمطراز ہے:

”حضرت وزارت کے دور میں آپ کو کئی مرتبے اراضی اور لاکھوں روپے کی پیشکش محض اس لیے کی گئی کہ آپ تحریک پاکستان سے الگ تھلگ رہیں۔ آپ نے جواباً فرمایا بھیجا تحریک پاکستان دو قومی نظریہ پر ایمان کا نتیجہ ہے کہ جس میں نہ صرف میری بلکہ حکومت کی بھی شمولیت ضروری ہے۔ اگر حکومت تحریک میں شامل نہیں ہوتی، تو مجھے مسلمانوں سمیت روک نہیں سکتی۔ یہ چند مرتبے اور لاکھوں روپے تو کجا پوری کائنات کو بھی اٹھا کر میرے قدموں میں رکھ دیا جائے، تو پھر بھی میرے ایمان کو خریدنا

میں جاسکتا۔ حضرت نے جب دیکھا کہ میری کوشش ناکام ہو گئی، تو اس نے آپ کو دھمکی دی، ”اے میری اور سرگودھا شہر اور بلوچہ علاقوں میں آپ کی تقریر پر پابندی عائد کر دی گئی۔“ آپ نے پابندی تقریر کی خبر سنتے ہی اعلان کر دیا کہ کل کمپنی باغ سرگودھا میں جلسہ ہو گا۔ دوسرے دن جلسہ گاہ میں آپ کے مریدین اور مقلدین جمع ہو گئے اور قتل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ غیرت و جرات کے شہنشاہ نے پوری شان اور جلال و عظمت سے اسٹیج پر اترے ہو کر زبردست تقریر کی اور حضرت کو مخاطب ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام ہیں۔ ان میں جب حضرت کا نام نہیں، تو دھمکی کس منہ سے دیتا ہے؟ پاکستان اللہ اور رسول کے نام پر حاصل ہو رہا ہے اور انشاء اللہ پاکستان بن کر رہے گا۔“

حضرت یات نوانہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے اعلان کیا کہ مسلم لیگ سرگودھا میں جلسہ نہیں کر سکتی، تو آپ نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے سرگودھا میں مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد فرمایا۔

پنجاب کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ حضرت حیات نوانہ مسلم لیگ کے خلاف علم فداوت بلند کر چکے تھے۔ انہوں نے ذاتی اثر و رسوخ کے ذریعے ہندو، سکھ اور بعض مسلمان افسروں کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں، چنانچہ وہ پوری تندی سے مسلم لیگ کو شکست دینے کے لیے میدان میں اترے تھے۔ انہوں نے سرگودھا کے ایک انتہائی متعلقہ سے بھی کائنات نامزدگی داخل کیے تھے۔ مسلم لیگ نے نوانہ خاندان کے ایک فرد نواب ممتاز محمد نوانہ کو ٹکٹ دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی وزیر اعلیٰ پنجاب کے ایک عزیز اللہ بخش نوانہ کے پیر طریقت تھے اس لیے ان تمام عناصر نے جو مسلم لیگ کو شکست دینے پر تلے ہوئے تھے، حضرت پیر صاحب کی امداد حاصل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، لیکن خواجہ صاحب نے ایک لمحہ کے توقف کے

بغیر مسلم لنگی امیدواروں کی نہایت کا اعلان کر دیا اور سرگودھا میں نواب محمد حیات قریشی کی کوٹھی کو اپنی مساعی کا مرکز بنا کر انتخابی حلقے میں دورے کا پروگرام بنایا۔ ان انتخابات میں خواجہ صاحب نے تھل کے قیود صحر میں گاؤں گاؤں جا کر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ جب ان کی جیپ رک جاتی تھی، تو پیادہ چل پڑتے تھے۔

پیر محمد قمر الدین سیالوی کو تحریک پاکستان کے دوران گرفتار بھی کیا گیا۔ ان کی شان میں گستاخی بھی کی گئی، مگر وہ اس عظیم مقصد سے پیچھے نہ ہٹے۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم کے دوران بھی پیر صاحب آف سیال شریف کا کردار براہ روشن رہا۔ انہوں نے خواجہ غلام سدید الدین صاحب سجادہ نشین تونسہ شریف سے مل کر صوبہ سرحد کا دورہ کیا اور پیر صاحب مانگی شریف اور پیر صاحب زکوڑی شریف کی دعوائی میں ریفرنڈم کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ (ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۳۱)

”آپ نے تحریک پاکستان کے زمانے میں جب سرگودھا مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی، تو آشیانہ اقدس سے ولندہ کنی سیاست دانوں نے بڑی تواضع سے عرض کیا کہ حضور غیر جانبدار ہیں، لیکن اس حوصلہ فرسا اور ہوشربا دور میں آپ کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، بلکہ جرات مومنانہ سے تعلق داروں کی فرمائش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ تمہاری شکست دیکھ سکتا ہوں، مگر پاکستان کا جھنڈا سرنگوں نہیں دلے سکتا۔ آپ کی انہی خدمات کی وجہ سے حضرت قائد اعظم اور شہید ملت لیاقت علی خاں آپ کا بہت احترام کرتے تھے“ (ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۵۰)

شیخ الاسلام اور ان کے والد گرامی کی انگریزوں سے نفرت

حضرت شیخ الاسلام کے والد ماجد حضرت ثالث رحمۃ اللہ علیہ رات دن کے جملہ نجات دین و ملت کی خدمت میں گزارتے۔ شمولاری، رشتہ بازی، بی بی کی مشق،

ایسی ہی دن شکار گاہ میں رہ کر تھکتا اور بھوک و پیاس کی شدت کو برداشت کرتا محض آپ کا معمول رہا تا کہ موقع پر فرنگی سامراج سے جنگ کا مرحلہ آسانی سے انگریزوں سے نفرت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انگریز حکومت کا ملازم اگر شریف کے برتن سے کھا لیتا یا اس کو ہاتھ لگا لیتا، تو آپ علماء اس برتن کو تروا دیتے۔ ایک فوجی ملازم نے آپ کی پسندیدہ گھوڑی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا، آپ کو معلوم ہو گیا، تو

ایک ماہ اب یہ میرے قابل نہیں رہی، کیونکہ فرنگی ملازم کا ہاتھ اس کو لگ گیا ہے۔ ایک بار آپ نے رائفل کے لائسنس کے لیے حکومت کو خط لکھا۔ حکومت رائفل کی ضرورت دریافت کی۔ آپ نے جواب فرمایا کہ تلوار سے جنگ کا زمانہ گزرا، دل کی آرزو ہے کہ موقع ملے، تو کسی انگریز کے سینے میں گولی پار کروں۔ شیخ الاسلام کے لیے اپنے بلند اقبال اور غیرت مند باپ کی زندگی مشعل راہ تھی، اس لیے وہ وف میں بھی انگریز دشمنی ایمان کا حصہ تھی۔ تحریک پاکستان میں شمولیت، خضر درات سے ٹکر، اسی غیرت ایمانی اور انگریز دشمنی کا ثمرہ ہے۔ شیخ الاسلام نے خود یہ واقعہ سنائے کہ حکومت کو میں نے رائفل کے لائسنس کے لیے لکھا۔ جواب مجھ سے آیا پھا گیا کہ سرکار کی خدمات کی فرست بتائیں۔ جواب میں فقیر نے کہا تم کو میرے والد کی خدمات کا علم ہو گا، تم نے جوانی سے وصول کیں، انہیں خدمات کی توقع مجھ سے بھی رہو۔ انگریز حکومت نے مجھے ہربائی نس کا خطاب بھیجا۔ میں نے غصہ میں اس کاغذ کو پارہ پارہ کر کے آگ میں جلا دیا۔ ایک دفعہ کھولائی منزل شیخ الاسلام تشریف لائے۔ راستے کے حالات کے بارے میں فرمایا کہ آتے ہوئے ایک فرنگی نے راستہ روکا، میں نے رائفل سے اس کو ڈھیر کر دیا۔ پھر جس کر فرمایا ”سور کو مارا ہے“ (ماہنامہ ضیائے حرم شیخ الاسلام نمبر ص ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰)

مجاہد ملت علامہ پیر سید امین الحسنات (مانگی شریف)

مجاہد ملت حضرت علامہ پیر سید امین الحسنات ۱۹۲۳ء میں مانگی شریف تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام حضرت پیر سید عبدالرؤف تھا۔ حضرت پیر سید امین الحسنات بڑے دلیر اور روشن دماغ لیڈر تھے۔ ان کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ اسلامی حکومت قائم ہو۔ آپ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ اس دور میں صوبہ سرحد میں میدان سیاست میں عبدالغفار اور اس کے بھائی ڈاکٹر کاٹو ملی ہوئے تھے اور صوبہ سرحد کو کانگریس کا زیر دست کر ڈھ سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو مقبول عام بنانے میں آپ کا زیر دست دخل تھا۔ مانگی شریف صوبہ سرحد میں نہایت با اثر گدی تھی اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں کے بزاروں لوگ آپ کے مرید تھے۔ آپ نے سرحد کے غیور پٹھانوں کو پوری کوشش سے نظر یہ پاکستان کی تائید کے لیے تیار کیا۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی (آف کراچی) نے ایک انٹرویو میں آپ کی خدمات کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

”صوبہ سرحد میں صورت حال بڑی نازک تھی۔ اس کی طرف قائد اعظم نے واضح اشارہ فرمایا تھا وہاں سرخپوشوں نے قیامت اٹھا رکھی تھی۔ وہ تحریک عوام میں بے پناہ مقبول اور بے حد منظم تھی۔ عبدالغفار خان جو سرحدی گاندھی کے لقب سے مشہور تھا، اس کا عوام پر زیر دست اثر تھا۔ مسلم لیگ اس علاقے میں انتہائی غیر موثر اور بے وزن تھی، اسے جلسہ عام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ساتھ ساتھ علماء کا ایک گروہ جو دیوبند سے اس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا۔ جب وہاں کانگریسی سیاست غالب آچکی تھی، سرخپوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر خان کی وزارت کے انعوش بہت گہرے تھے۔ ایسے میں پاکستان کے لیے کام

میں داخلہ نہیں تھا۔ علماء کے ساتھ سابق پیر مانگی شریف اور پیر زکوزی شریف نے اپنی تہذیبی سے کام کیا اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی تائید و حمایت سے صوبہ سرحد کی سیاسی فضا میں وہ تغیر رونما ہوا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔“

(انٹرویو مفتی محمد شفیع دیوبندی اردو ڈائجسٹ لاہور جولائی ۱۹۶۸ء)

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں اور دینی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا۔ اس جلسہ میں ایک اہم تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفادار اور مسٹر جناح کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ پیر صاحب مانگی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

”اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ ہر مسلمان کو رسول پاکستان کے لیے زیر دست جد و جہد کرنی چاہیے، جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے۔ حصول پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو، کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی آزادی اور سرباندی کے لیے کوشاں ہے۔“

(”قائد اعظم اور ان کا عہد“ از رئیس احمد جعفری)

آپ نے مولانا گل محمد کی قیادت میں ایک وفد حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں بھیجا جس نے نظریہ پاکستان پر گفتگو کی۔ ۱۹۴۷ء میں، ان کی آل انڈیائی کانفرنس میں شرکت کر کے اڑھائی گھنٹے تک بولے۔ فرمائی۔ دوران تقریر آپ نے فرمایا:

”میں نے قائد اعظم سے وعدہ لیا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی، تو آج جس طرح ہم آپ کو

دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں، کل اسی طرح اس کے برعکس ہو گا۔ (سواد اعظم، لاہور۔ ۱۵ جنوری ۱۹۶۰ء)

حضرت پیر صاحب مانگی شریف کی دعوت پر قائد اعظم نے پہلے پہل سرحد کا دورہ کیا اور دورہ سرحد کے دوران کئی روز تک آپ کے ہاں قیام کیا، اس طرح آپ ہی کے ایماء پر قائد اعظم نے مجاہد آزادی مولانا عبدالحامد بدایونی کو صوبہ سرحد بھیجا، جنہوں نے طوفانی دورے کر کے نظریہ پاکستان کو اجاگر کیا۔

پیر صاحب مانگی شریف نے ہندس میں آل انڈیا کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں نظریہ پاکستان کی توثیق و تائید میں نہایت سرگرمی سے قرارداد پاس کرائی اور پھر تمام ملک میں اس کی حمایت میں دورے کیے اور عوام کو آمادہ کیا کہ وہ تحریک پاکستان کو ہر صورت میں کامیاب بنائیں۔

پیر عبد الرحیم صاحب (بھر چوٹھی شریف)

حضرت پیر عبد الرحیم صاحب ۱۹۱۱ء میں بھر چوٹھی شریف میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان میں پیر عبد الرحیم اور ان کے والد بزرگوار پیر عبد الرحمن کی گرانقدر خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے مسلم لیگ کی بھرپور امانت کی اور قائد اعظم کا عملی طور پر ساتھ دیا۔ آپ کے والد گرامی نے سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم کے لیے ”جماعت اہیاء الاسلام“ کی بنیاد رکھی۔ پھر سندھ کے مشن کو اکٹھا کر کے ”جمیعت المشائخ“ کے نام سے ایک اور تنظیم قائم کی۔ آپ ان دونوں جماعتوں کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے لیے فضا ہموار کرتے رہے۔ ”جماعت“ کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا۔ جب دونوں جماعتیں عوام میں مقبول ہو گئیں، تو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں قائد اعظم کی موجودگی میں پانچ ممبران جو جماعت اہیاء الاسلام کے

منتخب ہوئے تھے، نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

۱۹۴۶ء میں ہندس کی عظیم الشان سنی کانفرنس ہوئی، اجلی میں پیر صاحب اور ان کے والد ماجد نے لوگوں کو نظریہ پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا بعد میں جب انگریزوں نے قائد اعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں کبھی اسمبلی میں اپنی اکثریت کا ثبوت دیں۔ اس نازک مرحلے پر آپ کے والد گرامی حضرت پیر عبد الرحمن صاحب بھر چوٹھی شریف کے روحانی و ایمانی جذبہ اور جاہ و جلال نے وہ کام کیا جو تاریخ نے صفحات پر ہمیشہ روشن رہے گا۔

پیر صاحب نے سندھ اسمبلی کے تمام مسلم ممبران سے ملاقات کی، ان میں سے آپ کے مرید تھے، لیکن ان کی اکثریت کانگریس کے ساتھ تھی۔ پیر صاحب نے اپنی مجاہدانہ شان سے ایک ایک ممبر سے فرمایا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں تحریک پاکستان کی تائید میں ووٹ دے، چنانچہ انہوں نے ہر دو چشم آپ کا فرمان قبول کیا۔ اسمبلی ہال میں تحریک پاکستان کو مطلوبہ تائید مل گئی۔ انگریز اور ہندو کے ہوش اڑ گئے، ان کے انہیں ایسی توقع نہ تھی۔ (روزنامہ جاویداں، لاہور، ۱۶ نومبر ۱۹۴۶ء)

آخر میں روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور مؤرخہ ۱۹ نومبر ۱۹۴۶ء کا اکر یہ مل کرتے ہیں، جس میں پیر صاحب کو بھرپور خراج تحسین پیش کیا گیا۔

”پیر عبد الرحیم شہید سندھ کے دینی اور سیاسی حقوق میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران انہوں نے سندھ مسلم لیگ کو ایک اصول جماعت بنانے کے لیے دن رات کام کیا، اس ضمن میں ان کو سندھ کے ہنود اور کانگریسی مسلمانوں کی ستم رانیوں کا نشانہ بھی بننا پڑا، لیکن وہ مسلمانوں کی خاطر ہر وار سستے اور ہر لمحہ سہیتے رہے۔“

مولانا عبدالحامد ایوبی

آپ ۱۸۹۸ء میں یو۔ پی (بھارت) کے ایک قصبہ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا حکیم عبدالقیوم قادری تھا۔ جب ہندوؤں نے شدھی کی تحریک چلائی تو مسلمانوں کو ہندو بنانے کی شرمناک سازش کی تو مولانا نے اپنی شعلہ بیانی کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا اور اس سازش کا پوری طرح سدباب کیا۔ آپ تحریک پاکستان کے شروع ہونے سے قبل دو قومی نظریہ کے حامی اور پر جوش مبلغ تھے۔ تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ مارچ ۱۹۳۰ء میں جب قرارداد پاکستان پاس کی گئی، تو آپ قائد اعظم کے خاص رفقاء میں سے تھے۔ اس موقع پر قراردادوں کے علاوہ مسئلہ فلسطین پر پیش کردہ قرارداد کے حق میں آپ نے ولولہ انگیز تقریر کی۔ آپ نے تحریک خلافت میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کرنے کے لیے ملک کے طول و عرض کا دورہ کیا۔ آپ ۱۹۳۰ء سے تقسیم ہند تک مسلم لیگ کے رکن رہے۔ ۱۹۳۰ء میں اقبال پارک لاہور میں قرارداد پاکستان کے سلسلے میں جو اجلاس ہوا، اس میں آپ بھی شریک تھے۔ قائد اعظم کی زیر صدارت قرارداد پاکستان کی حمایت میں تاریخی اجتماع سے خطاب فرمایا جو ہمیشہ یاد رہے گا۔ قیام پاکستان کی تحریک کو تیز کرنے کے لیے ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس جو بنارس میں منعقد ہوئی، اس میں شریک ہوئے اور ملک میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے اکابر علماء اہل سنت کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی، مولانا بدایونی اس کے بھی رکن تھے۔

۱۹۳۶ء کے تاریخی انتخابات میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ سرحد، پنجاب، بلوچستان اور یو۔ پی (بھارت) میں مولانا کی تقاریر ملت اسلامیہ کو جہاد کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے وفد میں دیگر

ات کے علاوہ مولانا بدایونی بھی شامل تھے حضرت پیر صاحب ہانگی شریف نے ”اعظم“ سے خاص طور پر مولانا بدایونی کو سرحد بھیجنے کے لیے کہا تھا۔

آپ نے اپنے زور خطابت سے سرحد کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر متوجہ کر لیا۔ اس جرم میں انہیں حکومت نے ناپسندیدہ عناصر کی فہرست میں شامل کر دیا۔ انہوں نے کسی خطرہ کی پرواہ نہ کی۔ قائد اعظم نے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو فاتح سرحد کا خطاب دیا۔ اس طرح آپ نے قائد اعظم کے ساتھ ۱۹۳۰ء فرما کر سیالکوٹ میں احراریوں کا زور توڑا اور احراریوں کی لچھے دار تقریریں، شعلہ بیانی کے آگے بے کار ثابت ہوئیں۔ (روزنامہ جنگ، کراچی۔ ۷ جون ۱۹۷۷ء)

۱۹۳۶ء میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے فریاد پر مولانا بدایونی حیدر آباد آئے تاکہ وہ کسی طرح نظام دکن اور قائد اعظم کی ملاقات کے لیے راہ ہموار کریں۔ ان دنوں میں اختلافات شدید ہو گئے تھے۔ نظام دکن سے مولانا کی کافی بحث ہوئی اور ضامن ہو گیا۔

۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی طرف سے علماء کا ایک وفد حج کے موقع پر سعودی عرب گیا تاکہ اسلامی ملکوں کے راہنماؤں اور مسلمانان عالم کو تحریک پاکستان کے کامیابی سے آگاہ کیا جائے۔ یہ وفد مشرق وسطیٰ اور عرب ملکوں کے دورے پر گیا اور ایک پاکستان کے سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے بڑا کام کر دیا اور اس وفد کے قائد حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی اور سیکرٹری مولانا بدایونی تھے۔

کراچی کے اخبار روزنامہ ”جنگ“ نے ۲۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو آپ کے سال پر اپنے ادارے میں آپ کی خدمات کا یوں تذکرہ کیا:

”مولانا عبدالحامد بدایونی کی رحلت اس بزرگ صغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک انتہائی غم انگیز سانحہ اور ملک و ملت کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے جسے پاکستان کے عوام، علماء، سیاسی راہنما، طلباء اور مرحوم کے ارادت مندوں نے بڑی شدت کے

ساتھ محسوس کیا۔ اسلام اور پاکستان اور ملت مسلم کے لیے انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ کبھی بھلائی نہیں جاسکتیں۔ مولانا کا شمار ان گنی گنی شخصیات میں ہوتا ہے جو مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے ساتھ تحریک خلافت میں شریک تھے۔ پھر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آزادی کی جدوجہد اور تحریک پاکستان کا وہ ایک روشن باب ہے، جو ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ قرارداد پاکستان کے حق میں برائے عامہ ہمارے کرنے کے لیے مولانا کی خطابت نے جو جوہر دکھائے تھے، آپ کے طویل دوروں اور مسلسل جدوجہد نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی لگن اور ایک متحدہ وطن کے حصول کے لیے جو تڑپ پیدا کر دی تھی، اسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ پھر صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا نازک مرحلہ پیش آیا، تو مرحوم نے اپنا سارا وقت، صلاحیتیں اور زور بیان اس کے لیے وقف کر دیا۔ تحریک پاکستان سے مسلمانان عالم کو متعارف کرانے کے لیے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا۔ مولانا بدایونی ایک جید عالم، جادو بیان خطیب، ہمدرد مشفق مذہبی راہنما، ممتاز سیاست دان ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے ایک پر جوش و سر فروش سپاہی بھی تھے۔

حضرت مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی

آپ کا نام سید محمد تھا، والد ماجد کا اسم گرامی سید محمد اشرف تھا، آپ کی ولادت ۱۳۱۱ھ کو بمبئی ضلع جاکس ضلع رائے بریلی میں ہوئی۔ مذہبی، تبلیغی اور سماجی کاموں کے علاوہ آپ نے سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے دیگر مشعل اہل سنت کے شانہ بخلاف مگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا۔ تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کیے اور عوام کو مسلم لیگ کے پروگرام سے آگاہ کر کے نظریہ پاکستان کا ہم لب لایا۔ سندس کی آل انڈیا سنی کانفرنس اور اجیر سنی کانفرنس میں آپ کے خطبہ صدارت سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

”میرے بھائی رشتہ دار! میں نے عرضداشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی اتنی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے۔ ملک میں اس لفظ کا استعمال دوسرے کا معمول بن گیا ہے۔ درود یو اور پاکستان زندہ باد تباہی کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے انہوں نے اس میں پاکستان ہے۔ رتیں کے۔ مسجدوں میں خانقاہوں میں درسوں میں، دہانوں میں غلط پاکستان نہ رہا ہے۔ اس لفظ کو جناب کا یونیورسٹی لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر مسلم ایسی یاد رکھی اوتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی اشارہ ہو گیا ہے اور جو غلط مختلف ذہنیوں کے استعمال میں ہو، اس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جب تک ہمارے والد اس کو واضح طور پر نہ بتا دے۔ یونیورسٹی کا پاکستان وہ ہو گا جس کی مشینری سرکار جو گنڈر سنگھ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے، وہ اٹنے پٹنے ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا بانی کمانڈر اس کا ذمہ دار ہے، لیکن ان سنیوں نے لیگ سے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی امید کرتے پھرتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم، میوں کے باوجود مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے۔ ان کو، ان کے معاملات کو، ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے، جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ امام کی حکومت ہو۔“ (خطبہ صدارت: باری نی کانفرنس مطبوعہ ۱۱ ہور، ص ۲۳)

۵-۶ رجب ۱۳۶۵ھ کو سنی کانفرنس ابمیر شریف میں آپ کے خطبہ

صدارت سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو

”اب نہ بھائیو! اے مصطفیٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستوا! اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مرہان آگئے اور تم کیوں روکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی، اب مسٹ کی اعنت چھوڑ دو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، انھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ روکو، پاکستان بنالو تو جا کے دم لو کہ یہ کام اے سنیو سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔“ (ظہیر اجیر سنی کانفرنس، مطبوعہ ۱۱ ہور ص ۳۸)

تحریک پاکستان کے گمنام سپاہی فقیہ العصر علامہ یار محمد بدایاوی

انوار ہی انوار کا عالم نظر آیا

چلن جو ذرا میں نے اٹھائی تیرے در کی

آفتاب، الیت، نیر علم و حکمت، شیخ طریقت حضرت فقیہ العصر علامہ مولانا یار محمد صاحب بدایاوی چشتی صابری قدس سرہ العزیز متاثر شیائے حق نے جلاور فنیگان شوق کے لعبہ، سوفیوں کے پیشوا، عابدوں کے رہنما، اقلیم فقر کے شہنشاہ، سلیمان اور ابوذر کا پر تو، سہیل اور بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا آئینہ، غزالی اور رازی کے علوم کے جامع، آلوہی اور طحاوی کی شان، شریعت کے سنگم، معرفت اور حقیقت کے منبع، الحرمین تھے۔ آپ کے سینے میں اویس قرنی کا پر تو، آنکھوں میں جانی کی التجاؤں کا انداز، دل میں ترب صدیق کی بھٹک، ماتھے کی وسعت پر رازی کا گماں ہو تا تھا، چہرے کی سادگی سے رومی کا جاہ و جلال نکلتا تھا۔ آپ کی شخصیت کیا تھی؟ گویا گزرے ہوئے عشاق کی پریشان دلانہ ایک جگہ مجتمع ہو گئی ہیں۔

آپ کے قلب مبارک میں محبت الہی اور عشق مصطفوی کی قدیل فردزاں تھی۔ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھری لگ جاتی تھی۔

بھر آقا میں بہیں اشک، مگر حد میں رہیں

کچھ نہ کچھ ضبط بھی اے دیدہ تر پیدا کر

آپ کی پیدائش ضلع خوشاب کے ایک دور افتادہ گاؤں بدیال شریف میں واقعہ کے مشہور و معروف بزرگ صاحب علم حضرت خواجہ میاں شاہ نواز کے خاندان میں میاں محمد سلطان نامی ایک صوفی منش و درویش خداست شخصیت کے ہاں ہوئی۔ آپ کا خاندان شروع ہی سے روحانیت کا مرکز تھا۔

مر جا صد مر جا اے سر زمین بدیال

تیری منی سے ہوا ہے مرد کامل کا ظہور

یہ تقریباً ۱۸۸۸ء کا واقعہ ہے کہ بدیال شریف کی سر زمین پر وہ روح ارجمند جلوہ گر ہوئی جو بیکر حسن و جمال بھی تھی، منبع فضل و کمال بھی، جو مصدر وجود و نوال بھی تھی، مرکز عشق و محبت بھی، خوش خلقی و سادگی کا مرقع بھی تھی، عجز و انکساری کی تصویر بھی۔ ہمدردی و مروت کا منظر اتم بھی تھی اتباع رسول کا عملی نمونہ بھی، سوز و گداز کا بیکر بھی۔ قرون اولیٰ کا نقش حسین بھی تھی یادگار سلف بھی تھی اور افتخار خلف بھی۔ آپ کا شاہراہ حیات پر ہر قدم سا اکاں راہ محبت کے لیے خضر راہ ہے۔

ہزاروں رحمتیں اے مطرب رنگیں نوا تم ہو!

کہ ہر کانٹے میں تو نے روح و دوا دی گلستاں کی

آپ کے شاگرد رشید استاذ العرب و الخیم امام المناطقہ و الفلاسفہ حضرت علامہ عطاء محمد بدایاوی مدظلہ نے اپنے استاد کے حضور منظوم نذرانہ عقیدت یوں پیش کیا، جو آپ کی لوح زار پر بھی رقم ہے۔

دانش روشن ز انوار الہی بیانش حنج اسرار الہی
عمرش بزدو افتادفت عطاء گوید بعشق مصطفیٰ رفت

آپ کے تخر علمی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو ایک قابل مدرس کی ضرورت تھی، اس وقت آپ مولانا ہدایت اللہ خان کے پاس زانوئے تلمذ تہ فرما رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا ہدایت اللہ خان کی طرف تحریر فرمایا تو آپ کی نظر نے حضرت علامہ یار محمد ہندیاوی کا انتخاب کیا، لیکن آپ کے دل میں چونکہ استاد کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ مسند تدریس کو پسند نہ فرمایا۔ آپ مولانا ہدایت اللہ خان صاحب (تلمیذ اعلیٰ حضرت) کے تمام شاگردوں میں قابل تھے۔ مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت) آپ کے مدرس تھے۔

آپ نے ہندوستان کی مختلف درس گاہوں میں بائیس سال کا طویل عرصہ گزارا حکیم محمد اجمل خاں سے صرف ریاضی پڑھنے کی خاطر مکمل علم ب بھی پڑھا۔ مرشد العرب والحم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز حضرت خواجہ صوفی محمد حسین الہ آبادی کے پاس ۳ سال رہ کر علامہ ہندیاوی نے تصوف کی اکثر کتابیں سیکھیں۔ مشہور ہے کہ خواجہ انجیری کے عرس مبارک کے دوران خواجہ عبدالقدوس گنگوہی کی غزل

تفت قدوس فقیر در فنا و در بقا

خود بخود آزاد ہوئی خود گرفتار آمدی

قوال محفل سماع میں پیش کر رہے تھے کہ حضرت خواجہ محمد حسین الہ آبادی کا اسی مصرع پر وصال ہو گیا اور وقت وصال اپنے خلیفہ مجاز علامہ یار محمد ہندیاوی کے آغوش میں سر اقدس تھا۔

ہندوستان سے ہندیاں شریف واپس آکر تقریباً ۱۹۱۱ء میں آپ نے ملک کی ممتاز دینی قدیم مدرس گاہ جامعہ مظہریہ امدادیہ، ہندیاں کی بنیاد رکھی جس سے ہزاروں تشنگان علوم ظاہری و باطنی کو آپ نے سیراب فرمایا اور ابھی تک یہ سلسلہ شوق جاری و ساری ہے۔

آچشم آرزو کی گہریاں تو دیکھ
لنتے ہیں صبح و شام خزانے نئے نئے

آپ کے تلامذہ میں امام الدرسین حضرت علامہ عطاء محمد ہندیاوی، حضرت القرآن ابو الحقائق علامہ عبدالغفور ہزاروی اور پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی علامہ سید امان اشرف، پیر سید محمد وارث شاہ صاحب عیسیٰ خیل (بھور شریف) جیسی مایہ ناز اور علم و ہنر شخصیات شامل ہیں۔

تحریک پاکستان کا آغاز ہوا، تو آپ نے بھی دیگر مشائخ کرام علماء عظام کے شانہ و کرامت سے کام کر کے جے نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شیریں

کام ادا کر دیا۔ ہندیاں اور گرد و نواح کے اکثر امراء یونیورسٹی پارٹی کے ہم نوا ہونے کی وجہ سے تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کے زبردست مخالف تھے۔ موضع ہندیاں میں مال (ملک) فیملی ہے، جنہوں نے سرداری نظام قائم کر رکھا ہے اور وہ خود کو سیاہ و سفید کا مالک سمجھتے ہیں اور اس دور میں عوام پر ان کا سخت کنٹرول تھا، اگرچہ اب وہ بات نہیں رہی۔ اس وقت تو کسی آدمی کو ملک صاحب کے خلاف بات کر دینے سے اپنی جان بچانے پڑتی تھی۔ ان حالات میں ان ڈیکلٹر اور آمر مزاج امراء و رؤسا کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا اور ان کی مخالفت کرنا خود کو زبردست خطرے میں ڈالنے سے کم تھا، لیکن اس مرد حق نے کسی بھی خطرے کی پروا نہ کرتے ہوئے مسلم لیگ کے حق میں اقدیر کیں اور ہزاروں کی تعداد میں مریدین، متعلقین کو مسلم لیگ کی حمایت کے لیے تیار کیا اور آپ نے اپنے خطبات میں واضح طور پر فرمادیا۔

”مسلم لیگ کو ووٹ دینا مسجد کو ووٹ دینا ہے اور کانگریس کو ووٹ دینا مندر کو ووٹ دینا ہے۔“ اور ”ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے، جبکہ دوسری طرف کفر کا۔ چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے، اس لیے اس سے کتنا اسلام سے کتنا ہے۔“

(حوالہ کتاب ”حیات استاذ العلماء ص ۴۰)

فقہ العصر حضرت علامہ یار محمد ہندیاوی نے اس دور میں مسلم لیگ کی بھرپور

امداد فرمائی۔ جب ہندیاں اور اس کے گرد و نواح کے تمام وہابی نجدی مولوی بوجہ کانگریس ہونے اور ملک خضر حیات ٹوانہ کے ذریعہ ہونے کے پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے اور قائد اعظم محمد علی جناح کو گالیاں دیتے تھے اور ہندیاں کے مقامی وہابی نجدی مولوی تحریک پاکستان کو پکڑیوں کا جھگڑا قرار دے رہے تھے حضرت فقیہ العصر کی زیر دست تقاریر اور فتاویٰ کے ذریعے ہزار ہا لوگ مسلم لیگ میں شامل ہوئے چنانچہ جب یونینسٹ امراء نے خضر حیات ٹوانہ کی پوزیشن کمزور ہوتی دیکھی تو ہندیاں کے امراء کا ایک بہت بڑا وفد جس میں علاقہ بھر کے امراء باہموم اور ہندیاں کے روسا بالخصوص شامل تھے، حضرت فقیہ العصر کے پاس آیا کہ آپ مسلم لیگ کی حمایت ترک کر دیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”یہ مذہبی معاملہ ہے فقیر اپنا جھونپڑا کہیں اور جگہ بنالے گا، مگر مسلم کی حمایت ترک نہیں کرے گا۔“ آپ نے مزید فرمایا: ”میں اعلان کرتا ہوں کہ میں تم سے دور ہوں اور تم مجھ سے دور ہو جاؤ، مجھے اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے مقابلے میں تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔“

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
خودی نہ بچ فقیری میں نام پیدا کر

وہ تمام امراء آپ کا یہ جواب سن کر دم خوردہ گئے اور خاموشی سے واپس چلے گئے۔ آپ جیسے بزرگان دین کی کوششوں سے پاکستان بن گیا۔ آخریہ آفتاب ولایت ۲۱ محرم ۱۳۶۴ دسمبر ۱۹۴۳ء کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔ ہر سال ۲۱، ۲۲ محرم الحرام کو آپ کا سالانہ عرس نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے جس میں ملک بھر سے مقتدر علماء کرام اور مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں اور جامعہ مظہریہ امدادیہ ہندیاں کے سینکڑوں فضلاء، مریدین اور متعلقین ہزاروں کی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔

خلد میں شاداں رہے وہ کلی والے کے طفیل
اس کے مرقد پہ ہو اجمل رحمت رب غفور

استاذ العلماء علامہ محمد عبدالحق ہندیاں مولوی مدظلہ العالی

میر طریقت، استاذ العلماء تاج الفقہاء حضرت علامہ الحاج صاحبزادہ محمد عبدالحق ہندیاں مولوی دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ ہندیاں شریف و مہتمم کراچی دارالعلوم جامعہ مظہریہ امدادیہ ہندیاں شریف، فقیہ العصر علامہ یار محمد ہندیاں مولوی ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ پھر علامہ مولانا محمد سعید الدین ملتان علامہ عبدالعزیز حفیظ بانڈی والے، مولانا محمد دین صاحب بدھوالے اور ملک الدین حسین حضرت جامعہ عطاء محمد ہندیاں مولوی دامت برکاتہم العالیہ سے درس نظامی کی تکمیل کی جامعہ رضویہ لاکھ پور (فیصل آباد) سے حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد وار احمد قدس سرہ سے دستار بندی اور سند حدیث حاصل کی اور علامہ عبدالغفور اردوی کے پاس دورہ تفسیر بھی کیا۔ سید الاصفیاء حضرت خواجہ غلام محی الدین دہلوی و وفیلو جی سرکار آستانہ عالیہ گولڑہ شریف سے بیعت و خلافت کا فرقہ عطا ہوا۔ ایک طرف تو آپ نے والد گرامی کی قائم کردہ عظیم درس گاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری فرمایا اور انتھک محنت اور سخت کوشش سے یہ دارالعلوم اب اہل سنت کے مدارس کے صف اول میں شامل ہے۔ دوسری طرف طالبان سلوک کی جھولیوں کو گوہر مراد سے پر فرما رہے ہیں اور آپ نے مولوی محمد امیر ہندیاں مولوی، مولوی غلام حسین، حافظ احمد اہل نادر کئی دوسرے دیوبندی وہابی مولویوں کو کئی بار مناظروں میں شکست فاش دی۔ جب تحریک پاکستان چلی، تو آپ نے اپنے والد گرامی کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اب دور دراز کے لوگ فقیہ العصر حضرت علامہ یار محمد ہندیاں مولوی کے پاس مسلم لیگ کی حمایت کے لیے فتویٰ لینے آتے، تو فقیہ العصر کے حکم سے فتویٰ آپ ہی تحریر فرماتے تھے۔ اسی دور میں موضع گولیوالی کا ایک بااثر شخص ملک کے پاس کسی کام کے سلسلے میں لاہر ملک نے اس سے پوچھا لوٹ کس کو دو گے؟ اس نے کہا ”علامہ یار محمد ہندیاں مولوی جس کو

کہیں گے۔“ ملک صاحب نے کہا ہاں ان سے پوچھ لو۔ اس وقت ہدیال کے قریب تھا۔ ملک صاحبان اور وہابی دیوبندی مولوی یونیسٹ کے حامی تھے۔ وہ شخص جب فقیرانہ علامہ یار محمد ہدیالوی کے پاس حاضر خدمت ہوا، آپ نے صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب کو فرمایا کہ اسے لکھ دو کہ ملک خضر حیات ٹوانہ نے مسلمانوں کو چھوڑ کر انگریزوں کے ساتھ رابطہ پیدا کیا ہوا ہے اور ان کے اشارے پر کام کر رہا ہے، لہذا اس کو دوٹ دینا جائز و ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصْرَىٰ أَوْلِيَاءَ** ”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔“ چونکہ ملک خضر حیات ٹوانہ نے نصاریٰ کو دوست بنایا ہوا ہے، لہذا اس کے ساتھ تعاون ناجائز ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ** ”اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔“ انگریز اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے، ملک خضر حیات نے ان کو دوست بنایا ہوا ہے، لہذا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے اور اس کو دوٹ دینا جائز اور ممنوع ہے۔

جب ملک کو اس فتویٰ کا پتہ چلا، تو اسے بڑا غصہ آیا۔ اس نے صاحبزادہ محمد عبدالحق صاحب کو بلا بھیجا۔ ملک کا زبردست رعب و دبدبہ تھا۔ بڑے بڑے بیباک اور غرور لوگ اس کے سامنے جانے سے گھبرایا کرتے تھے۔ صاحبزادہ صاحب اس کے پاس گئے، اس نے کہا ”کیا واقعی آپ نے ہمارے خلاف (یونیسٹ) کے خلاف فتویٰ لکھا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں لکھا ہے۔“ اس نے کہا آپ خضر حیات ٹوانہ کی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ اس نے آپ کے بھائی کو میو ہسپتال لاہور میں داخل کروایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”دنیلوی بات ہوتی، تو ہم خضر حیات ٹوانہ کی امداد کرتے۔ یہ مذہبی بات ہے مسلم لیگ اسلام کے پرچم کو بلند کر رہی ہے اور کانگریس ہندوؤں کی جماعت ہے جو ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کر رہی ہے۔ اس نے کہا دیوبندی ملک صاحبان

خضر حیات ٹوانہ کے ساتھ ہیں اور ان کے دیوبند مولوی ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور آپ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: ”میں ملک صاحبان کو اپنی ناک کے بال کے برابر بھی نہیں سمجھتا“ اللہ والوں کی نظر عنایت تھی کہ ملک کچھ نہ کہہ سکا اور صرف ملک سرفراز جنجوعہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کیوں ملک سرفراز، میں نے مولوی صاحب کو کچھ کہا تو نہیں، اس نے کہا نہیں۔ پھر صاحبزادہ صاحب اٹھ کر چلے گئے۔ اسی دور میں ہدیال کے مقامی دیوبندی وہابی مولوی بھی حسین احمد مدنی، عطاء اللہ شاہ واری، مولوی آزاد وغیرہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تحریک پاکستان کو پکڑیوں کا جکڑا قرار دے رہے تھے، بلکہ آدھی کوٹ، نور پور اور تھل کے دوسرے دیہاتوں میں خضر حیات ٹوانہ سے پیسے لے کر تقریریں کر رہے تھے۔

پھر جب پاکستان بن گیا اور فوج میں بھرتی کے لیے نوجوانوں کو بھرتی کرنے کا وقت آیا، تو دیوبندی ملک صاحبان میں سے کیپٹن ملک محمد افضل ہدیال آئے، تو انہوں نے علامہ محمد عبدالحق صاحب کی منت سماجت کی کہ آپ براہ کرام جہاد کے موضوع پر تقریر فرمائیں، کیونکہ ہمارے مولویوں نے چونکہ تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی، اس لیے اب وہ پچھارے پاکستان کے لیے فوج کی بھرتی کی ضرورت پر زور کیسے دے سکتے ہیں؟ چنانچہ کیپٹن ملک محمد افضل ہدیال حضرت صاحبزادہ صاحب کو موضع ہدیال کے علاوہ موضع چھہہ وغیرہ پر لے گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے جہاد اور فوج میں بھرتی کی ضرورت و اہمیت پر تقاریر فرمائیں۔

کیپٹن ملک محمد افضل مرحوم کا اس اہم موقع پر صاحبزادہ صاحب کو اس طرح لے جانا اور صاف کہنا کہ ہمارے مولوی صاحبان کس منہ سے تقاریر کریں، یہ نہ کہ کل تک انہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی، اس بات پر ہر تصدیق کا

کام دیتی ہے کہ موضع بدیال کے دیوبندی وہابی مولویوں نے کیسی شدت سے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

صاحبزادہ صاحب نے تحریک پاکستان کے علاوہ ملک و قوم، مذہب و ملت کی بہتری کی خاطر چلنے والی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مثلاً تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ اور ہر مشکل مرحلہ پر اپنے علاقہ میں قوم مسلم کی ڈرگائی تاؤ کو اپنے غم صمیم اور جہد مسلسل سے منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ آپ بیک وقت عظیم مفکر، بلند پایہ مدرس، مایہ ناز مفتی اور بے مثال خطیب بھی ہیں آپ علم کا وہ بحر ذخار ہیں جس کی ہر موج خود قلمز باغوش ہے۔ آپ وہ تابغ عصر شخصیت ہیں، جن کی رگوں میں محبت رسول اور یمن کر موجزن ہے جن کے دل کی ہر دھڑکن سینہ پر عشق مصطفیٰ ﷺ کی ضرب لگاتی ہے۔ آپ کی پوری زندگی خدمت دین سے عبارت ہے۔ اسباق پڑھانا، شرعی فیصلے کرنا، باہر سے آنے والے علماء کی الجھنیں دور کرنا، متاثرین عرفان و امنوں میں حب الہی اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے انمول موتی پھسار کرنا۔ تبلیغی اصلاحی خطبات، یہ وہ مصروفیات ہیں، جن سے آپ کو فرصت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں کو پہنچ چکی ہے، چند نام یہ ہیں:

مولانا محمد سعید رضوی کشمیری خطیب مدیڈ فورڈ لندن۔ صاحبزادہ جمال الدین شاہ کاظمی، کراچی آف خواجہ آباد شریف۔ مولانا محمد اقبال ڈیوی، کراچی۔ مولانا غلام محمد الحسنی بدیال۔ مولانا فیروز دین کراچی، مولانا اکرم سیالوی کراچی۔ مفتی محمد حسین کراچی۔ مولانا سر فراز قادری، ڈیرہ اسماعیل خان۔ مولانا محمد رفیع چشتی مرحوم۔ مولانا حافظ محمد ناظر، کراچی۔ علامہ علی احمد سندیلوی (جامعہ نعیمیہ) لاہور۔ مولانا محمد رشید نقشبندی، لاہور۔ مولانا محمد اشرف، لاہور۔ مولانا صاحبزادہ رضاء المصطفیٰ، ڈنگ (گجرات)۔ مولانا شاہ نواز سیالوی، مدینہ کالونی، لاہور۔ مولانا محمد حنیف

سیالوی، قائد آباد۔ صاحبزادہ میاں علی اکبر (بالا شریف)۔ مولانا غلام محمد شرفوری (جامعہ نعیمیہ) لاہور۔ صاحبزادہ علامہ سردار احمد کھرچڑ شریف۔ صاحبزادہ محمد اسماعیل الحسنی شاہوالہ۔ صاحبزادہ عبدالرحمن حسنی، شاہوالہ۔ صاحبزادہ سید معظم الدین شاہ کاظمی، خواجہ آباد شریف۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی

صدر الافاضل حضرت مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام مولانا محمد معین الدین نزہت تھا۔ ۱۹۲۰ء میں جب سلطنت ترکی کے تحفظ اور حمایت میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی، تو مشترکہ ہندو مسلم ہندو جہد کا آغاز ہوا تاکہ ترکی کے مقبوضات واپس دلانے جائیں۔ ہندو مسلم تعلقات اس حد تک پہنچ گئے کہ ہندو مقتدا اور مسلمان لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر شعائر اسلام کا بھی پاس نہ کیا گیا۔ ایسے موقع پر صدر الافاضل خاموش نہ رہ سکے اور مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے فرمایا:

”سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر درد ہو کم ہے سلطنت اسلامیہ کی امانت و حمایت خادم الحرمین کی نصرت اور مدد مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے اور دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ اگر اتنا ہی ہو تاکہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندوان کے ساتھ متفق ہو کر جبا ہے، درست ہے، پکارتے مسلمان آگے ہوتے اور ہندوان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام نے جوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا فہم ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر

عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر نقشہ کھینچ کر کفر کا شعار نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں جوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔“

(حیات صدر الافاضل صفحہ ۹۹، مطبوعہ لاہور)

۱۹۲۳ء میں جب شدھی تحریک چلی جس کا مقصد مسلمانوں کا مرتد کرنا یا قتل کرنا تھا بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی جس کے تحت آپ نے دیگر علماء اہل سنت کے ساتھ فتنہ ارتداد کا بھرپور مقابلہ کیا۔

۱۹۲۴ء میں آپ نے مرد آباد سے ماہنامہ السوالا اعظم جاری کیا۔ اس پرچے میں دو قومی نظریہ کی بھرپور حمایت کی اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلمی کھولی۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبہ آباد میں ان افکار کا اظہار کیا جو ہماری قومی تاریخ میں ایک نئے موڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ تاہم اس دور میں جب علامہ اقبال ان خیالات کا اظہار کر رہے تھے، ان کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں خودالہ آباد کا اظہار کر رہے تھے، ان کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں خودالہ آباد مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی بے رخی اور لافعلی کی کیفیت پائی جاتی تھی۔

علماء اہل سنت چونکہ شروع ہی سے ایسے افکار کے داعی تھے اور مسلمانوں کے الگ وجود کے تحفظ کی ضمانت چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے اقبال کی واضح طور پر تائید کی۔ اس وقت صدر الافاضل نے ”السوالا اعظم“ جنوری ۱۹۳۱ء کے شمارے میں اقبال کے افکار کی تائید کرتے ہوئے لکھا۔

”اکثر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار ہو، دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا، یہ ہندو اخبارات دیکھنے سے ظاہر ہو گا کیا یہ کوئی نا انصافی کی بات تھی۔ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے نفع

ملتا..... اس کو کون جانتا ہے کہ پردہ غیب سے کیا ہو گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا، لیکن ہندو اس وقت خالی بات بھی نوک زبان پر لانے کو تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو، اس حالت میں بھی کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پینا کرے تو اس پر ہزار افسوس۔ کاش یہ حضرات اس وقت خاموش ہو جائیں اور کام کر لیتے دیں۔“

(ترجمان اہل سنت، کراچی، اگست ۱۹۷۱ء)

جب اقبال پارک لاہور میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی، تو جن علماء اہل سنت نے اس کی پر زور تائید و حمایت کی، ان میں سے ایک صدر الافاضل بھی تھے۔ ۱۹۴۶ء میں جب ہارس کانفرنس منعقد ہوئی، تو آپ اس کے ناظم اعلیٰ تھے۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا اجتماع اور ڈیڑھ دو لاکھ سامعین کرام کا جھمکا تھا، اس میں آپ کی بھرپور کوششوں سے یہ قرار داد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی ”آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔“ (حیات صدر الافاضل ص ۱۹۰)

اس کانفرنس کے بعد اس کی غرض و غایت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اور نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کرنے کے آپ نے صوبہ جات مدراس، گجرات کاٹھیواڑ، جونا گڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی پنجاب، بہار، کلکتہ، ممبئی، چوہیس پرگنہ، بڑھاکہ، کرناٹک، چٹاگانگ، سلٹ وغیرہ کے دورے کیے اور قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ تحریک پاکستان سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ چنانچہ مولانا ابوالحسنات قادری کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :

”پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیائی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔“
(حیات صدر الافاضل ص ۱۸۶)

شیخ القرآن علامہ محمد عبدالغفور ہزاروی

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی ضلع ہزارہ کے ایک گاؤں موضع چمبہ میں ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ پھر لاہور اور دہلی کے مختلف دینی مدرس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر کچھ عرصہ ہندیاں میں حضرت استاد الاساتذہ فقہ العصر علامہ محمد صاحب مدیالوی سے اکتساب علم کرتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں آپ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور پھر قیام پاکستان تک ہر طرح سے اس کی معاونت فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں تحریک ختم نبوت، تحریک خلافت، تحریک نیلی پوش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلم لیگ کے لیے پشاور سے کلکتہ تک پیغام حق سنایا۔ جن دنوں آپ نے اپنے شب و روز مسلم لیگ کے لیے وقف کئے ہوئے تھے۔ ان دنوں وزیر آباد احرار پارٹی کا بہت زور تھا۔ اس کے سدباب کے لیے آپ نے حضرت قائد اعظم کو وزیر آباد میں مدعو کیا، چنانچہ قائد اعظم تشریف لائے اور آپ کی جامع مسجد سے ملحقہ وسیع و عریض گراؤنڈ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اس جلسہ کے بعد احراریوں کا زور ٹوٹ گیا۔ ایک مرتبہ سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں احرار کا معرکہ آرا جلسہ ہو رہا تھا، جس میں احراری مقررین اپنی لہجے دار تقریروں سے عوام کو نظریہ پاکستان سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ دوسری طرف علماء اہل سنت نے اپنا بیچ لگا رکھا تھا۔ جب احراریوں کے اجتماع میں عوام کو کچھ زیادہ ہی کشش نظر آئی تو حضرت شیخ القرآن خود مایک پر آئے اور ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا کہ لوگ دھڑا دھڑا آپ کے پاس آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مخالف حضرات

کے پنڈال میں الوداع لے گئے۔ یہ منظر دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں و فور جذبات سے دیوانے ہو گئے اور فوراً فی البدیہہ ایک نظم پڑھی۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔
میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا
چشمہ اہل رہا ہے محمد کے نور کا
بد اس کے سامنے ہے فتاری کا ناطقہ
کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

۱۹۴۰ء میں جب منٹوپارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی، تو اس وقت برصغیر کے ممتاز لیگی لیڈر تشریف فرما تھے۔ اہل سنت کی نمائندگی مولانا عبداللہ بدایونی اور حضرت شیخ القرآن کر رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں اس عظیم تاریخی اجتماع سے خطاب بھی کیا۔ حضرت شیخ القرآن، مولانا ظفر علی خاں سے پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ جنوری ۱۹۴۲ء میں جب مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے انہیں باغی قرار دے دیا، تو مسلم لیگیوں کی ڈھڑا دھڑا گریاں عمل میں لائی گئیں۔ ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سب سے پہلے سعادت حضرت شیخ القرآن کے حصہ میں آئی۔ ۱۹۴۶ء میں ہارسی آل انڈیائی کانفرنس منعقد ہوئی دوسرے مقررین کے علاوہ آپ نے بھی اس تاریخی اجتماع سے خطاب فرمایا۔ آپ نے دوران تقریر محدث کچھ چھوی کے ان الفاظ کی پر زور تائید و حمایت فرمائی کہ ”پاکستان ایسا ملک ہو گا جس میں کسی خاندان یا کسی خاص شخصیت کی حکومت نہ ہو گی، بلکہ اسلام کی حکومت ہو گی، جس میں کسی کا استحصال نہ ہو گا۔“ (حضرت شیخ القرآن ص ۳۷)

تحریک پاکستان کے دوران آپ پر ایک مرتبہ مخالفین پاکستان نے قاتلانہ حملہ بھی کر دیا، مگر بفضل خدا آپ بال بال بچ گئے۔

ضیغم اسلام مجاہد ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی

مجاہد ملت حضرت مولانا عبد الستار خاں نیازی یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو پنیالہ ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی ذوالفقار خاں تھا۔ ۱۹۳۲ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپنے چند دردمند ساتھیوں مثلاً میاں محمد شفیع (م۔ش) جسٹس انوار الحق، حمید نظامی اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کے تعاون سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے پہلے صدر حمید نظامی منتخب ہوئے، دوسرے صدر محمد شفیع اور ۱۹۳۸ء میں مولانا نیازی تیسرے صدر چنے گئے۔ آپ نے فیڈریشن کا بنیاد ستور مرتب کر لیا۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا نیازی نے دہلی میں قائد اعظم سے ملاقات کے دوران انہیں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے خلافت پاکستان کی سکیم پیش کی۔ قائد اعظم اس سکیم کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

YOUR SCHEME IS VERY HOT (یہ بہت گرم سکیم ہے)

مولانا نیازی نے جواب دیا:

BECAUSE IT HAS COME OUT FROM A BOILING HEART.

(یہ اس لیے گرم ہے، کیونکہ یہ ابلتے ہوئے دل سے نکلی ہے)

قائد اعظم اس پر بہت خوش ہوئے اور اس کو مسلم لیگ کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کرنے کا وعدہ فرمایا۔

مارچ ۱۹۴۱ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائد اعظم کی زیر صدارت پاکستان کانفرنس منعقد کی، تو اس اجلاس کی مرکزی قرارداد پیش کرنے والے مولانا نیازی ہی تھے۔ اس اجلاس میں دیہی علاقوں میں تحریک پاکستان کو منظم کرنے کے لیے "پاکستان رورل پروڈیگنڈ اسکیم" مقرر ہوئی، تو مولانا نیازی سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس

حیثیت سے مولانا نیازی کو قائد اعظم کے ساتھ براہ راست خط و کتابت کا موقع ملا اور انہیں سے تعلقات کا آغاز ہوا۔

۱۹۳۲ء میں آپ ضلع میانوالی میں مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس حیثیت سے ساتھ ہی ساتھ انہیں صوبائی کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کارکن بھی چن لیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کی صوبائی کونسل نے یہ قرارداد منظور کی۔ پاکستان کا آئین شریعت پر مبنی ہوگا۔ صوبائی کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی یہ تجویز منظور کر لی۔

۱۹۳۵ء میں مولانا نیازی نے میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا، کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس پر زندگی کے ہر مسئلہ پر نظریہ خلافت کے نقطہ نظر سے روشنی ڈالی گئی۔ جب قیام پاکستان کی منزل قریب آرہی تھی، تو مسلم لیگ میں ان الوقت قسم کے اور کمیونسٹ ذہن رکھنے والے سیاست دان بھی شامل ہونے لگے۔ چنانچہ نیازی صاحب نے اپنے احباب کے تعاون سے پنجاب کونسل کے اجلاس میں کمیونسٹوں کو لیگ سے نکالنے کی قرارداد پیش کی گئی جو منظور کر لی گئی اور مسلم لیگ سے دانیال لطیفی، ڈاکٹر ذاکر مشہدی، شیر محمد بھٹی اور دیگر کمیونسٹوں کو نکال دیا گیا۔

۱۹۴۶ء میں آپ مسلم لیگ کے کلکٹر پر میانوالی سے ایم۔ ایل۔ اے منتخب ہوئے، لیکن لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود فرنگی گورنر نے سر خضر حیات ٹوانہ سے ساز باز کر لی اور اسے وزارت بنانے کی دعوت دی۔ مولانا نے صوبہ سرحد اور پنجاب کا طوفانی دورہ کر کے مسلمانوں کو منظم کیا۔ خضر حیات ٹوانہ جہاں جاتا، آپ اس کا تعاقب کرتے۔ میاں جنوں ضلع ملتان میں تصادم ہوتے ہوتے چلا۔ خضر حیات نے تنگ آ کر لالچ دینا چاہا، منہ مانگی مراد پانے کی پیشکش کی، تو مولانا نے فرمایا:

”میرے لئے دولت ایمان ہی کافی ہے“

زمین دینا چاہی تو فرمایا: ”تم چند ایکڑ کی بات کرتے ہو، ہم چھ صوبوں کا

پاکستان مانگتے ہیں۔ شریک اقتدار ہونے کا لالچ دیا تو آپ نے فرمایا: اسلام کی وی ہوئی عزت کافی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب قائد اعظم نے کانگریس کی زیادتوں سے تنگ آکر ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا، تو نیازی صاحب کالج کی مصروفیات چھوڑ کر تحریک پاکستان کے لیے ہمہ تن وقف ہو گئے اور بلاآخر پاکستان بنا کر دم لیا۔ آپ کی بے مثال خدمات کے اعتراف کے طور پر قائد اعظم آپ کو اپنا معتد خاص سمجھتے تھے۔ قائد اعظم نے مولانا کی طرف بیسیوں خطوط لکھے۔

تحریک پاکستان اور دیگر علمائے اہل سنت

اختصار کے پیش نظر ہم صرف چند علماء و مشائخ کے تحریک پاکستان میں کردار کے تذکرہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔ ورنہ مذکورہ بالا علماء کے علاوہ مولانا آزاد سخانی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا ابو الحسنات قادری، علامہ سید احمد سعید کاظمی، مولانا عارف اللہ شاہ میرٹھی، مولانا ظہور الحسن صدیقی، سید زین العابدین گیلانی، مولانا حسرت موہانی، مولانا خلیل الدین، آزاد صدیقی، حافظ کرم علی بلخ آبادی، مولانا غلام محمد ترغم، مفتی غلام معین الدین نعیمی، مولانا غلام قادر اشرف، میاں غلام اللہ شریقی، مولانا شاہ عبدالعلیم میرٹھی، پیر محمد فضل شاہ جلالپوری، پیر محمد شاہ بھیروی، مفتی مظہر اللہ دہلوی، پیر محمد حسن جان سرہندی، پیر زاوہ محمد حسین عارف صدیقی، سید محمود شاہ گجراتی، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، پیر غلام مجدد سرہندی، مولانا عبدالماجد بدایونی، سید مغفور القادری جیسی ہستیوں نے بھی تحریک پاکستان میں بے مثال کردار ادا کیا۔ دوسرے علماء و مشائخ کے تحریک پاکستان میں کردار کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ”اکابر تحریک پاکستان“ از محمد صادق قصوی اور ”اکابر اہل سنت“ از مولانا محمد عبدالکلیم شرف قادری کا مطالعہ زیادہ موزوں رہے گا۔

الہدی فاؤنڈیشن کی چند دیگر قابل مطالعہ کتب

پیر طریقت علاء الحق بندیا لوی

- جشن عید میلاد النبی پر اعتراضات کا علمی محاکمہ ●
- محققانہ خطاب

صاحبزادہ محمد مظفر الحق بندیا لوی

- تبلیغی جماعت سے اختلاف کیوں ● وہابی مذہب کی حقیقت
- جماعت اسلامی سے اختلاف کیوں ● شیعہ مذہب کی حقیقت

صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیا لوی

- وسیلہ قرآن و سنت کی روشنی میں ● درود شریف کا ثبوت
- نذر و نیاز ما ائینہ الخیر اللہ کا تحقیقی بیان ● فاتحہ کا ثبوت
- توحید و شرک کی حقیقت ● یا رسول اللہ پکارنے کا ثبوت

مکتبہ جمال کرم 9، مرکز ادبیس، دربار مارکیٹ لاہور

ایسٹ انڈیا کمپنی
اور
بابائی غلام

مصنفہ
مفتی انتظام الشہابی

آلے محمد کمال

ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی عسکر

مصنفہ
مفتی انتظام اللہ شہابی

مقدمہ
رأے محمد کمال

ملنے کا ایک پتہ :

مکتبہ رضوان ○ حضرت داتا گنج بخش روضہ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

○ کتاب	_____	ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء
○ مولفہ	_____	مفتی انتظام اللہ شہابی
○ مقدمہ	_____	رائے محمد کمال
○ قیمت	_____	₹ ۵ روپے
○ ناشر	_____	زاویہ پبلشرز۔ لاہور

تاریخی شعور اور جغرافیائی حقیقت



یہ حقیقت ہے کہ جو قوم تاریخ کو بھلا دیتی ہے، جغرافیہ
 بھی اس قوم کو فراموش کر دیتا ہے مگر اس سے ایک بڑی اور
 تلخ حقیقت یہ ہے کہ جو اپنے جغرافیہ کے تحفظ و بقا کا بیڑا
 نہیں اٹھاتے اور محض تاریخی مقبروں کے مجاور بن کر بیٹھ
 رہتے ہیں، تاریخ اپنے خوبصورت اوراق میں انہیں کبھی بھی
 جگہ نہیں دیتی۔



”زواوہ“

۱۳	_____	۱- روپ، سروپ
۵۳	_____	۲- حرف آہنگ
۶۳	_____	۳- حضرت مولانا سید احمد شاہ
۷۵	_____	۴- واقعہء شہادت امیر علی شاہ
۷۸	_____	۵- تخت نشینی مرزا برہیس قدر
۸۳	_____	۶- شاہجہان پورا اور رودان سنگامہ
۸۷	_____	۷- علماء کا کارنامہ
۹۰	_____	۸- مولانا فضل حق خیر آبادی
۹۶	_____	۹- نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ دہلوی
۹۹	_____	۱۰- مفتی صدر الدین خاں آزرہ
۱۰۲	_____	۱۱- خان بہادر خان
”	_____	۱۲- سید اکبر زماں اکبر آبادی
۱۰۳	_____	۱۳- جنرل بخت خان روپہ

وَاللّٰهُ
عَلَمُ الْغُیُوبِ

۱۴	سید کرم علی اکبر آبادی
۱۵	سید گلزار علی امروہوی
۱۶	مشو لسن اسٹیشن کمشنر مراد آباد
۱۷	ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی
۱۸	نواب علی بہادر خاں باندہ
۱۹	نواب حفصل حسین خاں والی و فرخ آباد
۲۰	جنرل نیاز محمد خان
۲۱	مولانا امام بخش صہبائی شہید
۲۲	مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید
۲۳	مفتی عنایت احمد
۲۴	نواب ولی داد خاں بہادر
۲۵	حکیم محمد حسن خاں
۲۶	ذوالفقار الدولہ
۲۷	نائب کپتان / میرا شرف علی خاں
۲۸	نواب شرف الدولہ
۲۹	آغا مرزا اکمل پوش
۳۰	کاظم علی خان کنہوہ
۳۱	چوہدری حشمت علی
۳۲	عباس مرزا
۳۳	معین الدولہ
۳۴	فشی رسول بخش

۳۵	نواب احمد قلی خاں
۳۶	نواب عبدالرحمن خاں
۳۷	محمد علی خاں
۳۸	نواب اکبر خاں
۳۹	نواب مظفر الدولہ
۴۰	نواب میر خاں
۴۱	مرزا عبداللہ
۴۲	امیر مرزا خلف محمد
۴۳	میر محمد حسن خلف
۴۴	حکیم عبدالحق
۴۵	قاضی فیض اللہ
۴۶	نواب محمد حسین خاں
۴۷	عبدالصمد خاں
۴۸	میاں حسن عسکری
۴۹	نواب احمد علی خاں
۵۰	نواب مجید الدین احمد خاں
۵۱	نواب موخاں بہادر
۵۲	میر محمد حسین خاں گورکھپوری
۵۳	لال بہادر خاں میواتی
۵۴	نواب زینت محل
۵۵	نواب حامد علی خاں

۱۳۴	۵۶- ضیاء الدوله
"	۵۷- میر احمد حسین میکش
"	۵۸- مولانا رشید احمد
۱۳۵	۵۹- قاضی عنایت خاں
۱۳۶	۶۰- مرزا عاشور بیگ
۱۳۷	۶۱- نواب ضیاء الدوله
"	۶۲- راجہ قتل حسین خاں
"	۶۳- جنرل محمود خاں
۱۳۸	۶۴- محمد شفیع بریلوی
"	۶۵- نواب اصفرباب خاں
"	۶۶- نواب مرزا مہار بن بیگ خاں
"	۶۷- مولانا شاہ عبدالقادر ولد ہیانوی
۱۵۰	۶۸- مولوی شاہ محمد حسن
"	۶۹- راجہ کنور سنگھ جگدیش
۱۵۱	۷۰- راجہ بنی مادھو بخش
"	۷۱- راجہ ناہر
"	۷۲- کمانڈر ہیر سنگھ
"	۷۳- قادر بخش صوبہ دار
"	۷۴- راجہ دہی سنگھ
"	۷۵- نواب علی
"	۷۶- مرزا بیدار بخت

"	۷۷- مولوی جلال الدین
۱۵۲	۷۸- سید حسین علی
"	۷۹- ملک باقر علی
"	۸۰- امراؤ بہادر
۱۵۳	۸۱- بہادر شاہ کا آخری فرمان
۱۵۶	۸۲- حوالہ جات





”میں نے اپنا یہ تاثر بار بار بیان کیا ہے کہ دور صحابہ کرامؓ کے بعد ایک خالص اسلامی تحریک ہونے کے اعتبار سے تحریک شہیدین کے ہم پلہ مجھے کوئی دوسری تحریک نظر نہیں آتی۔ اس تحریک کے قائد تھے بطل جلیل، پیکر تقویٰ، صحابہ کرامؓ کی سیرت کا نمونہ اور اخلاص و للیت کا خورشید تاباں، جناب سید احمد شہید بریلوی اور ان کے دست راست تھے، حضرت مولوی شاہ اسماعیل شہید۔ مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے، جو تقویٰ اور تدین کے ساتھ ساتھ اپنے دور کے آسمان علم، دین کے مردِ خشاں، بے مثال عالم، محدث، قیہ اور منقولات و معقولات کا حسین پیکر تھے۔ علاوہ ازیں اس تحریک میں سید شہید کی قیادت میں جو مجاہدین ہندوستان سے خالصتاً سکھوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے مقصد اعلیٰ کے لئے ہجرت کر کے ایک نہایت طویل، کٹھن اور جانگسل دشواریاں عبور کر کے سرحد پہنچے تھے، ان میں ہر ایک صبر و تقویٰ کے آسمان کا روشن ستارہ تھا۔“ (۱)

مرقومہ بالا اقتباس، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب (امیر تنظیم اسلامی) کے ایک خطاب کا ما حاصل ہے۔۔۔ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی کے جنہوں بدیہء سپاس گزار نے والوں کی فہرست خاصی طویل ہے مگر ان کے افکار و کروار کے مخالفین کی تعداد بلاشبہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔۔۔ ”تصویر کا پہلا رخ“ شاید اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا۔ ان کی خدمات کو سراہنے اور خراج تحسین پیش کرنے والوں نے خوب حق عقیدت ادا کر دکھایا اور دکھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے کارناموں کو تاریخ کے ایک زریں باب کے طور سے نصابی کتب کی زینت بھی بنا دیا گیا مگر اس کے برخلاف دوسرے لوگوں کی آواز کسی حد تک دبی ہوئی ہے اور جب

تک ان کے دلائل و براہین ضبط تحریر میں نہ لائے جاسکیں گے، حقائق واقعی کا سراغ کسی طور بھی نہیں مل سکتا۔ تاریخ کا چہرہ یکطرفہ عقیدہ مندوں کے گرد و غبار میں اٹ جائے تو امر واقعہ تک پہنچنا خاصا مشکل بلکہ ناممکن ہو جایا کرتا ہے۔ بناء بریں میں سمجھتا ہوں کہ اگر خالی الذہن ہو کر غیر جانب داری کے ساتھ مخالفانہ حوالہ جات پر غور و تدبر کریں تو بہر حال ماننا پڑے گا کہ ان کا استدلال اور واقعات و تحقیقات کا معروضی مطالعہ بھی انتہائی ٹھوس اور دلچسپ ہے۔

سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جماد سے متعلق قدیم ترین و مستند ماخذ ”تاریخ تاولیاں“ ہے۔ اسے سید مراد علی (ملیک رحیمی) منشی سرحد چوکی درہند، ضلع ہزارہ نے ۱۸۷۵ء میں تالیف کیا تھا۔ وہ ”نویں داستان جنگ خلیفہ سید احمد بریلوی لقب بہ سید پادشاہ و مولوی محمد اسماعیل دہلوی ہمراہ سردار پائندہ خاں“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

”۱۸۰۳ء میں خلیفہ سید احمد نے یار محمد خان حاکم پشاور و کوہاٹ برادر دوست محمد خان والی کابل کو بہ پشت گرمی لشکر غازیان شکست دی اور ملک پشاور و کوہاٹ پر قبضہ کر کے اپنے تھانہ جات مقرر کئے اور بہ لقب سید بادشاہ مشہور ہوا۔ فتح خان رئیس پنجتار و دیگر سرداران و رئیسان ملک اور سر بلند خان قوم پلال جوق در جوق بیعت و بیعت خلیفہ ہو کر مقام پنجتار میں فراہم تھے۔ الا سردار پائندہ خاں نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہذا خلیفہ جانب پائندہ خاں سے بدگمان تھا۔ آخر بہ نظر مصلحت خلیفہ موصوف مع مولوی اسماعیل بہ مقام موضع عشرہ پائندہ خاں سے ملاقی ہوا اور وقت ملاقات خلیفہ نے کمال چرب زبانی و شیریں بیانی سے قصہ بیعت کا چھیڑا مگر سردار موصوف نے سوائے لیت و لعل جواب صاف نہ دیا۔ ناچار خلیفہ مع مولوی محمد اسماعیل واپس پنجتار میں آیا۔ اس اثناء میں سردار مدد خان بمادر خورد سردار پائندہ خاں نے بعد سوز و گداز و ہزاراں درد و داغ حاضر خدمت ہو کر بیعت کا دم بھرا۔۔۔۔۔ القصہ پھر تو خلیفہ نے نسبت پائندہ خاں فتویٰ کفر کا دے کر مع مولوی محمد اسماعیل و لشکر غازیان

برہمنی سر بلند خاں و مدد خاں عزم جنگ پائندہ خاں پر مستعد ہوا۔ ان روزوں قصبہ انب محاذی کرہلیاں آندری دریائے اہاسندہ آباد تھا، خلیفہ نے مع لشکر پنجتار سے کوچ کر کے بعد طے منازل موضع کنیر ڈی میں مقام کیا۔ ادھر سے پائندہ خاں مع رحر و مند خاں جمداران و افواج قلمی و ملکی سوار و پیادہ متصل موضع مذکور آ موجود ہوا اور لشکر طرفین میں آتش فشاں شعلہ زن ہوئی۔ اس روز کی گیر و دار اور کشت و خون کا کیا بیان کیا جائے کہ سینہ خامہ چاک اور دفتر آلودہ بخاک ہے۔ فوج پائندہ خاں سے سیمین عظیم قوم حجام و خانہ باز و ہاشم علی و کمال و سعد اللہ کام آئے اور سید محمد نور محمد و مند خاں جمدار زخمی ہوئے۔ خلیفہ صاحب کے بھی بہت سے ہمراہی کسوت حیات سے عریان و بے جان ہوئے۔ نفس الامریں خلیفہ سید احمد کی سپاہ نے نہایت د و مردانگی دی۔۔۔۔۔ پائندہ خاں گردش زمانہ ناہنجار سے تنگ آکر شکست فاش کھا کر اس روز مقام انب سے مع عیال و اطفال و اسباب دریائے اہاسندہ اتر کر براہ موضع بانڈی کے موضع شدرہ علاقہ اگرور میں وارد ہوا۔ دوسرے دن خلیفہ انب میں تشریف لایا، دام چرب زبانی بچھا کر درس وعظ کا دانہ بکھیرا اور آہستہ آہستہ ملک تنول کا منگوا لیا۔ تمام رعایائے تنول مطیع خلیفہ ہو گئی، تب خلیفہ نے اپنے ہمیشہ زادہ مولوی احمد علی کا پانچسو نفر پیادہ کی جمیعت دے کر باتا لیتی سر بلند خاں و سردار مدد خان برادر پائندہ خاں و محمد عباس بمراہ انتظام ملک جانب موضع محلہ روانہ کیا۔ الاحصا وعدہ پر گنہ محلہ سردار مدد خان برادر پائندہ خاں کو عطا نہ فرمایا۔ الحق حکومت کی چاٹ بلا ہے، نہ کچھ عہد ہے نہ وفا ہے۔ الغرض ملک تنول پر حکومت خلیفہ کی ایک چھ ماہی مع الخیر گزری اور معاملہ یعنی محصلہ ایک فصل کا خلیفہ نے وصول کیا۔ بہر حال دیکھ کر پائندہ خاں کا دم ناک میں آیا سخت گھبرایا۔ ہر طرح دہن لڑایا، کچھ بن نہ آیا۔ آخر ایک عجز آمیز خط بہ طلب کمک سردار ہری سنگھ کے نام جو اس وقت بہ خوف فساد خلیفہ سید احمد مع لشکر قلعہ مانسہرہ میں مقیم تھا، ارسال کیا۔۔۔۔۔ جب یہ خط سردار کی نظر سے گزرا بلکہ گرگ باراں دیدہ تھا اول جمیع پہلو اس نے یہ تامل تمام

سوچے یہاں تک کہ رائے متین نے یوں مشورہ دیا کہ خلیفہ سید احمد اور پائندہ خان اپنے دونوں دشمن ہیں اور خلیفہ ملک بنول کو فتح کر چکا ہے۔ آئندہ ملک بھٹلی میں ہاتھ ڈالے گا۔ ملک ستانی کا حوصلہ نکالے گا۔ پائندہ خان کو ملک دے کر خلیفہ سے لڑوانا عین مصلحت اور محض صلاح وقت ہے بہر حال ایک نہ ایک دشمن نابود ہو گا۔ ہر طرح اپنا سود ہو گا۔“ (2)۔

تاریخ تاولیاں کے مطابق سید احمد شہید بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید کی سرحد میں آمد سے قبل خوانین کی سکھوں سے کئی جنگیں جو چلی تھیں اور اس واقعہ کے بعد بھی جھڑپیں ہوتی رہیں مگر جوئی سید بادشاہ کا قافلہ اتر اتوان کے جہاد کی ابتداء پٹھانوں کے قتل و غارت سے ہوئی۔۔۔۔۔ لہذا مقامی مسلمان عسکری اعتبار سے کمزور اور سکھ مضبوط ہوتے چلے گئے۔ حالانکہ قبل ازیں سردار پائندہ خان نے ہری سنگھ اور دیوان سنگھ کو پے در پے شکست دے کر رنجیت سنگھ کو لرزہ بر اندام کر رکھا تھا۔ یوں لگتا ہے کہ مورخین کے ایک طبقہ نے تاریخی حقائق کے اظہار و بیان میں بھی عقیدت کیشی اور مصلحت کو شی سے کام لیا اور من چاہے نتائج اخذ کئے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ زیب داستان کے لئے بات کو کچھ بدھا بھی دیا گیا۔

میری معلومات کے مطابق تاریخی صداقتوں میں یہ تنازع اس وقت پیدا ہوا جب مولانا غلام رسول مہرنے اپنی تصنیفات و تالیفات میں تحریک مجاہدین بالاکوٹ کو انگریز دشمنی کا نام دینا شروع کیا۔ طرفہ تماشایہ ہوا کہ جوش آزادی سے قبل سید بادشاہ کی تحریک کو محض سکھوں کے خلاف بیان کیا جاتا رہا۔ اور جب برطانوی راج کی گرفت ڈھیلی پڑی تو یہ انگریزوں کے دشمن بھی قرار پا گئے۔ سرسید احمد خاں ”رسالہء اسباب بغاوت ہند“ میں یہی موقف اختیار کرتے اور دیگر زعماء ان کی تائید فرماتے ہیں۔ تب اس تحریک کو انگریز حکومت کا خیر خواہ کہا گیا اور زمانے نے دوسری کوٹ بدلی تو یہ ان کے اصل حریف ٹھہرے۔ مولانا غلام رسول مراہیک باغ و بہار شخصیت تھے۔ یہ تاریخ دان کا اپنا ایک خاص نظریہ رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں:

”میں مجاہدین کی شان و آبرو کو بہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ سابقہ بیانات کے عین مطابق نہ ہو۔“ (3)

مہر صاحب کی یہ عقیدت مندی جا بجا دکھائی دیتی ہے۔ مجاہدین بالاکوٹ کا تذکرہ لکھتے بیٹھے تو ان قائدین کے بیانات کو بھی نظر انداز کر دیا، جو اس تحریک میں شامل یا قریب سے دیکھنے اور سننے والے تھے۔ اسی طرح انہوں نے محل وقوع اور واقعات پر مشتمل سو برس پہلے لکھی گئی تاریخ کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ ان سے لاعلمی کا اظہار فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیر محمد بنی صاحب نے مہر صاحب سے تاریخ بتاویاں اور تاریخ ہزارہ کے متعلق استفسار کیا تو جواب میں اول الذکر کے متعلق کہا، امید نہیں کہ ہاتھ آئے اور ”تاریخ ہزارہ“ کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان دونوں کتب کے علاوہ ”تاریخ پشاور“ بھی پاکستان کی معروف لائبریریوں بلکہ لاہور کی لائبریریوں میں بھی موجود تھی۔ (4)۔

ان تاریخ ماخذوں میں سے دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

”وہ خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریزوں کے مشورے سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ خلیفہ سید احمد لاہور وغیرہ (سکھوں) کی طرف نہیں جاتا۔ یہ صرف اس کی باتیں ہیں‘ اصل غرض اس کی ہمارے ملک کو پامال کرنا ہے۔“ (۵)۔

نہاں بریں یہ بھی ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ غلام رسول ہر صاحب سے قبل ایک ایک حوالہ ان کے اس وضعی موقف کی تردید و تکذیب کے لئے کافی ہے:

”ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں پورے جوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے، جو عقیدہ حضرت سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے حضرت شاہ اسماعیل کے رد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔“ (6)۔

تاریخی تحقیق بھی از حد اہم اور ان کی مصنفانہ رائے بالخصوص قابل توجہ ہے۔
 ”اس زمانہ میں بعض حضرات یہ کہنے لگے ہیں کہ دراصل سید احمد شہید کا مقصد انگریزوں سے جہاد کرنا تھا، سکھ تو ویسے ہی درمیان میں آگئے۔۔۔۔۔۔ اگر سکھ آزادی و وطن کے جہاد میں حضرت سید احمد شہید کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے تو خود ان سے رزم و پیکار کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔۔۔۔۔۔ سکھوں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شہید کا پختہ ارادہ انگریزوں سے جہاد کا تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں بیانات کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں اور صاف اور سچی بات یہی ہے کہ ہرگز ہرگز حضرت کا ارادہ انگریزوں سے جہاد کا نہ تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سرسید (جو حضرت شہید کے سب سے قریب العبد مورخ ہیں) ضرور اس کا ذکر کرتے۔“ (7)

مرقومہ پارہ عبارت ”مقالات سرسید“ کے مرتب کے زاویہء تحقیق کا جزو ہے۔ وہ اپنی رائے حاشیے میں بیان کرتے ہیں:

”سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ سرسید کے اس بیان کی تائید متعدد مورخین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان (الہمدیث) نے ”ترجمان وہابیہ“ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ اور ۸۸ پر نیز ”سوانح احمدی“ مولفہ محمد جعفر تھانیسری (مجاہدین مذکور کے سوانح نگار و پیروکار) ہیں مقامات پر اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موسوم بہ ”حیات طیبہ“ کے صفحات ۱۵۹، ۲۹۲، ۲۹۳ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے۔“ (8)

سرسید احمد خان، جو کہ اس تحریک کے زمانے میں موجود تھے، فرماتے ہیں:

”اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا وعظ کیوں نہیں کہتے، وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی

اور چونکہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں، اس لئے ہم پر اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہو گیا۔“ (9)

مزید برآں یہ کہ سرسید مرحوم نے ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے اور اس کی دستاویز ”OUR INDIAN MUSLIMANS“ (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کو جھٹلاتے ہوئے کمشنر اور مجسٹریٹ کی اطلاع پر حکومت برطانیہ کے فیصلہ کو بھی سپرد قلم کیا:

”ان سے تعرض نہ کیا جائے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔“ (10)

اثنائے وعظ میں استغنا کا تذکرہ سرسید احمد خاں کے علاوہ مولوی محمد جعفر تھانیسری صاحب نے بھی بیان فرمایا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

”یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید وعظ فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رویا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔“ (11)

ایک نامور تذکرہ نگار و اسلامی تحریک کے مورخ شیخ محمد اکرام صاحب، مزید وضاحت قلمبند فرما گئے ہیں:

”مولوی محمد جعفر تھانیسری جنہیں وہابیوں کے مقدمہء سازش میں جس دوام و عبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی، اپنی کتاب ”سوانح احمدی“ میں لکھتے ہیں، جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، وہ دین اسلام کے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک

ہندوستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائے گا۔۔۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد ہے۔۔۔ سرکار انگریزی کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے۔۔۔ (12)

مولوی محمد جعفر تھامیری کوئی عام شخصیت نہ تھے بلکہ مسعود عالم ندوی صاحب نے ان کی کتاب کو اردو زبان میں سید شہید کی سب سے پہلی مرتب سیرت قرار دیا۔۔۔ غلام رسول مہر کے بقول ”اردو زبان میں سید صاحب کے متعلق یہ پہلی کتاب ہے۔۔۔“ شیخ دیوبند مولانا حسین احمد مدنی نے فرمایا ”حضرت سید صاحب کے مستند سوانح نگار ہیں۔۔۔“ اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے بدیں الفاظ مرقعہ بقیہ ثبت فرمائی۔ ”سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے خاص رکن اور اور بڑے رازدار تھے۔“ (13)

اب ”حیات طیبہ“ کے حوالے سے مزاج فتویٰ پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں الفرقان شہید نمبر صفحہ ۵۵ میں مندرج ہے کہ ”دوسری کتاب مرزا حسرت مرحوم کی حیات طیبہ ہے جو شاہ اسماعیل کی نہایت مبسوط سوانح عمری ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ شہید صاحب نے دوران وعظ انگریزوں سے متعلق یوں ارشاد فرمایا تھا:

”ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آج نہ آنے دیں۔“ (14)

سرسید احمد خاں نے مزید تحریر فرمایا:

”وہ (مجاہدین) اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور ان کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے معانظوں پر حملہ

کرنا نہایت ممنوع ہے۔“ (15)

اس بارے میں مولانا عبد اللہ سندھی کی رائے بھی اپنے اندر حقائق کا بحر بکراں رکھتی ہے:

”ایک دفعہ میں سرحد پار پینر کے مقام پر گیا۔۔۔ میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے، ادھر چل دیا۔ وہاں پہنچ کر جو کچھ میں نے دیکھا، وہ حد درجہ افسوسناک اور قابل رحم تھا۔ وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ وہ جماعت جو ”مجاہدین“ کے نام نامی سے یاد کی جاتی ہے، کس بری حالت میں ہے اور اس کی گزرن اور اس کی زندگی کس طرح صابزادہ عبدالقیوم خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی رہن منت ہے۔“ (16)

سید بادشاہ کے معتبر سوانح نگار نے برطانوی انتظامیہ کی طرف سے ان کی دعوت طعام کا واقعہ بھی قلمبند کیا ہے:

”ایک انگریز گھوڑے پر سوار بہت سا کھانا قسم قسم کا، ہنگیوں میں رکھوائے ہوئے چلا آتا ہے۔ اس نے کشتی کے نزدیک آکر پوچھا کہ پادری صاحب (شاہ صاحب) کہاں ہیں؟۔۔۔ بعد سلام و مزاج پر سی کے عرض کیا کہ تین روز سے میں نے نوکر واسطے لانے خبر تشریف آوریء حضور اس طرف تعینات کر رکھے تھے۔ سو آج انہوں نے مجھ کو خبر کر دی۔ یہ ماحضر واسطے حضور اور کل قافلے کے تیار کر کے لایا ہوں۔ براہ بندہ نوازی اس کو قبول فرمائیں۔ حضرت نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ فوراً وہ کھانا اپنے برتنوں میں لے کر قافلے میں تقسیم کر دو۔“ (17)

سید احمد شہید بریلوی کے گئے بھانجے سید محمد علی صاحب بھی شریک طعام تھے۔ انہوں نے ابتداء سے آغاز جہاد تک کے حالات لکھے اور اس کتاب کا نام ”مخزن احمدی“ رکھا۔ انہوں نے آنکھوں دیکھا یہ دلچسپ واقعہ بھی کتاب میں شامل کیا ہے۔ بناء بریں ابوالحسن ندوی صاحب بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ نیز ندوی صاحب ایک اور واقعہ بھی ضبط تحریر میں لاتے ہیں:

”موضع اسروں سے چار میل پہلے حضرت کے پاس ایک انگریز کی ہندوستانی بیوی آئی اور کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر وہ فرنگی آیا تو آپ نے فرمایا، ”تمہاری دعوت کیوں نہ قبول کریں گے۔“ سو آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ اس دن اس کی دعوت کھائی۔۔۔ موصوف نے حاشیے میں تصریح فرمائی ہے ”اس انگریز کی ہندوستانی بی بی کی دعوت اس لئے قبول نہیں کی تھی کہ وہ انگریز کے پاس تھی یہ تعلق ناجائز تھا اور اس سلسلے کا سب مال حرام اور ناجائز تھا۔“ (18)

محمد اسماعیل پانی پتی حاشیہ مقالات سرسید، حصہ شانزدہم صفحہ ۲۵۱ پر رقمطراز ہیں کہ حضرت شہید کے تعلقات انگریزوں سے نہایت درجہ خوشگوار تھے۔۔۔ باوجود اس کے مولانا غلام رسول مر، بغیر کسی تاریخی سند کے فقط جوش عقیدت یا شاید کشف و الہام کے ذریعہ سٹپا کر ایک نیا راگ چھیڑ دیتے اور فرماتے ہیں:

”آیا وہ صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے؟ جیسا کہ سوا سو سال سے سمجھا جا رہا ہے۔“ (19)

”چند تاریخی غلطیاں“ کے عنوان سے ابوالمعالی صاحب کا نقطہ نظر بجائے خود ایک دلچسپ کہانی ہے:

”تحریک کے شیدائیوں نے جس وقت سکھوں کے خلاف نعرہ جہاد بلند کر دیا، وہ عین حالات کا تقاضا تھا۔ تحریک میں اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ وہ انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کرتے۔“ (20)

محمد میاں نے ”اسلامی حریت کا علمبردار“ نامی اپنے مضمون میں بڑی انوکھی دلیل دی ہے:

”انگریزی ڈپلومیسی کا یہ عجیب و غریب کرشمہ تھا کہ حضرت شہید کے لئے سکھوں پر حملہ کرنے کی سہولتیں پیدا کیں اور پھر سکھ حکومت انگریزوں سے معاہدہ کے باعث مجبور تھی کہ حضرت شہید کو راستہ نہ دیتی اور جب حضرت شہید کی جمعیت ایک لاکھ سے متجاوز ہونے لگی تو آپ کی جمعیت میں عقائد کے متعلق اختلاف پیدا

ہوایا کروا دیا گیا۔“ (21)

مکتوبات کی کہانی (دو ناقابل تردید حوالہ جات)

”سید صاحب کا جہاد صرف اس وقت کے ظالم سکھوں سے تھا، جنہوں نے اس وقت پنجاب کے مسلمانوں پر قیامت برپا کر رکھی تھی نہ کہ سرکار انگریزی سے۔“ (22)

”سرکار انگریزی سے ہم کو کوئی مخاصمت ہے اور نہ کوئی جھگڑا ہے، کیونکہ ہم تو اس کی رعایا ہیں بلکہ ہم کو تو اس کی حمایت میں رعایا کے مظالم کا استیصال کرنا ہے۔“ (23)

اس موقع پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگریز حکام سید صاحب کے کاروان اور تبلیغ جہاد کو کس زاویے سے دیکھتے تھے؟ اس کا جواب ایک واقعہ سے ملتا ہے، جسے ابوالحسن علی ندوی صاحب نے مندرجہ ذیل الفاظ میں رقم کیا:

”عظیم آبادیوں کے بعض شیعہ صاحبان نے انگریز حاکم سے جاکر کہا کہ یہ سید صاحب جو یہاں اتنے آدمیوں کے ساتھ آئے ہیں، ہم نے سنا ہے کہ ان کی نیت جہاد کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں سے جہاد کریں گے۔ حاکم نے اس کو تعصب اور حسد پر محمول کیا اور ان کو تنبیہ کی کہ آئندہ ایسی مفید بات نہ کی جائے۔“ (24)

عام طور پر مجاہدین تحریک بالا کوٹ کے کارناموں کو اجاگر کرنے لئے ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ کے حوالے دیئے جاتے ہیں اور اکثر و بیشتر اسے سند کے طور پر لایا جاتا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی مختصراً رسالہ مذکور کی وجہ تالیف اور اس کے مضمرات و مضمرات کو زیر بحث لانا ممکن ہے، تاہم ابتداء سے ہی ہنٹر صاحب کے غلط اندازوں کا شد و مد سے رد کیا گیا۔

”اس زمانے میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے جمع ہو گیا تھا۔ جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے صاف لکھا کہ تم کو دست اندازی نہ کرنی چاہئے۔ دہلی کے ایک مساجد نے جہادیوں کا مدد یہ نہیں کیا تو ولیم فریزر کمشنر دہلی نے ڈگری دی، جو وصول ہو کر سرحد بھیجی گئی۔“ (25)

اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سید بادشاہ نے انگریزوں سے مصلحتاً بچہ آزمائی نہیں کی تو یہ کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ ان کے خیر خواہ و حاشیہ بردار بھی تھے۔ میں ذاتی طور سے اس پہلو پر کوئی رائے نہیں دے سکتا اور نہ ہی میں اس دشت میں الجھنا چاہتا ہوں لیکن مجاہدین کے چاہنے والے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت تک سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس وقت تک دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔“ (26)

ایک اور قابل اعتبار شخص حقیقت حال کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں:

”منافقین ناہنجار اور کفار بدکردار نے حسد اور خوف سے حکومت برطانیہ کے عمال کو برا بھلا بھینٹ کر دیا، تاہم نصرت اللہ العزیز وہ خائب و خاسر رہے۔ سید احمد صاحب کی برابر روش یہ رہی کہ ایک طرف لوگوں کو سکھوں کے مقابل آمادہ جہاد کرتے اور دوسری جانب حکومت برطانیہ کی امن پسندی جتا کر لوگوں کو اس کے مقابلے سے روکتے تھے۔“ (27)

بعض اوقات انگریزوں کی طرف سے سید بادشاہ کے اعزاز و اکرام میں باقاعدہ دعوتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ مہر صاحب ایک واقعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”سپاہیوں نے دعوت طعام پر اصرار کیا تو فرمایا۔ اس شرط پر منظور کرتا ہوں کہ جو کچھ میں کہوں، پکایا جائے۔ انہوں نے مان لیا۔“ (28)

کانپور سے ایک انگریز کی داشتہ کی عقیدت مندی اور دوسرے موقع پر نماز عشاء کے بعد میزبان گورے کی ملاقات و مدارات مسلمہ ہے۔ منڈو صاحب ایک فرنگی کی میم اور انگریزی کہنی کے وکیل کے ہاں قیام پذیر ہونا بھی تاریخ کا حصہ ٹھہر چکا۔

ایک اور چونکا دینے والا تاریخی انکشاف!

”۱۸۱۳ء تک سید احمد صاحب، امیر خاں (نواب ٹونک) کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعے جو شر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خاں کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دیئے گئے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگس، سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ جس میں امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگس اور سید احمد شامل تھے۔

سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلایا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لئے برا نہیں تو تمہاری اولاد کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔ انگریزوں کی قوت دن بدن ترقی پذیر ہے اور تمام قوتیں پے در پے تنزلی کا شکار رہیں۔ تمہارے بعد فوج کو کون سنبھالے گا اور ان کو عظیم الشان لشکر انگلیشیہ کے مقابل میں کون میدان جنگ میں لائے جمائے گا۔ یہ باتیں امیر خاں کی سمجھ میں آگئی تھیں اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گزارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے تو میں آرام سے بیٹھوں۔

امیر خاں نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورہ کے بعد سید احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصے دے کر امیر خاں سے معاہدہ کر لیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوایا اور

بھوپال سے سرڈن۔ اس طرح سے متفرق پرگنوں مختلف ریاستوں سے بڑی قلیل و قابل

کے بعد انگریزوں سے دلوں کے پھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔“ (29)

موج کوثر میں شیخ محمد اکرام صاحب کی یہ محققانہ رائے کہ انگریزوں نے سید صاحب کے اعلانیہ جہاد اور اس کی تیاری میں کوئی رکاوٹ نہ کی تھی۔ نیز مولانا فضل حسن ہماری (الہدیت عالم دین) کا یہ تو ثبوتی بیان۔ ”آپ (شاہ اسماعیل دہلوی صاحب) اپنے شیخ طریقت سید احمد صاحب کو امام تسلیم کر کے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کے لئے پنجاب پہنچے۔ گورنمنٹ انگلینڈ نے بھی آپ کے اس ارادے میں کسی طرح کی مزاحمت یا پیچیدگی پیدا نہیں کی۔“ (30) دشمنی کا ایک عجیب فلسفہ ہے۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے، اسی لئے انگریزوں نے مجاہدین کے بارے میں نرم رویہ رکھا اور ان کا حوصلہ برابر بڑھاتے رہے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب (موصوف سید بادشاہ کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے) کے جریڈے میں تجزیہ کیا گیا:

”مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔“ (31)

آپ کے ہی پیروکاروں میں سے ایک اور بزرگ ارشاد فرماتے ہیں:

”سید صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریز اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔“ (32)

شیخ جامعہ دیوبند نے بھی بقلم خود حقیقت حال درج فرمائی ہے:

”جب سید احمد صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔“ (33)

جن دنوں سید صاحب مع مجاہدین سرحد میں قیام فرما تھے، مولوی خیر الدین صاحب نے آپ کے سفیر کی حیثیت سے جنرل انٹورا سے ملاقات کی۔ باہم گفت و شنید میں ایک مسئلہ سکھوں سے جہاد سے متعلق تھا۔ بڑا دلچسپ مکالمہ ہوا، ملاحظہ کیجئے!

جنرل انٹورا :- آپ کے نزدیک جیسے کہ سکھ قوم کافر ٹھہری، ویسے ہی ہم نصرانی بھی ہیں یا کچھ فرق ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب :- کفر میں دونوں برابر ہیں۔

جنرل انٹورا :- ملک ہندوستان میں خلیفہ صاحب کے لاکھوں جانثار مرید بڑے بڑے زمیندار اور نواب ہیں اور اس وقت تمام ہندوستان نصرانیوں کے قبضہ میں ہے۔ پھر جب نصرانی اور سکھ دونوں کفر میں برابر ہیں تو خلیفہ صاحب نے اپنے لاکھوں مریدوں کو جمع کر کے گھربٹھے بٹھائے انگریزی سرکاری سے جہاد کیوں نہیں کیا؟ ناحق دور دراز سفر کی محنت و مشقت اٹھا کر سکھوں سے لڑنے کو آئے۔

مولوی خیر الدین صاحب :- ہم کو سرکاری انگریزی کسی فرائض منصبی کے ادا کرنے سے نہیں روکتی۔ ہر مذہبی امر میں ہم کو پوری آزادی دے رکھی ہے۔ برخلاف سکھوں کے کہ انہوں نے لاکھوں مسلمانوں کو ذلیل کر کے بلند آواز سے اذان تک کہنا منع کر رکھا ہے۔ اگر کوئی مسلمان بقرعید پر بھی قربانی کرے تو خالصہ سرکار ان کو جان سے مار ڈالے۔ یہی سبب ہے کہ خلیفہ صاحب انگریزوں کو چھوڑ کر سکھوں سے جہاد کرنے کو آئے۔“ (34)

کہا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور آپ کے رفقاء و خلفاء کے جہاد کا دائرہ فقط سکھوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ گوروں کو بھی بلاد ہند سے نکالنا ان کے مقاصد میں شامل تھا۔ بلکہ بعض تو ڈاکٹر ہنٹر کی رپورٹ موسوم بہ ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ کی

رعایت سے بڑی شہود کے ساتھ دعویٰ کرتے اور بستے ہوئے پانی پر بنیاد مکان رکھتے ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی نے انگریزوں کے بھی اوسان خطا کئے رکھے۔ ہوا کو مٹھیوں میں بند کرنے کا یہ بے سرو پا کھیل مولانا غلام رسول مہر کی تحقیقات و تالیفات سے شروع ہوتا ہے۔ موصوف نے سید احمد شہید، سرگزشت مجاہدین اور جماعت مجاہدین وغیرہ کے نام سے اس بارے میں ایک طویل دفتر لکھ مارا۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں انہیں کئی سنگلاخ راستوں سے گزرتا پڑا اور بہت سے سفر کئے۔ لہذا اس کی تفصیل و کیفیت انہوں نے ماہنامہ ”ماہ نو“ کراچی کے ایک شمارے میں بعنوان ”سید احمد شہید۔ ایک کتاب کی سرگزشت“ میں تحریر فرمائی۔ بقول ان کے، ”انہیں کتابوں کی سب سے زیادہ معلومات سید عبدالجبار شاہ ستھانوی سے ملیں۔ ستھانوی صاحب، سید احمد شہید بریلوی کے جہاد کو صرف سکھوں تک محدود سمجھتے اور بیان کرتے تھے۔ یہ درود مولانا مہر کے قلم معجز رقم سے یوں شائع ہوئی:

”۱۹۳۳ء میں میری ملاقات سید عبدالجبار شاہ صاحب ستھانوی مرحوم سے ہوئی وہ دور حاضر کے ایک جلیل القدر فرد تھے۔ جن کے امتیازی اوصاف و محاسن کا تفصیلی ذکر یہاں نہیں چھیڑا جاسکتا۔ تاہم اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ وہ شیر خوار تھے، جب ان کے خاندان کے تمام افراد شہید کر دیئے گئے۔ وطن سے باہر انہوں نے تعلیم و تربیت پائی، پھر اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بدولت ریاست امب کے مشیر و وزیر بنے۔ دو سال سوات کے بادشاہ بھی رہے۔ سرحد کے تاریخی و جغرافیائی حالات کا وہ دائرۃ المعارف ہیں۔ انہوں نے متعدد ضخیم جلدیں مرتب کر دیں جو علاقہ سرحد اور علاقہ آزاد کے ایک ایک رئیس، ایک ایک قبیلے، ایک ایک خطہ کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا بیش با ذخیرہ ہیں۔ وہ بھی سید صاحب کے جہاد کو سکھوں تک محدود سمجھتے تھے۔ ان کا خاندان تین چار پشتوں سے سید صاحب اور جماعت مجاہدین کے مخلص رفیقوں میں چلا آتا تھا۔ اس وجہ سے سید عبدالجبار شاہ کی معلومات صاحب البہت کی معلومات بن گئی تھیں۔“ (35)

لوگوں کا خیال ہے کہ ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود مولانا مہر الہی سمت میں جولانیء طبع دکھانا اور اپنے قلم کا لوہا منوانا چاہتے تھے۔ رنگ آمیزی اور جدت طرازی اس پر مستزاد۔ وگرنہ اس کی کوئی واقعاتی شہادت موجود نہیں۔ اس بارے میں یہ رائے بھی قائم کی جاتی ہے کہ سید صاحب کے مذہبی عوام نے حسن عقیدت یا غلو عقیدت کی وجہ سے مذکورہ تاریخی افسانوں کو بالکل سچ سمجھنا اور سمجھانا شروع کیا۔ چلتے چلتے یہ نقطہ نگاہ اپنا جادو دکھا چکا۔ چونکہ موجودہ نسل میں روایت پرستی، کور ذوق، اور بے بھری بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور حکومت پاکستان کو تاریخ کے پر بیج گیسو سلجھانے سے کبھی دلچسپی نہیں رہی، اس لئے خواب و خیال کے حوالے بھی سند ٹھہر گئے۔ مزید ستم یہ ہوا کہ تحریک مجاہدین بالاکوٹ کے تاریخی خدو خال مسکلی غازے سے زیادہ منسوب رہے ہیں۔ لہذا اگر کوئی چہرہ صداقت کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس کے مقدر میں ”فرقہ پرست“ کی پھبھی اپنا اثر دکھا جاتی ہے۔ یہی سبب ٹھہرا کہ آج تک حقیقی منظر نامے پر غور و فکر نہیں کیا جاسکا۔

”جب یہ مجاہدین سکھوں سے جہاد کے لئے سرحد گئے تو (انگریزوں نے) ان کے بیوی، بچوں اور املاک کی پوری پوری حفاظت کی اور بعد میں ہندوستان سے جو مالی اور افرادی اعانت ہوتی رہی اس میں بھی رخصت اندازی نہیں کی۔ اگر سید صاحب سرحد میں جا کر انگریزی حکومت سے جہاد کا اعلان کرتے تو انگریز، مجاہدین کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ ان کے رشتہ داروں کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے اور جائیداد ضبط کر لیتے لیکن ایسا نہ اُدھر سے ہوا اور نہ اُدھر سے کارروائی ہوئی۔“ (36)

مجاہدین تحریک بالاکوٹ سے متعلق آج تک کسی تذکرہ یا سوانح میں منقول نہیں کہ سید صاحب یا کاروان میں شامل دیگر رضا کار اپنے بیوی و بچوں کو اپنے ہمراہ لے گئے ہوں۔

مقررین کا موقف ہے کہ سید صاحب کو حریت پرور اور مرد غیور اس لئے سمجھا گیا کہ وہ انگریزوں کی ناک کے عین نیچے یعنی پنجاب اور نواح دہلی میں کھلے عام

سکھوں سے لڑنے کا اعلان اور تیاری کرتے تھے مگر کوئی مداخلت نہ کرتا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریزوں کے ظلم و تعدی کی آمدھی چار سو چل چکی تھی اور عوام ان کے سائے سے بھی ڈرتے۔ سید صاحب نے سکھوں سے کھلے ہندوں لڑائی کا عندیہ دیا تو قیادت سے محروم، جذباتی لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سمجھے کہ اب ہمارے دن پھرنے کے دن بھی آگئے ہیں مگر انگریزوں کی یہ نرم پالیسی بلکہ سرپرستی بلاوجہ نہ تھی۔ اندرون خانہ تو کچھ اور ہی تیور دیکھے گئے۔ مولانا جعفر علی تھانوی لکھتے ہیں:

”اس وقت ہر شہر، قصبہ و گاؤں پر برٹش انڈیا یعنی انگریز عملداری واقع تھی۔ ہند میں علامیہ سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ ہوتا تھا مگر براہ دور اندیشی معرفت شیخ غلام علی صاحب رحمیں اعظم الہ آباد کے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر اضلاع شمالی و مغربی کو بھی سکھوں کے خلاف جہاد کی اطلاع دی گئی تھی جس کے جواب میں صاحب ممدوح نے یہ تحریر فرمایا کہ جب تک انگریزی عملداری میں کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو ہم ایسی تیاری کے مانع نہیں۔“ (37)

مرزا حیرت دہلوی صاحب بھی بین السطور یہی مفہوم بیان کرتے ہیں:

”سید احمد صاحب نے عام طور پر دھڑاکے سے اپنے مریدوں کو ہر شہر میں یہ اجازت دے دی کہ سکھوں پر جہاد کرنے کے وعظ ہوں۔ اکثر شہروں میں وعظ ہونے شروع ہوئے۔۔۔۔۔ لوگوں کے دلوں میں تحریک پھیل رہی تھی، اب عام طور پر ظاہر ہونے لگی اور سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سید احمد صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رحمیں الہ آباد کی معرفت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرنے کو ہیں، سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لیفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری کے امن میں خلل نہ پڑے، ہمیں کچھ سروکار نہیں نہ ہم ایسی تیاری کے مانع ہیں۔“ (38)

یہاں بھی مولانا غلام رسول مہر کا موقف دیدنی تھا۔ وہ اور ان کی اتباع میں

بعض دیگر افراد بھی مذکورہ کتابوں پر الزام وارد کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں سوانح نگار، انگریز کے حامی اور خیر خواہ تھے، اس لئے سید صاحب کے نقطہ نظر میں تبدیلی کر دی۔

اس باب میں بھی مولانا مہر کی تحقیق بوجہ معتبر تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ محقق حضرات کہتے اور قرائن موجود ہیں کہ موصوف کی طرف سے یہ سراسر الزام بلکہ بہتان ہے، کیونکہ انہوں نے انگریز مورخ ڈاکٹر ہنٹر کو جس جرات سے لتاڑا، یہ انہی کا حصہ تھا۔ (39)

مذکورہ بالا حقائق و واقعات کی بنیاد پر بلا خوف تردید ثابت کیا جاتا ہے کہ سید بادشاہ اور ان کے پیروکاروں و رضاکاروں کا انگریزوں سے ٹکرانے کا ہرگز ہرگز کوئی پروگرام نہ تھا بلکہ ان میں تو دوستانہ و موافقانہ تعلقات دکھائی دیتے ہیں۔ انگریزوں کے خلاف ”فسانہء جہاد“ کی کوئی بنیاد نہیں۔ واقعی، سید بادشاہ کے حامیوں نے اس بارے میں مبالغے سے کام چلا رکھا ہے۔ لیکن سکھوں سے جدال و قتال کے باب میں بھی بعض تلخ حقائق منظر عام پر لائے جاتے ہیں۔ یہ انتہائی دلچسپ مگر ایک مورخ و محقق کے لئے از حد پیچیدہ صورتحال ہے۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ سید احمد شہید بریلوی وغیرہم کی سکھوں سے کہیں زیادہ جنگیں مسلمانوں کے خلاف ہوئیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کے نامانوس عقائد و افکار سے مذہبی منافرت و منافقت کو ہوا ملی اور لا تعداد کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔ سید بادشاہ نے آغاز جہاد اکوڑہ میں ۲۰ دسمبر ۱۸۳۶ء سے فرمایا اور آخری معرکہ بالا کوٹ میں چھ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا۔ اس مدت کے دوران میں آپ نے چھوٹی بڑی پندرہ لڑائیاں کیں۔ ان میں سے سکھوں کے خلاف جنگوں کی تعداد محض پانچ ہے۔ مزید برآں یہ کہ ان میں بھی باقاعدہ جنگ صرف ایک ہوئی، چار شب خون مارے گئے تھے اور سرحدی مسلمانوں کے خلاف نو جنگیں لڑی گئیں، ان کی فہرس مندرجہ ذیل ہے۔

○ جنگ اوتمان ڈی ○ جنگ ہنڈ اول ○ جنگ زیدہ ○ جنگ ہنڈ دوم ○ جنگ

کنیر ڈی ○ جنگ کھلاٹ ○ جنگ مردان ○ جنگ مایار ○ جنگ چھتر بار۔

یہ لوگ شاہ صاحب کے نزدیک کافر و منافق اور سکھوں سے زیادہ خوفناک و خطرناک تھے۔ الغرض سکھوں سے جنگ و جدل کا معاملہ کئی لحاظ سے تشنہ طلب ہے۔ مخالفین کی طرف سے جو اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں، ان کے کوئی معقول جوابات نہیں بن پڑتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہنوز یہ پہلو خالصتاً تاریخی و تحقیقی نقطہء نگاہ سے کبھی زیر بحث نہیں لایا گیا۔ الزامات رفع کرنے کا انداز سراسر جذباتی اور مذہبیاتی ہوتا ہے۔ میں اس بارے میں بوجہ کوئی رائے صادر نہیں کر سکتا، تاہم دیانت داری سے خیال کرتا ہوں کہ مقررین کے موقف میں استدلالی روح موجود ہے۔ مجاہدین مذکور کے کردار و عمل پر چند ایک اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

○ اگر یہ لوگ انگریزوں سے ٹکرانا چاہتے تھے تو ان علاقوں میں حریت و آزادی کا پرچم بلند کرتے جو کہ دشمنوں کے زیر نگیں آچکا تھا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء نے گوروں سے جنگ و جدل کا کبھی کوئی اشارہ یا پروگرام نہیں دیا، انگریز بھی ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ وہ کبھی ان کی تیاریوں میں مزاحم نہیں ہوئے اور یہ کہ فریقین میں اعتماد کی فضاء قائم تھی۔

○ اس وقت ہم وطنوں اور ہم مذہبوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ انگریز تھے۔ سمندر پار سے آئی ہوئی عیسائی قوم، پاک و ہند پر تسلط جمانے کے لئے ہر حربہ آزما اور ہر میدان میں ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔ تب جدید اسلحہ اور ریشہ دوانیوں کے سبب ابھرتی ہوئی قوت انگریز تھے نہ کہ سکھ۔ علاوہ ازیں یہ کہ انگریزوں کی شدید خواہش تھی کہ ہندوستانی عوام ایک دوسرے کے خلاف کسی نہ کسی طور ہتھیار اٹھالیں۔ لہذا بلا خوف تردد کہا جاسکتا ہے کہ اگر شاہ صاحب، انگریزوں کی بساط شطرنج کا مہر نہ تھے تو بھی ان کی حکمت عملی قوم و ملک کے لئے مضرت ثابت ہوئی اور یہ تحریک گویا حائقوں کا ایک المیہ باب ہے۔

○ ایک لمحہ فرض کر لیتے ہیں کہ سید بادشاہ سے غلط فیصلہ سرزد ہو گیا مگر وہ

سکھوں کے خلاف پورے اسلامی جوش و جذبہ اور خلوص نیت سے میدان میں اترے تھے تو بھی بہت سے دوسے پیدا ہوتے اور متلاشیء صداقت کو مزید الجھا دیتے ہیں۔ اگر سید احمد شہید بریلوی کے پیروکار رضاکار سکھوں سے انتقام لینا چاہتے تھے تو میدان کارزار سکھوں کی عملداری میں جتا؟ یا بلا واسطہ ان کی حکومت و ریاست سے مقابلہ ٹھہرتا؟ لیکن ہوا یہ کہ آپ سرحد تشریف لے گئے، حالانکہ اس علاقے کا اختیار و اقتدار مسلمان پٹھانوں کے ہاتھ میں تھا اور ان کی سکھوں سے کئی ایک لڑائیاں ہو چکی تھیں۔

○ اگر یہ موقف اختیار کیا جائے کہ سید صاحب، عسکری قوت بڑھانے، مسلم سرداروں کو اپنے ساتھ ملانے، چھوٹی موٹی جھڑپوں میں سکھوں کی فنی و حربی صلاحیت آزمانے اور اسلامیان سرحد کو جہاد کی سمت بلانے کے لئے تشریف لے گئے تھے تو بات پھر بھی نہیں بنتی؟ کیونکہ آپ کا اور آپ کے خلفاء و رفقاء کا رویہ، متذبذب کر رہا ہے۔ مخفی رویوں پر مثبت حوالوں کی یہ داستان بھی بڑی کرناک اور حیرت افزا ہے۔

○ حالات و واقعات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے چاہئے تو یہ تھا کہ سید بادشاہ سکھوں کو بھی انگریزوں کے خلاف ابھارتے اور پھر عوام بلا تفریق مذہب و ملت اٹھ کھڑے ہوتے۔ مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ اولاً، ”سرحدی مسلمانوں کی کمر ٹوٹی اور وہ کسی دشمن کے مقابل مزاحمت کے لائق نہ رہے۔ ثانیاً، ”سکھ راج جو کہ انگریزوں کے لئے بھی درد سر تھا، اپنی عسکری قوت ان سے صف آرائی میں کھو بیٹھا۔ نتیجتاً نقشہ کچھ یوں بنتا ہے کہ سید احمد شہید بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کی قتلوں مزاحمی و طالع آزمائی کے سبب پہلے تو غیور و جسور مسلم پٹھانوں کا معاملہ انگریزوں اور سکھوں کے لئے صاف ہوا اور ساتھ ہی سکھ بھی جنگی توانائیوں سے محروم ہوتے چلے گئے۔

○ ایک نقشہ تذکرہ نگار محمد محبوب علی خان کھنوی دلائل و براہین سے واضح

جاری فرما کر اعلان جماد کیا۔ پائندہ خان کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے قدم دشمن سکھ سے اتحاد پر مجبور و معذور ہو گئے۔ اور سردار پائندہ خان نے سردار ہری سنگھ کو اس مضمون کا ایک خط ارسال کیا کہ فلاں لوگوں نے میرا ملک چھین لیا ہے۔ اگر اس مرحلے پر آپ میری کمک کے لئے فوج روانہ کریں تو میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔

سردار ہری سنگھ نے سوچ سمجھ کر اس کا جواب لکھوایا، میں کمک بھیجنے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم اپنا ایک بیٹا جامداد خاں میرے پاس گروی رکھ دو تاکہ باہم اعتماد باقی رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سید بادشاہ نے پائندہ خان کو ہر طرح سے ذلیل و رسوا کیا اور مصلحت اس کے کفر کا فتویٰ بھی صادر فرما رکھا تھا۔ قصہ کو تاہ ”سردار موصوف نے اپنے فرزند دلبند جامداد خاں کو برسم گرو سردار ہری سنگھ کی خدمت میں بھیج دیا، تب سردار مذکور نے دو پلٹن جنگی مع سامان جنگ پائندہ خان کی مدد کو روانہ کیں اور خود مع سردار مہا سنگھ اور فوج کشمیر سکھان کی مانسہرہ سے طرف بھلڑہ پارادہ جنگ ”ہندوستانیوں“ شبشب راہ پیا ہوا۔“ (43)۔

چنانچہ بھلڑہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ ازاں بعد ایک اور زبردست جنگ بالا کوٹ میں ہوئی۔ بالا کوٹ وہ آخری معرکہ تھا جس میں سید صاحب اپنے رفقاء کے ساتھ موت سے دوچار ہو گئے۔ مولانا مہر اعتزافا ”لکھتے ہیں:

”سکھوں کے ساتھ اور ان کے زیر اثر ہزاروں مقامی مسلمان تھے، ان میں اکثر کے جسم بلاشبہ سکھوں کے فرمانبردار تھے۔“ (44)۔

سید صاحب ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ سکھوں اور مسلمانوں سے جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ فسانہ جماد ختم ہوا اور تاریخ میں اس افسانے کا افسانہ ہنوز باقی ہے۔۔۔۔۔ لطف یہ ہے کہ اس کے بعد سردار پائندہ خان نے اپنے لڑکے کی بازیابی کے لئے دوبارہ سکھوں سے بچہ آزمائی کر کے ان کے دانت کھٹے کئے اور کئی معرکوں

کے بعد وہ اپنے لخت جگر و نور نظر کو سکھوں کے چنگل سے چھڑانے میں کامیاب ٹھہرا۔ مذکورہ بالا اسباب و علل کی بناء پر ہی سید بادشاہ کا سکھوں سے آنا سامنا ممکن ہو سکا، لیکن ایک جامع منصوبہ کے تحت ناقابل تردید حقائق و واقعات کی عزت و ناموس بھی محفوظ نہ رہنے دی گئی۔

اس تاریخی بحث اور واقعاتی روداد سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

- 1* مجاہدین بالا کوٹ کی انگریز قوم سے کبھی کشمکش یا مناقشت نہیں رہی۔
- 2* سید بادشاہ کے خلفاء و رفقاء اور پیروکاروں و رضا کاروں نے اپنے طور پر ابھی سکھوں سے اعلان جماد نہیں کیا تھا کہ وہ ایک معاہدہ کے سبب سردار پائندہ خان کی حمایت میں نکل آئے اور یوں دھیرے دھیرے یہ بات زیب راستان بن گئی۔
- 3* یہ کہ شاہ صاحب کی زیادہ جنگیں سرحدی مسلمانوں سے ہوئیں اور بادی النظر یوں لگتا ہے کہ جیسے علاقہ پشاور میں ان کی آمد اسی غرض سے ہو۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ سرحدی مسلمانوں اور سید احمد شہید بریلوی کے جانثاروں میں وجہ عناد کیا تھی؟ اور اس قدر کھلی دشمنی کا کیا راز ہے؟

قرائن بتلاتے ہیں کہ بطور امیر المومنین، سید صاحب کے رنگ ڈھنگ، مولانا اسماعیل شاہ دہلوی کے ملفوظات اور ان کی طرف سے نامزد کئے گئے حکام و عمال کے طور و طریقے، عوام کے لئے کسی طور پر بھی قابل قبول نہ ہو سکتے تھے۔ افکار و عقائد میں کھلے تصادم کے علاوہ معاشرتی اصلاحات کے نام پر بھی جانے کیا کیا کچھ روا رکھا گیا؟

ابتدا ”سرحدی مسلمانوں نے دین کے نام پر اپنی والمانہ و ابستگی و شینگی کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا تھا اور سکھوں کے خلاف دعوت جماد پر لبیک کہتے ہوئے مختصر مدت میں ایک لاکھ سے کہیں زیادہ، سید بادشاہ کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے۔ مولانا غلام رسول مہر کے بقول:

”دو مہینوں میں اسی ہزار سرحدی عوام جماد کے لئے فراہم ہو گئے۔ سرداران

پشاور کا لشکر اس سے الگ تھا۔ اس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی تھی۔۔۔۔۔ اسی ہزار کی فراہمی میں سب سے بڑا حصہ فتح خان پنجتاری، اشرف خان اور خادی خان کا تھا۔“ (45)۔

اس کے برخلاف شاہ اسماعیل دہلوی صاحب نے شاید پیش بندی کے طور پر اجتماع پنجتاری میں موجود علماء سے قبل از وقت یہ فتویٰ حاصل کیا اور مشتہر کر دیا۔

” ○ اثبات امامت کے بعد حکم امام (سید احمد شہید صاحب) سے سرتابی سخت گناہ اور قبیح جرم ہے۔

○ مخالفوں (مسلمانوں) کی سرکشی اگر اس بیان پر پہنچ جائے کہ قتال کے بغیر اس کا استیصال ممکن نہ رہے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان مخالفوں کی تادیب کے لئے تلواریں نکال لیں اور امام کا حکم بزور مخالفوں کا نافذ کریں۔

○ اس (متوقع) معرکہ میں لشکر امام سے جو شخص قتل ہو گا وہ شہید و نجات یافتہ سمجھا جائے گا اور لشکر مخالف کے مقتولین مردود و ناری تصور ہوں گے۔ ان کی حالت اکثر فاسقوں مثلاً زانیوں اور سارقوں سے بھی بدتر ہو گی۔ اس لئے کہ فاسقوں کے جنازے کی نماز واجب ہے لیکن ان مخالفوں (مسلمانوں) کے جنازے کی نماز بھی جائز نہیں۔“ (46)۔

خود سید بادشاہ نے مجاہدین کا ایک گروہ اہل خیر (سرحد) کے پاس حصول امداد کے لئے بھیجا تھا، اس کے امیر، ان کے بھانجے سید احمد علی تھے۔ سید بادشاہ نے ایک مضمحل نامہ بھی ساتھ روانہ کیا جس کا مضمون مولانا مرنے پر یہ بیان کیا ہے۔

”مجاہدین کی اعانت و رفاقت، ایمان و انقیاد کے علامت ہے۔ ان سے الگ رہنا فساد و فساد کا نشان ہے۔ بغی و طغیان کا دائرہ اتنا پھیل چکا ہے کہ انہیں ختم کئے بغیر جہاد ممکن نہیں رہا۔ لہذا منافقوں (سردار پائندہ خان وغیرہم) کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اسے جہاد کا اعلیٰ مرتبہ سمجھو۔“ (47)۔

دراصل سردار پائندہ خان نے اپنی ریاست و حکومت سے دستبردار ہو کر سید

بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا اور وہ فتویٰ کفر کے مستحق گردانے گئے۔ ایک قریب الحدیث مورخ لکھتے ہیں:

”سردار پائندہ خان نے خلیفہ کی بیعت نہ کی لہذا خلیفہ جانب پائندہ خان سے بدگمان تھا۔“ (48)۔

مجاہدین مذکور کی شدت سے متعلق مرزا حیرت دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

”معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا۔“ (49)۔

شیخ محمد اکرام صاحب نے ایک واقعہ قلبند فرمایا ہے:

”ایک موقع پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قائد قاضی سید محمد حبان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم، خدا و رسول کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ ”منیتہ المسلم“ میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا تو اس کا جواب گھونٹوں سے دیا گیا اور قائد موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنایا گیا۔“ (50)۔

اس باب میں مورخ مذکور کے تاثرات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہیں:

”بعض مخلص قدیم الجہاد ہستیوں کو بھی سید صاحب کے بعض ساتھیوں کے طور طریقے، بلکہ عقائد بھی کھٹکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سرداران پشاور اور علماء کا مجاہدین کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم ہو گیا۔ مجاہدین کے خارج از اسلام اور واجب القتل ہونے کے فتوے دیئے گئے۔“ (51)۔

یہ اعتقادی اختلافات کا سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کڑی انسانی دلچسپ ہے۔ اخوند عبدالغفور صاحب علاقہ سوات میں ایک چلہ کش اور مربع خلافت بزرگ تھے۔ ابتداً انہوں نے بھی سید بادشاہ کی ہمنوائی فرمائی لیکن ازاں بعد فکری و نظری اختلافات کی وجہ سے علیحدہ ہوئے۔ مسلمان حاکم خادی خان انہی کا مخلص مرید تھا۔ یہ مجاہدین بالاکوٹ کے ہاتھوں جنگ میں کام آیا اور اسی طرح جب سلطان محمد خان کا

محرکہ ہوا تو اس نے بھی دو ٹوک الفاظ میں بر ملا کہا:

”جماد کی باتیں ابلہ فریبی کا کرشمہ ہیں۔ تم لوگوں کا عقیدہ برا اور نیت فاسد ہے۔ بظاہر فقیر بنے بیٹھے ہو، دل میں امارت کی ہوس ہے۔ ہم نے خدا کے نام پر کمر باندھ لی ہے کہ تمہیں قتل کریں تاکہ زمین تمہارے وجود سے پاک ہو جائے۔“ (52)

اس تنازع میں فریق اول یعنی سید صاحب کا زاویہء نظر و ندرت تاویل بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ آپ نے سردار میر عالم باجوڑی کو ایک مکتوب میں لکھا:

”منافقین کے ساتھ جماد کرنا جنگم ”مقدمۃ الواجب“ ایک واجب معاملہ ہے، اس لئے خاکسار، سچے مسلمانوں کے ساتھ شہر نشاد اور قرب و جوار سے بدکردار منافقوں کی گندگی کو پاک کرنے کا مصمم ارادہ کر کے موضع پنجٹار تک پہنچ گیا ہے۔“ (53)

شاہ اسماعیل دہلوی صاحب کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیے:

”یہاں دو معاملے در پیش ہیں۔ ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا، اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جب کہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی اور سبب اگرچہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔“ (54)

”مرتدوں بلکہ اصل کافروں“ سے مراد سرحد کے خفی المسلمک مسلمان ہیں۔ ان کے بارے میں سید بادشاہ اس قدر غصہ رکھتے تھے کہ رئیس قلات کو لکھتے ہیں:

”مناسب اور مصلحت یہ ہے کہ ایسا کیا جائے کہ سب سے پہلے تو منافقوں کے استیصال کے متعلق انتہائی کوشش کی جائے اور جب جناب والا کے قرب و جوار کے علاقہ میں ان بدکردار منافقین کا قصہ پاک ہو جائے تو پھر اطمینان خاطر اور دلجمعی کے

ساتھ اصل مقصد (سکھوں) کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے مصلحت وقت یہی ہے کہ پہلے تو منافقین کے فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے سخت کوشش فرمائیں گے۔“ (55)

اس موقف کی تائید میں کہ مجاہدین بالا کوٹ، سکھوں سے نہیں بلکہ براہ راست مسلمانوں سے ہی لکراتے تھے، سید صاحب کا ایک گرامی نامہ انتہائی اہم ہے۔

”چونکہ منافقوں اور فساد برپا کرنے والوں نے سرکش کفار کی حمایت پر کمر باندھ لی ہے اور مجاہدین سے دشمنی برت رہے ہیں۔ اس لئے ان کی گوشمالی اور کفر و فساد کے خلاف جماد کی مہم چلانا ضروری ہے۔ اسی بناء پر میں نے تمام منافقین کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے مجاہدین کو ترغیب دی ہے..... اس کے بعد یہ عاجز اپنے سچے اور مخلص مجاہدین کے ساتھ لاہور کی طرف کفر اور سرکشی کے ازالے کے لئے روانہ ہو جائے گا، کیونکہ اصل مقصد پنجاب کے سکھوں سے جماد کرنا ہے۔“ (56)

امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بریلوی سرحدی کلمہ گوؤں کو بالعموم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

”آپ لوگ کلمہ توحید بھی محض عادتاً پڑھتے ہیں۔“ (57)

واقع نگار نے سید بادشاہ کی جنگی مہارتوں اور یورشوں کے بیان میں جو کچھ لکھا، اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ ان کی توپ کے گولوں سے کتنے مسلمان مارے گئے اور زیدہ میں یار محمد خان کے کتنے ساتھی تہ تیغ ہوئے۔ سید صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا ساتھی شہیدان کرلا میں سے ہو گا اور مخالف، لشکر یزید لعین میں سے ہے۔

المختصر امیر مجاہدین بالا کوٹ کے کردار و عمل سے جو حقائق منظر عام پر آئے ان سے ثابت ہو چکا کہ انگریزوں سے لڑنا جھگڑنا تو کجا، یہ بات ان کے حاشیہء خیال میں

پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا برد کر دینا، امیر جماعت کی عادت تھی کہ ان خاندانوں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خاندانیں اس طرح الگ کی جاتی تھیں ان کی شادیاں انہی لوگوں میں سے کسی ایک سے کر دی جاتی تھی اور اسے نہایت عمدہ جینز اور ماہوار خرچ مل جاتا تھا اور یہ امر اس درجہ افسوسناک تھا کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی وہ شادی کے بعد بھی امیر جماعت کی توجہات کا مرکز بنی رہتی۔“

”رحمت اللہ بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بد چلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی رغبت نے معطل کر رکھا تھا، تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا۔“ (59)

مولانا غلام رسول مرنے خود بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ کاروان سید کے کردار و عمل پر عوام و خواص میں انگلیاں اٹھتی تھیں اور سرحد کے ذی وقار علماء دین نے جماعت مجاہدین پر جو اعتراضات کئے تھے، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

○ مجاہدین، نفسانیت کے پیرو ہیں اور لذات جسمانی کے جویا۔
○ وہ ظلم و تعدی کے خوگر ہیں۔ بلاوجہ شرعی مسلمانوں کے اموال اور نفوس پر دست درازی کرتے ہیں۔

○ وہ انجانوں کی لڑکیوں کو جبرا“ ہندوستانیوں (اپنے ساتھیوں) کے حوالے کرتے ہیں۔ (60)

شہید موصوف کے مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح ثانی کی ترغیب عملاً ایک المیہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس آڑ میں جانے کیا کیا کھیل کھیلے اور گل کھلائے گئے؟ ملاحظہ فرمائیں:

”سید صاحب نے صد باغازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں۔ مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں اور

بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دو تین دو شیزہ لڑکیاں جا رہی ہیں، مجاہدین میں سے کسی شخص نے انہیں پکڑا اور مسجد میں جا کر نکاح پڑھا لیا۔“ (61)

ایک سچے دیکھے جاٹار کا بالکل سچا اور پکا اقرار مطالعہ فرمائیے:

”مجاہدین میں سب طرح کے آدمی تھے۔ برے بھی اور بھلے بھی، بلکہ یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ برے زیادہ اور بھلے کم تھے۔“

”غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔ ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تفتیش و ترمیم نہیں ہے۔“

”کبھی اعلامیہ طور پر سید صاحب کے کسی ساتھی کو سزا نہیں دی گئی حالانکہ اکثر ناجائز افعال ان سے سرزد ہوا کرتے تھے۔“

”سید صاحب کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں مکرر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔ آپ کو یقین تھا، شریعت کے ارکان کی پابندی کرنے کے چونکہ یہ عادی نہیں ہیں اور اب انہیں پابندی کرنی پڑتی ہے، اس لئے یہ ہمارے آدمیوں سے ناراض ہوتے ہیں۔“ (62)

مندرجہ بالا تاریخی شواہد کے پیش نظر شیخ محمد اکرام صاحب انتہائی مختاطبہ لہجے میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدد پر اتر آئے تھے۔“ (63)

”موجودہ اسکے“ زیر نگاہ کتاب کے مولفہ فرماتے ہیں:

”علاقہ سرحد میں مولانا مولوی سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکادی تھی، جو سمجھنے میں نہ آئی۔“ (64)

موصوف نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ سرحد میں انگریزوں کی

عملداری تھی کب؟۔۔۔۔۔ جہاں دشمن کا گزر نہ ہو وہاں کسند جہاد کیا معنی؟۔۔۔۔۔ ایک اور اعتراض یہ ہے اور میرے ناقص خیال میں بجا طور سے توجہ طلب ہے کہ اگر ”شہیدین“ کا جذبہ جہاد واقعی اس قدر بڑھا ہوا تھا تو کم از کم اس کی کوئی جھلک ان کے ملفوظات و تالیفات میں بھی دیکھتے۔۔۔۔۔ اس دور میں تقویت الایمان اور صراط مستقیم ان سے یادگار ہیں۔ ان میں سے مسئلہ جہاد بالسیف کا سراغ تک نہیں ملتا۔۔۔۔۔ بناء بریں یہ بھی کوئی تزلزلہ کہ سکھوں سے لڑنا تھا تو پنجاب میں جاتے، سرحد میں کیونکر تشریف لائے اور ڈیرے جمائے تھے؟



یہ کتاب۔۔۔۔۔ ”ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء“۔۔۔۔۔ پاکستان میں کیاب بلکہ نایاب ہے۔ اسے مفتی انتظام اللہ شاہی نے مرتب و مدون کیا اور دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ ہمیں اپنے ایک کرم فرما۔۔۔۔۔ کی وساطت سے یہ تاریخی نسخہ منظر عام پر لانے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ بنیادی طور پر اس کا موضوع ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے، جسے انگریز مورخ نے ”غدر“ کا نام دیا۔ بناء بریں برصغیر پاک و ہند میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام اور اس کے خلاف علمائے دین کی جدوجہد کے دائرہ کار سے متعلق دیگر ادوار کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہے۔

علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ مصنف / مولف کے الفاظ و مطالب پر کسی طور بھی دست درازی نہ کی جائے، سو ہم من و عن جملہ متن اور عبارت و حاشیہ میں کسی قسم کی کمی و بیشی کئے بغیر (حرف بحرف) کتاب مذکور چھاپ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ کئی ایک اہل قلم جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو، تحریک مجاہدین بالاکوٹ کی صدائے بازگشت ثابت کرنے پر مصر دکھائی دیتے رہے اور دے رہے ہیں نیز یہ کہ ”تحریک مجاہدین بالاکوٹ“ کے بعد مسلمانان ہند کی طرف سے آزادی کی ہر کوشش کا سلسلہ اسی تحریک سے ملاتے آئے اور ملا رہے ہیں۔ بایں سبب، باب تاریخ میں تحقیقی ذوق

رکھنے والے ارباب علم کے لئے ”تصویر کا دوسرا رخ“ بھی پیش کیا جانا، اہمیت و افادیت کا حامل نظر آ رہا تھا۔ لہذا ہماری مخلصانہ دیانت و ارادہ پیش کش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ قارئین محترم کی تنقیدی آراء کا انتظار رہے گا۔

حوالہ جات

- ۱۔ ماہنامہ پیشاق لاہور، جولائی ۱۹۸۹ء (ترتیب و تسوید شیخ جمیل الرحمن، ص ۳۴)
- ۲۔ تاریخ تاولیاں، سید مراد علی (علی گڑھی) تالیف ۱۸۷۵ء، ص ۳۹ تا ۵۲)
- ۳۔ افادات مرصعہ ۲۳۱، بحوالہ، امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶
- ۴۔ افادات مر مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پٹی۔ دیکھئے ص ۲۳۹، ۱۹۳، ۱۹۸ اور پیش لفظ امتیاز حق
- ۵۔ تواریخ ہزارہ ص ۷۳۰
- ۶۔ حاشیہ مقالات سرسید، (حصہ شانزدہم) از محمد اسماعیل پانی پتی ص ۳۵۲
- ۷۔ حاشیہ ”مقالات سرسید“ (حصہ شانزدہم) از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ص ۲۳۸
- ۸۔ ”مقالات سرسید“ حصہ نہم ص ۲۰۷
- ۹۔ ”مقالات سرسید“ حصہ نہم، ص ۱۳۲
- ۱۰۔ ”مقالات سرسید“ بحوالہ امتیاز حق از راجا غلام محمد ص ۶۵
- ۱۱۔ سوانح احمدی از مولانا جعفر تھانیسری، مطبوعہ فاروقی دہلی ص ۷۳
- ۱۲۔ موج کوثر از شیخ محمد اکرام صاحب، ص ۲۰
- ۱۳۔ دیکھئے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۷۲۔ سید احمد شہید ص ۲۲۔ نقش حیات ص ۲۱۸۔ مقالہ بعنوان ”جزائر انڈیمان و نکوبار میں مسلمانوں کی علمی خدمات“۔ ماسی اردو کراچی ص ۷۸
- ۱۴۔ حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۹۶

- 15:- مقالات سرسید، حصہ پنجم ص ۱۲۸۔
- 16:- افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی از محمد سرور ص ۳۶۲۔
- 17:- سوانح احمدی از جعفر تھانیری ص ۳۹۔
- 18:- سیرت سید احمد شہید، حصہ اول ص ۲۱۹، ۲۲۰۔
- 19:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ص ۲۵۰۔
- 20:- چند تاریخی غلطیاں از ابو العالی، کتاب ”شاہ اسماعیل شہید“ ص ۲۲۲ بحوالہ امتیاز حق۔
- 21:- اسلامی حریت کا علمبردار، از محمد میاں، کتاب شاہ اسماعیل شہید ص ۱۹۳۔
- 22:- مکتوبات سید احمد شہید ص ۳۱۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔
- 23:- مکتوبات سید احمد شہید مترجم سخاوت مرزا، ص ۳۲، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔
- 24:- سیرت سید احمد شہید حصہ اول، ص ۲۲۲۔
- 25:- مضمون، سرسید احمد خان، بجواب ڈاکٹر ہنرمند رجہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۸- دسمبر ۱۸۷۱ء۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۱۱۲۔
- 26:- سوانح احمدی از جعفر تھانیری ص ۱۳۹۔
- 27:- الدرد المنشور از مولوی عبد الرحیم صادق پوری ص ۱۳۵۔
- 28:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ص ۱۲۶۔
- 29:- حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی ص ۴۲۱۔
- 30:- الحیات بعد الممات از مولانا فضل حسین ہماری ص ۲۰۳۔
- 31:- مولانا منظور نعمانی صاحب، الفرقان لکھنؤ شہید نمبر ۱۳۵۵ھ ص ۷۶۔
- 32:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیری ص ۱۳۹۔
- 33:- نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی، شیخ دیوبند جلد دوم ص ۱۲۔
- 34:- سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیری ص ۲۶۱۔
- 35:- ماہنامہ ”ماہ نو“ کراچی، ۷ اکتوبر ۱۹۶۳ء ص ۵۶۔

- 36:- حقائق تحریک بالا کوٹ از شاہ حسین گردیزی ص ۷۲، ۷۳۔ مقالات سرسید حصہ پنجم ص ۱۲۸۔
- 37:- سوانح احمدی از مولانا محمد جعفر تھانیری ص ۱۶۸۔
- 38:- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ص ۴۳۱۔
- 39:- دیکھئے، حیات طیبہ ص ۲۲، ۲۲۲، ۴۳۵، ۴۰۲، ۴۲۹ اور تواریخ عجیب ص ۶۴ از مولانا محمد جعفر تھانیری۔
- 40:- تاریخ اعیان دہلیہ از محمد محبوب علی خان لکھنؤی ص ۴۳، ۴۴۔
- 41:- تاریخ تاولیاں از سید مراد علی ص ۴۸۔
- 42:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ص ۵۴۱۔
- 43:- دیکھئے، تاریخ تاولیاں ص ۵۱، ۵۲، ۵۳ وغیرہ۔
- 44:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ص ۷۵۰، ۷۵۲۔
- 45:- غلام رسول مر، مولانا۔ سید احمد شہید ص ۳۶۵۔
- 46:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ص ۴۶۳۔
- 47:- سید احمد شہید، مولانا غلام رسول مرص ص ۴۵۰۔
- 48:- تاریخ تاولیاں، سید مراد علی، ملیکہ دہی، ص ۴۹۔
- 49:- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۱۔
- 50:- موج کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۳۱۔
- 51:- موج کوثر، شیخ محمد اکرام ص ۳۲۔
- 52:- سید احمد شہید، مولانا غلام رسول مرص ص ۶۱۳۔
- 53:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیری ص ۱۳۵۔
- 54:- مکتوبات سید احمد شہید از مولانا محمد جعفر تھانیری ص ۲۴۱۔
- 55:- محمد جعفر تھانیری مولانا، مکتوبات سید احمد شہید ص ۴۷۔
- 56:- مکتوبات سید احمد شہید مرتبہ مولانا محمد جعفر تھانیری ص ۵۶، ۵۷۔

- 57:- سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مرص ۷۰۲
- 58:- حیات طیبہ، مرزا حیرت دہلوی ص ۳۵۶
- 59:- مشاہدات کامل و یا غستان از مولوی محمد علی قصوری (الہجدیث) دیکھئے، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱
- 60:- سید احمد شہید، غلام رسول مرص، مولانا ص ۲۶۰
- 61:- حیات طیبہ، از مرزا حیرت دہلوی ص ۲۸۰
- 62:- دیکھئے، حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی، ص ۲۸۰، ۲۸۱
- 63:- موج کوثر۔ محمد اکرام شیخ، ص ۳۱
- 64:- ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء از مفتی انتظام اللہ شہابی ص ۱۰



مغلیہ حکومت کے کمزور ہوتے ہی ملک کا شیرازہ بکھرا اور ہندوستان جنگ کی آماجگاہ بن گیا۔ ”کارل مارکس“ نے اس عہد کا چند لفظوں میں یوں نقشہ کھینچا ہے:-
 ”ہندوستان میں انگریزی تسلط کیونکر قائم ہوا؟۔ مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو مغلوں کے صوبہ داروں نے اور صوبہ داروں کی قوت کو مرہٹوں نے مرہٹوں کی قوت کو افغانوں نے توڑا اور جبکہ یہ سب ایک دوسرے سے دست مگرہاں تھے انگریز کود پڑا اور سب کو مطیع بنانے کے قابل ہو گیا۔“

جنگ پلاسی کمپنی کو سازگار ہوئی تو کمپنی نے اپنی انوکھی تدبیروں سے ہندوستان پر پورا تسلط کر لیا اور ملک کے معاشرہ میں ہی دخیل ہونے لگی۔ عمال ایسٹ انڈیا کمپنی نے بے حساب دولت لوٹنی شروع کر دی۔ لارڈ میکالے نے ایک جگہ لکھا ہے:-
 ”کمپنی اور اس کے ملازمین پر اب دولت کی بارش باغراط ہونے لگی۔ اسی لاکھ پونڈ کی رقم جو تقریباً سکھ کی صورت میں تھی دریا کے ذریعہ مرشد آباد سے فورٹ ولیم روانہ ہو گئی۔ (اس رقم سے) ہر انگریز کے گھر میں تمول اور ثروت کے آثار نمایاں ہو گئے۔“

کلائیو یا قوت اور ہیروں کا تاج پہنے ہوئے سونے اور چاندی کے ڈھیروں میں لوٹا تھا اور وہ جس قدر دولت اپنے لئے لینا چاہتا تھا اس کے لئے آزاد اور خود مختار تھا۔ (۱)

عہدہ داران کمپنی کے اور اوصاف حمیدہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ایڈم وک ایک

جگہ لکھتا ہے:-

”کپنی کے (عمدہ دار قطعاً غیر ذمہ دار، ظالم اور جھاکار تھے انہوں نے خانگی (ہندوستانیوں کی) پونجی کا بالکل (تھوڑے ہی دنوں میں) خاتمہ کر دیا تھا۔ ان کا مقصد کلی یہ تھا کہ بنگال کے باشندوں سے جس قدر جلد ممکن ہو چند لاکھ اشرفیاں وصول کر کے دولت کا مظاہرہ کرنے کے لئے فوراً اپنے وطن واپس ہو جائیں۔“

نتیجہ یہ ہوا کچھ ہی زمانہ میں کپنی کی بدولت انگلستان میں خزانوں کا دریا بننے لگا۔ لوگ سرمایہ دار بن گئے۔ اس ہی پر بس نہیں کیا بلکہ کپنی، انگلستان کی صنعتی ترقی کی خاطر ہندوستانی صنعت کو تباہ و برباد کرنے کے درپے ہو گئی۔

عمال کپنی نے ڈھاکہ کی صنعت پارچہ بانی کو تباہ اور غارت کر کے کاریگروں پر وہ ظلم و ستم ڈھائے کہ لوگ اپنا وطن ترک کر کے فرار ہوئے اور جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔ ”لڈلوس“ اس واقعہ کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ:-

”ہم نے ہندوستان کی روٹی کی صنعت کو تقریباً برباد کر دیا ہے۔ ڈھاکہ بڑی حد تک غیر آباد اور ویران ہو گیا ہے۔“ (2)

ان ہی وجوہ سے ڈھاکہ کی آبادی تین لاکھ سے گھٹ کر صرف ستر ہزار رہ گئی۔ ایسے ہی واقعات جہاں جہاں انگریز نے چاہا ہندوستان میں روا رکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانیوں کی برس ہا برس کی محنت کی پونجی چھین گئی۔ ۱۷۷۱ء میں خشک سالی سے قحط نمودار ہوا اور لوگوں کے ذرائع نے جواب دے دیا تو وہ لاکھوں کے تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ مگر انگریز نے اپنے یہاں غلہ بھرنا شروع کر دیا اور غرباء کی معاونت یا دیکھیری نہیں کی۔ میکالے کہتا ہے:-

”فلاح انگریزوں کے محلوں اور باغوں کے نزدیک دریائے ہگلی میں ہزار ہا نشیں بہتی رہتی تھیں۔ پنڈے اور کلکتہ کے گلی کوپے مردہ نعشوں اور مرنے والوں سے بھرے ہوئے تھے اور انکی نعشوں کو گیدڑ، گدھ دن دباڑے نوچتے کھسوتے رہتے تھے۔“

انگریزی برکات نے کچھ عرصہ بعد ایک اور ملک پر قحط ڈالا جو امساک باران کی وجہ سے نہیں پڑا بلکہ کپنی کا روز افزوں اقتدار اس کا سبب تھا۔ لوٹ کھسوٹ سے گاؤں کے گاؤں خالی ہو گئے اور باشندے بھاگ نکلے۔ کرنل بیرو کے بیان کے مطابق ”بنگال کی ایک تہائی سے زیادہ اراضیات بیس سال تک افتادہ پڑی رہیں۔“

ان بد نظمیوں نے ہندوستانیوں کو اس قدر عاجز کر دیا تھا کہ کپنی سے دن بدن ان کی نفرت بڑھنے لگی تھی اور اس قدر عمال کپنی سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ جب کبھی انگریز مسافر یا کئی میں کسی گاؤں سے گذرنا تو اسکی آمد کی خبر پا کر لوگ گاؤں چھوڑ جاتے تھے۔ کپنی زعم باطل میں اہل ملک کو کمزور کر رہی تھی تاکہ یہ خود سری نہ کر سکیں۔ جب کپنی کو باور ہو گیا کہ ہندوستانی غلام ہو چکا ہے۔ اب اس نے اور آگے قدم بڑھایا۔ ہندو مسلمانوں کے مذہب سے کھیلنے لگا۔ مذہبی زبانوں کے مٹانے کی تدبیریں کیں اور اپنے مذہب کی ترویج پر کمر باندھی۔ زمینداریاں اور جو ریاستیں صاحب اقتدار تھیں، انگریز یکے بعد دیگرے قبضہ میں لانے کے درپے ہوا۔ ملک میں فساد کرانے کی صورت پیدا کی گئی۔ ۱۸۰۶ء میں ویلور میں ایک زبردست ہنگامہ ہو گیا (3)۔ ۱۸۳۱ء میں ”تومیاں انگریز طاقت سے بھڑ بیٹھا۔ ۲۳ پرگنہ ندیا اور فرید پور کے ضلع سے کچھ دن کے لئے کپنی کا اقتدار ہی اٹھ گیا تھا۔“ تومیاں کے ساتھ ہندو مسلمان ہر دو تھے مگر کپنی نے تازہ دم فوج مقابلہ کے لئے بھیج دی۔ نارکل بیڑیا پر تومیاں مقابل آیا اور شہید ہو گیا۔ سپہ سالار فوج اور ایک سو چالیس مجاہد پکڑے گئے رسالدار کو چھانسی لگی اور ایک سو چالیس نفوس کو بمبئی جیل میں بعد مقدمہ بند کر دیا۔ اب علماء نے کڑوٹی۔ مولوی شریعت اللہ اور مولوی کرامت علی جوہوری نے ہندو مسلم اسی ہزار نفوس کی جماعت فرازی کے نام سے بنائی۔ اس جماعت نے دودو میاں کے زیر سرکردگی انگریزی سے مقابلہ کیا مگر معاملہ آگے نہ بڑھ سکا، دب گیا۔

ان ہنگاموں کے واقعات سے کپنی نے کوئی اثر نہ لیا بلکہ ہندوستان پر دوامی اقتدار قائم کرنے کے لئے جو اسکیم پیش کی تھی وہ بروئے کار لائی جا رہی تھی۔

اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہندوستان میں تعلیم کی ترقی تھی۔ یہاں تعلیم کا وہی تناسب تھا جو اس وقت یورپ کا تھا۔ (بنگال کے گاؤں کا تعلیمی معیار اس کا پلٹاؤ گاؤں کے معیار سے بہتر تھا)۔

صرف دہلی شہر میں ۱۲۲۵ میں ایک ہزار کالج اور دو ہزار اسی مساجد جن میں عام درسگاہیں تھیں۔ وائٹ ہیڈ مدراس کا پادری ایک جگہ لکھتا ہے۔

”کبھی کبھی پادریوں کے مشن جو ہندوستان بھیجے تھے عیسوی تبلیغ کے ساتھ یہاں کی تعلیم بھی انکے سپرد کی گئی جنہوں نے ہر جگہ اپنے تعلیمی ادارے کھول دیئے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کتاب اور پائٹ شالوں پر اوس پڑ گئی۔ پانچ برس میں چالیس فیصدی ناخواندہ نظر آنے لگے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی ادب کا تختہ الٹ دیا۔ انگریزی تعلیم کی سکیم نافذ کر کے مادری زبان کی تعلیم کو فنا کر دیا۔

مسٹر وائٹ ہڈ کا بیان ہے:-

”قوی تعلیم (یعنی انگریزی تعلیم) جاری کر کے ہندوستانیوں کی انفرادیت اور آزاد خیالی کو نابود کرنے کی کوشش کی۔“

جس قدر انگریزی ترقی کر رہی تھی اسی قدر تعلیمی تناسب گھٹ رہا تھا۔ ۹۲

فیصدی لوگ اب ناخواندہ ہو چکے تھے۔ اس پلٹ میں مسلمان زیادہ آئے۔

مشن کالجوں اور سکولوں میں عیسوی تعلیم دی جاتی تھی۔ ہندو مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وہاں بند تھی۔ ہندوستانی اس طرف لپک رہا تھا کچھ مخالفت بھی ہوئی ان کو مذہبی دیوانہ کہہ کر نظر انداز کیا گیا۔ اہل ملک کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مذہبی مراسم پر نظر ڈالی۔ رسم سنی بند کی گئی۔ عقد بیوگان جاری کیا۔ ذات پات ختم کی گئی۔ حتیٰ کہ کورسوں میں مہاراج کرشن چندر جی کا ذکر خیر ہوتا تھا۔ اس کی بندش کی جانے والی تھی مسلمانوں پر یہ کرم ہوا کہ دہلی میں محکمہ قضاۃ تھا اس کو توڑ کر صدر نظامت قائم کر دیا۔ قاضی کے بجائے انگریز جج فیصلہ مذہبی کرتا۔ ۱۸۳۷ء میں قحط پڑا۔ جو غریبا

کے بچے مشن کو ہاتھ لگے وہ عیسائی کر لئے گئے۔ اس واقعہ کا اثر ہندو مسلمان ہر دو نے لیا۔ عیسائی مشن دن بدن کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ عوام میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کے پیشواؤں کو متوجہ ہونا پڑا۔ پنڈتوں نے اپنے گھر کو سنبھالنے کی کوشش کی، مسلمانوں میں علماء اور فقراء نے ہاتھ پیر چلائے۔ درس و تدریس بھول گئے اور نصاریٰ سے مقابلہ کے لئے سرکھٹ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فقراء جو خانقاہوں میں گوشہ گیر تھے وہ غلبہ نصرانیت کی مخالفت میں لگ گئے۔

مولیاری میں محراب شاہ قلندر ایک بزرگ تھے جو سردار ستولے کے یہاں پیادہ کی خدمت انجام دیتے مگر اہل شران کے گردیدہ تھے۔ دور دور شہرت تھی مدراس کا نواب زادہ فقیری لباس میں ان کے پاس آیا اس سے بیعت ان شرائط کے ساتھ لی کہ وہ اپنی جان کی بازی انگریز کے اقتدار کے ختم کرنے میں لگا دے۔ (۴)

چنانچہ نواب زادہ امارت کو چھوڑ کر اسی مقصد کے پیش نظر دریدر پھر رہا تھا۔ یہی وہ فرد ہے جس کو تاریخ غدر میں مولوی احمد اللہ شاہ دلاور جنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

کئے اور ہمیشہ کی ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد ۴ صفحہ ۳۸۱ میں ہے:-

”مولوی احمد اللہ نے ناجائز قتل و غارت سے کبھی اپنی تلوار کو دھبہ نہیں لگنے دیا۔ وہ ہمیشہ مروانہ وار جرات اور اولوالعزمی اور دیانت داری سے اپنے ملک کو اغیار کے پنجے سے چھڑانے کے لئے (انگریزوں سے) لڑتا رہا۔“

جو پور میں مولوی سرفراز علی شاگرد مولوی کرامت علی شغل معلم گیری اس کے ساتھ پیری مریدی بھی جاری جو مرید ہوتا اس کو نصرانیت کے خلاف تلقین کرتے اور جناد پر آمادہ کرتے۔ سلطانپور کا ایک افغانی صوبہ دار نام سن کر بیعت کرنے والا۔ بخت خان اس کا نام تھا، انگریزی توپ خانہ کا افسر تھا۔ مرید کیا اور اس کو انگریز مقابلہ کے لئے تیار کر دیا جو آگے جا کر دلی کی تاریخ میں جنرل بخت خاں کے نام

سے مشہور ہوا۔ علاقہ سرحد میں مولانا سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید نے انگریزوں کے خلاف وہ آگ بھڑکا دی تھی جو بجھنے میں نہ آئی۔

۱۸۵۴ء میں پادری فنڈر انگلستان سے ہندوستان آیا اور داعیان مذاہب کو دشنام دہی کا محل بنا لیا۔ علماء بگڑ بیٹھے مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خان سے اس سے آگہ میں مناظرہ ہوا۔ شکست کھا کر سیاسی شب میں ایسا چھپا کہ پھر ہندوستان میں نظری نہ آیا۔ علماء نے نصرانیت کے خلاف رسالہ بازی شروع کر دی۔ علماء کی طرح ہندوستان کے پنڈتوں نے دھرم شاستر کے احکام نکال لئے تھے اودھتوں سے یہ مورت نکال کر وطن پرستوں کو گماتے اور فرماتے تھے کہ انگریزوں سے لڑو فتح تمہاری ہوگی۔ (تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۷۶)

حسن اتفاق نانا راؤ پیشوا کی آٹھ لاکھ کی پنشن ڈلہوزی نے ضبط کر لی اور باجی راؤ کا متنبی ان کو نہیں گردانا۔ انہوں نے اپنے سربراہکار عظیم اللہ خاں کو ولایت بھیجا مگر ڈائریکٹران نے کوئی توجہ نہ کی۔ پانچ لاکھ روپیہ صرف کر کے لوٹ آیا۔ ہردو انگریزی سلطنت کے اٹنے کے درپے ہو گئے۔ کہا جاتا ہے غدر کی سکیم کے بانی دلاور جنگ اور نانا راؤ اور عظیم اللہ ہی تھے۔ نانا صاحب کا ساتھی تانیا ٹوپی فوجی جنرل تھا اس نے جوگی بن کر سرکاری فوجوں میں بغاوت کی لہر پیدا کر دی۔

مسٹر چارس بال اپنی تعریف میں ان کے متعلق لکھتا ہے:-

”انگریز سے ذرا کم مضبوط دشمن سے اگر تانیا ٹوپی کو واسطہ پڑتا تو وہ ایک وسیع مہذبہ سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا اور پھر سے پیشوا بن جاتا ہے۔“ (5)

احمد نگر کے علاقہ کا رہنے والا تھا کچھ عرصہ نانا فرنویس کی فوج میں عمدہ دار رہ چکا تھا۔ مگر اس بہادر کو راجہ مان سنگھ اپنی جائیداد کو بچانے کی خاطر انگریزوں کے ہاتھ سوتے میں پکڑا دیتا ہے۔ مقدمہ چلتا ہے آخر ۴۹ برس کی عمر میں وار پر چڑھا دیا جاتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے ۱۸۵۷ء میں

ہندوستان کو تودہ بارود بنا دیا تھا صرف شتاہ لگانے کی دیر تھی کہ برطانوی جنرل جو میرٹھ میں کمانڈر فوج کا تھا خود دیا سلائی دکھا بیٹھا۔ قضیہ کار تو س چیفٹر کر فوج کو برگشتہ کر دیا۔ یہ فوج ۱۰ مئی کو دلی آئی بہادر شاہ کو خواب غفلت سے چونکایا مگر ضعیفی نے اور انگریز کے شکنجے نے پڑمردہ بنا رکھا تھا مگر خاندانی شجاعت نے نئے سرے سے حرارت پیدا کر دی اور وہ سرپرستی کے لئے تیار ہو گیا مگر شہزادے کمزور نکلے۔ مرزا مغل مرزا خضر سلطان، مرزا قویش، مرزا جوان بخت میں تو کچھ سرگرمی عمل تھی۔ بقیہ کا طریقہ شکایت کا موقعہ دے رہا تھا۔ جنرل بخت خاں نے آتے ہی فوج کو ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے لارڈ گورنر کا خطاب دیا مگر ارکان سلطنت حکیم احسن اللہ خاں، مرزا الہی بخش و دیگر شہزادوں کی سازشیں انگریزوں کو کامیاب کرنے میں معاون ہوئیں۔ تسلط پر بادشاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ ہڈن کے ہاتھوں شہزادے مرزا مغل مرزا خضر سلطان گولی کا نشانہ بنے۔

جنگ آزادی نے ہندوستان میں وسیع محاذ اختیار کر لیا تھا۔ کچھ تو پر سے مولوی احمد اللہ شاہ اور برجیس قدر کی وجہ سے کنٹرول اٹھ گیا تھا۔ کانپور پر نانا راؤ کا قبضہ تھا۔ رانی لکشمی جھانسی پر براج رہی تھی۔ بریلی نواب خان بہادر خاں کے قبضہ میں تھی۔ الہ آباد پر مولوی کفایت علی چھائے ہوئے تھے۔ بہت سے نواب اور چھوٹے چھوٹے راجے ان کے ہمراہ تھے۔ دلی پر انگریزوں کا قبضہ ہونے کے بعد ہر جگہ غداروں نے مل کر خان ملک اور حریت نوازوں کو ناکامیاب بنایا۔ آخری اجتماع مولوی احمد اللہ شاہ کے جھنڈے تلے ہوا۔ ”محمدی“ میں حکومت قائم ہوئی، سکھ چلا مگر راجہ اچانین کے ہاتھوں دھوکہ سے احمد اللہ گولی کا نشانہ بنے۔ (6) پھر تو تمام انقلابی رہنما منتشر ہو گئے جو حکومت کے ہاتھ پڑے وہ دار پر چڑھا دیئے گئے یا جس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا کے سزاوار قرار دیئے

گئے۔ نوابوں، راجاؤں کے جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ دلی میں لکھنؤ میں کانپور میں انگریزی افسروں نے وہ وہ ظلم کئے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ بنارس الہ آباد میں نہایت بے رحمی اور سختی کا استعمال جنرل نیل اور کرٹل ریگنارڈ نے کیا۔

لندن ٹائمز کے نامہ نگار رسل نے اس ظلم و جور کی بہت سی مثالیں دی ہیں۔ لیفٹیننٹ جنرل نے لکھا ہے:-

”ایک زخمی سپاہی کے چہرے کو سنگین مار مار کر چھیدا گیا اور پھر اسے معمولی آگ میں رکھ کر بھونکا گیا۔ جلتے ہوئے انسانی گوشت کی خوفناک بو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ سخت قسم کا دھواں اٹھ رہا تھا اور یہ سب کچھ انیسویں صدی میں ہوا جب انگریز اپنے مہذب ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔“

سرہنری کاٹن لکھتا ہے:-

”مجھے سوہنے تھا میں نے نہایت ہی روح فرسا واقعات سناے اور بتایا کہ قیدیوں پر کیا کیا ظلم ڈھائے جاتے تھے۔ سنتیوں کے کمرے میں اس نے جو کچھ دیکھا اس کے الفاظ پڑھے۔ چند بد قسمت مسلمانوں کو رسیوں سے باندھ کر زمین پر لٹایا گیا۔ ان کے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے اور سر سے پیروں تک ہر جھے پر دہکتے ہوئے تانبے سے نشان لگائے گئے اور پھر ان کے سروں میں گولیاں مار مار کر انہیں ہلاک کیا گیا۔ (انڈین ہوم میویرین) ایسے بہت سے واقعات گذرے۔“

یہ ظالمانہ واقعات ان کے ساتھ کئے گئے جنہوں نے ملک کو آزاد کرانے اور اپنی اولاد کو بدیشی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے کی پہلی کوشش کی تھی۔ مگر افسوس کا مقام ہے جنگ آزادی کے شرکاء کا کوئی اب تک تفصیلی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ غدر کی تاریخیں انگریزی میں بہت سی لکھی گئیں مگر ان میں اپنی مظلومیت اور

ہندوستانیوں کی خونخواریت کے نقشہ دکھائے گئے ہندوستانی مورخوں نے ان سے بھی زیادہ خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مفروضہ مظالم کی داستانیں اور بڑھا چڑھا کر لکھیں۔ انگریزوں کو معصوم اور ہندوستانیوں کو ظالم اور مجان وطن غدار و مفسد کے نام سے پکارے گئے۔ ان پر جو مظالم ہوئے وہ حق بجانب ٹھہرائے گئے۔ مولوی ذکاء اللہ دہلوی اور پنڈت کنسیا لال کی تاریخ بغاوت ہند بین ثبوت ہے۔ اس سے بڑھ کر ان حضرات کی کوتاہ نظر کیا ہوگی کہ حریت نوازوں کے حالات تو بڑی چیز ہے ان کے نام تک کا ذکر کرنا گناہ سمجھا۔ اگر کسی کا نام بہ مجبوری کسی واقعہ میں آیا تو بری طرح سے لکھا جیسا کہ ڈاکو اور چور کا نام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک کو زیادہ کامیاب بنانے اور ملک پر اپنے کو قربان کرنے والے علماء ہی تھے۔ ان علماء میں جو صاحب درس و تصانیف تھے ان کا ذکر الہامی علماء ہند کے تذکروں میں معمولی طور سے آیا ہے مگر تذکرہ نویس ان کے سیاسی کارناموں سے ناواقف تھا یا خود پردہ ڈالا گیا۔

آج ایک ایسے تذکرہ کے لکھنے کی سخت ضرورت تھی جس میں علماء کی مجاہدانہ سرگرمیاں اور ان کی سیاسی کارگزاری ہو اور ان کے ہم نوا جو راجہ، نواب و امراء تھے ان کی سیاسی مساعی کا بھی ذکر ہو۔ خدا کا شکر ہے میرے خاندانی کتب خانہ سے اس کی ترتیب میں بڑی مدد ملی۔

”ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء“ کے نام سے اس کتاب خوشچال کو ملک و ملت کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

انتظام اللہ شہابی



بڑھا جب قدم سولہویں سال سے چھٹا سلسلہ ملک سے مال سے
مکدا ہو گئے سیم و زر چھٹ گیا ملا دشت غربت ہو گھر پھٹ گیا (8)
مولانا نے سیاحت پر کمر باندھی۔ اولاً حیدر آباد گئے۔

کہ گھر سے سفر کر کے وہ نامور ہوئے حیدر آباد میں جلوہ گر
یہاں نظام کے قلمرو مرہٹوں کا حملہ تھا آپ نے نظامی فوج کی حمایت میں
مرہٹوں سے دو دو ہاتھ کئے ایسی داد شجاعت دی کہ متوہلین کی لاشوں کے پٹے لگ
گئے۔ آخر مرہٹوں نے شکست پائی۔

یہ اخبار ایک داستان ہو گئی خن حکیم ہر زبان ہو گئی
ہوا شہرہ دیران و آباد میں مہنی یہ خبر حیدر آباد میں
مقرر وہاں ان کی نسبت ہوئی بہم تازہ کہنہ قربت ہوئی
نہ لایا مگر فحل امید بار نہ باغ تمنا میں آئی بہار
غرضیکہ بیوی نے شاہ صاحب کو داغ مفارقت دیا۔ آپ نے صبر و شکر کیا اور

ان کے انتقال کے بعد آپ اپنے وطن لوٹ آئے۔
سفر: غرضیکہ مدراس سے رخصت ہو کر یورپ کا سفر اختیار کیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا
انگلستان میں شاہی مہمان رہے۔ وہاں سے مصر آئے، عرب گئے، حج سے مشرف
ہوئے۔ ایران ہو کر چین ہوتے ہوئے ہندوستان آئے۔ مسلمانوں کی عام حالت زلوں
دیکھی۔ ہر جگہ پٹے ہوئے مہرے نظر آئے۔ امراء سے ملے، ایک دوسرے کی جڑ
کھود رہا تھا۔ عیش و عشرت میں مبتلا تھے۔ نصاریٰ کا غلبہ دن بدن بڑھ رہا تھا۔ اپنے ہی
لوگ ان کو سراہ رہتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر دنیا سے بیزار ہو گئے۔ طبیعت
خلوت نشینی کی طرف راغب ہوئی۔ آپ نے علاقہ بیکانیر کو پسند کیا اور سانہر چلے
گئے۔

چاہہ کشی :- آپ نے چلہ کشی اختیار کی، ترک حیوانات کیا۔ بارہ برس گزار کر بچے
پار چلے گئے۔ میر قربان علی سے ملنا ہوا، وہ شیخ طریقت تھے۔ ان کی صحبت سے
امانات و برکات حاصل کئے۔ نام سید احمد علی کریم بجائے سید احمد اللہ شاہ تجویز ہوا۔

حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید احمد علی عرف ضیاء الدین خطاب دلاور جنگ معروف و مشہور مولوی
سید احمد اللہ شاہ مدراسی (7) جلال الدین عادل کے پوتے اور ابوالحسن تانا شاہ والی
گوکنڈہ کے پڑپوتے تھے۔ جلال الدین اپنے زمانے کے قطب الوقت تھے۔ اس
خاندان میں امارت کے ساتھ فقر بھی تھا۔ مولانا کے والد محمد علی مصاحب نیپو سلطان
اور نواب چٹا گن (مدراس) کے تھے۔ تقریباً ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امیرانہ طور و
طریق پر تعلیم و تربیت ہوئی۔ شہ سواری فنون سپہ گری علوم رسمہ کے ساتھ ساتھ
سکھائے گئے۔

جو مکتب سے ان کو فراغت ملی بڑھا سوئے شمشیر شوق ملی

کم عمری میں فراغت علمی کی مگر ہوش سنبھالتے ہی ارد گرد نیپو سلطان کی تباہی
کی داستانیں زبان زد عام تھیں جن کے ہاتھوں خداداد حکومت کی بربادی ہوئی تھی
ان سے بچہ بچہ خائف تھا۔ وابستگان دولت خداداد کا ہر ایک فرد خانماں برباد تھا۔
۱۱۹۹ھ میں سلطان شہید ہوئے تھے۔ ۱۲۴۰ھ تک علاقہ مدراس کے مسلمان تباہی کے
کنارے لگ گئے تھے۔ جائیدادیں ان کی ضبط ہوئیں جو لوگ فوج میں تھے وہ در بدر
بال بچوں کو لئے ہوئے بھیک مانگ رہے تھے۔ کوئی پرسان حال نہ تھا۔ یہ حالات
مولانا سید احمد علی کے سامنے تھے ان کی عمر سولہ یا سترہ سال کی ہونے لگی کہ طبیعت
امارت سے بیزار سی ہو گئی اور آپ نے نوابی سے کنارہ کشی اختیار کی۔

میر صاحب کے فرمانے سے ٹونک گئے، نواب وزیر الدولہ نے بڑی آؤ بھگت کی مگر جو مقصد پیش نظر تھا وہ وہاں پورا نہیں ہوا۔ وعظ و تذکیر کی مجلسیں جمیں اور دوسری طرف بعد نماز عصر محفل سماع ہوتی اس کا واقعہ مولانا فتح محمد نائب لکھنؤی نے سوانح احمدی میں یوں لکھا ہے:-

ہوئے ٹونک میں جس گھڑی جلوہ گر لگے کرنے بعض اعتراض آپ پر کہ ہے ساز سازو مزا میر سے نہیں ڈرتے افعال تقصیر سے دیئے آپ نے عارفانہ جواب دلائل سے ان پر ہوئے نتیجہ حسد تھا فردغ خدا داد پر کہا محبت سے کر کے قطع نظر کہ بے امتحان ہم تو قائل نہیں کہا آپ نے کچھ یہ مشکل نہیں ٹونک میں حضرت محراب شاہ قلندر کا شہرہ سنا، دل بے کیف ہو گیا۔ چل کھڑے ہوئے گوالیار پہنچے۔

وہاں تھے بزرگ ایک محراب شاہ ہر ایک جن کا نقش قدم سجدہ گاہ قلندر صاحب گوالیار کے ایک رئیس سردار ستولے کے یہاں پیادوں میں ملازم تھے، ان سے جا کر ملے انہوں نے دیکھتے ہی ارشاد فرمایا کہ میاں میں تو تمہارا عرصے سے منتظر ہوں اور جو امانت بزرگوں سے لئے ہوئے بیٹھا ہوں معلوم ہوا اس کی سرورگی کا وقت آگیا۔ بیعت تو کرتے ہو مگر جان کی بازی لگانی ہوگی، سودا بڑا کٹھن ہے۔ آپ نے کہا! حضرت جو مرشد کا حکم ہو گا اس کی بسر و چشم تعمیل ہوگی۔ قلندر صاحب نے گلے سے لگایا اور غلعت خلافت عطا فرمایا اور درود و وظائف کے ساتھ تلقین جماد ضروری قرار دی، فرمایا:-

بیشہ ترا رتبہ عالی رہے سر خصم کو پائمالی رہے
مکدر رہے تجھ سے جو کد کرے وہ خود کور ہو جو نظر بد کرے
کیا صاحب تیغ و تاج و تکیں ہوا نقش امید کرسی نشیں
لیا ان سے پھر امتحان جماد کہ کھینچے نصاریٰ پہ تیغ عناد

دلی:- مرشد کی ہدایت پر دلی آئے۔ ابو ظفر بہادر شاہ، مغلیہ تخت حکومت پر جلوہ افروز تھے۔ اکبر شاہ نے تمام عمر ایسٹ انڈیا کمپنی کے رحم خسروی پر بتا دی تھی۔ یہ بھی اضافہ خوان کرم پر آس لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ قلعہ معلیٰ کی چار دیواری میں حکمرانی تھی۔ غرض کہ نام نہاد کی بادشاہی تھی مگر مسلم قوم اس پر بھی مگن تھی۔ ہر ایک ادنیٰ ہو یا اعلیٰ اپنی اپنی دلچسپیوں میں لگا ہوا تھا۔ شہزادے رنگ رلیوں میں مست تھے۔ بدکاری بڑھی ہوئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں لے جا رہا تھا۔ اس طرف آنکھ اٹھا کے بھی کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ علماء و صوفیاء کو اپنے نام و نمود تن آسانی اور شکم پرداری سے فرصت نہ تھی۔ علماء سرکار کمپنی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ کوئی قاضی بنا کوئی مفتی کوئی صدر الصدور مدرسہ و خانقاہ میں آباد۔ علوم عربیہ میں عقلیات کی گرم بازاری مگر حق بات کہتے ہوئے ڈرتے۔ محکمہ قضاء (9) جس کے عہدے پر مفتی مولوی انعام اللہ خاں بہادر گوالامی فائز تھے وہ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہی توڑا جا چکا تھا۔ مفتی صاحب کو سرکاری وکیل بنا کر ترقی دے دیا گیا تھا اس محکمہ قضاء کی بجائے صدر نظامت الہ آباد میں قائم ہوا اس سے ہی غسٹک مفتی صاحب کئے گئے۔ غرض کہ بڑے بڑے عالم و مفتی دلی میں تھے کسی نے احتجاج تک نہ کیا اور نہ کسی قسم کی آواز بلند کی۔ بلکہ اس مداخلت فی الدین کو بلا اکراہ دیکھا کئے۔ جو حکومت کمپنی نے عہدے علماء کو دے رکھے تھے اس پر شکر و امتنان کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے دلی کا یہ رنگ دیکھا، رنگ رہ گئے۔ باوجودیکہ علماء کے سوائے بڑے بڑے شیوخ طریقت رشد و ہدایت کی محفل جمائے بیٹھے تھے۔ حضرت غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب (10)۔ خواجہ محمد نصیر۔ شاہ جلال۔ شاہ توکل حسین شاہ۔ فدا علی شاہ۔ ابو سعید شاہ۔ محمد آفاق جیسے حضرات مجاہدہ و ریاضت میں ایک سے ایک بڑھا ہوا تھا۔ شاہ صاحب ہر ایک سے ملے جلے۔ تبادلہ خیالات کئے مگر کوئی ان کی ہمنوائی کو تیار نہ ہوا۔ ان سے نا امید ہوئے تو علماء کرام مولانا رشید الدین خان۔ مولوی کریم اللہ۔ مولوی مخصوص اللہ۔ مولوی قطب الدین خاں۔ مولوی عبدالحق۔

مولوی سید محبوب علی۔ مولوی نصیر الدین شانی۔ مولانا محمد نور الحسن۔ مولوی کرامت علی۔ مولوی مملوک علی نانوتوی۔ سراج العلماء مفتی سید رحمت علی خان۔ بہادر اخون شیر محمد خاں۔ مولوی سید امت علی۔ مولوی محمد جان (m) ہر ایک درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں لگا ہوا۔ مولوی احمد اللہ شاہ ہر ایک بزرگ سے ملے۔ وقت کی نزاکت کا احساس دلایا اور ان کے سامنے روئے دھوئے مگر ان کی فغان اور بکا پر کسی نے کان تک نہ دھرے۔ حضرت مفتی صدر الدین آزرہ نے کچھ کچھ آمادگی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ آگرے جا کر اصلاحی تحریک کو کامیاب بنایا جائے۔

وہاں سے غرض شاد و ناشاد آپ ہوئے داخل اکبر آباد آپ اکبر آباد:- صدر نظامت، الہ آباد سے آگرہ منتقل ہو چکا تھا اور اس کی وابستگان بھی آگرے آگئے تھے۔ ان میں مفتی انعام اللہ خاں بہادر وکیل سرکار بھی تھے۔ شاہ صاحب مولانا آزرہ کا خط لائے تھے۔ مفتی صاحب نے شاہ صاحب کو اپنے یہاں ٹھہرایا اور خاطر و مدارات میں لگ گئے۔ مفتی صاحب کا مکان اہل علم کا مرکز بنا ہوا تھا (12)۔ مولوی کریم اللہ خاں بہادر صدر الصدور۔ مولانا قاسم دانا پوری۔ مولانا غلام امام شہید امٹھوی۔ مولوی امام بخش وکیل۔ صدر مولوی حافظ ریاض الدین، مفتی شہر۔ شیخ محمد شفیع اللہ الہ آبادی۔ مولوی منصب علی وکیل۔ مولوی عظیم الدین حسن۔ مولوی محمد باسط علی۔ مولوی معین الدین۔ مولوی شیخ اعتقاد علی وکیل۔ مرزا احمد علی بیگ وکیل۔ سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی۔ مفتی عبدالوہاب گویا موسیٰ۔ مفتی نور اللہ گویا موسیٰ۔ مولوی نور الحسن۔ سید رحمت علی۔ مولوی طفیل احمد خیر آبادی (13) جیسے حضرات کی ان کے یہاں نشست تھی۔ ہر ایک نے شاہ صاحب کو آنکھوں پر جگہ دی۔ مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی اور ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی جیسے لوگ شاہ صاحب کے گردیدہ ہو گئے۔ قوالی کی محفلیں جننے لگیں۔ ذکر و فکر کے حلقہ قائم ہونے لگے۔ مریدین کا ہنگامہ بڑھنے لگا۔ مسلمان تو مسلمان ہنود بھی معتقد ہونے لگے۔ بابو بیٹی پر شاد الہ آبادی وکیل صدر آپ کا معتقد تھا۔

محفل سماع:- شاہ صاحب کے یہاں محفل سماع کا اہتمام خاص طور سے ہوتا تھا۔ مریدین پر توجہ ڈالی اور ادھر لوہے کے کڑہاؤں میں کونکہ کے انگارے بھرے رہتے وہ مجلس میں پھیلا دیئے جاتے۔ اس پر مریدین لوٹتے، آگ ان پر بالکل اثر نہ کرتی۔ میری چھوٹی محترمہ عہدۃ النساء زوجہ خواجہ غلام غوث خاں بہادر ذوالقدر بیخبر الہ آبادی (14) فرمایا کرتی تھیں کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر الہام اللہ مرحوم پر شاہ صاحب کی توجہ تھی اور وہ ان کے مرید تھے۔ وہ بھی شریک محفل سماع ہوتے اور دہکتے ہوئے کونلوں پر مثل مایہ بے آب تڑپتے مگر جسم پر نشان تک نہ پڑتا۔ آپ کی شہرت اور مقبولیت عام ہو گئی تھی۔ ہر کہ وہ شریک صحبت ہوتا تھا۔

وعظ:- وعظ آپ کے بے پناہ ہوا کرتے۔ ہزار ہا ہندو مسلمان شریک ہوتے۔ سننے والے بے قرار ہو ہو جاتے۔ ہر شخص قربان اور فدا ہونے کے لئے عہد کرتا۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ نے اپنی کتاب ”مسلمانوں کا روشن مستقبل“ میں لکھا ہے۔ ”ان کی تقریروں میں ہزاروں آدمی ہندو مسلمان جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آگرے کی تقریر میں دس دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان کی ہر دلعزیزی کی یہ حالت تھی کہ پولیس نے (ایک موقع پر مجسٹریٹ کے حکم پر) انہیں گرفتار کرنے سے انکار کر دیا تھا (15)۔ یہ تو تقریر کی کیفیت تھی۔

مشق تیرو و تفنگ:- ہفتے میں تیسرے روز بعد نماز عصر قلعہ اکبر آباد کے میدان میں مریدین کو لیجا کر فن سپہ گری اور شہ سواری کی مشق کرایا کرتے۔ خود بھی ایسا اٹھانہ لگاتے کہ جس کا جواب نہ تھا۔ تلوار کے ہاتھ ایسے نیچے تلے ہوتے جس کی دھوم تھی۔ مریدین ثواب اور عبادت سمجھ کر یہ مشق کرتے تھے۔ مفتی انعام اللہ شاہی نے اپنی سواری کا گھوڑا اور بجلی سیف شاہ صاحب کو نذر کی۔

ہاؤس:- آپ کا جلوس جہرات اور جمعہ کو باوقار اور نشان کے ساتھ نکلا کرتا۔ پاکی میں خود بدولت سوار ہوتے اور آگے ڈنکا بجاتا۔ ہزار ہا آدمی جلوس میں ہوتے۔ جامع

مسجد میں آپ کے زمانے میں جتنے آدمی جمع ہو گئے، اتنے دیکھنے میں نہیں آئے۔
ڈنکے کی وجہ سے عوام میں ڈنکا شاہ کر کے بھی مشہور تھے۔ آپ کی رجوعات سے
مشائخ وقت مخالف ہو گئے۔ فرخ شاہ فرخ آبادی نے اپنا رنگ جما رکھا تھا، ان کے
یہاں عوام کی رجوعات کم ہونے لگی۔ ان کے ساتھی ایک مدرس تھے ان ہر دو شاہ
صاحب کی بخبری حکومت میں جا کر کردی مگر نتیجہ انا نکلا۔

ولسن گرودی :- حضرت شاہ صاحب قصبات میں دورے کو تشریف لے جایا کرتے۔
کچھ عرصے کے لئے باہر گئے ہوئے تھے، حکام نے ان عمدہ داران صدر پر جن میں بڑا
حصہ علماء کا تھا، رشوت کا مقدمہ چلایا۔ اکثر لوگ شاہ صاحب کے مرید و مشیر اور
ہمنوا تھے۔ مسٹر ولسن جج مراد آباد سماعت مقدمہ کے لئے مقرر ہوا۔ شاہ صاحب کو
سفر میں اس واقعہ کی خبر لگی۔ آپ نے فرمایا، یہ امتحان کی پہلی منزل ہے۔ گھبرانا نہ
چاہئے، کسی کا بال بیکانہ ہو گا۔ چند دن کی (آزمائش) ہے۔ استقلال اور پامردی کو کام
میں لایا جائے۔ چنانچہ مقدمہ پیش ہونے پر جو گواہ آئے، ملزمین کی مقدس صورتیں
دیکھ کر تھرا جاتے۔ جھوٹی گواہی دینے کی جرات نہ ہوتی مگر انتظاماً کچھ لوگوں کو سزا کی
گئی۔ لوکل اخبار میں یہ خبر اس طرح شائع ہوئی۔ ”عمال صدر کا مقدمہ جو مراد آباد
میں دائر تھا صاحب سیشن جج کے محکمے میں اس بیج سے فیصل ہوا۔ مولوی غلام جیلانی
وکیل صدر مولوی غلام امام شہید پیشکار و منشی سراج الدین پیشکار کے حق میں چار
چار سال کی قید کا حکم ہوا اور منشی محمد قاسم صاحب دانا پوری مسل خوان تین سال اور
مولوی بدر الحسن مسل خوان اور مولوی آل حسن صاحب منصف صدر کو دو دو سال۔
اب ان صاحبوں کی اپیل صدر میں دائر ہوئی اور مسل مقدمہ مراد آباد سے صدر میں
طلب ہوئی۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے سب صاحبوں کو بری کرے (۱۶)۔ دیکھنے کی چیز
یہ ہے کہ مولانا قاسم دانا پوری جن کا شمار اولیائے کرام میں ہے اور ان کے ہزار ہا
مرید صاحب ریاضت و مجاہدہ ان کو رشوت سے متسم کیا جانا تعجب ہے۔ دوسرے
صاحب مولانا غلام (۱۷) امام شہید جو عاشق رسول کہلاتے ہیں اور ان کے بھی ہزار ہا

مرید آگرہ، حیدر آباد، مراد آباد میں تھے وہ بھی رشوت میں۔ یہ سب سیاست منگی تھی
ان علماء کو منتشر کرنا تھا کیونکہ جس مقصد کے لئے یہ اٹھ رہے تھے اس بہانے سے
اس میں رکاوٹ ڈالنا تھی۔ غرض کہ حضرت احمد شاہ صاحب کی پیشین گوئی پوری
ہوئی۔ یہ سب حضرات بری ہوئے۔ مسل مقدمہ داخل دفتر ہوئی۔ خان بہادر مفتی
انعام اللہ بھی اس مقدمے کی زد سے نہ بچ سکے۔ اسعد الاخبار ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں
تحریر ہے کہ ”مولوی انعام اللہ صاحب وکیل صدر بعلت برآمد ہونے خطوط کے
معطل ہوئے اور ان کی نسبت حکم میعادوی پندرہ یوم صادر ہوا۔“

یہ لطف کی بات ہے کہ خان بہادر صاحب کے داماد خواجہ غلام غوث بیختر خان
بہادر ذوالقدر لیفٹیننٹ گورنر صوبہ مغربی و شمالی کے میرنشی نگران کی بھی کوئی رعایت
نہیں۔ حکومت کا منشاء کچھ اور ہی تھا اس لئے وہ بھی لب بند کئے تھے مگر مفتی
صاحب پر بھی کوئی آنچ نہیں آئی۔ جب بحال کئے گئے تو انہوں نے استعفاء دے دیا
اور وکالت ترک کر کے نواب وزیر الدولہ کے پاس ٹونک چلے گئے اور متسم بندوبست
ہو گئے مگر وہاں سے حضرت احمد شاہ کو امداد دیتے رہے۔ (۱۸)

عظیم الشان تاریخی مناظرہ :- ۱۸۵۶ء میں حضرت شاہ صاحب آگرہ سے لکھنؤ
جا چکے تھے کہ پادری فنڈر کے مناظرے کا واقعہ ہوا۔ ہندوستان پر کمپنی کا اقتدار کافی و

○ مفتی انعام اللہ ابن مفتی محمد اسحاق سروردی ابن مفتی محمد ولی نبیر، اعلم العلماء ماب۔ وجہ الدین
مرفق ربیعہ حصہ فتاویٰ عالمگیری ۱۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے والد ماجد سے علوم عربی کی تحصیل کے بعد
فراغت علی لکھنؤ گئے عرصہ تک نظامت کی تمنا میں رہے۔ ناکامیابی پر وہاں سے مرشد آباد گئے پھر
فلکے پہنچے۔ مشاعرہ کیا عمائد سے اس طرح تعلق ہو گیا۔ سرائی پور ڈاکٹر برک سے رسم ہو گئی اس کا
لڑکا مسٹر شیرا ان سے فارسی پڑھتا تھا۔ کول برک دلی کے ریزیڈنٹ مقرر ہوئے تو مفتی صاحب اس کے
ہمراہ دلی آئے اس نے اپنے محکمہ کا سر رشتہ دار کر دیا۔ عرصے تک وہاں رہے ریزیڈنٹ ولایت گئے
محکمہ فتاویٰ نکلتے ہو گیا آپ الہ آباد آئے اور محکمہ صدر میں وکیل مقرر ہوئے۔ صدر آگرہ آیا تو
آپ بھی اس کے ہمراہ آگرہ آئے ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ کو وصال ہوا درگاہ ابوالعلا میں دفن
ہوئے۔ (تاریخ مفتیان گوجرانو صفحہ ۳۹)

دانی ہوتے ہی ان کے زیر اثر عیسائی مناد ہندوستان آنے لگے۔ ایک طرف انگریزی سے عیسویت پر اردو میں ترجمے شائع کئے، دوسری طرف مشنریوں نے اپنے مطبعے بھی قائم کئے۔ ایک مطبع مرزاپور میں تھا، ایک آگرہ سکندرے میں قائم کیا بلکہ اخبار بھی نکالتے تھے۔ چنانچہ خطبات گارسان و تاسی میں ہے۔ ”مرزاپور سے خیر خواہ ہند نکلتا تھا۔“

یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے اور اس کا مقصد تبلیغ مذہب ہے (۱۸)۔ دوسری جگہ گارسان و تاسی لکھتا ہے:-

”رومن کیتھولک نقطہ نظر سے سرحدوں سے مذہبی عقائد کے سوال و جواب کی کتاب بھی چھپتی ہے۔ یہ آگرے والی کتاب سے زیادہ مفصل ہے یہاں پر مشنریوں نے مطبع قائم کر رکھا ہے۔“

عیسائی اولیاء کے تذکرے اور مذہبی کتابیں فارسی و دیوناگری حروف میں چھپتی ہیں۔ (۱۹)

”پروٹسٹنٹوں کی مذہبی مطبوعات بلاشبہ بہت زیادہ ہیں اور ان کی اشاعت سے اہل ہند میں رفتہ رفتہ عیسائی خیالات کی اشاعت ہوتی جاتی ہے۔“

ایک طرف عیسوی لٹریچر شائع کیا جا رہا تھا، دوسری طرف مبلغ، عیسویت کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کا تبلیغی طریقہ دلخراش تھا۔ وہ بلا دشنام طرازی کے کسی مذہب کے بانی و داعی کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ اسلام پر تو ایسے رکیک حملے کئے جس سے عوام کے جذبات میں بے حد جوش پیدا ہو چلا تھا۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں فنڈر نامی پادری یورپ سے ہندوستان پہنچا جسے عربی اور فارسی اور اسلامی علوم میں باضابطہ مہارت تھی۔ اس نے اسلام پر اعتراض کا ایک لامتناہی سلسلہ چھیڑ دیا تھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کو عیسائیت اور عیسائی مذہب سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ عام علماء بھی اس مذہب کی تفصیلات سے ناواقف تھے اور انہوں نے کبھی توجہ بھی نہ کی تھی۔ البتہ بعض مسلمان محققوں نے دین عیسوی پر کافی مطالعہ کر رکھا تھا۔ ہمارے ایک ڈاکٹر

وزیر خان نامی جو مرشد آباد ایک عرصے تک رہے، پھر یورپ ڈاکٹری کی تکمیل کے لئے گئے، ایک طرف ڈاکٹری فن میں بڑی ڈگری لی اور دوسری طرف ذاتی سعی و کوشش سے یونانی اور عبرانی زبانوں میں معقول ورک حاصل کیا۔ مذہب عیسوی پر جس قدر کتابیں شروح و تفاسیر حاصل کر سکتے تھے وہ کہیں اور ان کا مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ہندوستان لیتے آئے۔ ان کا تقرر گورنمنٹ نے آگرے میں کر دیا۔ محلہ کانڈیان تاج گنج میں رہتے تھے۔ پادری فنڈر مذکور نے ہندوستان میں چند جگہ علماء سے گفتگو بھی کی مگر وہ جواب نہ دے سکے تو آگرے آیا۔ یہاں اس وقت صدر نظامت کی وجہ سے علماء کا بڑا مجمع تھا۔

ڈاکٹر وزیر خاں اور مولوی رحمت اللہ کیرانوی سے بڑے تعلقات تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پادری کی آمد کے بعد کیرانہ سے مولانا کو بلوا بھیجا۔ آگرہ آئے اور چھلی ایٹن مقیم ہو گئے۔

حکام صدر نے یہاں مناظرے کا بڑا انتظام کیا۔ ماہ رجب ۱۲۷۲ھ میں یہ مناظرے کی مجلس منعقد ہوئی، جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے عالم آئے تھے اور امراء بھی شریک ہوئے تھے۔ مسٹر اسمٹ حاکم صدر، مسٹر کرٹن سیکرٹری ریونڈ بورڈ، مسٹر ولیم حاکم علاقہ فوجی، مسٹر لیڈلی مترجم اول برٹش گورنمنٹ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کی طرف سے قیس فنڈر مناظر اول و قیس فرنج مناظر دوم اور اہل اسلام کی طرف سے مولوی رحمت اللہ مناظر اول اور ان کے ساتھ ڈاکٹر وزیر خاں تھے۔ جلسہ کئی یوم رہا۔ ہزار ہا ہندو مسلمان تماشا بینوں کی حیثیت سے مناظرے میں شریک ہوتے تھے۔ پہلا مسئلہ جس پر بحث ہوئی وہ انجیل و تورات کی تحریف کا تھا۔ بحث و تمحیص کے بعد علانیہ سب کے سامنے پادری فنڈر کو اعلان کرنا پڑا کہ ہماری کتابیں (انجیل و تورات) محرف ہو چکی ہیں۔ لیکن صرف مسئلہ حلیت میں ارف نہیں ہوئی ہے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ جس کتاب کو خود مشکوک مان رہا ہے، اس پر ایمان لانے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ الغرض فاش شکست کے ساتھ فنڈر کو

مجلس سے اٹھنا پڑا اور اگرے سے چلتا ہوا۔ اس نے تبلیغ عیسویت پر ”میزان حق“ کتاب لکھی تھی۔ ایک طرف مباحثہ گرم، دوسری طرف دولت کا لالچ اور سرکاری اعلیٰ عہدہ ملنے کی توقعات۔ چنانچہ مولوی صفدر علی، مولوی عمار الدین جیسے لوگ مرتد ہو گئے اور عیسویت قبول کر کے اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگے تھے۔ پادری عمار الدین نے ”تعلیم محمدی“ لکھی۔ غرض کہ سب سے بڑا فتنہ مسلمانوں کے لئے یہ اٹھا کہ ایک طرف حکومت ان کے ہاتھ سے لے لی گئی، دوسری طرف مذہب پر بھی ہاتھ صاف کیا جا رہا تھا۔ عوام لالچ سے دن بدن عیسویت کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ یہی چیز علماء کی بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہوئی اور شاہ احمد اللہ کی تحریک نے علماء دلچسپی لینے لگے کہ بغیر اس کے، تغلب نصرانیت سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ فرانسیسی مشنریوں میں سے مسٹر جوزف بھی تھے۔ یہ مفتی انعام اللہ خان بہادر کے احباب سے تھے۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے فیض صحبت سے اسلام لائے اور یوسف علی شاہ نام رکھا گیا۔ ایک مسجد ان کے نام سے آج تک اگرے میں موجود ہے۔ خاندان صابریہ میں بیعت ہوئے۔

(نوٹ) ڈاکٹر وزیر خاں فتنہ عام قرطاس میں اگرے سے دہلی چلے گئے۔ جنرل بخت خاں نے ان کو اگرے کا لارڈ گورنر کر دیا تھا۔ (20) ان کے معرکے بھی دہلی کے ہنگامے میں کارنامے کی صورت سے ہوتے تھے۔ ان کی امراہ میں مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی تھے۔

(نوٹ) مولوی رحمت اللہ کیرانوی ابن نجیب اللہ ان کے جد اعلیٰ شیخ عبدالرحمن عثمانی مہارذانی سلطان محمود غزنوی کے امراء وارر بند ہوئے۔ قصبہ پانی پت میں قیام کیا ان کی اولاد سے مولوی رحمت اللہ ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتب وطن میں پڑھیں۔ مولوی محمد احمد کے ہمراہ تحصیل علم کے لئے شاہجاں آباد آئے اور مدرسہ مولوی حیات میں قیام کیا۔ ان کے والد راجہ ہندو راؤ میرٹھ کے میرٹھی تھے۔ عمر زیادہ ہو چکی تھی، وہ ۱۲۵۳ھ میں وطن چلے گئے۔ مولانا برہان سے کھنٹو گئے۔ مفتی سعد اللہ سے تحصیل اور ازالہ الادبام کتاب لکھی۔ دہلی لوٹے اور مولوی آل حسن سے ملے پھر کیرانہ وطن گئے۔ اگرے آئے، مناظرہ پادری فنڈر میں شریک ہوئے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ان کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہوا۔ یہ مکہ معظمہ کو غلام ہوئے۔ وہاں مستقل قیام کیا۔ ۱۲۸۳ھ میں قسطنطنیہ پادری فنڈر

پہنچا۔ وہاں آپ بلائے گئے، اس کو وہاں بھی شکست ہوئی۔ مولانا مکہ لوٹے اور مدرسہ صوبیت قائم کیا۔ ان کو سلطان نے ۱۲۵ روپیہ ماہانہ دینا شروع کیا۔ مولوی رحمت اللہ حجاز جب ہجرت کر گئے تو ہندوستان میں حکومت نے ان کی الماک پر قبضہ کیا اور اس پر مل چلوا دیئے۔ ۷۵ سال ۲۳ رمضان ۱۳۰۸ھ میں مدینہ میں وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ مولوی امیر علی شاہ ایفحوی ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء میں شہید ہوئے۔

”واقعہ شہادت امیر علی شاہ“:- مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کی خبر اگرے بھی پہنچی۔ حضرت احمد اللہ شاہ نے سن کر فرمایا اب وقت ہمارے کام کا آگیا۔ اولاً گوالیار گئے۔ اپنے پیرو مرشد مخراب شاہ قلندر سے ملے اور لکھنؤ کے سفر کی اجازت لی۔

ہوئے شاد حضرت کے انعام سے رہے تھوڑے دن عیش و آرام سے سفر کی وہاں سے بھی رخصت ملی پے جنگ و پیکار اجازت ملی جھکے کوشش و جستجو کی طرف گئے بلدہ لکھنؤ کی طرف آپ اگرے سے روانہ ہونے لگے، مریدین ہمراہ ہو گئے۔ ایک جم غفیر ساتھ تھا ہر ایک مرید نے توشہ ساتھ لے لیا تھا اور گھربار کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ ماں نے بیٹوں کو اجازت دی تھی اور بیوی شوہر کو رخصت کر رہی تھی۔ ہر ایک کا دل مکن تھا۔ مرشد ساتھ ہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کانپور:- کانپور پہنچے، یہاں عظیم اللہ خاں سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخص انگریزی کا بڑا عالم تھا۔ ماسٹر گنگا دین سے انگریزی تحصیل کی تھی۔ مشن کالج کے ہیڈ ماسٹر ہے، پھر فاکٹر کے کہنے پر نوکری ترک کر کے نانا راؤ پیشوا والی بھٹور کے سربراہ کار ہو گئے۔ نانا راؤ جس کا متنبی تھا اس کو پنشن آٹھ لاکھ ملتی تھی۔ وہ گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔ عظیم اللہ خاں نے کہا میں ولایت جا کر لارڈ ڈلہوزی سے تنخواہ واگداشت کراؤں گا۔ چنانچہ ۱۸۵۲ء میں عظیم اللہ خاں اور نانا راؤ کا بھائی بالا صاحب اور علی محمد خاں امراء جنسی گرین برٹوی جو نوابان روٹیل کھنڈ کی اولاد سے تھا اور انگریزی کا بڑا

(نوٹ) علی محمد خاں بریلوی روہیل کھنڈ کے بڑے شریف خاندان نوابان سے تھے۔ جس میں نواب نجیب الدولہ 'نواب' دوندے خاں جیسے لوگ گذرے۔ بدو شعور پر انگریزی تعلیم دلائی۔ بریلی کالج میں پڑھا اور انگریزی میں نام پیدا کیا۔ نیز انجینئرنگ کالج روڑکی میں داخل ہو کر اول درجہ پاس کیا۔ مگر کمپنی نے ملازم جمعداری کے عہدے پر کیا، جس سارجنٹ کے ماتحت تھے وہ ان سے وحشیانہ برتاؤ کرتا تھا۔ یہ ملازمت چھوڑ کر وطن چلے گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کی ملازمت کے لئے گئے۔ لکھنؤ میں سنا 'ساراجہ جنگ بہادر دلی' نپال گورکھپور میں لکھنؤ کے خلاف تیاری کر رہا ہے اور انگلستان جانے کے لئے ایک انگریزی دال لائق نیکرٹری چاہتا ہے۔ یہ فوراً اس کے پاس گئے، اس نے نوکر رکھ لیا۔ ساراجہ کے ہمراہ انگلینڈ گئے، وہاں سے برما بھی جانا ہوا۔ ہندوستان آکر دوسرے راجہاڑوں میں نوکر رہے۔ پھر عظیم اللہ خاں سے ملنا ہوا۔ اس کے ساتھ رہے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر سے بریلی کی پلٹن میں شامل ہو کر دلی آئے اور چیف انجینئر مقرر ہوئے۔ پھر لکھنؤ آکر حضرت محل کی فوج کے چیف انجینئر ہو گئے۔ آخرش اناؤ میں پکڑے گئے اور پھانسی پر لٹکا دیے گئے۔ مفصل حال سرگذشت محمد علی خاں بریلوی عرف جی گرین "مصنف" مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۳۶ میں دیکھئے۔

اور عظیم اللہ کا ہم سبق تھا، اس کو ساتھ لیا۔ تینوں انگلستان پہنچے، ان کے ساتھ کافی رقم تھی۔ حسب دل خواہ وکیل کئے گئے اور نانا راؤ کا حکم تھا کہ بصورت ضرورت مٹھی بھی گرم کر دی جائے۔ آؤ بھگت ان لوگوں کی خوب ہوئی مگر مطلب خاک نہ نکلا۔ پانچ لاکھ روپیہ خراب کر کے وہاں سے یہ وفد براہ قسطنطنیہ ہندوستان کو ۱۸۵۵ء میں روانہ ہوا۔ وفد قسطنطنیہ سے کریمیا گیا۔ ۱۸ جون کو انگریزی فوج نے حملہ کیا تھا، جس میں یہ شکست یاب ہوئے۔ یہ حال ان لوگوں کے سامنے گزرا۔ میدان جنگ سے پھر قسطنطنیہ لوٹے، جہاں کئی روسی افسر طے، وہ کہنے لگے اگر تم لوگ ہندوستان میں انگریز سے بغاوت کرو تو ہم ہر طرح مدد دیں گے اور تمہارا ملک آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ ہندوستان آ گئے اور نانا راؤ سے سب حال کہہ سنایا۔ اس نے بھی ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح کمپنی کا راج سرزمین ہندوستان سے کھودیا جائے (21)

لکھنؤ کی روانگی :- حضرت احمد اللہ شاہ صاحب کچھ عرصہ کانپور رہے۔ یہاں سے اناؤ ہو کر لکھنؤ پہنچے، گھاس کی منڈی میں قیام کیا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے، ان دنوں صدر الصدور تھے۔ کچھ دن ہوئے تھے کہ امیر علی شاہ کے خلاف فتویٰ مولوی عبدالرزاق فرنگی علی کی تائید میں دے چکے تھے، وہ آپ سے ملنے آئے۔ شاہ صاحب سے ایسی گفتگو ہوئی کہ گھر جاتے ہی صدر الصدوری سے استعفیٰ دے دیا اور الور چلے گئے اور انگریزوں کے جتنے خیر خواہ تھے اتنے ہی دشمن ہو گئے۔ لکھنؤ کے قیام میں ہر شخص شاہ صاحب کی خدمت میں آنے لگا۔ امیر و غریب کی کوئی قید نہ رہی۔ عقیدت سے سب پیش آنے لگے۔

نصاری سے جو حکم پیکار تھا ہر اک شخص سے اس کا اظہار تھا تحریک کو تقویت دینے کے لئے امیر علی شاہ کی شہادت کو توثیق جہاد کے لئے پیش کیا اور اپنے مریدین کو ساتھ لے کر فیض آباد پہنچے۔

کہ حضرت جو خیمے میں داخل ہوئے سوئے فیض آباد مائل ہوئے آپ نے فیض آباد میں جو تقریریں کیں اور واقعات شہادت حضرت امیر علی شاہ بیان کئے، ہر فیض آبادی پر ایک مجاہدانہ رنگ آ گیا اور ان میں فرنگیوں اور عمال کمپنی سے انتقام لینے کی آگ بھڑکنے لگی۔ آپ کے پاس ہزار ہا فداکار جمع ہونے لگے اور ہر ایک اسلحہ سے آراستہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ان کو باضابطہ جنگی تربیت اور قواعد کی تعلیم دی جانے لگی۔ یہ خبریں حکام تک پہنچیں، انہوں نے کوٹوال شہر کو آپ کے پاس بھیجا کہ قواعد اور اسلحہ بندی کیا معنی رکھتی ہے۔

فرض کہ شاہ صاحب نے حکومت کی دھمکیوں کو خطرہ میں نہیں لاتے ہوئے ہی مریدی کا سلسلہ قائم کر دیا اور مجاہدین کی تنظیم شروع کر دی۔ آخرش حاکم فیض آباد نے فوجی قوت سے آپ کو روکنا چاہا۔ روہیل میں ایسا طول کھینچا، ہر دو طرف سے ہتھیاریں کھینچ گئیں۔ شاہ صاحب سے ایک فوجی افسر کے دو در ہاتھ ہوئے۔ ایک اور میں وہ آ رہا، مگر زخمی کر کے چھوڑ دیا۔ فوجی زبرد اس قدر تھا کہ شاہ صاحب بھی

زخمی ہو کر گر پڑے۔ معاونین یہ حال دیکھ کر پیچھے ہٹے اور آگے بڑھتے اور مقابلہ کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے مگر فوج کے سپاہیوں نے شاہ صاحب کو بے ہوشی میں گرفتار کر لیا اور پاکی میں ڈال کر قید خانے لے گئے اور پاپہ زنجیر کر دیا اور آپ کے ہمراہی بھی گرفتار کر لئے گئے۔

وہ شیر ڈیاں پھنس گئے دام میں ہوئے قید اس فتنہ عام میں ہنگامہ ۱۸۵۷ء:- اس واقعہ بالا کو چند ماہ گزرے تھے کہ میرٹھ سے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کی خبر عام ہوئی۔ اس کا اثر اہل فیض آباد نے بھی لیا۔ یہاں حکومت کمپنی سے نفرت تو پیدا تھی ہی، موقعہ دیکھ کر امیر علی شاہ کے ساتھیوں نے اور احمد اللہ شاہ کے مریدوں نے شہر میں آگ لگا دی۔ فوجیوں میں بغاوت پھیل چکی تھی۔ ان کا پہلا حملہ جیل خانے پر ہوا، تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور شاہ صاحب کو قید فرنگ سے آزاد کرایا۔ ادھر مولوی سکندر شاہ فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے علم جماد بلند کیا۔ عوام ان کے ساتھ ہو گئے۔ لیفٹیننٹ طامس صاحب نے فوج سے ان کا مقابلہ کیا۔ مولوی صاحب کے ساتھ بھی باضابطہ فوج تھی ہی، چند توپ کے گولوں نے عوام کے چھکے چھڑا دیئے۔ آخرش مولوی سکندر شاہ کو پکڑ لیا اور قید خانے میں داخل کر دیئے گئے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے لکھنؤ کا رخ کیا تاکہ لکھنؤ پر اپنا قبضہ جما دیں۔ چنانچہ لکھنؤ میں مولوی احمد سعید سبط شاہ، غلام علی نے علم محمدی اٹھا رکھا تھا اور عوام میں عام بے چینی پیدا ہو گئی تھی مگر کرتا دھرتا کوئی نہ تھا۔ حضرت احمد اللہ شاہ کے چنبچے ہی ہر ایک ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگا اور تمام منتشر مجاہدین آپ کے پاس آ جمع ہوئے۔ سرہنری لارنس چیف کمشنر لکھنؤ نے حتی الوسع بغاوت کو رفع کرنا چاہا مگر سعی بے نتیجہ رہی۔

تخت نشینی مرزا برجیس قدر:- جولائی ۱۸۵۷ء کو رسالدار سید برکات احمد اور راجہ لال سنگھ اور شہاب الدین وغیرہ نے شہزادہ مرزا برجیس قدر خلف واجد علی شاہ کو اودھ کا بادشاہ بنانے کے تحت پر بٹھا دیا۔ مسند نشینی کے وقت جمائے بخش صوبیدار توپ

خان فیض آباد نے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی سر کی۔ شرف الدولہ محمد ابراہیم علی خاں کو خلعت وزارت عطا ہوا۔ جرنیل کا خلعت حسام الدولہ کو ملا، مگر کل و جز کے اختیارات ناصر الدولہ علی محمد خاں عرف موخاں کے ہاتھ میں تھے۔

برجیس قدر کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ ان کی والدہ حضرت محل جو ایک بہادر خاتون تھیں وہ ولیہ مقرر ہوئیں مگر اس تخت نشینی سے باشندے خوش نہ تھے۔ تمام سنی امیر علی شاہ کے واقعہء شہادت سے واجد علی شاہ اور ان کے خاندان کے افراد کے جانی دشمن اور بد خواہ تھے۔ ان کو اس خاندان سے دلی نفرت تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ اودھ کی حکومت پر سنی حکمران ہو۔ چنانچہ مولوی احمد اللہ شاہ، اہل لکھنؤ کا نقشہ دیکھ کر خود داعیء حکومت ہو گئے۔ ایک مورچہ قائم کیا اور نصف لکھنؤ پر اپنا تسلط جما یا۔ جگہ جگہ اپنے تھانہ چوکی بٹھا دیئے اور عمال مقرر کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت محل حاضر ہوئیں اور مرزا برجیس قدر کو آپ کے قدموں میں لاؤالا اور عرض کی کہ آپ اس کے سرپرست رہیں اور جو حکم آپ دیں گے، ہم لوگ تابعداری کے لئے حاضر ہیں مگر موخاں کو شاہ صاحب کا وجود ناگوار تھا اور وہ آپ کے اثرات اور فضل و کمال سے گھبرا رہا تھا۔ اس کی تمام امیدوں پر آپ کے اقتدار سے پانی پڑ گیا تھا۔ مگر اپنی سعی میں کوتاہی نہیں کر رہا تھا۔ موخاں کو انگریزوں سے بھی دلی بغض تھا۔ واجد علی شاہ کی معزولی کا انتقام لینے کے لئے پوری شجاعت اور مردانگی سے کام لے رہا تھا۔ انگریزی فوج کے مقابلے میں داد شجاعت دی مگر ساتھ ہی مالداروں اور اہل ہروں سے روپیہ جبریہ کھینچ رہا تھا۔ بڑے بڑے ساہوکار پکڑوا بلواتا اور ان سے جبر سے فوج کی امداد کے نام سے روپیہ وصول کرتا۔ اس کی اس حرکت سے عوام میں انتشار تھا اور وہ لوٹ لوٹ کر عمدہ داران کمپنی سے خفیہ ساز باز کر رہے تھے۔ ادھر مولوی احمد اللہ شاہ کا یہ عالم تھا کہ کسی فرد پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی خوش دلی سے نذرانہ پیش کر دے تو مضائقہ نہ تھا۔ چنانچہ امیر اور دولت مند شاہ صاحب کے پاس کافی رقم بھیجتے تھے۔ غلہ وغیرہ کی مدد کرتے تھے۔ موخاں کے ظلم کے ستائے

ہوئے لوگ جو تھے وہ آپ سے فریاد کرتے تو آپ ان کی دلجوئی فرماتے اور موخاں سے رقم واپس کراتے۔ یہی وجہ تھی کہ شاہ صاحب کا سکہ لکھنؤ پر بیٹھ رہا تھا۔ سنی تمام آپ کے گرویدہ تھے، البتہ شیعہ خوش نہ تھے مگر ظاہراً ساتھ تھے اور کہنی کے بھی خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔

مولانا عبدالحلیم شرر ”گزشتہ لکھنؤ“ میں لکھتے ہیں:-

”کارٹوس کے جھگڑوں اور گورنمنٹ کی ضد نے ۱۸۵۷ء میں غدر پیدا کر دیا اور میرٹھ سے بنگالے تک ایسی آگ لگی کہ اپنے پرانے سب کے گھر جل اٹھے اور ایسا فتنہ عظیم پیدا ہوا کہ ہندوستان میں برٹش گورنمنٹ کی بنیاد ہی متزلزل نظر آتی تھی۔ جس طرح میرٹھ وغیرہ کے باغی سٹ کے دہلی میں جمع ہوئے تھے اور ظفر کو ہندوستان کا شہنشاہ بنایا تھا۔ ویسے ہی الہ آباد فیض آباد کے باغی بھی ۱۸۵۷ء میں جوش و خروش کے ساتھ لکھنؤ پہنچے، ان کے آتے ہی یہاں کے بھی بہت سے بے فکرے اٹھ کھڑے ہوئے اور برجس قدر کی بادشاہی قائم کر دی۔ تھوڑی سی انگریزی فوج اور یہاں کے تمام یورپین عہدہ داران مملکت جو باغیوں کے ہاتھ سے جاں برہو سکے، بیلی گارڈ میں قلعہ بند ہو گئے، جس کے گرد باغیوں کے پہنچنے سے پہلے وہیں بنا لئے گئے تھے اور حفاظت و ہر کا کافی بندوبست کر لیا تھا۔ لکھنؤ میں انگریزوں کی باغی فوج کے علاوہ اودھ کے اکثر زمیندار و تعلقہ دار اور عہد شاہی کے برطرف شدہ سپاہی کثرت سے جمع تھے۔“

برجس قدر کے ہمراہیوں میں کوئی ایسا فرد نہ تھا جو اصول جنگ سے واقف ہو اور تمام منتشر طاقتوں کو یکجا کر کے ایک باضابطہ فوج بنا سکے۔ بخلاف اس کے انگریز اپنی جان پر کھیل کر اپنی حفاظت کرتے، سر ہتھیلی پر لے کے حملہ آوروں کو روکتے تھے۔ اور جدید اصول جنگ سے بخوبی واقف تھے۔ لکھنؤ میں برجس قدر کا زمانہ اور حضرت محل کی حکومت تھی۔ برجس قدر کے نام کا سکہ بھی جاری ہوا۔ عہدہ داران

سلطنت مقرر ہوئے۔ ملک سے تحصیل وصول ہونے لگی اور صرف تفضیل طبع کے طور پر محاصرے کی کارروائی بھی جاری تھی۔ لوگ حضرت محل کی مستعدی و نیک نفسی کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ سپاہیوں کی نہایت قدر کرتی اور ان کے کام اور حوصلے سے زیادہ انعام دیتی تھی۔ مشیر اچھے نہ تھے اور سپاہی کام کے نہ تھے۔ ہر شخص غرض کا بندہ تھا اور کوئی کسی کا کہنا نہ مانتا تھا۔ انگریزی فوج کے باغی اس غرور میں تھے کہ یہ فقط ہمارے دم کا ظہور ہے۔ اصلی حاکم ہم ہی ہیں اور جس کے سر پر جوتا رکھ دیں وہی بادشاہ ہو جائے۔ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب جو فیض آباد کے باغیوں کے ساتھ آئے تھے اور کئی معرکوں میں لڑ چکے تھے وہ الگ اپنا رعب ہمارے تھے بلکہ خود ہی اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ برجس قدر کے مقابل لکھنؤ ہی میں ان کا دربار الگ قائم تھا اور دونوں درباروں میں پولٹیکل اختلاف کے ساتھ شیعہ سنی کا جھگڑا اور تعصب بھی نمایاں ہونے لگا۔ غرض بادشاہ اور شاہ صاحب میں رقابت بڑھتی گئی۔ آخر اس سال نومبر میں برجس قدر کی تخت نشینی کو چھ یا سات مہینے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج لکھنؤ پر تسلط حاصل کرنے کے لئے آگئی۔ جس کے ساتھ پنجاب کے لوگ اور بھوٹان کے پہاڑی بھی تھے (22)۔ اس جگہ جی ڈیو فارنٹر کا بیان (23) بھی مولوی احمد اللہ شاہ کے متعلق دلچسپ اور تاریخ کی اہم کڑی کے اظہار پر مبنی ہے، وہ لکھتا ہے:-

”اس جگہ پر جن کو فیض آبادی مولوی کہا گیا ہے، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ وہ عالم باعمل ہونے کے وجہ سے مولوی تھا۔ روحانی طاقت کی وجہ سے صوفی تھا اور جنگی مہارت کی وجہ سے وہ سپاہی اور سپہ سالار تھا۔ مولوی فیض آبادی احمد شاہ نام تھا۔ ظلم طبیعت میں نہ تھا۔ ہر انگریز اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔“

ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ جو چارلس ٹال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، وہ ایک حد تک ان کی خصوصیات اور سیرت کا اجمالی نقشہ پیش کرتا ہے۔

حلیہ :- ایک لمبا لاغر مگر مشبوط آدمی۔ دبلے جڑے، لمبے پتلے ہونٹ، اونچا بانسہ، بڑی بڑی آنکھیں، تنج نما ابد، لمبی داڑھی، سخت کالے بالوں کی زلفیں دونوں کندھوں پر پڑی رہتیں۔ اس حلیے کے بیان کے بعد لکھتا ہے :-

”اودھ کے باغیوں کی تجاویز اور سازش کی تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا اس مولوی کو انگریزی حکام بحیثیت احمد شاہ فقیر اور صوفی عرصے سے جانتے تھے۔ شمال مغربی صوبہ جات میں ظاہراً ”مذہبی تبلیغ کی خاطر دورہ کر چکے تھے، لیکن فرنگیوں کے لئے یہ راز ہی رہا۔ اپنے سفر کے دوران میں ایک عرصے تک وہ اُگرے میں مقیم رہے۔ حیرت انگیز اثر، شہ کے مسلم باشندوں پر تھا۔ شہر کے مجسٹریٹ ان کی جملہ نقل و حرکت پر نظر رکھتے تھے۔ عرصے بعد یقین ہو گیا کہ وہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کسی باغیانہ جرم میں ملوث نہ پایا گیا۔ وہ آزاد رہے، آخر کار جب بغاوت رونما ہوئی اور وہ فیض آباد کے فوجیوں میں بھی یہ لوگ پہنچے تو یہ مولوی جو سابقاً ”غیر منظم طریقے پر اپنے مریدین کو ابھار رہے تھے، گارو کی نگرانی میں تھے۔ ہنگامہ کرنے والوں نے ان کو چھڑا کر اپنا سردار بنالیا۔ اس طرح مولوی صاحب ایک طاقتور فوج کے سپہ سالار بن گئے۔

اگرچہ کچھ عرصے تک دوسرے باغی سرداروں کی طاقت چھپی رہی، لیکن اس شخص کا اثر باغیوں پر بھرپور تھا۔ چونکہ یہ قابل آدمی اور ظلم کے دھبے سے پاک تھا، جو نانا صاحب کی انتقامی جوش کی خصوصیت تھی، اس سے یہ بالکل پاک و صاف تھا۔ اس لئے برطانیہ بھی ایک حد تک ان کو اچھا اور قابل نفرت دل میں نہیں سمجھتی تھی۔

معمرکہ :- غرض کہ برہمچس قدر اور شاہ صاحب کی کشمکش سے آٹھ ماہ گزر گئے۔ لکھنؤ کے نزدیک انگریزی فوج آ موجود ہوئی۔ ادھر دلی، اُگرہ، کانپور وغیرہ کے ارباب

سیاست اپنی ناکامیوں کے بعد لکھنؤ آ گئے۔

شاہنوازہ فیروز شاہ (شہزادہ فیروز شاہ ابن ناظم بخت فرخ میر شاہ دلی کے نواسے تھے۔ راج کے لئے روانہ ہوئے۔ راج سے واپس آکر اندور میں مقیم ہوئے۔ یہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی خبر گئی۔ ”آبادیار گئے۔ پھر راجپور سے خزانہ لیا اور افغانیوں کو ساتھ لے کر اُگرہ پر حملہ بولا۔ پھر میوات گئے۔ شیخ فضل علی رسالہ دار اور جنرل عبدالصمد خان اس کے شریک ہو گئے۔ لکھنؤ مگر احمد شاہ کے شریک نہ رہے۔ مرزا آباد بریلی، شاہنوازہ میں معرکوں میں انگریزی طاقت سے مقابلہ کیا۔ آخر شہر بعد شہادت شاہ صاحب اناور، سپہ پور، پکائیر وغیرہ نو کر حجاز پہنچ گئے۔ آخری ایام آرام سے گذارے۔ ۱۸۹۵ء بعد انتقال ہوا۔ شہزادہ کا مفصل تذکرہ ندر کے چند باغی علماء میں ہے) جنرل بخت خاں، ہمدرد شاہ کے بھائی مرزا کوچک سلطان، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، قاضی سرفراز علی، دہپوری، امیر الجاہدین یہ سب حضرات شاہ صاحب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ مرزا کبیر علی ساکن گسٹور نے دو بیٹا لالین سرہندی نوکر رکھ لئے اور نواب تنج کے ایک باغ میں مورچہ جما کر بیٹھ گئے اور حضرت احمد شاہ سے عرض کی حضور بھی گھاس لی منڈی سے یہاں آجائیں۔ چنانچہ آپ بھی مع ساتھیوں کے باغ میں اٹھ آئے۔

پہلا معمرکہ :- شاہ صاحب نے جانبازوں کی جماعت سے عمارات سلطانی پر بلہ بول دیا۔ آپ کے پیر میں گولی بھی لگی مگر سرکاری فوج پر کامیاب ہوئے۔ ان کو اپنا مورچہ چھوڑنا پڑا۔ آخر رسد خانہ کی کوشی پر انہوں نے قبضہ کر لیا (24)۔ اور ادھر پھیلی بھون میں سرنگ لگا کر اڑا دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ لکھنؤ پر شاہ صاحب چھا گئے مگر موخاں کی بے وقوفی اور غور نے تمام امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بلی گارڈ پر شاہ صاحب حملہ آور ہوئے۔ پچانک تک پہنچ گئے مگر ساتھیوں نے ہمت ہار دی اور وہ نانا کی کار فرمائی سے یہاں سے آپ کو پسپا ہونا پڑا۔ ایسے کئی مقابلے ہوئے آخری معمرکہ عالم باغ :- ۱۹ رجب کو جنرل مارٹن نے مورچہ قائم کیا، اس کے قابل جنرل بخت خاں نے چکراولی کو ٹھکی کی طرف مورچہ لگایا اور اپنے کیمپ سے ان میں بھی مورچہ قائم کیا، جس کا انچارج یوسف خاں برادر موخاں کو کیا اور ان کے والد غلام رضا رسد رسانی کے انتظام پر مقرر ہوئے۔ چکراولی کو ٹھکی کے

مورچہ کے انچارج حضرت شاہ صاحب خود تھے۔ سلطان پور سے جو فوج انگریزوں کی آئی، اس سے نواب اشرف الدولہ سے مدد بھیڑ ہو گئی۔ یہ ککڑال پر اپنے ساتھیوں سمیت کھڑے تھے۔ توپ کا گولہ اشرف الدولہ کے ہاتھی پر جو لگا، یہ گھبرا گئے اور اپنے گھر کا راستہ لیا۔ ادھر محلات پر چند گولے برسے۔ بھٹکڑ پڑ گئی۔ چکراولی کے مورچہ پر انگریزی فوج کا دباؤ پڑنے لگا۔ شاہ صاحب داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت محل بھی موخاں کے ساتھ فوج کے لڑانے میں سرگرمی دکھا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے اپنے مورچے کا رنگ بگڑتا دیکھا، وہاں سے ہٹ کر سرائے معتمد الدولہ میں آکر ٹھہرے۔ آخری جنگ شاہ صاحب نے عیش باغ پر ڈٹ کر کی۔ شہزادہ فیروز شاہ کو مدد تلنگوں کے پکے پل پر لگایا مگر نواب موخاں اور حضرت محل کی گھبراہٹ اور بے موقع میدان مصاف سے ہٹنے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ حضرت محل برجیں قدر کو لے کر کھنٹو سے نکل کھڑی ہوئیں۔ مولوی احمد شاہ لڑتے بھڑتے رہے، آخر شاہ صاحب اور شہزادہ فیروز شاہ و جنرل بخت خاں اپنے ساتھیوں کو لے کر شاہجہاں پور روانہ ہوئے۔ سینا پور ہو کر گویا منو پینچے۔ میرے عزیز مولوی ابرار حسین فاروقی فاضل ازہر ایم اے (علیگ) گویا موسیٰ اپنے والد (25) کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ اس وقت قصبے میں نصیر الاسلام خاں (نواب نصیر الاسلام نہایت ذی علم دانشمند اور نہیم تھے۔ عرصہ تک آخری شاہ اردھ کے دارالانشاء میں رہ چکے تھے) ممتاز رکش تھے۔ شاہ صاحب کی تشریف آوری پر علماء و رؤسا قصبہ نے شایان شان استقبال کیا اور کافی سے زیادہ مدارات کی۔ مفتی نور اللہ اور مفتی عبدالوہاب آپ کے مرید خاص یہاں رہتے تھے پھر یہاں سے عازم شاہجہانپور ہوئے۔

شاہجہاں پور اور روداد ہنگامہ :- ۳۱ مئی بروز اتوار شاہجہاں پور میں ہنگامہ پایا ہوا۔ فرنگی گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کپتان مع فوج کے آگئے۔ سپاہی ہٹ کر شر پر حملہ کرنے چلے گئے۔ قلعہ پہنچ کر نواب قادر علی خاں کو ناظم شہر مقرر کیا اور سند نظامت نواب خان بلادر خاں نبیرۃ حافظ الملک حافظ رحمت خاں نواب بریلی سے

حاصل کی اور ضلع کا انتظام اپنے ذمہ لیا۔ ایک سال تک یہ جنگ آزادی بپا رہی۔ اس دوران میں جنرل بخت خاں مشہور سرغنہ اور جنرل حسین خاں رکش فرخ آباد اور شاہزادہ فیروز شاہ و جنرل اسماعیل خاں فتح گڑھ سے پسپا ہو کر شاہجہاں پور آ موجود ہوئے۔ نانا راؤ پیشوا بھی آگے ۲۸ اپریل کو پچوریہ کے مقام پر نواب قادر علی خاں اور کپانی کی سپاہ سے مقابلہ ہوا۔ نواب موصوف کے کمانڈر نظام علی خاں شہباز نگری تھے۔ اس لڑائی میں مدد ساتھیوں کے کام آئے بقیہ فوج نے راہ فرار اختیار کی۔ شرکی حافظتی فوج مولوی احمد اللہ شاہ کے زیر کمان تھی۔ انہوں نے فوج سرکاری کو آتے ہوئے دیکھ کر شر کو خالی کر دیا اور دو تین روز بعد پلٹ کر شاہجہانپور پر دھاوا بول دیا اور انگریزی فوج جیل میں دہس بندی کر کے مورچہ زن ہوئی۔ شاہ صاحب نے بھی کوٹھی کو باغیوں کا مکان سمجھ کر پھونک دیا۔ ۳ مئی ۵۸ء سے ۹ مئی تک حملہ جاری رہا۔ محصورین کی حالت نہایت نازک ہو رہی تھی کہ سرکارن کمبل کو وقت پر اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک فوج گراں بسر کردگی برگڈر نبیر جان جو سن روانہ کر دی۔ ۱۱ مئی ۵۸ء کو نیا گھاٹ پر شاہ صاحب نے روکنے کی کوشش کی، مورچے پر جے رہے۔ شاہ صاحب کی امداد پر فیروز شاہ اور حضرت محل مدد اپنی بقیہ فوج کے آگئے۔ ۱۵ مئی ۵۸ء کو شاہ صاحب نے دہس پر سخت حملہ کیا مگر جو سن اپنی جگہ پر قائم رہا۔ ۱۸ مئی ۵۸ء سرکارن کمبل بریلی سے فوج لے کر آگیا۔ شاہ صاحب نے مناسب یہ سمجھا کہ امرای خطرے میں پڑ جائیں۔ مقابل فوج مع سامان حرب کے بہت زیادہ ہے اور یہاں ہانہاز بے سرو سامان صرف شوق شہادت اور وطن پرستی دانگیر۔ لہذا قصبہ محمدی اشریف لے گئے۔

چند روزہ ہندوستانی حکومت :- محمدی پر شاہ صاحب نے قبضہ کیا۔ چاروں طرف دہس بندی کی اور اپنی حکومت پورے طور سے قائم کر دی۔ وزیر جنگ جنرل بخت خاں مقرر کئے گئے۔ قاضی القضاۃ سرفراز علی جوہری، نانا راؤ پیشوا دیوان تھے۔

کو نسل کے اراکین میں مولوی لیاقت علی الہ آبادی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔
مولوی فیض احمد بدایونی۔ شاہزادہ فیروز شاہ، باجر شریک ہوئے۔ یہ خود تخت نشینی کے
متمنی تھے اور اپنا حق سمجھتے تھے۔ مضروب ہو کے سکے جاری ہوا۔

سکندر ہفت کشور خادم محراب شاہ حامیء دین محمد احمد اللہ بادشاہ (26)
چھ ماہ ابھی شاہ صاحب برسر اقتدار نہ ہوئے تھے۔ سرکالن کمبل نے قصبہ
محمدی پر حملہ کر دیا۔ خوب خوب مقابلہ رہا مگر شاہزادہ فیروز کی باطنی اختلاف سے شاہ
صاحب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور محمدی کو چھوڑنا پڑا۔ شاہ صاحب کے بھتیجے ہی مو
خاں معہ حضرت محل اور نانا راؤ عظیم اللہ اور بخت خاں وغیرہ نیپال کی طرف چلتے
ہوئے (27)۔ ۱۵ جون ۵۸ء کو شاہ صاحب پر گنہ پور زمین میں راجہ بلدیو سنگھ کے کہنے
سے نمودار ہوئے۔ تنہا ہتھی پر سوار تھے۔ راجہ پور زمین کی گڈھی پر تشریف لے گئے
مگر بلدیو سنگھ کے بھائی نے پھانگ بند کر دیا اور گڈھی پر سے گولیوں کی بوچھاڑ ایک
ساتھ کر دی۔ سینہ چھلنی ہو گیا۔ راجہ بلدیو سنگھ نے سر مبارک جسم اطہر سے اتارا
اور صاحب کلکٹر بہادر شاہ جامپور کے سامنے پیش کیا، جو عرصہ تک کو توالی پر لٹکا رہا۔
نفس کو آگ میں پھونک دیا (28)۔ اس پر سرکار برطانیہ نے پچاس ہزار روپے نقد راجہ
پور زمین کو عطا کیا اور خلعت فاخرہ مرحمت ہوا (29)۔ یہ واقعہ شہادت ۱۵ جون ۵۸ء
مطابق ۲ ذیقعدہ ۱۲۷۲ھ کو پیش آیا۔ دریا پار محلہ جہاں آباد متصل احمد پور مسجد کے
پہلو میں سردفن کیا گیا۔ مولوی سید طفیل احمد (علیگ) منگلوری نے کتبہ تاریخ نصب
کرا دیا ہے۔ جرنیل ٹامسن جو ایک بہادر انگریز تھا اور ہنگامہ ۵۷ء میں شریک تھا شاہ
صاحب کی بابت لکھتا ہے کہ:-

”مولوی احمد اللہ بڑی لیاقت اور قابلیت رکھتا تھا۔ وہ ایسا شجاع تھا کہ خوف
اس کے نزدیک نہیں آتا تھا۔ یہ عزم کا پکا اور ارادے کا مستقل تھا۔
باغیوں میں اس سے بہتر کوئی سپاہی نہیں تھا۔ یہ فخراسی کو حاصل ہے کہ
اس نے دو مرتبہ سرکالن کمبل کو میدان جنگ میں ناکامیاب رکھا وہ بہ

نسبت اور باغیوں کے خطاب شاہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر محب وطن ہونے
کے یہ معنی ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو غلطی سے بہرا ہو گئی
ہو سازشیں کی جائیں اور لڑائیاں لڑی جائیں تو مولوی یقیناً اپنے ملک کا
محب صادق تھا۔ اس نے کبھی تلوار کو تھپی اور سازشی قتل سے خون آلود
نہیں کیا۔ وہ بہادرانہ اور معززانہ طور پر اس سے معرکہ آراء ہوا، جنہوں
نے اس کا ملک چھین لیا تھا۔ دنیا کی ساری قومیں اس کو تعظیم اور ادب کے
ساتھ جو شجاعت و صداقت کے لئے لازمی تھیں اور جن کا مولوی مستحق
تھا اس کو یاد کریں گی۔“

شاہ صاحب کے متعلق ایک شریف جرنیل کے مندرجہ بالا قیمتی الفاظ ہیں (30)۔

رفقاء :- امیر احمد، شاہ آفاق، قلب شہید، رستم علی، اسماعیل خاں، غلام محمد خاں،
کفایت اللہ، تلہری، فرقان علی، محمد شاہ خاں شہید، سعد اللہ خاں شہید، نور احمد، احمد
یار خاں تحصیلدار، نواب غلام قادر خاں (بول)، عبدالرؤف خاں۔ اکثر انڈمان بھیج
دیئے گئے۔ کچھ کو دار نعیب ہوئی، کچھ گوشہ گیر ہو گئے۔

نہ شیشہ نہ مینا نہ ساقی رہا۔ فقط شکوہ بخت باقی رہا (31)

علماء کا کارنامہ :- شاہ صاحب کے واقعات کے ساتھ وہ علماء جنہوں نے حکومت
کمپنی سے عدم معاملات کر رکھا تھا اور یہ لوگ جنگ آزادی میں خود شریک ہوئے۔
اپنے فتاوے سے تحریک کو گرمایا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر
کی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی نے تو
اس تحریک میں عملی شرکت کی۔ ہنگامہ فرو ہو جانے کے بعد مولانا فضل حق خیر
آبادی، مولوی عنایت احمد کاکوروی، مولوی لیاقت علی الہ آبادی، قاضی سرفراز علی
پوری، مولوی کریم اللہ، سید اکبر زمان اکبر آبادی، منشی اسماعیل حسن منیر شکوہ
آبادی، مرزا ولایت حسین ساکن باندہ وغیرہ کو بغاوت و شرکت ہنگامہ کے جرم میں

جس دوام عبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ حضرت حاجی امداد اللہ مکہ ہجرت کر گئے۔ دوسرے حضرات کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۸۶۳ء و ۱۸۶۴ء میں محمد جعفر تھانیسری، مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولانا بیگی علی، مولانا عبدالرحیم وغیرہ پر حکومت ہند کے خلاف سازش کرنے اور مجاہدین سرحد کی خفیہ امداد کرنے کے جرم میں انبالہ کا مشہور مقدمہ سازش چلایا گیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ان کو اول پھانسی پھر کچھ سوچ کر عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ صادق پور (پٹنہ) کے مقالات مسکونہ اور طرین کی عمارتیں جوش انتقام میں کھود کر پھینک دی گئیں اور ان کی جگہ میونسپلٹی کی عمارتیں بنادی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ذرا ذرا سے شے پر علماء کو قابل دار سمجھا گیا۔ سرسید احمد خاں نے ایک طرف علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی، دوسری طرف علماء کی کارگزاری پر مصلحت وقت سے پردہ ڈالا اور علماء پر جو پابندیاں تھیں، ان سے انہیں نجات دلائی گئی۔ بلکہ سب سے بڑا ان کا کارنامہ یہ ہے کہ علمائے کرام کے ہاتھ حکومت برطانیہ سے ملوا دیئے اور ان کو سرکاری ملازمتوں میں منسلک کرا کر خطاب شمس العلماء اور خان بہادری سے نوازنے کی سعی تبلیغ فرمائی۔ مگر سب کچھ تھا، پھر بھی سر پھرے مسلمان ہندوستان کی سیاست سے دلچسپی لیتے رہے۔ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی تو مولوی ہدایت الرسول اس میں شریک ہوئے۔ سید صاحب ان سے بگڑ بیٹھے اور ان کو قید فرنگ بھی بھگتی پڑی۔ مگر مولانا فضل حق کے شاگرد مولانا فیض الحسن سارنپوری کے شاگرد رشید مولانا شبلی نعمانی نے علی گڑھ میں بیٹھ کر وفادارانہ سیاست کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمانوں کو آزاد سیاست کی دعوت دی۔ مسلم گزٹ کے پر مغز مدلل اور پر جوش مضامین تعلیم یافتہ طبقہ میں سیاسی بیداری کی روح پھونکنے میں ایک حد تک کامیاب رہے۔

مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید وغیرہ مولانا شبلی کی سیاسی سرگرمی کے زندہ نمونہ ہیں۔ ہندوستان کی سیاست میں

ان حضرات کا جو پایہ ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مولوی عبدالقادر لدھیانوی نے کانگریس میں شرکت کے بارے میں فتویٰ شائع کیا تھا۔ اس میں بڑے بڑے اکابر علماء نے دستخط کئے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے بھی دستخط تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۷۶ء میں عربیہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند میں قائم کیا۔ جہاں کے تعلیم یافتہ علماء میں مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید دہلوی، مفتی محمد کفایت اللہ، مولانا حفظ الرحمن، مولانا محمد میاں وغیرہ کی خدمات، روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ علی گڑھ اور دیوبند کے بعد علماء فرنگی محل میں سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی گراں قدر خدمات سیاسی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح مسیح الملک حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد فاخر الہ آبادی، مولانا عبدالمجید بدایونی، مولانا محمد سجاد بہاری، مولانا آزاد سبحانی وغیرہ نے جو کچھ سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ بھی ناقابل فراموش ہیں۔

تذکرہ علمائے جنگ آزادی

۱۸۵۷ء میں علماء نے جو سرگرمی عمل دکھائی تھی اور ان کے ہمنوا نواب، راجے، امراء اور فوجی رسالدار صوبیدار تھے جن کا کتاب ہذا میں اکثر و بیشتر ذکر آئی چکا ہے مگر ان کے تفصیلی حالات تشنہ طلب ہیں اس لئے تذکرہ زیر تحت ان کے حالات سیاسی پر اور روشنی ڈالی جاتی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام خیر آبادی نبیرہ قاضی صدر الدین فاروقی ہر گامی مولانا ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔

مولانا فضل امام دہلی میں صدر الصدور تھے۔ ان سے ہی علوم عربیہ تحصیل کئے اور علوم عقیدات کی تکمیل کی اور حدیث کی سند شاہ عبدالقادر دہلوی سے لی۔ تیرہ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ درس و تدریس میں لگا دیئے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ریزیڈنسی کے محکمے میں سرشتہ دار ہو گئے۔ پھر کشنری میں بدل گئے۔ یہ زمانہ تھا کہ مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا سید احمد شہید نے بدعات کے خلاف آواز اٹھائی۔ مولانا فضل حق اور حضرت شہید سے مناظرہ اشاعت نظیر امکان نظیر وغیرہ شروع ہو گئے۔ ایک عرصہ تک یہ ہنگامہ آرائی رہی۔ سید صاحب اور اسماعیل شہید سکھوں کے مقابلے کے لئے سرحد تشریف لے گئے۔ مولانا نے حکام کا طریقہ خلاف مرضی پایا، مستغنی ہو گئے۔ نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر کو جو معلوم ہوا اس نے پانچ سو روپے ماہوار مصارف کے لئے پیش کیا اور قدر دانی کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ دہلی سے روانگی کے وقت ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر نے اپنا ملیوس دو شالہ علامہ فضل حق کو اوڑھایا اور بوقت رخصت آبدیدہ ہو کر کہا، چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ میں بھی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے (32)۔ علامہ ایک عرصے تک نواب جھجر کے پاس رہے۔ پھر مہاراجہ اور کے یہاں چلے گئے۔ یہاں سے سہارنپور گئے، پھر ٹونک میں نواب وزیر الدولہ نے بلالیا۔ آخر میں لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز ہو گئے۔ مولانا ایک عرصہ تک رام پور میں نواب یوسف علی خاں کے اتالیق اور محکمہ نظامت اور پھر مرفاعہ عدالتیں پر مامور

رہے۔ مولوی احمد اللہ شاہ کے ملنے کے بعد ۱۸۵۶ء میں الور چلے گئے۔

سیاسی زندگی :- مولانا فضل حق نے آنکھ کھولی، اکبر شاہ ثانی کا عہد تھا۔ ابو ظفر کی تخت نشینی سامنے ہوئی، جو واقعات گزرے وہ سب آنکھوں سے دیکھتے ہوئے، جیسا اوپر ذکر کیا گیا۔ خود بھی ایک عرصے تک انگریزی حکومت کے معزز عہدے دار تھے۔ ہر بات کا پتہ رہتا تھا۔ ڈپوڑی کی پالیسی کو بروئے کار لانے کی سعی و جہد جاری تھی۔ یہ ضرور ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط کافی تھا مگر عمال حکومت ہندوستانی کچھر کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ تبلیغ عیسویت کا ڈنکا بجنے لگا۔ عیسوی مناد کی دریدہ دہنی کا شکار مقامی مذاہب ہو رہے تھے۔ اسلام بھی لپیٹ میں تھا اور ڈاکٹروزی خاں اکبر آبادی اور پادری فنڈر کے مناظرے سے ان دنوں بل چل سی بج گئی تھی۔ عوام کو خیال ہونے لگا تھا، حکومت تو گئی ہے مگر دین و مذہب پر بھی ہاتھ صاف ہونے لگا۔ رہی سہی اسلامی شان و شوکت اگر یہی حال رہا تو کچھ عرصے بعد جایا ہی چاہتی ہے۔ مولانا کی جوانی ادھیڑین دہلی میں گزرا، آخری عمر میں لکھنؤ گئے۔ وہاں کی حالت دہلی سے بھی بدتر دیکھی۔ مسلمان بادشاہ، واجد علی شاہ نام نہاد تھا۔ اس نے تو بالکل لٹیا ہی ڈبو دی۔ مسجد ہومان گڈھی شہید ہوئی۔ مسلمان مجاہد بیرگیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں ملائے گئے۔ امیر علی شاہ کو خود اپنی فوج سے توپ دم کرایا۔ مجاہدین بھی سرکاری فوج کے ہاتھوں کشتہ کرائے گئے۔ واجد علی کو عیش و عشرت کی پڑی تھی۔ ناموس اسلام کی جہاں اور اہلالت سے غرض ہی نہ تھی۔ مولانا نے اس کا اثر لیا اور شاہ صاحب کے مشورہ پر عمل کیا۔ آخرش ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ حکومت سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ الور میں مولانا، راجہ کے پاس کچھ عرصہ رہے مگر دل بے چین تھا۔ ملک کی عام حالت نے مجبور کیا کہ جان سپاری سے کام لیا جائے۔ ادھر ہنگامہ ہوا۔ دہلی سے خط راجاؤں کے نام بھی گئے۔ مولانا کو بھی علم ہوا (33) راجہ سے گفتگو ہوئی مگر وہ راجہ نہ ہوا۔ یہ تنہا چل دیئے۔ جس طرف سے گزرتے زمینداروں کو تنقید کرتے ہوئے چلتے۔ غرض کہ ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دلی پہنچے۔ عام

مغل آڑے آتا تھا۔ مرزا الہی بخش نے بادشاہ سے سرکار میں معافی کا خط بھی بھجوایا۔ کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اوہر مرزا مغل نے فوج میں پھوٹ ڈال دی۔ جنرل بخت خاں سے لوگ بگڑ گئے۔ آخر اس چپقلش کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی کی فوج دہلی پر فتحیاب ہوئی اور اس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ مرزا مغل وغیرہ گولی کا نشانہ بنے۔ بادشاہ قید کئے گئے۔ جنرل بخت اپنی فوج اور توپ خانہ کو نکال لے گئے۔ بادشاہ سے کہا، آپ میرے ساتھ چلے مگر وہ زینت محل اور مرزا الہی بخش کے ہاتھ میں تھے۔ آخر جنرل نے لکھنؤ کا راستہ لیا۔ ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی فیض احمد وغیرہ سب لکھنؤ چلے آئے۔ مولانا وطن چلے گئے۔ متسلطہ حکومت برطانیہ نے باغیوں پر مقدمے دائر کئے۔ اس پٹیٹ میں مولانا بھی آئے۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری یا فتویٰ جماد کی پاداش یا جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ ہو کر سینٹا پور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا، مولانا دھوکے کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک اسیر نے واقعات سن کر بالکل ہموڑنے کا فیصلہ کیا۔ وکیل سرکاری کے مقابل خود مولانا بحث کرتے تھے بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اوپر خود قائم کرتے اور خود ہی مثل تار عنکبوت عقلی و قانونی سے توڑ دیتے۔ جج یہ رنگ دیکھ کر دنگ تھا۔ جج نے صدر الصدوری کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا۔ وہ مولانا کی عظمت اور تبحر علمی سے واقف بھی تھا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہو جائیں۔ اسے ہمدردی تھی۔ اس وقت تک مولانا پر جرم بھی ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بری کرنا چاہتا تھا۔ سرکاری وکیل لا جواب تھے۔ چنانچہ بیروکار مقدمہ نشی کرم احمد خیر آبادی نے لکھنؤ سے سید اعظم علی خیر آبادی کے نام خیر آباد خط لکھا کہ :-

"مدت یک دور زاست کہ جناب مخدوم والا خوان محب تقریر بتلائے جس شدہ از سینٹا پور بہ لکھنؤ برائے روکاری صفائی روانہ کردہ شدہ زبانی آئندہ برنگاہ ہم از تحریرات اسجا ہر روزہ مشکشف میشود کہ امروز فردا ہند تعالیٰ رہائی خواہد شد روز بنا برادائے شہادت صفائی مولوی فضل حق

شورش کا سبب نواب اودھ کی معزولی، بہادر شاہ کو نام نہاد خطاب شاہی سے محروم کرنے کے مشورہ۔ گو یہ ضرور تھا کہ دہلی اور اودھ کی بادشاہت چھن گئی تھی لیکن دلوں پر ابھی ان کی ہی حکومت تھی۔ بادشاہ تمدنی اور معاشرتی زندگی کا مرکز تھا اور راجہ و پرجا میں ایک رشتہ تھا۔ کمپنی کے عمال کی بدعہدی، خود غرضی اور بدنیتی نے فرنگیوں کو بالکل بے نقاب کر دیا تھا۔ عوام اعراض کرنے لگے تھے تو خواص کا کیا عالم ہو گا۔ دہلی بدکشی کی کشمکش کی وہ بڑی زبردست فکر تھی جو بالکل فطری تھی اور آخر مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی کا غبار آتش فشاں بن کر پھوٹ نکلا۔ اس عوام کی بے چینی کا اثر مولانا پر بھی پڑے بغیر نہ رہا۔ وہ ایک فلسفی دماغ رکھتے تھے۔ وقت سے انہوں نے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دہلی آتے ہی قلعہ میں گئے۔ بہادر شاہ سے اگلی راہ و رسم تھی۔ بادشاہ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ علامہ نے ایک اشرفی نذر کی (34)۔ موجودہ صورت حال کے متعلق بادشاہ سے گفتگو کی۔ بادشاہ کی امتگیں ختم تھیں۔ دوسرے شہزادوں کی لوٹ کھسوٹ اور تخت شاہی کی تمنائیں، باہمی رقابت کا میدان گرم کئے ہوئے تھیں۔ مولانا عثمان دین شہر سے ملے۔ ان میں دو گروہ تھے۔ ایک بادشاہ کا ہمنوا، دوسرا حکومت کمپنی کا بی خواہ۔ فوجوں کا جائزہ لیا۔ ہنگامیوں کی حالت دیکھی۔ ہر ایک طلب زر کا متنبی۔ مگر ایک ہستی ایسی بھی تھی جو ایک مقصد کو لئے ہوئے جان پر کھیل رہی تھی۔ وہ گروہ مجاہدین کا تھا۔ ان کے ہمنوا روپہ تھے۔ یہ لوگ جنرل بخت خاں سردار روپہ کی زیر کمان تھے۔ مولانا کی خبر سن کے جنرل بخت خاں ملے آئے۔ چنانچہ مولانا نے آخری تیر، ترکش سے نکالا۔ جمعہ کے روز، جامع مسجد میں علماء کے سامنے تقریر کی اور استفتاء پیش کیا۔ مفتی صدر الدین خاں جز بز ہوئے۔ مولوی عبدالقادر۔ قاضی فیض احمد بدایونی۔ ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی۔ مولوی سید مبارک شاہ رامپوری وغیرہ نے دستخط کر دیئے مگر مفتی صاحب بالآخر کو بالآخر لکھ گئے۔ اس فتوے کے شائع ہوتے ہی ملک میں عام شورش برپا ہو گئی۔ دہلی میں نوے ہزار سپاہ جمع ہو گئی تھی (35)۔ جنرل بخت خاں جس طرح مقابلہ کرنا چاہتا تھا، مرزا

صاحب مکرم مولوی نبی بخش مشفق مولوی قادر بخش صاحب و برخوردار مولوی سید ضامن حسین بموجب درخواست (شس العلماء) مولوی عبدالحق سمیت ایشان روانہ لکھنؤ شدہ اندوہمیکان را امید از خداے کریم است دیگر روز بلندرا مخلصی یافتہ دارو دو لنگانہ خواہد شد اوتعالی ہم رحم کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و زکورد ناٹ چشم براہ انتظار کشادہ میا شدہ رنج و قلق عظیم دارند ایزد جل و علی بر جمع کساں چنین خود فرماید۔“

دوسرا دن آخر دن تھا۔ مولانا نے اپنے اوپر کے بقیہ الزام رد کرنے کے بعد پھر پلٹا کھایا اور کہا۔ جس خبر نے فتوے کی خبر کی اس کے بیان کی اب میں توثیق کرتا ہوں۔ میرا ہی لکھا ہوا ہے اور میرے ہی مشورے سے علماء نے دستخط کئے۔ پہلے اس گواہ نے بیچ رپورٹ لکھوائی تھی مگر اب عدالت کے سامنے میری صورت سے مرعوب ہو کے جھوٹ بولا ہے۔ مجھے خدا کے حضور جانا ہے۔ غلط بات مذہب کے مسئلے میں نہیں بول سکتا۔ بیچ اس بیان سے پریشان ہو گیا۔ گھڑی گھڑی مولانا کو روکتا تھا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ رنگ دوسرا ہو چکا تھا۔ بیچ کو رعایت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ بھد رنج و غم جس دوام عبور دریائے شور کا حکم سنایا۔ مولانا نے بڑی مسرت سے حکم کو منظور کیا۔

”برادر من تادہ عشرہ بسبب عدم بہرہی حال اس رقعہ افتادہ ماند حالیہ اوی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شانی یا بدو حال پر مال جناب مولوی فضل حق صاحب از لکھنؤ دریں عرصہ نوشتہ الالائق گر۔“ سن و اویلا کرون است۔ یعنی جس دوام از پیشگاہ حکم صد دریافت نوادہ و احسرتا اوتعالی رحم فرماید۔ (سیر العلماء)

(محررہ بستم فردری مطابق ۱۷ رجب ۱۲۷۵ھ)

آخرش مولانا انڈمان روانہ ہو گئے۔ اوہر مولوی شمس الحق دہلوی اور علامہ کے قریبی عزیز خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گویا سوس کے داماد خواجہ غلام غوث

خان بہادر ذوالقادر بے خبر میرمنشی لیٹننٹ گورنر مغربی و شمالی کی معاونت سے اپیل کردی۔ مرزا غالب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں۔

”مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا، کچھ مجھ سے تم معلوم کرو۔ مراسلہ حکم دوام جس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔ کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔“

جہاں داد خاں سیاح، سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے تو مرزا غالب نے انہیں لکھا (۴ اکتوبر ۱۸۶۱ء)

”ہاں! خاں صاحب آپ جو کلکتہ پہنچے ہو اور سب صاحبوں سے ملے ہو تو مولوی فضل حق کا حال اچھی طرح دریافت کر کے مجھ کو لکھو کہ اس نے رہائی کیوں نہ پائی۔ وہاں جزیرے میں اس کا کیا حال ہے۔ گزارا کس طرح ہوتا ہے۔“

انڈمان :- مولانا کو انڈمان میں خدمت بہت ذلیل سپرد کی گئی تھی۔ بارکوں کی صفائی لیا کرتے (بقول مولانا عرابخاری)

جیل سپرنٹنڈنٹ ایک شریف انگریز تھا۔ مشرقی علوم کا دلدادہ تھا۔ فن ہیئت و نجوم میں اس کو درک خاص تھا۔ اس کی پیشی میں ایک سزا یافتہ مولوی تھے۔ اس نے اپنی مصنفہ کتاب ہیئت جو فارسی میں اس نے لکھی تھی، مولوی صاحب کو عبارت درست کرنے کے لئے دی۔ مولوی صاحب سے یہ کام نہ چلا تو علامہ کے پاس مولوی صاحب کتاب لے آئے اور جو ماجرہ آگزا تھا وہ عرض کر دیا۔ مولانا نے وہ کتاب لے لی اور ایک ہفتے میں مفید اضافے اور حاشیے اس کے لکھ کے اور درست کر کے مولوی صاحب کو دے دی۔ وہ کتاب لے کے سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس گئے۔ اس کتاب دیکھ کے مولوی صاحب کی بڑی داد دی۔ مولوی صاحب مسکرا دیئے۔

سپرٹنڈنٹ بولا۔ مولوی صاحب ہماری بات پر کیوں ہنستے ہو۔ وہ بولے، حضور یہ میرا کارنامہ نہیں ہے بلکہ مولانا فضل حق کا ہے جو غدر کے سلسلے میں آئے ہیں۔ اس وقت سپرٹنڈنٹ مولوی صاحب کو لے کے مولانا کے ٹھکانے پر آیا۔ علامہ نہ تھے وہ انتظار کرتا رہا دیکھا ایک شخص نوکرا بغل میں دبائے چلا آ رہا ہے۔ مولوی صاحب نے کہا یہی مولانا فضل حق ہیں سپرٹنڈنٹ یہ ہیئت دیکھ آنکھوں میں آنسو لے آیا اور مولانا سے معذرت کی اور اپنی پیشی میں لے لیا اور احترام سے پیش آیا کرتا تھا اور ان کے فضل و کمال کا واسطہ دے کے گورنمنٹ میں سفارش کی۔

وفات :- ادھر علامہ کے صاحبزادے نے ولایت میں اپیل کر رکھی تھی۔ خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بے خبر نے اپنے پرانے عنایت فرمایا لیٹننٹ گورنروں کو لکھا پڑھا تھا۔ آخر شہ پر دانہ آزادی آگیا اور مولوی شمس الحق انڈمان روانہ ہو گئے۔ جب جہاز سے جزیرے میں اترے، شہر میں گئے تو ایک جنازہ نظر آیا۔ اس کے ساتھ ہزار ہا آدمی تھے، بڑا اڑھام تھا۔ حکام وغیرہ سب ساتھ تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ لوگوں نے بتایا مولانا فضل حق خیر آبادی ہیں۔ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ کو انتقال ہوا ہے۔ اب بیوند خاک کرنے کے لئے جنازہ (برہانی دینی قاضی محترم الدین دہلوی ناشر تعلیم غوثیہ و تذکرہ غوثیہ) یہ واقعہ راقم السطور نے ان سے سنا تھا) لے جا رہے ہیں۔ آخر شہ مولوی شمس الحق اپنے ہاتھوں باپ کو سپرد خاک کر کے وطن لوٹ آئے۔

نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ دہلوی

عظیم الدولہ سرفراز ملک نواب مصطفیٰ خاں ابن نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ والی و جہانگیر آباد ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی عربی کی مروجہ تعلیم میاں جی بالا مال دہلوی سے پائی۔ حدیث و قرأت میں مولانا حاجی نور محمد دہلوی نقشبندی شیخ عبداللہ سراج خفی مکی اور شیخ محمد عابد سندھی مقیم مدینہ منورہ سے استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ

مولوی کریم اللہ محدث سے بھی بعض علوم پڑھے۔ فی الجملہ تمام علوم رسمی و فنون متداولہ سے بخوبی واقف تھے۔ صاحب تصنیف ہیں۔ تذکرہ گلشن بے خار آپ کی یادگار سے ہے۔ خاندانی الماک پر قانع رہے۔

علمی چرچے و محفلیں :- ہنگامے سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ دلی میں رہتا۔ نواب ضیاء الدین خاں نیر۔ مفتی صدر الدین خاں آذرہ۔ حکیم احسن اللہ خاں۔ مولوی امام بخش مہنائی۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب۔ سید غلام علی خاں وحشت۔ میر حسین تسکین۔ حکیم مومن خاں مومن، جیسے غنوران کمال کا اس شہر لطافت مہر میں جگمگاتا تھا۔ جب یہ لوگ مل کر بیٹھتے، شعر و سخن کا بھی شغل اور چچا رہتا۔ ۱۸۳۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا، اس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی، جس کا ایک شعر یہ ہے :-

یا تنگ نہ کرنا صبح نادان مجھے اتنا یا لا کے دکھا دے وہن ایسا کمر ایسی نواب صاحب کے مزاح "مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اس طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھ کر دے دی جس کا شمار غنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اس نے اس غزل کو پڑھا، مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔

ہم بڑی دشمن کا چھپانا ہی تھا قاصد کہتا ہے کسی سے کوئی نادان خبر ایسی کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفتان کا دل کاہے کو رہو یگا سنائی اگر ایسی

صبر و استقلال :- خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب بہت جہن میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے، ایک مرتبہ بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمیل صاحب کے پاس جو پہلے کلکتہ بلند شہر اور میرٹھ میں بچ ہو کر آ گئے تھے، یہ پیام بھجوا دیا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ

میں علی الصبح آسکتا ہوں۔ چنانچہ حسب وعدہ آئے۔ لیکن نواب صاحب اس وقت دو گانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیہ میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ نیت فریضہ باندھ لی اور حسب عادت سورہ دھڑی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر ٹریمل بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہر تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے ان کے استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا :- حاجی باسط علی ساکن کولسی جو ایک دیندار اور ثقہ آدمی تھے۔ فرماتے ہیں کہ مصائب قدر میں ایک دن نواب محروم پیادہ پامحافلین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثناء میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا ”تیری شان کرمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔“

سیاسی زندگی :- تذکرہ نویسوں نے شاعرانہ حیثیت سے شیفتہ کو دیکھا اور ان کے دسترس سے بھی یہ سوانح باہر تھی۔ فی الحقیقت نواب شیفتہ اپنے عہد کے ملک و ملت کے ہی خواہ تھے اور ان شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی کرنی میں کسر نہ رکھی۔ مگر قوم کی قسمت بگڑ چکی تھی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ عمال کمپنی بسادر نے جو روش اختیار کی تھی ملک گیری کے اعتبار سے اپنی جگہ صحیح تھی مگر آزادی کے اعتبار سے بے چینی کا سبب بنی۔ جاگیروں، ریاستوں، حکومتوں کی ضبطی نے ارباب ثروت و جاگیرداروں میں ایک مخالفت کی لہر پیدا کر دی تھی۔ ادھر ہنگامہ جو برپا ہوا، تمام جاگیردار بادشاہ دلی کے ہم نوا بن گئے۔ نواب شیفتہ کے ہمراہیوں نے نواب کو اپنا آگوا کیا۔ رؤسا میں سب سے بڑی شخصیت دلی داو خاں رئیس مالاکڑھ کی تھی۔ ان کے پرچم کے تلے غلام حیدر خاں زمیندار پونڈری۔ سید نبی بخش سارنپوری۔ قاضی وزیر علی بلند شہری۔ عبداللطیف خاں رئیس خاں پور۔ اسماعیل خان۔ اعظم خاں۔ نواب مصطفیٰ خاں، آج جمع ہوئے۔ دلی داو خاں مذکور کی بھانجی بادشاہ دلی کے

ایک شہزادہ سے منسوب تھی۔ شیفتہ کے متعلق بادشاہ سے خط و کتابت کرنا تقویٰ تھی۔ چنانچہ ہنگامہ ہونے پر دلی داو خاں نے اپنے علاقے میں بڑی سرگرمی دکھائی مگر پانسہ الٹا پڑا۔ بعد تسلط ہر ایک باغی قرار دیا گیا۔ کسی کو جس دوام ہوئی۔ کوئی سات برس کے لئے قید ہوا۔ شیفتہ کو بھی سات برس کی قید فرمگ ہوئی۔ نواب صدیق حسن خاں شوہر نواب شاہجہاں بیگم صاحب والی بھوپال نے بڑی کوشش کے بعد ان کو رہا کر دیا۔ دلی کا رہنا چھوڑ دیا تھا۔ اپنی جاگیر پر زیادہ قیام رہتا۔

وفات :- ۶۳ سال کی عمر ہونے کو ہوئی۔ یک اجل آپہنچا۔ ۱۸۰۹ء میں حضرت محبوب الہی کی خانقاہ میں دفن ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات

چو رفت از جہاں مصطفیٰ خاں امیر کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرخ
خداوند تقویٰ خداوند زہد فقیر آشنا سالک راہ شرع
نشد از فوت این بے سردیا تمام وفاء کرم بہ ولی و تقویٰ دواع (36)
۱۲۸۶ھ

مفتی صدر الدین خاں آزرہ

مفتی صدر الدین آزرہ ابن مولوی نطف اللہ کشمیری ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ معقول کی تحصیل مولانا فضل امام خیر آبادی سے کی۔ حدیث حضرت شاہ عبدالقادر سے پڑھی۔ بعد تحصیل علم کمپنی کی طرف سے صدر الصدور کئے گئے اور عہدہ افتاء بھی ملا۔ شاہجہانی عہد سے زیر جامع مسجد مدرسہ دارالبقا چلا آ رہا تھا وہ سلطنت کی تباہی کے ساتھ برباد ہوا۔ مفتی صاحب نے اپنے روپے سے دوبارہ بنوایا۔ عمارت درست کرائی۔ درس و تدریس کا اہتمام

کیا۔ اساتذہ اور طلباء کو اپنے پاس سے تنخواہ و وظیفہ دیتے۔ منتہی طلباء کو عدالت کے کام سے فارغ ہو کے اسباق خود پڑھاتے اور تعطیل کے دن سب طلباء کو لے کر خود باغات کی سیر کراتے اور وہیں لذیذ کھانے کھلاتے تھے۔ حکیم عبدالحی مرحوم ”مجل رعنا“ میں لکھتے ہیں:-

”جناب آرزوہ مرحوم ان چند اشخاص میں سے تھے جنہوں نے اعلیٰ درجے جامع قابلیت و فضیلت کے باوجود ملک میں بھی اپنی اعلیٰ استعداد کا سکہ بٹھا دیا۔ خود آپ اپنے زمانے کے مشاہیر میں سے تھے اور نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ علماء کی مجلس ہو تو صدر نشین، مشاعرہ ہو تو میر مجلس، حکام کے جلسوں میں منوکر و ممتاز، عیسکوں اور محتاجوں کے ملجا و مادی، منصب اعلیٰ پر ممتاز و حکام رس ہونے کے باوجود آپ کی طبیعت ظاہری نمائش سے کوسوں دور تھی۔ دنیاوی آسائش کے تمام سامان بہم ہوتے ہوئے سیدھی سادھی وضع سے بسر کرتے تھے۔“

سیاسی مسلک :- مفتی صاحب سرکاری آدمی تھے۔ آخر لونی کے ہمراہی میں ریاستوں کے معاملات بھی سلجھا چکے تھے۔ دلاور جنگ مولوی احمد اللہ شاہ دلی آئے اور آپ سے بھی ملے۔ کچھ اثر پذیر ہوئے، مگر بزدلی کے ساتھ۔ ان کے ہم سبق مولانا فضل حق خیر آبادی نے فتویٰ جہاد دیا۔ جہل بخت خاں نے اس سے زندگی پیدا کرنا چاہی۔ ان سے بھی دستخط لئے اور علماء نے بھی تصدیق کی مگر بالآخر کو ایسے لکھا کہ بالجبر پڑھا جائے۔ مگر مفتی صاحب بعد ہنگامہ پکڑے گئے اور سزا بھی ہو گئی وہیں بیٹھے ترکیب بند لکھ ڈالا، جس کا ایک شعر یہ ہے:-

پھنسے بے ڈھب الٹی دیکھے کیسی بنے مر رہے ہیں سب الٹی دیکھے کیسی بنے
بیروی مقدمہ میں بیان دیا، مفسدوں نے زبردستی دستخط کرا لئے۔ بالجبر میں نے لکھا ہے۔ کانڈات برآمد ہوئے تو پڑھا گیا اور مفتی کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ چنانچہ چھوڑ دیئے گئے۔

مرزا غالب نے اپنے ایک خط میں حضرت آرزوہ کے قید ہونے کی تفصیل لکھی ہے ”حضرت مولوی صدر الدین صاحب بہت دن حوالات میں رہے۔ کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا۔ روکڑیاں ہوئیں۔ آخر صاحبان کورٹ نے جان بخشی کا حکم دیا۔ نوکری موقوف، جائیداد ضبط۔ ناچار خستہ و تباہ حال لاہور گئے۔ فنانشل کمشنر اور لیٹیننٹ گورنر نے ازراہ ترحم نصف جائیداد و اگذاشت کی۔ اب نصف جائیداد پر قابض ہیں۔ اپنی حویلی میں رہتے ہیں۔ اگرچہ یہ امداد ان کے گزارے کو کافی ہے اس واسطے کہ ایک آپ اور ایک بیوی تھیں چالیس روپے مہینے کی آمدنی۔ لیکن امام بخش کی اولاد ان کی عزت میں ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں۔ فارغ البالی سے نہیں گزرتی۔ ضعف پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ خاتمہ کے اواخر میں ہیں یعنی اسی برس کے قریب عمر ہے خدا سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔“

جامع مسجد دہلی :- جامع مسجد غدر میں انگریزوں کے قبضے میں آ گئی تھی یہ مقدس عمارت، فوجی ہسپتال کے کام میں تقریباً دو سال تک رہی۔ مسلمانان دہلی فریضہ نماز کی ادائیگی سے محروم تھے۔ جب دہلی میں امن چھین ہو گیا تو مفتی صاحب نے عمامہ شہر کی ہمنوائی میں مسجد کی و اگذاشت کی سعی کی۔ آپ کے شرکاء میں سے شاہی خاندان کے فرد مرزا الہی بخش بھی تھے۔ چنانچہ گورنمنٹ نے یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کر دی اور اس کی ایک انتظامیہ کمیٹی بنادی۔ مفتی صاحب بھی ایک رکن تھے (37)۔

حلیہ :- گداز جسم۔ سانولا رنگ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں، ذرا اندر کو دھنسی ہوئی۔ بڑھی ہوئی داڑھی۔

لباس :- سادی وضع کے آدمی تھے۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ لباس سفید، ایک برکا یا جامہ سفید کرتا، سفید ہی صاف ہوتا تھا۔

شاگرد :- نواب صدیق حسن خاں۔ نواب یوسف علی رام پوری۔ سرسید احمد خاں۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولوی فیض الحسن۔ مولوی حکیم محمد حسن امرہوی۔

مولوی احمد حسین مراد آبادی۔ مولانا سید نواب کلی۔

وفات :- اکیاسی برس کی عمر پاکر ۱۸ دسمبر ۱۸۷۲ء کو فوج گرا۔ کچھ عرصہ علیل رہ کر ۲۳ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ کو راہی ملک بھا ہوئے۔ درسگاہ حضرت چراغ دہلی میں دفن ہوئے۔ (منفصل حالات قدر کے چند علماء میں ہیں)۔

مولوی ظہور علی الخاطب بہ شمس الشعراء نے تاریخ وفات یہ لکھی :-

چو مولانا صدر الدین کہ در عصر امام اعظم آخر زماں بود
زہے صدر الصدور نیک محضر بعدل و داد چوں نہ جائے جاوداں بود
بروز ہنشنید کرد رحلت کہ ایں عالم نہ جائے جاوداں بود
ربیع الاول و بہست و چارم و دار و سوئے دار و رجبیاں بود
ظہور افسوس ان اوستازی قدر پدر دارم ہمیشہ مہرباں بود
چراغش بہست تاریخ ولادت کنوں گفتم چراغ دو جہاں بود (38)

۱۲۸۵

خان بہادر خاں

نواب خان بہادر خاں، نبیرۃ الملک حافظ رحمت خاں روپیہ ایک عرصے تک صدر الصدور کے عہدے پر سرفراز رہے۔ ہنگامے میں بریلی کے والی بنے۔ بعد تسلط حکومت برطانیہ گرفتار ہوئے۔ پھانسی لگی اور جیل خانے کے صدر دروازے کے درمیان میں دفن ہوئے۔ منفصل حالات حیات حافظ رحمت خاں (39) اور "نقد" کے چند علماء میں درج ہیں۔

سید اکبر زماں اکبر آبادی

سید اکبر زماں ابن سید امیر زماں، نبیرۃ سید حسین زماں اکبر آبادی، سید حسین زماں کے بھائی، سعید حسین زماں کے پوتے، سید منور زماں تھے۔ انہی کی یادگار مسجد

حیدر چنگ ہے۔

سید اکبر زماں نے فارسی، عربی کی رسمیت تعلیم پائی۔ شعر و شاعری سے بھی ذوق تھا۔ مجید تخلص کرتے تھے۔ آگرہ کالج میں کچھ عرصے مدرس رہے۔ پھر ہیڈ مولوی ہو گئے۔ آخر میں قلعہ آگرہ میں فوجی محکمہ میں میرنشی مقرر ہوئے۔ دلاور جنگ احمد اللہ شاہ کی خدمت میں بھی باریاب تھے۔ شاہ صاحب لکھنؤ سدھارے۔ میرنشی پر یہ آفت آئی کہ ہنگامہ ۶۵ء میں رونما ہوا۔ تمام انگریز قلعہ میں پناہ گزین ہوئے۔ افغان سپاہیوں نے ان کو اغواء کیا۔ یہ پیش پیش تھے۔ ادھر لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار الوری، آگرہ پر حملہ آور ہوا۔ انگریزی فوج کالی ندی پر پسپا ہوئی۔ یہ آگرے تک آیا۔ قلعہ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ سکندر خاں خانسامہ لئے جو گھوڑیاں کی شکل میں امر سنگہ گیٹ پر کھڑا تھا، لال بہادر خاں سے کہا کہ سب انگریز ابھی مستر کی طرف گئے۔ ان کو میں نے جاتے دیکھا ہے۔ لال بہادر خاں نے شہر پر قبضہ کیا۔ چار دن اس کی حکومت رہی۔ آخرش انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ یہ سب میوات چلتے ہوئے۔ سید اکبر زماں اندور چل دیئے۔ جب انگریزی تسلط آگرے پر کافی ہو گیا، آ موجود ہوئے۔ خیال یہ ہوا کہ چل کر قلعے میں پھر نوکری کر لی جاوے۔ یہ قلعہ جا رہے تھے، مزار غوث پر ایک مجذوب بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا، سید کہاں جاتا ہے؟ سر اور پیر میں لوہا مجھ کو نظر آتا ہے۔ یہ نہ سمجھے۔ قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت وہی افسر موجود تھے، جس کے سامنے افغانیوں کے ساتھ قلعہ سے نکلے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی فوراً "گوروں کو حکم دیا، اس کو پکڑ لو یہ باغی ہے۔ آخرش مقدمہ چلا جس دوام، مجبور دریائے شور کی سڑا ملی۔ بہ مجبوری انڈمان گئے وہاں بیس برس رہے۔

پنڈت سالک رام ہیڈ کلرک تھے۔ انہوں نے اکبر زماں سے پوچھا کہ آگرے میں ڈپٹی منور زماں تھے، ان کو بھی جانتے ہو؟ یہ بولے، وہ میرے چچا تھے۔ اس نے ان کو اپنی پیشی میں لے لیا اور قیدیوں کے پڑھانے پر پانچ روپے ماہوار دیا کرتا۔ کچھ عرصہ بعد ستر روپے ماہوار ملنے لگے۔ محمد جان نامی ہشتی زادہ آگرے کا نو عمر لڑکا تھا،

اس کو خدمت میں لے لیا۔ کافی رقم پیدا کی۔ مولانا جعفر تھانیسری جب اندمان گئے تو اکبر زماں نے ان کی بے حد خدمت کی۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنی تصنیف کالا پانی میں کیا ہے۔ جب بیس سال گزر گئے اور ان کو رہائی ملی تو سب مال و دولت چھوڑ کر آگرے آ گئے اور یونٹن پر زندگی گزارنے لگے۔ آخر میں نابینا ہو گئے تھے، مگر حافظہ صحیح تھا۔ مولانا مظفر علی شاہ کے مرید تھے۔ آخر عمر میں فقر کا رنگ غالب تھا۔ ۱۹۰۳ء میں عمر طبعی پا کر انتقال کیا اور کربلا کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ان کا کلام مولوی محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی کے پاس ہے۔

جرنل بخت خاں روپیلہ

بخت خاں کی شخصیت جو کچھ ہو مگر اس کے ارادے بلند ضرور تھے۔ وہ اپنی بساط بھر آخری شاہ مغلیہ کی مدد ایسی کرنا چاہتا تھا کہ وہ مغلیہ حکومت کا کھویا ہوا دقار نئے سرے سے واپس آ جائے مگر اس کی تدابیر بادشاہ ابوالنظر اور اس کے اہل خاندان کے ہاتھوں پامال ہوئیں، ورنہ آج اس کے کہنے پر عمل ہو جاتا تو بساط ہی دوسری بھی نظر آتی۔ بخت خاں کے اجداد روپیلہ خاندان سے تھے، جس میں غلام قادر شہید سے لوگ پیدا ہوئے۔ نہضیال نواب اودھ کی قربت دار تھی۔ سلطان پور میں قیام تھا۔ (40)

ابتدائی حال کا پتہ نہیں لگا۔ کابل کی جنگ میں مسٹر رسل کی ہمراہی میں پہلے پہل نظر آتے ہیں۔ رسالدار کے عہدے پر ممتاز تھے۔ افغانوں کے مقابلے میں کارہائے نمایاں کئے۔ توپ خانے کے انچارج ہو گئے۔ جب کابل سے فوج سرکاری واپس ہوئی، یہ بچ کی چھاؤنی میں رکھے گئے اور صوبہ دار بنا دیئے گئے۔ کچھ عرصہ بریلی رہے۔ اپنے پیر مولوی سرفراز علی کے حکم سے انگریز سے بیزار ہو گئے۔ جب میرٹھ فوج میں بغاوت ہوئی یہ موقع کے منتظر تھے ہی، نواب بہادر خاں نبیرہ حافظ الملک رحمت خاں جو صدر الصدور رہ چکے تھے، ان کے ہمراہ ہو گئے۔ انہوں نے

بریلی پر قبضہ کیا اور روہیل کھنڈ کے نواب بن گئے۔ بہادر شاہ کو اس کی اطلاع دے دی۔ نانا راؤ پیشوا بھڑور کو اس واقعے کی خبر لگی۔ اس نے اپنے بھائی بالا صاحب کو کھلے کو ان کے پاس بھیج دیا۔ بخت خاں اور بالا گھوکھلے ہم خیال ہو گئے۔ بدایوں اور فرخ آباد تحصیل وصول کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ زمینداروں سے مالیانہ وصول کرتے ہوئے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ جب بڑی فوج ہو گئی، بلب گڈھ پر بلہ بول دیا۔ ادھر دہلی سے تلنگے اور فوجی لوگ آ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی ہی تمام باغی قوتوں کا مرکز بن گیا تھا۔

میرٹھ کے علاوہ بھی جہاں جہاں فوجیں باغی ہوتی تھیں سیدھی دہلی کا رخ کرتی تھیں کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت جو کہ نام کی سسی پر بادشاہ تو موجود تھے۔ جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بناء پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور ان کی مجبوری اور محصور سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ غدر اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لئے سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا۔ اس اعتبار سے یہ زمانہ غدر دہلی میں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ کی تھی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل کی۔ مرزا خضر سلطان۔ مرزا ابوبکر۔ مرزا عبداللہ، دہلی کے سربر آوردہ شہزادہ تھے۔“
نہیر دہلوی لکھتے ہیں:-

”بخت خاں جرنل چودہ ہزار کاکپو اور چند توپ خانے اور دو تین رہبر جمشیں سواروں کی اور کئی لاکھ روپیہ خزانہ بریلی سے لے کر دہلی وارد ہوا۔“ (41)
بہادر شاہ نے بخت خاں کو جرنل فوج کا مقرر کیا۔ یہ امر مرزا مغل کی ناگواری کا باعث بنا۔ شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ میں لکھتے ہیں:-
”ہر کے محرکین میں صدا نام نظر آتے ہیں مگر اصل روح رواں تمام قوتوں کے (بہادر شاہ۔ مرزا مغل۔ بخت خاں) یہی تین آدمی تھے مگر انقلاب کی رہنمائی کا سلیقہ اور شاہ اور مرزا مغل میں نہ تھا۔ ابلتہ بخت خاں کی قابلیت مسلم ہے۔ اگر اس کو

بہادر شاہ اور مرزا مغل سی شاہانہ شخصیت حاصل ہوئی تو وہ فوجی و انقلابی لیاقت سے انگریز کے اقتدار کا خاتمہ کر دیتا۔ انقلابی جماعت کا وہی ایک ہونہار رکن تھا اور ایک مخصوص قابلیت فاتح ہونے کی اس کے اندر موجود تھی۔ جس کو انگریزوں کی فوجی تربیت نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ بادشاہ اپنی کمزوری اور شہزادوں کی نالائقی سے واقف تھا۔ اس لئے اس نے تمام اختیارات بخت خاں کے ہاتھ میں دے دیئے تھے اور اس کو لارڈ گورنر بنا دیا تھا۔ اور اس کی رائے پر خود ہی عمل کرتے رہے مگر آخری رائے جرنل بخت خاں کی قبول نہ کی اور مرزا مغل، بخت خاں کے راستے میں رکاوٹیں ڈال رہا تھا۔ اس کشمکش میں فوجیں باہر ہو گئیں۔ انتظام کی مشین بگڑ گئی۔ انگریز دہلی پر قابض ہو گئے اور انقلاب کی اسکیم دھواں ہو کر اڑ گئی۔“ (42)

بخت خاں لکھنؤ گئے غلام منزل میں سلطان ہو صاحبہ کے یہاں بہ سبب قربت قریبہ قیام پذیر ہوئے اور حضرت محل سے ملے۔ ۵ ہزار دعوت کے علاوہ خلعت اور رومال ملا۔ ان کے ہمراہ پانچ ہزار فوج تین سو عورتیں دلی اور فرخ آباد کے بہت سے لوگ ساتھ تھے۔ چند یوم قیام کر کے مولوی احمد اللہ شاہ کے شریک کار ہو گئے۔ یہاں کی ناکامیوں کے بعد شاہجہانپور اور وہاں سے محمدی، آخر کار اپنے ہمراہیوں سمیت نیپال کا راستہ لیا۔ فوج ساتھ رہی۔ ایسے روپوش ہوئے پھر پتہ نہ لگا۔ (مفصل حالات مرتبہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی ۱۳۵۵ء جون کے مصنف علی گڑھ میں درج ہیں)۔

سید کرم علی اکبر آبادی :- ٹرانسپورٹ کے انچارج تھے۔ ہنگامے کے دوران میں باغیوں کی امداد کی اور مال و اسباب بھی لوٹ کا ان کے گھر میں جمع ہوا۔ بعد تسلط انگریزی ان کے محلہ قاضی پاڑہ کو کھدوا دیا گیا اور سید صاحب کو پھانسی دی گئی۔ مزار اگرہ فورٹ کے پل پر ریلوے سڑک کے پہلو میں بنا ہوا ہے اور مرجع خلافت ہے۔ مولوی سعادت خاں اندوری ان کے دادا راجہ ہلکو کے معزز عمدہ دار تھے۔ شہر میں بڑا اثر تھا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اس افغانی عالم نے عملی حصہ لیا۔ حریت نوازوں کے سرپرست بنے۔ مسٹر نہرو رس فوج لے کر اندور آیا اس سے مقابلہ کیا۔ راجہ

ہلکو نے انہوں کو مروا دیا، یہ کام آئے۔

مولوی فیض احمد عثمانی بدایونی :- صدر بورڈ میں مدیٹار تھے۔ دلی گئے۔ وہاں بمسٹر کے گئے، پھر جرنل بخت خاں کے ساتھ رہے۔

مولوی فیض الحق الوری :- بادشاہ نے دلی میں تحصیل وصول کا کام سپرد کر رکھا تھا اور ان سے بہت خوش تھے۔

قاضی فیض اللہ دہلوی :- ان کا حال معلوم نہ ہو سکا صرف ان کا نام بہادر شاہ کے مقدمہ میں آیا ہے۔

سید مبارک شاہ رامپوری، مولوی امام خاں رسالدار، نوٹک کے تھے۔ دلی آکر مجاہدین میں شامل ہوئے۔ مولوی سرفراز علی امیر المجاہدین جو جرنل بخت خاں کے پیر تھے۔ مولوی عبدالغفور ٹوٹکی۔ مولوی عماد الدین شہید، نبیرہ ملا عبدالسلام کمانی دیوی لکھنؤ عقیلیہ و عقلیہ کی تحصیل ارباب خاندان سے کی۔ لکھنؤ کے چکھ دار (ناظم) ہو گئے۔ محمد اللہ پر حاشیہ مبسوط لکھا۔ علماء جانباز کے ہمنوا تھے۔ سندیلہ میں فوج مخالف کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ وہیں مزار ہے جو مرجع خلافت ہے۔

سید گلزار علی امرہوی

سید گلزار علی ابن سید اکبر علی بن سید قرب علی بن سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود ساکن امرہہ دربار کلاں۔ ابتداء "کثیر جائیداد" کے مالک تھے۔ فیاض طبع و نا تجربہ کاری کے باعث سب جائیداد ضائع ہوئی۔ پھر مختاری کا ایمان پاس کر کے مراد آباد میں عدالت ہائے فوجداری و کلکٹری میں مختاری کا کام کرتے رہے۔ ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو جب مراد آباد میں ہنگامہ ہوا، اور جیل خانہ ٹوٹا تو یہ لوگ اس کو ساتھ لے کر راتوں رات مراد آباد سے امرہہ آ گئے۔ یہاں پہلے سے ہنگامہ لگا رہا تھا۔ امرہہ پہنچ کر سب کو ساتھ میں لے کر امرہہ پر قبضہ کر لیا۔

سلاطین محلہ دربار کلاں والا دیوان سید محمود اور شیوخ کلاں بنیرگان درویش علی خاں منصب پنج ہزاری عہد فرخ سیرنے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی اور رعایا سے پندرہ پندرہ سال کا زمیندارہ وصول کیا۔ ان ہی حضرات میں سے کوئی ناظم مقرر ہوا اور کوئی دیوان بنا۔ سید گلزار علی نے فوج کی بھرتی شروع کر دی۔ دو تین ہزار آدمی بھرتی ہو گئے۔ مراد آباد میں شاہزادہ فیروز شاہ خان بہادر خاں بریلی کی فوج لے کر آ دھکے۔ چار ہزار فوج ان کے ساتھ تھی اور ایک درخواست بادشاہ دہلی کو روانہ کی گئی۔

”ہندوگان حضور لامح التور معدلت لشور حضرت ظل سبحانی خلفیتہ اگر حمانی شاہنشاہ گیتی پناہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ“

بعد تقدیم مراسم عبودیت و جان سپاری و نوازم فدویت و انکساری کہ سرمایہ و تقاضہ سردی است دین ایام فرخندہ فرجام بہ استماع مرثیہ جاں بخش روح افزائے زینت بخش افسردہیم خلافت الہی و زینت افزائے اورنگ شاہنشاہ و اس ظلمان قدیمی و خانہ زادان موروثی بنیرگان درویش علی خاں منصب دار و ہجراری بہ اقبال والا جانبازی بکار بودہ و مہارزت دلیری کردہ استیصال ہندوہست انگریزاں از سرکار سنبھل وکل قصبات متعلقہ سرکار موصوفہ ساختہ و از قصبہ امروہہ خاص کو توالتش و دیگر متعلقان و خیر خواہان انگریزی را بہ جنم رسانیدہ و اندام مکان تھانہ و تحصیل گردانیدہ۔ شیخ بشارت علی خاں برادر کلاں خود را کہ از بس مستقیم اندمہ پانصد کس مبارز و برائے انتظام اسبجا گذاشتہ ما۔ فدویان بتاریخ بست و نہم ماہ رمضان المبارک معہ چل تن برائے جاں ثاری تخت حضور فیض مخجور و قدم بوسی ہندوگان در گاہ ملائک پناہ کہ طجائے جہاں و مادائے ہندوگان قدیمی و خانہ زادان موروثی است از قصبہ امروہہ دواں دواں تا غازی الدین نگر رسیدہ راہ دہلی پیش گر فتم کہ عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب ولی محمد داو خاں بہادر بتاریخ

دوم ماہ شوال پل دریا کے ہنڈان واپس کناکندہ ہمراہ خود بمقام بالا گڈھ اور دندو بسیار الطاف فرمودہ اندکوں ما فدویان در مقام مذکور الصدر حسب الارشاد نواب صاحب ممدوح مقیم ہستیم و مستحق منصب موروثی لہذا امید کرد بتفضیلات حضرت ظل سبحانی و سایہ یزدانی بہ مراحم شاہنشاہی و بہ مناصب موروثی سرفرازی یافتہ بہ انتظام ملک کہراماموریم کہ اسبجا آن بہ اقبال ہندوگان والا بخوبی خواہد شد۔ الہی آفتاب جہانگیر و کشور کشائے از مطلع جاہ و جلال طالع یاد بحرمت النور و الصار فقط۔“

مسٹر ولسن اسپیشل کمشنر مراد آباد:- ۲۲ مئی ۱۸۵۸ء کو مسٹر ولسن کو اسپیشل کمشنر مقرر کیا گیا۔ کمشنر ہوتے ہی یہ امر وہہ آیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے لے گیا۔ شیوخ کلاں میں سے درویش علی خاں مرحوم و شیوخ صدیقی میں سے شیخ محمد الفضل بن شیخ رضا علی بلوہ بغاوت کے سرغنہ ہونے کے جرم میں جس دوام بہ مہر دریا کے شور ضبطی جائیداد اوروں کو پھانسی کی سزائیں دی گئیں۔ سید گلزار علی نے نہر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ غدر کے بعد مدت العمر روپوش رہے۔ ضلع بریلی وغیرہ میں ایام جلاوطنی و پریشان حالی میں بسر کی اور اسی حالت میں وطن اصلی سدھارے۔ و کلیل اور بعداً ”فیاض اور جری و جوانمرد تھے۔“ (تاریخ امروہہ صفحہ ۸۳)

مولانا شاہ عبدالجلیل اکابر علماء سے تھے۔ علوم ظاہری کے ساتھ فیوض باطن بھی مستمع تھے۔ معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فہم میں مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض ہوئے۔ خلافت حضرت سید احمد علی سے ملی۔ جامع مسجد علی گڑھ کی امامت پر مامور تھے۔ ۱۲۵۷ء کی جنگ آزادی کی فوج میں شریک ہوئے۔ میدان و فانیں اترے جہاد کیا۔ یہ جنگ سوپال کے باغ پر لڑی گئی۔ اس میں فائز بہ شہادت ہوئے۔ مسلمانان علی گڑھ نے آپ کی نقش مبارک کے رے ساتھیوں کی لاشوں کے ہمراہ جامع مسجد میں دفن کی۔ یہ خطیرہ جامع کے شمالی دروازے سے اندر جاتے ہوئے ملا ہے۔ اس پر درخت گل دار لگا

دیئے گئے ہیں۔

شاہ عبدالجلیل کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل تھے، جو عالم و فاضل تھے۔
باپ کی جگہ پیش امام رہے۔ صاحب درس و افادہ تھے۔ (43)

ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

ڈاکٹر صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تفصیل مناظرے کے ذکر میں آچکی ہے۔ اگرے میں محلہ تاج گنج میں قیام تھا۔ جنرل بخت خاں نے لارڈ آگرہ بنایا تھا۔ آخر تک یہ جنرل صاحب کے ساتھ رہے۔ دُخیوں کی خبر گیری ان کا کام تھا۔ ناکامیابی پر ہجرت کر گئے۔ مکہ میں قیام تھا۔ یہاں ایک بدوی سردار کی بیوی خطرناک مرض میں گرفتار ہوئی۔ ہر جگہ علاج کرا کر ان کے پاس آیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ایسا علاج کیا، خدا نے اس کو شفا دی۔ وہ سردار بہت خوش ہوا اور کہا کیا خدمت کروں۔ آپ نے کہا، مجھ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک عرصے بعد حکومت برطانیہ نے ٹرکی حکومت کو لکھا کہ ہمارا باغی آپ کے یہاں ہے وہ گرفتار کر کے بھیج دو۔ باب حکومت نے شریف مکہ کو لکھا۔ شریف نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا۔ آپ نے کہا میں حرم میں ہوں، آپ مجھ کو گرفتار کر کے خلاف شرع نصاریٰ کو دے کر مستحق عذاب ہوں گے۔ شریف نے کہا آپ بدوی سردار سے اس مسئلے میں مشورہ کیجئے۔ میں باب حکومت ٹرکی سے مجبور ہوں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب بدوی سردار کے پاس گئے۔ عام حالات سن کر شریف مکہ کو کھلا بھیجا کہ آپ سلطان ٹرکی کو کھلا بھیجئے، میری امان میں ڈاکٹر ہے، جب تک میرے قبائل جن کی تعداد بیس ہزار ہے وہ کٹ نہ جائیں گے ڈاکٹر پر کوئی ہاتھ ڈال نہیں سکتا۔ چنانچہ شریف نے باب عالی کو لکھا انہوں نے برطانیہ کو انکار لکھ دیا کہ مکہ کا کوئی آدمی کسی دوسرے کو نہیں دیا جاسکتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب غدر کے چندہ برس تک زندہ رہے۔ انتقال ہوا تو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مولوی محمد اسماعیل ٹوکی حضرت یاس ٹوکی کے بھائی ۱۹۳۵ء میں حج کو گئے

تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے مزار پر بھی حاضری دی۔

نواب علی بہادر خاں باندہ

نواب علی بہادر خاں خلف نواب ذوالفقار علی خاں والی باندہ ان کے بھائی
نواب شمشیر علی خاں بہادر نے باندہ کی راجدھانی قائم کی۔ ذوالفقار علی خاں نواب
۱۱۲۹ء میں اس دنیا سے انہوں نے انتقال کیا۔

شد آہ ذوالفقار علی درنیام آہ

۱۲۴۹

نواب علی بہادر خاں ۱۲۶۵ء میں تخت نشین ہوئے منیر شکوہ آبادی نے قطعہ
لکھا۔

علی بہادر عالم پناہ بندہ نواز نوا چوں بسر خویش افسر شوکت
مصرع تاریخ ایں عمل گفت جلوس باد مبارک بہ مسند نصرت
۱۲۶۵

گورنر کے یہاں سے خلعت آیا اس پر منیر کہتے ہیں :-

خلعت آیا گورنری سے ملا کھل گیا باغ ثروت اور جلال
نواب ہو گئے مسرور ہو مبارک یہ سال فرخ فال
کسی برجستہ میں نے یہ تاریخ
آج آیا ہے خلعت اقبال

۱۲۶۵

نواب خوش استعداد اور اہل علم کے قدردان، شعر گوئی سے شوق منیر شکوہ
آبادی سے مشورہ سخن کرتے۔ علی، تخلص تھا۔ کہتے ہیں :-

دل یہ کہتا ہے کہ تو چل میں نہیں آنے کا
باندہ ہندیل کھنڈ میں واقع ہے۔ جھانسی کو زیادہ اہمیت تھی۔ یہ علاقہ

بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تھا۔ یہاں کا ولی راجہ گنگا دھر راؤ تھا۔ اس کو مارونپت تاجے کی لڑکی لکشمی بائی بیاہی گئی تھی۔ مارونپت آخری پیشوا باجی راؤ دوم کا برہمن پرودہ تھا۔ لکشمی بائی کے آٹھ برس بعد ایک بچہ ہوا جو چار ماہ کی عمر میں فوت ہو گیا۔ راجہ گنگا دھر پر بجلی سی مری۔ وہ غم میں بچے کے گھلتا ہی رہا۔ اس نے اپنی گرتی ہوئی حالت کو دیکھتے ہوئے دامودر راؤ جو قریبی عزیز تھا اس کو متنبی کر لیا۔ لارڈ ڈلہوزی ہندوستان کا گورنر جنرل تھا۔ اس کی منشا تھی کہ تمام ریاستیں حکومت سے ملحق ہو جائیں۔ ستارا، ناگپور کے بعد جھانسی پر نگاہ تھی۔ گنگا دھر راؤ نے پہلے انگریز ریزیڈنٹ سے درخواست کی تھی کہ وہ اس کی تاج برطانیہ سے عمر بھر کی وفاداری کے پیش نظر جھانسی کا الحاق نہ کریں مگر درخواست نامنظور ہوئی۔ جھانسی کا الحاق ۱۸۵۳ء میں عمل میں آیا اور نوجوان بیوہ لکشمی بائی بے دخل کر دی گئی۔ اس نے کمپنی کے اس خلاف عہد طرز پر آواز اٹھائی مگر یہ احتجاج صدامبر اثبات ہوا۔

رانی کو ارباب حکومت سے منافرت سی پیدا ہو گئی مگر رانی اپنی رعایا کی خدمت میں لگی رہی۔ ان کی ضروریات کا لحاظ رکھتی۔ ہر ایک اس کا گردیدہ تھا۔ اس اثناء میں طوفان کے بادل چھانے لگے۔ کمپنی کے عمال کی سخت گیری سے عوام میں بے چینی کی چنگاریاں اٹھیں ہو کر غدر کے واقعات کی صورت اختیار کرنے لگی تھیں۔ جو کہ دراصل ہندوستان کی طرف سے اپنی سو سالہ غلامی کا جواب اتار پھینکنے کے لئے پہلی بغاوت تھی۔ بغاوت کا یہ شعلہ جوں ہی بھڑک اٹھا اس نے تقریباً سارے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ لکشمی بائی کی من مانی مراد پوری ہوئی۔ دلی لکھنؤ کانپور کے واقعات نے رانی پر بھی اثر ڈالا۔ اس نے فوج اکٹھی کر لی اور جھانسی کو مقابلہ کے لئے مضبوط کر لیا۔ سرہیک روز یہ رنگ رانی کا دیکھ کر ایک فوج گراں کے ساتھ جھانسی پر حملہ آور ہوا۔

رانی کے پاس گیارہ ہزار جوانوں پر مشتمل فوج تھی۔ مقامی کارخانوں کی تیار کردہ توپوں، ہندو توپوں اور بارود وغیرہ سے آراستہ کر دی گئی تھی۔ چنانچہ سر

ایک روز کے حملہ کو رانی خاطر میں نہیں لائی اور مقابلے کے لئے تیار ہو گئی۔ رانی نے تانیتا ٹوپی کو امداد کے لئے لکھا۔ تانیتا فوج لے کر جھانسی کی طرف آ رہا تھا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ پڑا، شکست کھا گیا۔

نتیجہ میں رانی کو شہر کی حفاظت ترک کرنا پڑی اور پیدل کالپی روانہ ہو گئی۔ راؤ صاحب یہاں کے محاذ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے ڈھائی سو سواروں کا دستہ رانی کے زیرِ امان دیا۔ اس نے انگریزی فوج سے مقابلہ کیا اور داد شجاعت دی۔ مگر راؤ صاحب اپنے مقابل سے شکست کھا گیا۔ ہٹا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ رانی نے راؤ صاحب کی ہمت نہ ہٹائی اور مشورہ دیا کہ موقع ہے گوالیار کے قلعے پر قبضہ کر کے پھر دشمن سے نمٹا جائے۔ راؤ صاحب کو یہ تجویز پسند آئی۔ تمام فوج کو سمیٹ کر راجہ سندھیا کو آگیرا۔ وہ تاب مقابلہ نہ لاسکا اور مغلوب ہوا۔ اب گوالیار رانی کے قبضے میں تھا مگر راؤ صاحب بالکل ناکارہ مغرور، عیاش مزاج آدمی تھا۔ گوالیار کی فتح کی خوشی میں اپنے آپ کو بھول گیا۔ سرہیک روز نے بھاری فوج کے ساتھ گوالیار پر حملہ کر دیا۔ رام تانیتا ٹوپی اور لکشمی بائی بمشکل تیار ہونے پائے تھے۔ آخرش معرکہ پھر انگریزوں کے ہاتھ رہا۔ لکشمی بائی دو دیویوں اور چند مرد مصاحبوں کے ہمراہ میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ مخالف فوج اس کے پیچھے لگ گئی۔ ایک ایک کر کے انہوں نے بھون کھالیا۔ رانی بھی مجروح ہو کر گھوڑے سے گری۔ ایک خدمتگار قریبی دروازے تک لے گیا۔ لیکن کشتیء عمر رواں کنارے پر لگ رہی تھی۔ چند لمحوں کے اندر مرغ روح، قفسِ غصہ سے پرواز کر گیا۔ یہ دن ۱۸ جون ۱۸۵۸ء کا تھا۔

نواب علی بہادر خاں شجاع اور جری تخلص نواب تھا۔ ادھر رانی جھانسی اور امیتا ٹوپی کے نامہ و پیام شرکت ہنگامہ کے جاری تھے۔ مرزا ولایت حسین خاں وزیر اعظم باندہ اور غشی سید اسماعیل حسین منیر سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جانبازی اور شہر و شہر پر سرکھت تیار تھا۔ مقامی فوج کو کیل کانٹے سے درست کر کے راج گڑھ کے قلعے پر نواب نے حملہ بول دیا اور قلعہ فتح کر لیا۔ ۱۵ جون ۱۸۵۷ء مسٹر ایچ اے کاک

دل قلعہ باندہ میں آیا۔ اس کو مصاحبوں نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۸ اکتوبر کو ارد گرد سے باغی آکر جمع ہوئے۔ ان کے پاس دو ہزار گھوڑے سوار تھے۔ جنرل وائٹ لاک نے حملہ کیا مگر اس کو شکست اٹھانا پڑی۔

جنگی کونسل نواب نے بنائی۔ جس کے ارکان میں محمد سردار خاں ناظم میرانشاء اللہ سپہ سالار فوج اور وزیر اعظم مرزا ولایت حسین تھے۔ امداد حسین اور فرحت علی انصران فوج قرار دیئے گئے۔ جنرل وائٹ لاک نے اپریل ۶۵۸ کو دوسرا حملہ باندہ پر کیا مگر مقابلے پر اہل باندہ ٹھہر نہ سکے۔ شکست یاب ہوئے۔ ۲۰ اپریل ۶۵۸ کو سرکاری قبضہ باندہ پر ہو گیا۔

نواب نے قیل پر راہ فرار اختیار کی (44)۔ مرزا ولایت حسین اور منیر شکوہ آبادی فرخ آباد گئے۔ راستے میں گرفتار ہوئے۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چل۔ اہر دو آگے پیچھے انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ولایت حسین وہیں سپرد خاک ہوئے۔ منیر آٹھ برس بعد نواب یوسف علی خاں کی سفارش سے آزاد ہو کر ہندوستان آ گئے اور رام پور میں اس دنیا سے ۱۲۹۷ھ انتقال کر گئے۔

نواب علی بہادر خاں حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ رعایت یہ برقی کہ اندور میں نظر بند کر دیا۔ ۳۶۰۰ روپے سالانہ مقرر کر دیئے گئے۔ ۱۸۷۲ء میں بمبئی بلائے گئے۔ گورنر کے دربار میں جگہ ملی۔ آپ نے اندور میں ۱۲۹۰ھ میں انتقال کیا۔

مولوی مظہر کریم بھی ہنگامہ ۵۷ء کے مارے ہوئے تھے۔ ان کو بھی انڈمان جانا پڑا۔

نواب تفضل حسین خاں والیء فرخ آباد (45)

نواب تفضل حسین ابن نواب عنایت حسین نصرت جنگ ابن نواب خادم حسین شوکت جنگ ابن امداد حسین خاں ناصر جنگ ابن ولیرہمت خاں مظفر جنگ ابن احمد خاں غالب جنگ ابن امام خاں ابن قائم خاں ابن نواب غففر جنگ بگلش۔ نواب تفضل حسین خاں بطن سلطان عالیہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نواب تفضل حسین خاں کی تعلیم و تربیت نواب زادوں کی طرح تھی۔ علمی استعداد معقول تھی۔ ان کے چچا نواب جمل حسین خاں ظفر جنگ ابن نواب شوکت جنگ والیء فرخ آباد تھے۔ ظفر جنگ بخلیغہ کا نواب تھا۔ اس کی داد و دہش کی بڑی دھوم تھی۔ اس کے ارد گرد علماء و شعراء کا جھگڑا لگا رہتا۔ منیر شکوہ آبادی بھی اس کے دربار کے شعراء میں داخل تھے۔ مرزا غالب کو بھی فرخ آباد آنے کی دعوت دی۔ مرزا صاحب جانہ سکے، فرماتے ہیں:-

دیا ہے خلق کو بھی تا اسے نظر نہ گئے بنا ہے عیش جمل حسین خاں کے لئے
نواب جمل حسین خان ۱۸۴۶ء میں لاولد انتقال کر گئے۔ نواب تفضل حسین خاں ان کے جانشین ہوئے۔ انتظام ریاست کو بڑی قابلیت سے چلایا۔ گیارہ برس انہیں پورے حکومت کرتے ہوئے نہ گزرے تھے کہ ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا۔ نواب خاندان بگلش کا فرد، جس کے باپ دادا تلوار کی چھاؤں میں پلے وہ خاموش کیا بیٹھتا۔ یہ بھی وقت کے تقاضے سے رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ آغا حسین کمانڈر انچیف سیتاپور

سے دو ہزار فوج کے ساتھ نواب کے علاقہ میں داخل ہوا۔ نواب نے اس کی دنگیری کی۔ دو سو نفوس اور ۲۴ بندوقیں اور روپیہ پیسہ سے مدد دی۔ تمام باغی نواب کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ سات ماہ تک کامل ضلع پر حکمرانی کی۔

احمد یار خاں ناظم محسن علی خاں باغیوں کے سردار تھے جنہوں نے کل علاقہ سے جبریہ روپیہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ مگر نواب کے اطاعت گزار تھے۔ بادشاہ دہلی نے اس کی نیابت سلطنت منظور فرمائی اور خلعت و سند سے نوازا، مگر ملک بجز چکا تھا۔ غداروں نے ہر جگہ دھوکے دیئے۔ آخر پانسہ الٹا پڑا۔ ۱۸۵۹ء میں نواب نے اپنے کو گورنمنٹ کے حوالے کر دیا۔ ان پر بغاوت اور قتل کے مقدمہ قائم کر دیئے۔ میجر بیوزور نے گرفتار کرتے وقت وعدہ کیا تھا کہ اگر کسی یورپین کو تم نے قتل نہیں کیا ہے، جان بخشی کی جائے گی۔ چنانچہ میجر صاحب ہی سپیشل کسٹمر مقرر ہوئے اور باغیوں کے مقدمات کی سماعت سپرد ہوئی۔ انہوں نے نواب پر جرم قائم کر کے پھانسی کا فیصلہ دیا۔ ان کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بھی سزایاب ہوئے۔ نواب نے میجر بیوزور کو وعدہ یاد دلایا مگر توجہ نہ کی گئی۔ آخر شریل گورنر جنرل کے یہاں کی گئی (۴۵)۔ گورنر جنرل نے سزائے موت ہٹا دی اور یہ شرط رکھی کہ نواب برطانیہ کے علاقہ سے خارج البلد ہو جائیں اور اگر کبھی لوٹ کے آئے تو سزا قائم رہے گی۔ چنانچہ ۱۸۵۹ء نواب کو جہاز پر بٹھا کر عدن پہنچا دیا گیا۔ وہاں سے حجاز چلے گئے۔ مکہ میں رہنا سہنا اختیار کیا۔ نواب صدیق حسن خاں ۱۲۸۵ھ میں حج کو گئے تھے۔ نواب سے بھی ملے تھے۔ فقرا کی صف میں تھے۔ غرباء میں ان کا شمار تھا۔ نواب صاحب نے ایک جوڑا ان کو عطا کیا۔ آخر شریل نواب نے بحالت کلفت ۱۸۸۳ء میں مکہ معظمہ میں انتقال کیا۔ نواب کے بھائی نواب سخاوت حسین خاں بہادر کو پھانسی لگی اور بھی فرخ آباد کے حضرات اس ہنگامے کی پلیٹ میں آئے۔

منیر شکوہ آبادی نے قطعہ تاریخ ذیل کا نواب سخاوت حسین خاں بہادر کے لئے لکھا۔

ریاض خلق سخاوت حسین خاں نواب نال باغ کرم زیب مسند شوکت
جوان قاتل و فرزند خاص نصرت جنگ غلام آل نبی سردا قمر طلعت
سخاوت اور مروت میں بے نظیر جہاں ریاست اور امارت کے واسطے زینت
ہر ایک دل میں جگہ اس کی جاں سے بڑھ کر ہر ایک زبان پر اس کا وظیفہ درجست
زمانہ اس کی مروت پر اس طرح شیدا مشام روح ہو جس طرح عاشق نکمت
وہ بے گناہ ہوا شیخ مرگ سے مقتول عنایت اس کو کیا حق نے گلشن جنت
منیر نے یہ کسی اس کے قتل کی تاریخ ہوا شہید امیر اسیر باہمت
۱۳۷۴ھ

فرخ آباد کے دو حضرات کو اور پھانسی دی گئی۔ منیر نے تاریخ لکھی ہے۔
تاریخ پھانسی نواب اقبال مند خاں بہادر و نواب غنفر حسین خاں بہادر فرخ
آباد۔

اقبال مند خاں و غنفر حسین خاں دونوں در محیط عطا آہ آہ ہائے
دونوں جواں نیک امیران ذی حشم مقتول تیغ حیر قضا آہ آہ ہائے
تاریخ اس کے قتل کی کافی ہے یہ منیر
دونوں شہید راہ خدا آہ آہ ہائے

مولانا مولوی لیاقت علی دو آہ کے رہنے والے تھے۔ فقر میں داخل تھا۔ ان کے تقدس کی بڑی شہرت تھی۔ چائل کے زمینداروں نے انہیں سراہا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مولانا نے بھی علم جماد بلند کیا۔ چائل کے لوگ علم کے زیر سایہ جمع ہونا شروع ہو گئے تو الہ آباد گئے اور خسرو باغ میں آپ کا راستہ جنگ لہرایا۔ دلی سے ابو ظفر بہادر شاہ نے آپ کو الہ آباد کا گورنر مقرر کیا۔ مسٹر نیل نے بڑی سعی و تبلیغ کی کہ مولانا کا اقتدار بڑھنے نہ پادے مگر برطانیہ کا اقتدار گھٹن میں آ گیا تھا۔ مولانا کا زور بڑھتا ہی رہا۔ سرکاری آدمیوں کی خبر لی گئی۔ انہوں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ کچھ عرصے بعد پوری قوت سے سرکاری فوج نے بلہ بول دیا۔ ۱۲ جون کو دریا گنج پر گولہ

باری ہوئی۔ سکھ فوج کے دہاؤ سے مولانا کے ہمراہی بے سروسامانی کی بدولت پسپا ہونے لگے۔ چنانچہ کشتیوں کے پل کی درستی کرائی گئی۔ تاکہ دوسرے دن میجر اسٹیفن اور ایک سو آدمی مسٹرٹیل کی فوج کے اس پر سے گزر سکیں۔ ۱۳ جون کو مسٹر اور بلاک جوئٹ مجسٹریٹ کی ماتحتی میں اور جہاں جہاں ہنگامی اور بلوائی تھے ان سے مقابلہ ہوا۔ آخرش مولانا کو الہ آباد چھوڑنا پڑا۔ وہاں سے لکھنؤ چلے آئے۔ ان کے سالہ خان بہادر عنایت حسین خاں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کے پاس رہے۔ وہاں بھی انگریزی تسلط کی وجہ سے نہ رہ سکے تو (47) مولانا احمد اللہ مدرسی کے جھنڈے تلے جنرل بخت خاں کے ساتھ شریک ہو گئے۔

جنرل نیاز محمد خاں

جنرل نیاز محمد خاں نے اپنے علاقے کے بلوائیوں کو ساتھ لے کر سورج پور کے پاس گنگا کو عبور کیا اور پرگنہ کیسمل پور میں داخل ہوا۔ تھانہ کھار پر ایک دو دن پڑا رہا۔ شمس آباد کے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ ۲۷ جون کو بریگیڈیئر ہوپ گرائٹ نے یکایک اس پر حملہ بول دیا مگر پسپائی ہوئی۔ باقی گنگا پار چلے گئے۔ تین ہزار کی تعداد تھی۔ آخرش پھر مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا۔ نیاز محمد خاں کو فرار ہونا پڑا۔ مکہ معظمہ گئے۔ ۱۸۷۲ء میں نواب جونا گڑھ کے یہاں آکر ملازمت اختیار کی۔ بمبئی آئے ہوئے تھے، جہاں گورنر جنرل کا قیام تھا۔ وہاں یہ پہچان لئے گئے، گرفتار ہو گئے۔ مقدمہ چلا، آخرش سزائے موت تجویز ہوئی مگر ہائی کورٹ نے کالا پانی ناحیات رکھا۔ چنانچہ انڈمان بھیج دیئے گئے وہیں بیوند خاک ہوئے۔

مولانا امام بخش صہبائی شہید

مولانا امام بخش فاروقی صہبائی ابن مولانا محمد بخش تھانوی صہبائی کے دوسرے بھائی حکیم پیر بخش تھے۔ دلی میں کوچہ چیلان میں مکان بنا لیا تھا۔ علوم فارسی

عربی عبداللہ خاں علوی سے تحصیل کئے۔ فارسی میں یدِ طولی حاصل تھا۔ علامہ کے اثر سے شعر گوئی سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اپنی ذاتی کاوش اور استاد کی توجہ سے تبحر کا درجہ حاصل ہو گیا۔ استاد نے وہ گر سکھائے کہ نوعمری میں مرزا قلیل فرید آبادی کے ہم پایہ استاد سمجھنے جانے لگے۔

مولانا محمد حسین آزاد آپ حیات میں لکھتے ہیں کہ:-
 ”۱۸۴۲ء میں جبکہ دہلی کالج نے اصول پر قائم کیا گیا مسٹر ٹامسن سیکرٹری گورنمنٹ ہند جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لیفٹیننٹ گورنر ہو گئے تھے۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلی میں آئے اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرس ہے فارسی کا بھی استاد مقرر کیا جائے۔“
 ڈاکٹر عبدالحق نے مرحوم ”دہلی کالج“ میں لکھا ہے:-

”مفتی صدر الدین خاں صدر الصدور نے لیفٹیننٹ گورنر سے عرض کی کہ ہمارے شہر میں فارسی کے استاد صرف تین شخص ہیں، ایک مرزا نوشہ۔ دوسرے حکیم مومن خاں۔ تیسرے امام بخش صہبائی۔ لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے تینوں کو بلوایا۔ مرزا نوشہ بھلا یہ روگ کیوں پالنے لگے تھے۔ انہوں نے تو انکار کر دیا۔ مومن خاں نے یہ شرط کی کہ سو روپے ماہانہ سے کم کی خدمت قبول نہ کروں گا۔ مولوی امام بخش کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ انہوں نے یہ خدمت چالیس روپے ماہوار قبول کر لی۔ بعد کو پچاس ہو گئے۔“

گارسن و تاسی فرانسیسی اپنے خطبات اردو میں لکھتے ہیں:-

”مولانا صہبائی منشی کریم الدین کے ہم عصر ہیں اور منشی صاحب اپنے تذکرہ شعراء میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قابل مصنف دہلی میں فارسی کے سب سے زیادہ فاضل ادیب تصور کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے دہلی کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔“

مولانا صہبائی کا درس و تدریس کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا تھا۔ فارسی میں کثرت سے کتابیں لکھیں۔ حدائق البلاغت کا ترجمہ کیا۔ مولانا حامد حسن قادری داستان تاریخ اردو میں لکھتے ہیں۔

صرف لکھنے کو ترجمہ ہے ورنہ اصل میں فن بلاغت کو اردو میں منتقل کیا ہے یہ اردو میں اس فن کی پہلی مکمل و مستند کتاب ہے۔
آپ کے فارسی کے کثیر التعداد رسائل کلیات میں شائع ہو گئے ہیں۔

واقعہ شہادت

آفت اس شہر میں قلعہ کی بدولت آئی وہاں کے اعمال سے دلی کی بھی شامت آئی روز موعود سے پہلے ہی قیامت آئی کالے میرٹھ سے یہ کیا آئے کہ آفت آئی صہبائی کے ساتھی مولانا فضل حق۔ مفتی صدر الدین خاں آزرہ، وغیرہ اس جنگ آزادی میں شریک تھے۔ ان کو بھی شرکت کرنی پڑی۔ قلعہ میں بہادر شاہ نے مجلس شوریٰ منعقد کی۔ اس میں یہ بھی بلائے گئے۔ جب پانسا الٹا پڑا، انگریز فاتحانہ طور سے دلی میں داخل ہوئے۔ جنرل بخت خاں وغیرہ میدان چھوڑ گئے۔
ظہیر دہلوی کہتے ہیں:-

جہاں کی تشنہ خوں تیغ آب دار ہوئی سنان نیزہ ہر ایک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی
ہر ایک دشت قضا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا ہر ایک قبلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا غرض خلاصہ یہ ہے اک جہاں قتل ہوا
گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن نہ رونے والے ہیں

غرض کہ جو زد میں گوروں کے آیا وہ گولی کا نشانہ ہوا۔ ان میں کئی اشخاص باکمال نامی اور فرد روزگار تھے۔ وہ بھی مارے گئے، جو دلی کی ناک اور یگانہ آفاق تھے، جن کی نظیر آج تک پیدا نہیں ہوئی اور نہ ہوگی، میاں محمد امیر پنجہ کش خوشنویس جن کا ثانی روئے زمین پر نہیں۔

مولوی امام بخش صہبائی اور ان کے دو بیٹے اور میر نیاز علی واقعہ خواں اور کوچہ چیلان کے بہت سے شریف خاندان لوگ، سنا گیا ہے کہ اس محلہ کے چودہ سو آدمی گرفتار کر کے راج گھاٹ کے دروازے سے دریا پار لے جا کر ہندو قتل کی باڑیاں مار دی گئیں اور لاشیں دریا پھینکوا دی گئیں۔

حضرت اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:-

وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل : ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر
آخر میں ان کی درد انگیز شہادت پر ایک مرثیہ ملاحظہ ہو:-

ندائم کجا رفت آں نغش پاک ملک بدیا ماند بر روئے خاک
ندائم کسے داد اورا کفن دیا ماند جوں سایہ بر خاک تن
ندائم چه کرد است با او سپر زجامہ کفن کر دیا تاب مہر
بخاکش نمودند اور انہاں دیا مرتفع شد سوئے آسمان
کسے فاتح ہم بود خواندہ است معطر گلانی بر افشانده است
کدامی گل و بلبل و بادوشت بخاکش بحسن عقیدت گزشت
الہی بیا مرزا مظلوم را کلاہ شہی رہ بہ ملک بقا
بفردوس اعلیٰ بود جائے او

بہشت بریں باد ماوائے او (48)

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید:-

مولانا شاہ سید نیاز احمد شہید بن خواجہ سید آل احمد شاہ مودودی سہوانی

۱۲۳۳ء میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم درسیہ دلی و مکتبہ میں فرمائی۔ فن حدیث و فقہ سے خاص مناسبت تھی۔ بعد تکمیل دہلی میں چند سال قیام فرمایا۔

مولانا محمد عبدالباقی حیوۃ العلماء میں لکھتے ہیں کہ

”مولانا طلبہ علم کو درس دیتے اس کے ساتھ فنون سپہ گری و مشق تیر اندازی و شمشیر زنی و شہسوار ی میں ان کو مہارت تامہ حاصل کراتے بعض بزرگان دین (مولانا سید احمد بریلوی) کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور شریک غزوہ ہوئے۔ کفار و مشرکین سے جنگ کی پھر وطن لوٹے اور اپنے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ذکر و فکر و مجاہدہ میں لگ گئے۔“

ہنگامہ ۵۷ء میں شریک ہوئے اور ۳۹ سال وطن میں گولی کا نشانہ بنے۔ دست مبارک میں تسبیح اور لب پر کلمہ شہادت تھا۔

تاریخ وفات

شہادت یافت چوں سبط پیبر نیاز احمد کہ بود از آل احمد
چو روح پاک او در جنت آسود دخول خلد تاریخش برآمد (۴۹)
مولوی رضی اللہ عنہ بدایونی:-

علمی گہرانے کے فرد تھے۔ علمائے عصر سے علوم تحصیل کے درس و تدریس شغل تھا۔ اکثر انگریز آپ سے فارسی عربی پڑھتے تھے۔ مسٹر کارمیکل آپ کا شاگرد تھا۔ ہنگامہ ۵۷ء میں آپ نے بدایوں کے علاقہ میں کارہائے نمایاں کئے۔ بعد تسلط کے مولوی صاحب بھی گرفتار ہوئے۔ حسن اتفاق سے مسٹر کارمیکل عہدہ کلکٹری پر ممتاز تھے۔ ان کے سامنے مولانا کا مقدمہ پیش ہوا۔ مولانا طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں کہ

”جب کلکٹر صاحب نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے صاف الفاظ میں شرکت ہنگامہ کا اقبال کیا۔ کلکٹر صاحب کو چونکہ اپنے استاد سے

بہر روی تھی، اس لئے انہوں نے مقدمہ ملتوی کر کے مولوی صاحب کو کھلا بھیجا کہ وہ جرم سے انکار کر دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ مگر دوسرے روز کی پیشی میں پھر مولوی صاحب نے اقبال جرم کیا۔ اس پر کلکٹر صاحب کو مجبوراً ”سزائے موت کا حکم دینا پڑا۔ پھر جبکہ اس کی تعمیل میں ہندوق سے گولی مارنے کا وقت آیا۔ کلکٹر صاحب اپنے جذبات کو ضبط نہ کر سکے اور مولوی صاحب سے رو کر کہا ”اب بھی اگر آپ شرکت ہنگامہ سے انکار کر دیں تو میں آپ کو موت سے بچا لوں گا۔ اس کا جواب مولوی صاحب نے بڑی ترش روئی سے یہ دیا کہ کیا میں تمہاری وجہ سے اپنا ایمان اور اپنی عاقبت خراب کر لوں۔ یہ کہہ کر بخوشی جان دے دی“ (۵۰)۔

مفتی عنایت احمد:-

مفتی عنایت احمد نے علمائے عصر سے اکتساب علوم عقیدہ نقلیہ کیا اور سند حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد قانون پڑھا۔ گورنمنٹ نے منصفی پر نامزد کیا۔ مفتی صاحب جب منصف ہو گئے تو اجلاس میں ایک طرف طلباء اپنی کتابیں لئے بیٹھے رہتے تھے اور جب موقع ملا سبق پڑھ لیتے۔

۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرر صدر اعلیٰ کے عہدہ پر ہوا مگر قبل اس کے کہ عہدہ کا کام شروع کریں، ہنگامہ ۵۷ء رونما ہوا، جس میں آپ پر بغاوت کا الزام قائم ہوا اور جزیہ انڈمان بھیج دیئے گئے۔ ایک انگریز کی فرمائش پر مفتی صاحب نے تقسیم البلدان کا ترجمہ کیا اور یہی ترجمہ ان کی انڈمان کی قید سے رہائی کا باعث ہوا۔

(۵۱)

اب ولی داد خاں بہادر:-

نواب ولی داد خاں بہادر رئیس مالا گڑھ نواب کے والد کا نام بہادر خاں ابن داد خاں شاہ عالم کے زمانہ میں برک کے علاقہ میں عامل رہے۔ رہنورہ میں قلعہ

مالال بزرگ کے نام میں بنایا۔ بہادر خاں سے مرہٹوں سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ ۱۸۱۴ء میں انتقال کیا۔ دلی داد خاں کو ایک ہزار روپیہ ماہوار حکومت دیتی تھی (52)۔ دلی داد خاں بہادر شاہ سے ملنے گئے تھے، ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔

۲۶ مئی ۱۷۵۷ء کو نواب داد خاں بادشاہ نے سندھ صوبہ داری دو آپہ لے کر چند سپاہیوں اور تلنگوں اور رگروٹوں کے ساتھ مالا گڈھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اول غازی نگر پہنچے، وہاں کا انتظام کیا۔ تحصیلدار اور تھانہ دار نے حاضر ہو کر نواب کو نذر گزرائی اور حکومت دو آپہ کی مبارک باد دی۔ نواب نے وہاں کا انتظام کر کے سو سپاہی سڑک کی تنگبائی اور قصبہ کے انتظام کے واسطے تحصیلدار اور تھانہ دار متعین کئے۔ مہربان علی خاں اور مظفر علی خاں امرہوی کو اپنے ساتھ لیا۔ موضع وادری آکر قیام کیا۔ تیسرے روز اپنے مستقر مالا گڈھ (ضلع بلند شہر) پہنچ گئے اور ضروری انتظام میں لگ گئے۔

دوسرے دن ساکل پور کا نبردوار سو سواروں اور پچاس پیادوں کے ساتھ آیا۔ اس کے بیٹے حاند خاں کو بغیر ثبوت جرم پھانسی کلکٹر صاحب نے دے دی تھی۔ وہ خار کھائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے نواب سے آکر شکایت کی۔ اس کی دلجوئی کی گئی۔ کلکٹر صاحب کو خبر لگی۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ ”اگر تم نے ساکل پور کے فسادوں کا ساتھ دیا تو تم کو پھانسی پر لٹکانا پڑے گا۔“ اس تلخ بات نے نواب صاحب کو برا فروخت کر دیا اور انہوں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ پہلے سرکاری ڈاک روک لی۔ یہ رنگ دیکھ کر کلکٹر صاحب میرٹھ چلے گئے۔ اس کے بعد نواب نے میدان خالی پا کر محمد اسماعیل خاں کو پچاس سوار اور چالیس تلنگوں اور ایک توپ دے کر بلند شہر کے قبضہ و انتظام کے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے جاتے ہی قبضہ کر لیا۔ کلکٹر صاحب کسی ضرورت سے پھر لوٹ کر شہر آئے۔ اسماعیل خاں ڈٹے ہوئے تھے۔ ان سے اور ان سے چار آنکھیں ہوئیں۔ اسماعیل خاں نے سمجھایا مگر کلکٹر صاحب نے طمچ سے پہل کی۔ اس پر تلنگے بگڑ بیٹھے۔ آخرش باپوڑ معہ دو سو سواروں کے کلکٹر صاحب چلے

گئے (53)۔

نواب نے محمد اسماعیل خاں کو بلا کر ایمن گو جڑ جس کے ساتھ ایک ہزار گوجر تھے، اس کی ہمراہی میں موضع کلی بٹونہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں کے لوگوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ محمد اسماعیل خاں زخمی ہوئے اور ایمن گو جڑ نے راہ فرار اختیار کی۔ مجبور ہو کر اسماعیل مالا گڈھ لوٹ آئے۔ نواب دلی داد خاں کے پاس سات ہزار سوار اور تین ہزار پیادے اور ضرورت کے لائق ہر قسم کا سامان بھی جمع ہو گیا تھا۔ اس اثناء میں مسٹر ترنیل دو سو گورے اور تین سو سوار دہلی اور چار توپیں لے کر باپوڑ کے میدان میں آئے۔ مالا گڈھ بارہ کوس پر رہ گیا تھا۔ نواب نے محمد اسماعیل اور حاجی محمد منیر خاں کی سرکردگی میں ساڑھے تین سو سوار اور دو سو پیادے موضع گلاؤٹی میں مورچہ روکنے کے لئے بھیج دیئے۔ ترنیل صاحب اپنی فوج لئے ہوئے نواب کی فوج پر آ پڑا اور مقابلہ خوب رہا مگر اسماعیل خاں کو پسپا ہونا پڑا۔ نواب صاحب کو خبر لگی۔ اس دن امیر علی خاں و امراء بہادر پسران نواب مظفر علی خاں رئیس کھلیا چھ سو سوار اور چار سو پیادے لے کر نواب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

شیخ زین العابدین میاں ذکی شاعر کے بھائی بھی نواب صاحب کے پاس پچاس سوار کے رسالدار ہو کر آئے۔ غرضیکہ نواب سے اور انگریزوں سے بڑ بھڑکچھ عرصہ رہی۔ آخرش دہلی فتح ہونے کے چند دن بعد ہی مالا گڈھ پر انگریزی فوج نے دھاوا بول دیا مقابلہ خوب رہا مگر شکست کا منہ دیکھنا ہی پڑا۔ رئیس کھلیا اور نواب دلی داد خاں ۲۵ ستمبر کو بریلی پہنچے۔ انگریزی فوج نے مالا گڈھ کے علاقہ کو ضبط کر کے مالا گڈھ کے قلعہ کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا۔ بلند شہر کے کلکٹر نے خان پور اور خوجہ کے اکثر لوگوں کو گرفتار کر کے دار پر چڑھایا۔ نواب صاحب روپوش ہو گئے۔ بقیہ حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

میر نواب :- ابن میر تفضل حسین وکیل جو خزانہ انگریزی فوج کے ساتھ آئے تھے۔ مرزا ابوبکر کے کار فرما تھے۔ جے پور سے پکڑے گئے پھانسی لگی۔

شاہ احمد سعید نواسہ شاہ غلام علی قدس سرہ کمال الدین لکھتا ہے کہ :-

”موجود بانی مہائی جنار قبل از داخلہ فوج سرکار مقبرہ نواب صدر جنگ میں جا کر رہے۔ اس کے مرید جاں فشاں خاں رسالدار ساکن سرودھ پروانہ آزادی سرکار سے لے کر ان کو مع مولوی حیدر علی کے ساتھ کابل چلے گئے (54)۔ وہیں عمر گزار دی۔“

حکیم محمد حسن خاں :- ”نبیرہ نواب محبت خاں روپہ یہ بھی شاہجامپور میں ان دنوں قیام پذیر تھے۔ ناظم شاہجامپور کے ہمنوا بن گئے۔ آخرش ہنگامہ کے نذر ہوئے۔ (55)“

ذوالفقار الدولہ :- ”محمد نجف خاں عرف آغا سلطان نواسہ نواب خان سرشتہ بخشی گیری پر مامور تھے۔ ہنگامہ کے بعد سے پتہ نہ لگا مارے گئے یا زندہ بچے۔“

نائب کپتان :- ”میر نواب اور کپتان دلدار خاں اولاد مجدد الدولہ بہادر کپتان قدیم شاہی دویم الذکر یہ لاپتہ ہوئے۔ میر نواب کرل میں پکڑے گئے پھانسی دی گئی۔“

میر اشرف علی خاں :- ”نیلان شاہی خطاب فوجدار خاں تھا۔ پانی پت میں تین سال قید رہے۔ حکیم احسن اللہ کی سفارش سے آزاد ہوئے۔“

نواب شرف الدولہ :- ”محمد ابراہیم خاں بہادر امراء لکھنؤ سے تھے۔ محمد علی شاہ کے عہد میں عہدہ وزارت پر مامور ہوئے۔ مگر امجد علی شاہ کے عہد میں ریڈیڈنٹ کی سفارش پر اسی سے متعلق کر دیئے گئے۔ جب واجد علی شاہ سر پر آرائے مسند ہوئے، ان کی دیوانی کا حق تھا مگر واجد علی شاہ ان سے خوش نہ تھے۔ علی نقی خاں کو مدار الدولہ خطاب دے کر دیوان مقرر کیا گیا۔ ان کے حامدوں نے نواب سے کچھ سے کچھ جڑا۔ چنانچہ ۹ ربیع الاول ۱۲۷۰ھ مرزا علی رضا بیگ کو قوال شرف الدولہ کے پاس آئے کہ آپ کے لئے اخراج کا حکم ہوا ہے۔ شرف الدولہ گاڑی میں سوار ہو کر ریڈیڈنٹ کے پاس آئے۔ انہوں نے نواب کو لکھا کہ :-

”شرف الدولہ مستم اہل اور اتالیق فردوس منزل ہے ان کی حفاظت اور کفالت و وکالت متعلق سرکار ہے۔ یہ امر موجب ہماری توجہ کا ہوا“ (56)۔

واجد علی شاہ نے سنا، فرمایا کہ ہمیں بہر حال خلاف مرضی نواب گورنر کوئی امر ملحوظ خاطر نہیں۔ لہذا ہم اپنا حکم واپس لیتے ہیں۔ مولوی امیر علی شاہ کی شہادت کے واقعہ کے بعد معزول واجد علی شاہ کا حکم آیا اور اشتہار ضبطی اودھ شائع ہوا۔

دسویں فروری ۱۸۵۶ء

لقل اشتہار واسطے اطلاع سکنائے ملک اودھ بموجب حکم محکم ہندگان نواب مستطاب معلی القاب گورنر جنرل دام اقبالہ کے جاری ہوا۔

واقع تاریخ ہفتم فروری ۱۸۵۶ء بموجب اس عہد نامے کے جو ۱۸۰۱ء میں مسند ہوا۔ سرکاری دولت مدار کہنی انگریز بہادر سے حفاظت بقیہ ملک سرکار اودھ کی جملہ اندرونی و بیرونی سے اپنے ذمے قبول کر لی اور والی ملک اودھ اب سے سرشتہ ہندوستان کے جاری کرنے کے واسطے معرفت اپنے اہلکاروں کے خود ذمہ دار ہوا کہ ان کے باعث سے رفاہ خلالت و حفاظت جان و مال ساکنان ملک اودھ کی حاصل ہوئے۔ چنانچہ جو ذمہ داری اس عہد نامے کی رو سے سرکاری دولت مدار کہنی انگریز بہادر کو عائد ہوئی۔ زیادہ عرصہ پچاس برس سے تعمیل اس کی وعدہ وفا کی ساتھ علی الاتصال ہوتی رہی۔ اگرچہ سرکار دولت مدار درمیان عرصہ مذکور کے جنگ و جدال متواتر میں مصروف رہی تاہم ملک اودھ کی زمین پر کوئی دشمن بیرونی قدم بھی دھرنے نہ پایا اور کسی طرح کا فساد عظیم تخت اودھ کی پائے داری میں خلل انداز نہ ہوا۔ اب آج سرکاری ہموارہ شاہ اودھ کے قرب و حضور میں حاضر باش رہی اور جب کبھی بہت اقتدار بادشاہی کے ناحق کسی نے دھمکی دکھائی تو افواج مذکور سے اعانت دینے کی ہرگز دریغ نہ ہوا۔ باوجود اس معاہدہ عظیم و استوار عہد نامہ مذکور کے جملہ والیان اودھ کی جانب سے برعکس اس کے علی الاتصال بالکلیہ تسابیل و تحافل ہوتا چلا آیا اور

میشاق کے واسطے اجرائے ایسے سررشتہ بندوبست کے ظہور میں آیا کہ وہ موجب حفاظت جان و مال رعایا و سکنائے ملک اودھ و بیچ راہ ان کے کے ہوئے۔ تاہم گویا وہ دیدہ و دانستہ بطور رویہ اپنے کے اس سے تجاوز و انحراف کرتے رہے۔ بسبب انحراف اس میشاق کے ممکن تھا کہ سرکاری دولت مدار کمپنی انگریز بہادر اس سے کہیں پہلے عہد نامہ مذکور کو ناجائز گردانتی اور بہ نسبت خبر گیری والیان ملک اودھ کے انکار کرتی۔ محاذات الحال سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو اجرا ایسے امورات کا جو کہ نخل اختیار و اقتدار ایک دو دمان عالی شان کے ہو منظور نہ تھا۔ ہر چند انہوں نے رعایا کی نسبت کیسے ہی احکامات خلاف عدل و انصاف کئے ہوں مگر ہمارے بہ نسبت کمپنی انگریز بہادر کی دوستی و دوا پر قائم رہی تاہم کمپنی انگریز بہادر نے واسطے بچانے رعایائے ملک اودھ اس تعدی عظیم و پریشانی سے جو عائد حال رعایا کے علی الاتصال ہی بکمال کوشش توجہ کے بہت برس گزرے کہ گورنر جنرل بہادر لارڈ ولیم فیٹسنگ نے بنظر اس کے کہ جو جدوجہد واسطے بہتری احوال رعایائے ملک اودھ پیشتر ظہور میں آئی تھی اس کی مزاحمت یا تعرض ہوا۔ حسب سرشتہ عدربار مکھنٹو اطلاع دی کہ ضرورتاً تمام و کمال و انتظام ممالک اودھ کو باہتمام اہلکاران سرکار کمپنی کے داخل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ جو کلمات و تنبیہ لارڈ ولیم فیٹسنگ کی جانب سے ظہور میں آئی۔ اس کو آٹھ برس کا عرصہ ہوا کہ لارڈ ہارڈنگ بہادر نے بذات خود اعادہ کیا۔ اس زبان میں والی اودھ کو بڑے اصرار کے ساتھ سمجھایا گیا کہ آئندہ کیسا ہی واقعہ وقوع میں آوے۔ یہ بات تمام عالم پر روشن ہو گئی کہ بطور دوستانہ و بروقت مناسب تنبیہ و آگہی دی گئی مگر بسبب تمردی و نالائقی و یا سہل انگاری وزرائے و بادشاہان اودھ کے مقاصد دوستانہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کا رایگاں ہوا۔ پچاس برس سے زیادہ عرصہ تک جو صلاح بے غرضانہ چشم نمائی ہائے غصانہ مع تنبیہات و اعتراضات و تهدیدات متواتر و متوالی وقوع میں آئیں ان میں سے کوئی بھی اصلاح پذیر نہ ہوئی۔ عہد نامے کے اصل میشاق پر عمل نہ ہوا۔ شاہ اودھ کے وعدے کی تعمیل نہ ہوئی اور رعایائے ملک

اودھ اب تک بے چارہ مایوسانہ بسبب نالائقی و خیانت و تعدی برپا ہوتی ہے۔ یہ بات تمام ملک میں مشہور ہے کہ شاہ اودھ مثل اکثر والیان پیشین ملک مذکور کے اس ملک کی سمات کے انتظام میں سبغی مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ تمام ممالک اودھ میں اختیار حکومت عموماً یا تو مقرران کمین یا اشخاص جابر و خائن کو جو کارگزاری میں نالائق اور درجہ اعتبار سے ساقط ہیں تفویض ہوتا ہے۔ مصلان ماگزاری اپنے اپنے علاقہ جات میں سر خودی کے ساتھ حکمرانی کر کے رعایا سے بلا ماہ تعدد سابق یا حال کے جہراً کوڑی پیسے تک مواخذہ کرتے ہیں۔ اکثر افواج شاہ اودھ بے ضبط و ربط و بسبب بد اعمالی کشیاں افواج مشاہرے سے محروم ہیں اور اپنی معیشت کے واسطے رہات کو گویا لوٹنے کے مجاز ہیں۔ یہاں تک کہ جس ملک کی حفاظت کے واسطے وہ متعلق ہیں اس پر وہی جابر و قاہر ہوتے ہیں۔ غول کے غول ڈاکوؤں کے علاقہ جات کو غارت کرتے ہیں۔ آئین عدل کا نام و نشان نہیں۔ ہتھیار باندھ کر خانہ جنگی اور خونریزی رات دن ہوتی رہتی ہے اور کسی جگہ لحظہ بھر بھی حفاظت جان و مال کی مطلق نہیں ہے۔ فقط اب وہ وقت آیا کہ سرکار انگریز بہادر زیادہ متحمل ان برائیوں اور خرابیوں کی نہیں ہو سکتی۔ جن کو بسبب تعلق ہونے سرکاری کے عہد نامہ مذکور کے رو سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے اور سرکار وہ خبر گیری والیان اودھ پر کہ جس کے باعث سے صرف وہ اقتدار کہ بیچ خرابیاں مذکور کا ہے بحال و برقرار نہیں رکھ سکتی اور یہ بھی واضح ہوا کہ حفاظت سکنائے ملک مذکور کی اس تعدی عظیم سے جو کہ مدت سے لاحق ہے کسی صورت سے ممکن الوقوع نہیں ہے۔ جو اس کے کہ انتظام کلی ممالک اودھ مستدام سرکار کمپنی انگریز بہادر کو مفوض ہوئے اس غرض سے حسب الحکم خاص انٹرنائے آرمیل کورٹ آف ڈائریکٹرز یہ بات ٹھہری کہ عہد نامہ ۱۸۰۱ء میں کہ اس ہر ایک والی اودھ نے انحراف کیا ہے۔ آج کی تاریخ سے ہمہ ناجائز و ساقط۔ چنانچہ راجد علی شاہ بادشاہ اودھ کو واسطے انعقاد ایک عہد نامہ جدید کے نصیحت کی گئی کہ جس کی رو سے دوام و مستدام نظم و نسق کلی ملک اودھ کا بلا اشتراک غیر

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کو تفویض کیا جاوے و مراتب ضروری واسطے بحال و برقرار رکھنے منزلت و دولت و توقیر شاہ اقبالیان کی کے ظہور میں آوے۔ معذرا شاہ موصوف نے اسی عہد نامہ دوستانہ کے انعقاد سے انکار کیا۔ فقط!

از انجا کہ شاہ اودھ واجد علی شاہ مثل جملہ اہالیان ہنشین ملک اودھ کے اسی میثاق استوار عہد نامہ ۱۸۰۱ء کی تعمیل میں سن کر یا سہل انکار یا غافل ہوا جس کی رو سے اجراء ایسے سر رشتہ بندوبست کا اپنے ممالک میں کہ موجب رفاه و خیریت رعایا کی ہو لازم گردانا گیا۔ و از انجا کہ عہد نامہ جس سے یوں ہی انحراف ہونا جائز و ساقط گردانا گیا اور چونکہ شاہ موصوف انعقاد عہد نامہ جدید سے جو کہ بجائے عہد نامہ سابق ملحوظ تھا منکر ہوا اور چونکہ شرائط عہد نامہ سابق جیسا کہ بحال تھے بہ نسبت مداخلت اہالیان کمپنی انگریز ملک اودھ میں مبالغہ میں بدون ایسے مداخلت کے اجراء سر رشتہ بندوبست شائستہ اس ملک میں ہی ممکن نہیں ہے۔ ان وجوہات سے تمام عالم کو واضح و ہویا ہے کہ سرکار کمپنی انگریز بہادر کو سوائے دو صورت کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے یا تو ملک اودھ کی رعایا کو ترک کریں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اس معرض ظلم و تعدی میں جو کہ ظاہر سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بنظر شرائط منضبط عہد نامہ کو مدت تک روا رکھا یا سرکار موصوف اپنے اقتدار عظیم کو بحق ان لوگوں کے نفاذ کریں جن کی رفاہیت کے واسطے پچاس برس کے عرصہ سے دست اندازی کا وعدہ کیا گیا تھا اور تمام و کمال نظم و نسق و بندوبست ممالک اودھ ہمیشہ کے واسطے اپنے قبضہ اختیار میں کر لیں۔ ان دونوں صورتوں میں سرکار کمپنی انگریز بہادر نے بلا تامل دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ لہذا اشتہار دیا جاتا ہے کہ آج کے دن سے نظم و نسق ممالک اودھ بلا شرکت غیرے دوام و مستدام بہ قبضہ اقتدار کمپنی انگریز بہادر کے آگیا۔ سب عامل و ناظم چکلہ دار و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہیان دربار و غیرہ و جملہ نوکران دربار و سب اہلکاران چہ مالی و چہ ملکی و دیوانی و فوجی و سب سپاہیان دربار و غیرہ و جملہ سکنائے اودھ کو لازم ہے کہ آئندہ

سرکاری کمپنی انگریز بہادر کے اہلکاران کی اطاعت و فرماں برداری کلی کرتے رہیں۔ اگر کوئی اہلکار دربار جاگیر یا زمیندار یا دوسرا شخص ایسی اطاعت و فرمانبرداری سے اغراض کرے یا اگر کوئی مانگزار کی دینے میں عذر لاوے یا اور کوئی طرح سے سرکار کمپنی انگریز بہادر کی حکومت میں تعرض و مزاحمت پہنچاوے تو شخص مذکور مفد گنا جاوے گا اور بھی وہ معتبر نہ گنا جاوے گا اور جاگیر یا اراضی اس کی ضبط کی جاوے گی اور ان لوگوں کو جو فوراً بلا عذر تابعداری سرکار کمپنی انگریز بہادر کی قبول کریں گے عامل ہوں یا اہالیان دربار یا جاگیردار یا زمیندار یا سکنائے اودھ سب سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ وہ حفاظت و لحاظ و اتفاقات اہالیان کمپنی انگریز بہادر کے پادیس گے اور پاتے رہیں گے۔ تعین تعداد مانگزار از روئے انصاف بندوبست واجبی کے عمل میں آوے گا و بتدریج بابت آبادانی و آرائشی مالک اودھ کے جدوجہد برابر ہوتی رہے گی۔ ہر کسی کو بلا طرفداری احد سے عدل گستری ہوتی رہے گی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی اور ہر ایک شخص اپنے حقوق واجبی پر بلا اندیشہ اور بلا دست اندازی کسی کے قابض و متصرف رہے گا۔ فقط!

اس اعلان نے محلات معلیٰ میں اور گھر گھر ماتم برپا کر دیا۔ نواب واجد علی شاہ نے نواب محسن الدولہ بہادر نواب منور الدولہ صحت الدولہ شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں بھی بلائے گئے۔ مشورے ہوئے مگر سب بے سود رہا۔ آخر شرف الدولہ وزیر کو کلکتہ جانا پڑا۔ اس واقعہ کا اثر تمام شہر کے خورد و کلاں نے لیا اور غم و غصہ کا اظہار ۱۵۷۷ میں ظہور میں آیا۔ برجیس قدر کو تخت نشین کیا۔ مگر اس حضرت محل ہوئیں۔ شرف الدولہ کو نیابت کا عہد تجویز ہوا انہوں نے کہا کہ:-

”میں قدیم سے اس گھر کا دولت خواہ ہوں۔ کاروبار سرکار بجالاؤں گا مگر

خلعت نیابت نہ لوں گا“ (57)۔

مجبور کیا گیا اور وزارت کا عہدہ سنبھالا اس کے بعد ہر ایک مشورہ میں شریک برجیس قدر کے رہے۔ حضرت محل نے لکھنؤ چھوڑا۔ شرف الدولہ کے گھر اتریں اور

ان سے کہا، تم میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے عرض کیا، آپ تشریف لیجائیں۔ میں فوج جمع کر کے عقب میں حاضر ہوتا ہوں۔ ان کے جاتے ہی یہ گھر سے چلے۔ رفیق الدولہ کی سبیل کے پاس گئے تھے۔ تلنگوں نے پکڑ لیا۔ اتنے میں مسٹر کارنگی فاتحانہ طور سے شہر پر قبضہ کر کے گشت کرتے ہوئے آئے۔ دو شخص تلوار لئے شرف الدولہ کو گھیرے کھڑے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ یہ نماز میں مشغول ہوئے۔ ایک نے گولی ماری، دوسرے نے تلوار کا وار کیا، کارنگی صاحب نے عنایت علی سے جو موجود تھا پوچھا یہ کس کی لاش ہے۔ اس نے کہا۔ نواب شرف الدولہ کی۔ حکم دیا خاکروب اٹھا کر ایک گڑھے میں ڈال دیں (58)۔ غرضیکہ اس طرح یہ شہید وطن پیوند خاک ہوا۔

تاریخ شہادت نواب شرف الدولہ بہادر

۲ شعبان ۱۸۷۳ء

شرف الدولہ فلک مرتبہ ہمام جلیل
صاحب خلق و حیا منصف و فیاض حلیم
چوں بدر گاہ ضیا بار جناب عباس
شد قتل ستم لشکر غدار لہیم
ماند بے گور و کفن جسم شریفش بر خاک
شہرداں روح بہ لطفش سوئے فردوس مقیم
آرے آری شد اراز عنایات خدا
کفن از صل بود غسل نو آب تسیم
زمزم کعبہ ازیں واقعہ شد چشم پر آب
پشت محراب دو تا گشت ازیں رنج عظیم
بدل چاک رقم کرد شجاعت تاریخ
شد سید پوش حرم از الم ابراہیم

آغا مرزا اکمل پوش :- واجد علی شاہ کے ذرہ پوشوں میں ملازم تھا۔ معزول بادشاہ سے ملول رہا کرتا کہ ہنگامہ رونما ہوا ان کے ہمراہ چھوٹے خاں رنگ پوش حوض علی وغیرہ شریک شورش ہوئے۔ آغا کے مکان کے برابر منڈن کرانی محافظ دفتر گبنس صاحب فیشل کشنر کا آوردہ رہتا تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا، آغا کس ہنگامہ فساد کی فکر میں ہو۔ عبث تمہارا گمان غلط ہے۔ کچھ تم سے نہ ہو سکے گا۔ آغا مرزا نے ترشی سے جواب دیا۔ جس پر منڈن نے گولی چلائی۔ یہ بچ گئے، پھر تو اس پر ٹوٹ پڑے۔ کام تمام کیا اور عیش باغ پہنچ کر جہاں پندرہ سو آدمی جمع ہو چکے تھے۔ نشان محمدی اٹھا کر چوک ہو کر امام باڑے نواب آصف الدولہ کے بہادر گئے۔ وہاں سے گاؤ گھاٹ کی راہ چلے اور حسین آباد پہنچے۔ یہاں سرکاری تلنگوں سے بڑبھٹ ہوئی۔ آغا مرزا مجروح ہوئے اور گرفتار ہو گئے۔ طالب یار خاں بھی شریک تھے۔ وہ بھی گرفتار ہوئے ان کے ساتھی عوض بیگ بھی تھے۔ اکبر دروازہ پر ان سب کو ۱۳ آدمیوں کے دار پر کھینچ دیا گیا۔

کاظم علی خاں کنبہ :- فیض آباد میں تحصیلدار تھے۔ یہ بلخ آباد گئے۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی کپتان و سٹن کو بچایا اور خزانہ بلی گارڈ میں پہنچا مگر قوی جوش میں آکر دربار برہمچی کے ایک رکن اور ناناراؤ پیشوا بطور کی طرف سے وکیل مطلق بن گئے۔ کرنل چمبرلین نے بعد ہنگامہ ان کی سفارش کی مگر شنوائی نہ ہوئی۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

چودھری خشت علی :- سندیلہ کے رئیس تھے۔ برہمچی قدر کی معاونت کے لئے ایک ہزار فوج لے کر آئے اور انگریزوں کے مقابلہ میں داد شجاعت دیتے رہے ان کے شریک میر منصب علی رسول آبادی اور راجہ دہی بخش سنگھ رئیس گونڈہ آندلی اور خوشحال زمیندار گوسائیں سنگھ راجہ سکھ درشن سروتھ دس ہزار کی فوج سے ہمنوا

ہوئے۔ سگرام بخش نے بھی ساتھ دیا۔ راجہ مال مادھو سنگھ بہادر متعلقہ مٹھی، رانا
بنی مادھو بخش سنگھ پناؤ یہ سب لوگ اپنی اپنی فوج سمیت چودھری حشمت علی کے
شریک ہوئے بعد تسلط انگریز اکثر کو پھانسیاں بعض کو کالا پانی ہوا اور جائیدادیں ضبطی
میں آئیں۔

عباس مرزا :- ابن میر احمد داماد مرزائی بیگم مصاحبہ حضرت محل کو سفارت دہلی پر
مقرر کیا۔ ساز و سامان کے ساتھ لکھنؤ سے دہلی پہنچے۔ نواب زینت محل صاحبہ کی
معرفت بحضور محل سبحانی خلیفہ الرحمانی پیش ہوئے۔ برہمیں قدر کا عریضہ ملاحظہ سے
گزرنا۔ تحفہ تحائف نذر کئے حضور والا نے درخواست پر نسل سے خود ارقام فرمایا۔
”فرزند ارجمند برہمیں قدر شاہ اودھ آفرین ہو کہ چھوٹے سے سن میں تم
نے بڑا نام کیا۔ پیچھے سے تمہارے واسطے مراور خطاب بھیجے جائیں گے۔
خاطر جمع رکھو جو ملک قدیم تمہارا تھا اس سے زیادہ عطا ہو گا (60)۔

سفیر صاحب کی باریابی کے چند روز بعد ۲۸ محرم ۱۲۷۴ھ کو بادشاہ قلعہ سے
مقبورہ ہاپوں تشریف لے آئے۔ انگریزی قبضہ پر ہونے لگا۔ عباس مرزا بسیار خرابی
لکھنؤ آئے۔ حضرت محل سے تمام حالات گوش گزار کئے۔ یہاں کی بساط الٹ چکی
تھی یہ بھی انگریزی فکجنہ میں آئے۔ عتاب نازل ہوا آخر کار جان سے گئے۔

معین الدولہ :- عمدۃ الامراء صدر الملک سید ذوالفقار الدین حیدر نظارت خاں
بہادر ذوالفقار جنگ المشہور حسین مرزا ابن مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام
الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ رئیس دہلی لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ معین
الدولہ کے روابط مرزا غالب سے بہت تھے۔ ۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔ حسین مرزا کے
بھائی آغا حیدر مرزا ناظر بہادر شاہ کے داماد تھے۔ ناظر صاحب کے انتقال کے بعد
نظارت کا کام حسین مرزا کے سپرد ہوا۔ ہنگامہ کے بعد ان کے بزرگوں کا اثاثہ بے
طرح لوٹا گیا۔ حسین مرزا سخت پریشانی میں مبتلا رہے۔ مرزا غالب ان کا بڑا خیال
رکھتے تھے۔ ان کے ہی بھانجے یوسف مرزا تھے۔

منشی رسول بخش :- قصبہ کاکورے کے رہنے والے تھے۔ ان کے صاحبزادے میر
عباس تھانہ دار یہ بھی انگریزوں سے خاصیت رکھتے تھے اور اپنی حکومت کے خواب
دیکھ رہے تھے۔ ان کے ایک ساتھی صوبہ دار نے کارنگی صاحب کو خبر کر دی۔ محمود
خاں کو تو ال پہنچے، ان کو گرفتار کر لیا اور دار پر چڑھا دیا اور مال و اسباب ضبط ہوا، جس
کا نیلام کیا گیا۔ مرزا فرخندہ بخش شاہزادے نے جس کو خرید کیا (61)۔

نواب احمد قلی خاں :- ابن نواب عباس قلی خاں امرائے دہلی سے تھے۔ نواب
زینت محل ان کی صاحبزادی تھیں۔ دربار بہادر شاہی کے رکن تھے۔ کچھ عرصہ
وزارت بھی کی۔ بادشاہ کی نظر بندی کے بعد پانی پت چلے گئے۔ وہیں گرفتار ہوئے۔
دہلی آکر قید کئے گئے۔ وہیں قید ہستی سے آزاد ہوئے۔ لاکھ روپیہ کا گھر ضبط سرکار
ہوا۔

نواب عبدالرحمن خاں :- حیدر کے نواب تھے۔ علمی ذوق و شوق رکھتے تھے۔
والا افضل حق کو پانصد روپیہ ماہوار پر اپنے پاس بلایا۔ ان کے والد بھی علماء کے قدر
ان تھے۔ جنگ آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ آخر گرفتار ہوئے کچھ عرصہ دیوان عام میں
رہے پھر دار کے سزا وار ہوئے۔ ان کے سر عبدالصمد خاں ڈھائی سو سواروں

کے افسر بادشاہی فوج کے ساتھ رہ کر انگریزوں سے نیرو آزمائی کرتے رہے۔ پھر لاپتہ ہو گئے۔

محمد علی خاں :- خلف نواب شیر خاں چیلوں کے کوچہ میں سکونت تھی۔ نواب بہادر جنگ کے پرگنہ کے رئیس تھے۔ گولی کا نشانہ بنے۔

نواب اکبر خاں :- ابن فیض اللہ خاں بگش اور ہنگامہ کے بعد چلتے ہوئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں لاکر دار پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب مظفر الدولہ :- اور حسین مرزا ابن نواب حسام الدین حیدر ابن آغا محمد شفیع حسین مرزا ناظر الہمد نظارت قلعہ میں متعلق تھے۔ مظفر الدولہ اور چلے گئے وہیں گرفتار ہوئے اور گوڑ گاؤں میں گولی کا نشانہ بنے ان کے برادر زادہ طالع یار خاں اصغر یار خاں خلف حسین مرزا ناظر نوجوان اور خوبصورت اور میں گرفتار ہوئے۔ ایک سو آٹھ قیدیوں کے ساتھ دہلی لاکر قید کیا اور دو ماہ بعد بلا تصور دار پر چڑھا دیئے گئے (62)۔

نواب میر خاں :- خلف نواب مرتضیٰ خاں جاگیردار پلوی معہ اپنے نوجوان صاحبزادے عثمان اور میں گرفتار ہوئے۔ نواب میر خاں گڑ گاؤں لائے گئے۔ بحکم مسر مورٹ کلکٹر نشانہ تفنگ اجل ہوئے (63)۔

مرزا عبداللہ :- صاحب عالم کے دربار کے رکن رکین تھے اس بناء پر پھانسی دی گئی۔

امیر مرزا خلف محمد :- حاجی جان صاحب عالم مرزا مغل سپہ سالار اعظم کے مشیر کار تھے کوچہ چیلیاں میں قیام تھا اور سے گرفتار ہوئے گوڑ گاؤں میں مارے گئے۔

میر محمد حسین خلف :- میر خیراتی سرشتہ دار محکمہ ایجنسی اور مرزا مغل بیگ کے ملازم ہو گئے پہلے جزل بخت خاں کی سرکار میں منسلک تھے۔ اور میں گرفتار ہوئے۔ دہلی لاکر کوتوالی میں دو ماہ قید رکھا پھر پھانسی دی گئی۔

حکیم عبدالحق :- ابن حکیم حسن بخش بلب گڈھ کی دیوانی پر مقرر تھے یہ بھی دار پر چڑھا دیئے گئے۔

قاضی فیض اللہ :- کشمیری صدر الصدور کی پچھری میں سرشتہ دار تھے۔ ہنگامہ کے زمانہ میں کوتوال دہلی گئے تھے اس جرم پر پھانسی دے دی گئی۔

نواب محمد حسین خاں :- ابن نواب ارتضا خاں مرزا خضر سلطان کے نائب تھے۔ ہجیر میں گرفتار ہوئے پھر پھانسی کی سزا ہوئی۔

عبدالصمد خاں :- ابن علی محمد خاں بادشاہ کی فوج میں رسالدار تھے۔ پھر واپس علی شاہ کے یہاں افسر فوج ہوئے پھر الور گئے وہاں سے دلی آئے اور گولی کا نشانہ بنے۔

دلدار علی خاں :- کپتان ساکن دہلی پانی پت سے گرفتار ہو کر لائے گئے اور ۱۷ جون ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔

میاں حسن عسکری :- صوفی شاہ سلیمان قدسہ کے خلفا سے تھے۔ بادشاہ بہت معتقد تھے۔ بخت خاں جزل کو تلوار بطور تحریک عطا کی۔ پندرہ شوال ۱۲۷۴ھ کو پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔

نواب احمد علی خاں :- رئیس فرخ نگر اپنے بھائی علی خاں ابن نواب مظفر علی کی جگہ گدی نشین ہوئے تھے۔ انہوں نے بہادر شاہ کی روپیہ سے مدد کی تھی۔ اس بناء پر علاقہ ضبط ہوا اور ستمبر ۵۸ء کو پھانسی دی گئی۔ ان کے چچا نواب غلام محمد خاں ٹونک سے گرفتار کر کے لائے اور قید ہوئے۔

نواب مجید الدین احمد خاں :- عرف نواب بجو خاں خلف نواب محمد الدین احمد خاں مراد آبادی مکاتیب غالب کے نوٹ میں مولوی ممتاز علی خاں صاحب عرشی لکھتے ہیں۔

"ان کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عصمت اللہ فاروقی تھے

یہ نواب عصمت اللہ خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عمدہ عالمگیری میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب مجو خاں بھی بہت بڑی جاگیر کے وارث تھے۔

نواب مجو خاں میں جہاں امارت تھی اس کے ساتھ تور اور شجاع بھی تھے۔ دولت کا یہ عالم تھا کہ اشرفیوں سے دیکھیں بھری رہتیں جو تہہ خانوں میں رکھی رہتیں۔ سید حسن علی برادر منشی ولایت علی انجیر مراد آبادی بیان کرتے تھے کہ نواب مجو خاں کا دربار لگا کرتا۔ تمام عمائد شہر شریک ہوئے۔ آئے دن ان کے یہاں بڑے پیمانہ پر دعوت ہوا کرتی۔ نواب صاحب مخیر بہت تھے۔ ان کے ایک بھائی نواب سعید الدین احمد خاں صاحب تھے۔ مرزا غالب مراد آباد گئے تو انہیں کے پاس ٹھہرے۔ خود مرزا صاحب لکھتے ہیں:-

”سعید الدین احمد خاں صاحب نے وہ حکیم و تعظیم کی میرے ارزش سے زیادہ تھی“ (64)۔

نواب مجو خاں کے ایک مخلص دوست تھے چودھری عبد القادر۔ عرب خاندان سے تھے۔ پہلوانی کا شوق تھا اور اپنے معاصر پہلوانوں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ نواب صاحب اور چودھری صاحب ایک جان دو قالب تھے۔ ہنگامہ ۵۷ء میں مراد آباد میں ان ہردو بزرگوں نے نوائے آزادی بلند کیا۔ بہت کچھ چپقلش رہی۔ آخر شہنشاہ فرما ہوا تو نواب صاحب تہہ خانہ میں سات تالوں میں روپوش ہوئے اور چودھری صاحب معہ اہل خاندان کے اپنے محلہ اصالت پورہ سے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ فوج ڈھونڈتی ہوئی پہنچی زنان خانہ میں گھس رہی تھی۔ چودھری صاحب کمرے سے اتر آئے اور کہا میں موجود ہوں اور اپنے کو سپرد کر دیا۔ ان سے دریافت کیا نواب کہاں ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب کے مکان پر جا کر کہا چودھری گرفتار ہو چکا۔ اب تم بھی پردہ میں نہ رہو۔ روپوش رہنا بہادری نہیں ہے۔ چنانچہ نواب صاحب تالے کھولتے ہوئے آگئے اور حراست میں لے لئے گئے۔ چودھری صاحب

اور نواب صاحب کو پھانسی دی گئی اور جائیداد ضبط ہوئی۔

شاہزادہ محمد عظیم :- ابن جہاں اختر ابن شاہزادہ سبخر بن احمد شاہ درانی رہنک میں پانڈنٹ کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ اس ہنگامہ میں شریک ہو کر بادشاہ سے فوج لے کر رہنک پر قبضہ کیا۔ حکام نے ان کے اہل و عیال کو گرفتار کر کے ہانسی بھیج دیا۔ بادشاہ نے ان کو طلب کیا اس کے دوسرے دن حضور شاہ مقبرہ ہمایوں چلے گئے۔ یہ فوج ہمراہی کو لے کر متھرا ہوتے ہوئے بریلی گئے اور وہاں سے حضرت محل کے پاس آئے ہوئے تیلیٹی نیپال چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا مرے یا جئے۔

نواب موخاں بہادر

میر واجد علی موخاں الملقب علی محمد خاں بہادر داروغہ دیوان خاص شجاع اور بہادر شخص تھا۔ برہمچس قدر کو تخت پر بٹھانے میں موخاں کی کار فرمائی کو زیادہ دخل ہے۔ مرزا واجد علی شاہ سے انگریزوں سے اس کو عتاو قلبی تھا۔ چنانچہ لکھنؤ میں جو یہ ہنگامہ آرائی رہی اس میں حضرت محل مولوی احمد اللہ شاہ اور موخاں کی سعی کو دخل ہے۔ ان پر حضرت محل پورا بھروسہ کرتی تھیں اور اس نے بھی قیام حکومت کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ جب حضرت محل مقابلہ سے ناکامیاب آئے اور نئے کوٹ میں داخل ہو گئے۔ موخاں ساتھ تھے۔ جنگ بہادر سپہ سالار محل نے حضرت محل اور برہمچس قدر کو تو اپنے پاس رکھا۔ باقی ہمراہیوں کو رخصت کر دیا۔

نواب موخاں اس خیال میں رہے کہ جناب عالیہ حضرت محل نے میرے لئے کیا کیا ہے۔ تو نیپالیوں کے کیمپ کے قریب آگئے۔ نیپالی ایک گھائی پر مقیم تھے۔ بہادر بھائی مہاراجہ جنگ بہادر معہ پلٹن کے وہاں تھا۔ وہ موخاں کے آگے مانع آیا اور ان کو ٹھہرا لیا اور کہا جنگ بہادر کو لکھتے ہیں اجازت پر آپ کو بلانے دیا جائے گا۔ موخاں مطمئن ہو گئے۔ جنگ بہادر خود آیا ان سے ملاقات

کی۔ اتنے میں تیل صاحب کمان افسر تھوڑی فوج سے لباس عربی میں آکوڑے اور ان کو جنگ بہادر کے اشارے پر گرفتار لیا۔ ساتھی جنگلوں میں چلتے ہوئے۔ ۷ اوسمبر ۱۸۵۹ء کو داخل جیل خانہ ہوئے۔ مقدمہ چلا، پھانسی کی سزا تجویز ہوئی۔ اپیل کیمبل صاحب جوڈیشل کمشنر نے سنی اور حکم پھانسی منسوخ کر کے حکم دریائے شور دیا۔ جزیرہ انڈمن روانہ کر دیئے گئے۔ دوکان کرلی تھی۔ یہی ہسراوقات کا ذریعہ تھا۔ وہیں انتقال ہوا (65)۔

میر محمد حسین خاں گورکھپوری

میر محمد حسین خاں ناظم گوندہ و ہزارچ تھے۔ لکھنؤ سے ہنگامہ کی خبر سن کر گورکھ پور جانے کا ارادہ کر رہے تھے۔ کرنیل سینٹ صاحب معہ میم اور بچوں کے فیض آباد بھاگ کر آگئے اور ایک جگہ چھپ گئے۔ میر علی حسین داروندہ اور میر احمد علی ماسوے میر ممدی حسین خاں کو معلوم ہوا۔ ناظم کے پاس گئے ان سے حال کیا۔ انہوں نے کہا ان سب کو لے آؤ چنانچہ وہ آگئے تو کرنیل صاحب کو اعزاز و اکرام سے بٹھایا اور کھانا گھر میں سے منگوا کر سب کو کھلوا دیا اور ایک مکان خاص رہنے کو دیا مگر لباس ہندوستانی تبدیل کرنے کو کہا۔ کچھ عرصہ بعد اعظم گڑھ سب کو بھیج دیا۔ وہاں سے شکریہ کی چٹھی آئی۔ مسٹر برڈ صاحب ڈپٹی کمشنر گورکھپور نے ان کو مطلع کیا۔ سات لاکھ روپیہ ہمارے پاس ہے۔ یہاں چلے آؤ اور سارے علاقے کا بندوبست تمہارے ذمہ ہے۔ میر محمد حسین نے توجہ نہ کی بلکہ پانچ ہزار فوج سپاہ کی جمعیت سے گورکھپور کو کوچ کیا۔ ظلیل آباد دس کوس پر ہے۔ وہاں سے اور آگے پہنچے۔ برا صاحب مضطرب ہو کر ۶ ہزار فوج اور کرانچی میں خزانہ لے کر اعظم گڑھ کی راہ لی۔ دو میں ایک مقام پر بڑبھیز ہو گئی۔ ناظم صاحب غالب آئے۔ مسٹر برڈ خزانہ چھوڑ کر چلتے ہوئے۔ اس کے ہمراہی ٹوٹ پڑے اور دشمن کی طرف سے غفلت برتی۔ ناظم صاحب نے موقع سے فائدہ اٹھا کر شب خون مارا۔ ناظم صاحب کے سپاہی کثیر التعداد

لپکت رہے۔ آخرش، جان بچا کر بقیہ فوج کو لے کر گورکھپور آئے۔ مسٹر برڈ دوبارہ خزانہ لے کر اعظم گڑھ چلتے ہوئے۔ یہاں میدان خالی تھا۔ مولوی سرفراز علی امیر الہادین نے کارگذاری کی تھی مگر جنرل بخت کے بلانے پر دہلی چلے گئے۔ کوئی انتظام کرنے والا نہ رہا۔ ناظم صاحب نے آکر گورکھپور پر اپنی حکومت قائم کی۔ ۲۵ ہزار ہندوستانی ملازم رہے۔ جیل خانہ سے تمام قیدی چھوڑ دیئے گئے اور ہر ایک کو کام پر لگایا اور کارخانے کھول دیئے۔ جیل خانہ میں میگزین رکھا گیا۔ ۸۰ یا ۱۰ توپیں بھی حاصل کر لیں۔ ۲۶ ہزار روپیہ یومیہ خیرات پر تقسیم کیا جاتا۔ دربار بننے لگا۔ ایک درخواست سرکار برہمپور کی خدمت میں بھیجی گئی۔ وہاں سے خلعت سرفرازی مع اعطاب مقرب الدولہ میر محمد حسین خاں عنایت ہوا۔ ناظم نے چند روزہ دادوستد کی۔ لکھنؤ سے بھاگ بھاگ کر کثرت سے لوگ آگئے۔ ان کو عزت و توقیر سے رکھا۔

تیاری میگزین و قلعہ دوہس کی ہونے لگی۔ ہزار مزدور کام پر لگائے گئے۔ اہل مہاراجہ شیرجنگ بہادر وزیر اعظم و سپہ سالار ملک نیپال سے تعلقات پیدا کرنا چاہتے تھے۔ مگر وہ الگ تھلگ رہا۔ مگر تلنگوں نے لوٹ مار کا بازار گرم رکھا۔ ناظم کی رتی بات نہ چلی۔ یہاں کی بد نظمی سے اطلاع پاکر مسٹر ونہ بھٹیا کمشنر نرائنج اور برڈ صاحب کلکٹر گورکھپور کے پاس فوج راجہ ہرام پور کے ساتھ ہوئی اور مہاراجہ جنگ بہادر نے بھی اپنے کارواں بھیج دیئے۔ سب نے مل کر ناظم صاحب پر بلہ بول دیا۔ مہاراجہ جگن بہادر کی طرف غافل تھے۔ آخرش سخت مقابلہ ہوا اور ناظم صاحب نے ہار پائی۔ راجہ مان سنگھ نے کچھ دھیری کی مگر انہوں نے بھی نگاہیں یکایک بدل دیں۔ آخرش تادو مرزا کو ساتھ لے کر لاندھی میں حضرت محل کے پاس چلے آئے۔ وہ

لال بہادر خاں میواتی

لال بہادر خاں میواتی صوبہ دار علاقہ الور کا رہنے والا تھا۔ راجہ الور کے یہاں ملازم رہا۔ پھر گورنمنٹ میں بھی ملازمت کی۔ اس کے رشتہ دار فتح پور سیکری میں رہتے تھے۔ وہ الور سے فتح پور ہنگامہ میرٹھ سن کر آیا۔ ادھر ۳۰ مئی ۱۸۵۷ء کو دو پلٹیس رجمنٹ نمبر ۳۴-۶۷ سے تعلق رکھتی ہیں، خزانہ کی محافظت کے واسطے متحرا کو گئیں۔ کھلم کھلا باغی ہو کر دہلی کو چلتی ہوئیں۔ ۱۵ جون کو گوالیار میں ہنگامہ ہوا۔ ۳ جولائی کو انگریز مصلحت سے تعداد ۵۸۰۰ یورپین عیسائی قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے۔ دو دن بعد نیچ اور نصیر آباد کے فوجی آگرہ آئے۔ موضع سو پلیہ پر ایک مختصر انگریزی فوج سے جھڑپ ہوئی جو پسپا ہوئی پھر شہر میں داخل ہو کر لوٹ مار کی۔ انہی دنوں میں لال خاں آگیا۔ قلعہ تک پہنچ کر لوٹا۔ لیفٹیننٹ گورنر جان کوب کو ہیضہ ہوا۔ قلعہ میں دفن ہوئے۔ ماہ ستمبر میں بعد غلبہ دہلی کرنل گرینہد صاحب فوج لے کر دہلی سے آگرہ آگئے۔ یہاں سے ہنگامی فتح پور میں مورچہ جما کر لڑے۔ ۲۰ نومبر تک ان کا تسلط رہا۔ میواتی جانباہر نکلے۔ آخرش ۳ فروری ۱۸۵۸ء کو انگریزی تسلط ہوا (67) اور میواتیوں کو انگریزی فوج نے تباہ و برباد کر دیا۔ آگرہ سے سرگردوہ دولہ شاہ تارکش تھے۔ ان کو پھانسی لگی لال بہادر ہاتھ نہیں لگا۔

غلام فخر الدین :- ابن علی بخش خاں انجور مرزا غالب کے بھائی مرزا یوسف خاں کے داماد تھے۔ بہادر شاہ کی جاگیر کوٹ قائم کے ناظم تھے۔ یہ بھی گرفتار ہوئے۔ ان کے متعلق مرزا صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”غلام فخر الدین خاں کی دو روکاریاں ہوئیں ہیں۔ صورت اچھی ہے، خدا چاہے تو رہائی ہو جائے“ (68)۔ چنانچہ رہا ہو گئے۔

کوٹوال شرف الحق فاروقی :- وطن تھانہسر تھا، دلی آ رہے۔ دربار شاہی سے منسلک تھے۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں شہر کے کوٹوال مقرر ہوئے۔ بڑے غلیظہ سے شہر کا انتظام

لایا۔ بعد تغلب یہ بھی عتاب کے نذر ہوئے۔

نواب زینت محل :- نواب احمد قلی خاں ابن نواب عباس قلی خاں کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے دادا شاہ ولی دلو خاں وزیر احمد شاہ ابدالی تھے۔ حسن میں نور جہاں ثانی تھیں۔ بہادر شاہ کی محبوب بیوی تھیں۔ جہاں بخت ان کے صاحبزادے تھے۔ زینت محل بڑی عاقل خاتون اور سیاست منکلی خوب سمجھتی تھیں۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں مشورہ میں شریک رہیں۔ مرزا الہی بخش کے کہنے میں اکثر مصیبتیں مول لیں۔ آخرش ۲۸ مارچ ۱۸۵۷ء ہنگامہ ۱۲ فروری کو مرزا گورے ایک توپ خانہ نواب زینت محل بادشاہ کے ساتھ رنگون گئیں۔ نواب تاج محل۔ خیرا بائی۔ ظہورا بائی۔ مرزا اہاں بخت بہادر شاہزادہ، مزار شاہ عباس مرزا قیصر موسوم، غلام قمبر پرستار شاہ مرزا علیان شکوہ نواب شاہ آبادی بیگم زوجہ مرزا نوجوان بخت اور ان کے سارے ولایت علی بیگ مرزا عبداللہ بطن خیرا بائی سے تھے۔ احمد بیگ آبادار ہاسط علی ۱۶ نفوس زن و بادشاہ کے ساتھ رنگون گئے۔ ۲۷ ہزار اہل اسلام کو پھانسی لگی۔ کمال الدین حیدر نے قیصر التواریخ میں لکھا ہے :-

”فوج باغی ۸ ہزار، فوج انگریزی ۱۸ سو اور ۵ ہزار گورے ۲۵ ہزار ہندوستانی اس ہنگامہ میں مارے گئے“ (70)۔

بہادر شاہ بادشاہ ۷ نومبر ۱۸۵۷ء مطابق ۱۳ جمادی الاول بروز جمعہ (71) کے دن قید رنگ و قید جسم سے آزاد ہوئے۔ ان کی خاتون نے بھی رنگون میں انتقال کیا۔ بادشاہ کے پہلو میں دفن ہوئیں۔

تاج محل وغیرہ کے متعلق مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں :-

”تاج محل (بیگم بہادر شاہ مرحوم) مرزا قیصر اور مرزا جواں بخت کے سارے ولایت علی بیگ بے پوری کی زوجہ ان سب کی الہ آباد رہائی ہو گئی۔ دیکھئے لپ میں رہیں یا لندن جائیں۔“

نواب حامد علی خاں :- اعتماد الدولہ میر فضل علی وزیر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ

کے دلاؤ تھے۔ اعتماد الدولہ کے بعد دہلی چلے آئے۔ بیوی کے ترکہ سے ۹ لاکھ روپیہ ملا تھا۔ خزانہ میں داخل کرا دیا اور ساڑھے چار ہزار ماہانہ ملتا تھا۔ غدر میں ان پر بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ جائیداد ضبط ہوئی اور محل سرا اور کوٹھی ڈھادی گئی (72)۔ ۱۲۳۷ھ حوالات میں رہے فروری ۱۸۵۹ء میں رہائی ہوئی۔

ضیاء الدولہ :- ابن حکیم رکن الدولہ پانسو روپیہ کی املاک قرق ہوئی، تباہ و برباد ہوئے۔ پانی پت چلے گئے۔ وہاں سے گرفتار ہو کر آئے۔

میر احمد حسین میکش :- مرزا غالب کے عزیز شاگرد تھے۔ مرزا صاحب ۷ فروری ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں میکش کے متعلق لکھتے ہیں :-

”سلطان“ جی میں تھا اب شہر میں آ گیا ہے۔ دو تین بار میرے پاس بھی آیا۔ پانچ سات دن سے نہیں آیا۔ کہتا تھا کہ بی بی کو اور لڑکے کو بہرام پور میر وزیر علی کے پاس بھیج دیا ہے۔“

دوسرے خط میں لکھتے ہیں :-

”احمد حسین میکش کا حال کچھ تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ غنوق ہوا (یعنی پھانسی پا گیا) (73)۔“

مولانا رشید احمد :- بن مولانا ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش انصاری گنگوہی ۶ ذیقعدہ ۱۲۳۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ننھیالی سلسلہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے ملتا ہے۔ ابتدائی کتب مولوی عنایت احمد سے پڑھیں۔ مولوی محمد بخش رام پوری قاضی احمد الدین جلمی دہلوی اور مولانا مملوک علی سے فراغت علمی کی۔ مولانا محمد قاسم ہم سبق تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی لپیٹ میں یہ بھی آ گئے۔ قاضی محبوب علی خاں کی مخبری سے مولانا کی گرفتاری کا وارنٹ نکلا۔ مولانا اپنی دادھیال قصبہ رام پور چلے گئے۔ وہاں حکیم ضیاء الدین کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ چند دن گزرے تھے کہ کارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی طور ضلع سارنپور مخبر

۱ ستر سواروں کے ساتھ لے کر گنگوہ پہنچا۔ آپ کے غمگسار ماموں زاد بھائی مولوی ابو النصر جو صورت و وضع میں مولانا سے مشابہت رکھتے تھے، مسجد کے گوشہ میں گردن تلے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کے سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ کر اس طرح پکارا :-

”چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے۔“

مظلوم ابو النصر کو پکڑ لائے اور کہا گھر کی تلاشی دلو، کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک ابو النصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں کہا میں نہیں ہوں اور نہ یہ کہ دہلی رشید احمد کہاں ہیں۔ حاکم کو اندازہ ہوا، ملزم یہ نہیں ہے۔ یہاں سے دوڑ رام پور پہنچی۔ حکیم ضیاء الدین کے مکان سے مولانا کو گرفتار کیا گیا۔ ۱۲۷۵ء کا آخر حصہ سال۔

مولانا کو سارنپور کی جیل میں قید کر دیا۔ تین چار یوم کال کوٹھڑی میں اور پھر وہ دن جیل خانہ کی حوالات میں مقید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا، تھانہ بھون کا افسر ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست تلواروں کے سپرد اس پر راہ دیو بند چند پڑاؤ کر کے پایہارہ مظفر نگر لائے اور حوالات کے اندر بند کر دیئے گئے۔ چھ ماہ قید رہے، آخر ش چھوڑ دیئے گئے اور وطن لوٹ آئے۔

قاضی عنایت خاں :- ابن قاضی سعادت علی خاں رئیس اعظم اعظم زمیندار تلوار بھون ضلع مظفر نگر قاضی سعادت علی خاں کے مرنے پر ریاست کا کام سنبھال لیا تھا۔ ان کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خاں سارنپور گئے۔ ایک بیٹے نے نہکھی صاحب بہ انتظام سارنپور پر مامور تھے ان سے کہا عبدالرحیم بادشاہ دہلی کے لئے قیدی خریدنے آیا ہے۔ اس پر نہکھی صاحب نے ایک کارڈ بست سرائے روانہ کیا اور عبدالرحیم خاں معہ ہمراہیوں کے الزام بغاوت میں دھر لئے گئے، جیل بھیج دیا گیا۔ پڑھا دیا۔ عنایت علی خاں کو یہ خبر لگی جوش حزن و ملال، میں اتفاقاً چند دن سارنپور کے کاندھوں پر کار تو سوں کی کئی ہنگیاں لادے سارنپور سے کرانہ

کی طرف جارہے تھے کہ قاضی صاحب جمع چند ساتھیوں کو لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور کارتوس لوٹ لئے۔ اس کے بعد تحصیل شامی کو لوٹ لیا۔ چند ماہ بعد دہلی کے فتح ہو جانے کی خبر سے قاضی صاحب مع ہمراہیوں کے تھانہ بھون آئے۔ پھر نجیب آباد چلے گئے۔ پھر ان کا پتہ نہ لگا۔ سرکاری فوج نے تھانہ بھون کی انیٹ سے اینٹ بجادی (74)۔

مرزا عاشور بیگ :- مرزایان دہلی سے تھے۔ آپ کے والد کا نام مرزا اکبر بیگ تھا۔ عربی فارسی میں فرد فرید علوم ریاضیہ ہیئت و ہندسہ میں یدِ طولی حاصل تھا۔ مرزا عاشور بیگ بہادر شخص تھے۔ ہنگامہ ۵۵۷ھ میں دستار کمر بستہ بادشاہ کے پاس گئے۔ ان سے فوج طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم کو شوق جنگ ہے تو اس فوج کے افسروں سے معاملہ کر لو۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ایک دو ہفتیں لے کر وہ شہر کے باہر نکلے۔ بانک پت پر گوروں سے مقابلہ ہوا اور کئی چھکڑے غنیمت لوٹ کر گھر واپس آئے۔ مرزا کے سامنے نواب ضیاء الدولہ گھر واپس آئے مرزا کے سالے نواب ضیاء الدولہ شاہی طیب تھے۔ جب تغلب و استیلا انگریزوں کا دلی پر ہوا، مرزا عاشور بیگ مع اپنے فرزند اکبر مرزا احمد بیگ گوروں کی جمعیت سے مقابل ہوئے۔ سر تھاقلس متکاف ساتھ تھا۔ مرزا احمد بیگ نے میان سے تلوار نکالی۔ عاشور بیگ نے ان کو روک دیا اور کہا بس اب شہادت کے لئے تیار ہو جاؤ اور کلمہء توحید ورد کرو۔ سر تھاقلس نے عورتوں بچوں کو جو ان کے ساتھ تھے علیحدہ کھڑا کر دیا اور مردوں کی برسن بستہ قطار کھڑی کر دی اور حکم فائر کر دیا۔ برسن بستہ قطار مثل مرغان مذبح لوٹنے لگے (75)۔

مرزا عاشور بیگ بہت حسین و جمیل آدمی تھے۔ نہایت گورے۔ بھوکا رنگ، آنکھیں سنہری مائل، کرنچی ریش و بروٹ و موئے سر گہرے بھورے اور سنہرے تھے۔ قد نہایت بلند و بالا و ہرا جسم کسرتی سانچے میں ڈھلا ہوا۔ عربی فارسی ہیئت و نجوم و ہندسہ میں مثل اپنے والد کے مشہور آفاق تھے۔ غصہ ان کے مزاج میں کمال درجہ کا تھا۔ مرید حضرت شاہ رفیع الدین کے تھے۔ محلہ کش گنج میں دفن کئے گئے۔

نواب ضیاء الدولہ :- فرزند حکیم نواب رکن الدولہ وزیر بہادر شاہ حکیم و حکیم میانہ قد گندی رنگ، ریش و بروٹ و موئے سر سیاہ و سفید خوش مزاج و وسیع الاخلاق کثیر الاملاک مکر ہنگامہ میں تمام گھراٹ کیا۔ تلنگوں اور گوروں نے تنکا تک نہ چھوڑا اور املاک و جائیداد بجز بغاوت بحق سرکار ضبط ہوئی۔ جان بچ گئی۔ لکھنؤ مرزا عباس بیگ کے پاس چلے گئے۔

راجہ قحط حسین خاں :- متعلقہ دار بھوانو برہمن قدر کے ہمدردوں میں سے تھے۔ راجہ صاحب دہلے سوکھے سبزہ رنگ میانہ قد سادہ مزاج اس زمانہ کے مطابق تعلیم یافتہ، ایامِ ندر میں اکثر راجگان ہندو و مسلمان بادشاہ کی نمک خواری کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے۔ راجہ صاحب مع اپنے ملازمین اور اہل قربت جنرل اوٹرم کو روکنے کے واسطے عیش باغ میں صف آراء ہوئے دھوم کی لڑائی ہوئی راجہ ذخموں میں چور اور گرد کثیر التعداد کشتگان مردوں میں بے ہوش پڑے رہے جب ہوش آیا درپ باغ کے اندر پہنچے۔ کچھ دن بعد جنرل ہیرو نے ان کو گرفتار کیا۔ باہم جواب ترکی بہ ترکی ہوئے۔ راجہ نے بکمال جواں مردی کہا کہ ہم پر اوائے حقوق نمک خواری فرض تھا۔ رئیس اودھ کا نمک کھایا تھا لڑے، اگر تمہارا کھائیں گے تمہارا ساتھ دیں گے۔ جنرل ان کی جواں مردی پر فریفتہ ہو گیا اور ان کے لئے مارش کی۔ آخر بری ہو گئے (76)۔

جنرل محمود خاں :- نجیب آبادی ابن نواب معین خاں ابن نواب ضابطہ خاں ابن نواب نجیب الدولہ بہادر امیرانہ طور طریق سے زندگی بسر کی۔ ۵ جون ۵۷۷ھ کو نجیب آباد میں اپنی امارت کا اعلان کیا۔ احمد اللہ خاں نے محمدی جعزہ المرایا اور جلال آباد کے قریب حیرت نوازیوں کو ہمراہ لے کر مورچہ بنا کر بیٹھ گئے۔ شفیع اللہ خاں نے چار ہزار سپاہ فراہم کی اور احمد اللہ خاں کے ہمنوا ہو گئے۔ جنرل صاحب کا تمام قرب و جوار اس اخلاقی اثر بہت زیادہ تھا۔ بہادر شاہ نے امیر الدولہ ضیاء الملک محمد محمود خاں بہادر

مظفر جنگ خطاب سے سرفراز کیا۔ شہزادہ فیروز شاہ مراد آباد پر حملہ آور ہوئے۔ نجیب آباد سے فوج ان کے معاون ہو گئی۔ آخرش انگریزوں سے اور نواب سے مقابلہ ہوا۔ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حب الوطنی کے جرم میں پھانسی لئے گئے۔ مقدمہ چلا، کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی مگر قید فرنگ میں سوتے کے سوتے رہ گئے۔ اس طرح زندگی کا خاتمہ ہوا۔ (77)

محمد شفیع بریلوی :- آٹھویں سواریوں کی رجمنٹ کے افسر تھے۔ مسٹر میکن زنی نے بہت چاہا محمد شفیع وطن پرستوں کی دیکھیری نہ کریں مگر انہوں نے توپ خانہ بریلی پر قبضہ کیا اور علم سبز لہرایا اور نواب خان بہادر خاں کے ساتھیوں میں ہو کر انگریزوں سے لڑتے رہے (78)۔ آخری زندگی کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

نواب اصغریاب خاں :- اور ان کے بھائی نواب صدر یار خاں خلف نواب طالع یار خاں شہر اور سپاہیانہ روش کے تھے۔ ان کے والد نواب وزیر الدولہ کے اتالیق رہے۔ یہ ہردو بھائی دلی آگئے اور بہادر شاہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں اصغریاب خاں نے ریڈیٹ نیٹ کو سخت کلامی پر جو اس نے بادشاہ سے کی تھی ثمن برج پر چڑھتے ہوئے گولی سے لٹھڑا کر دیا۔ جب بادشاہ مقبرہ ماہیوں چلے گئے یہ دونوں بھائی الور پہنچے۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ مرزا ذکر یا بیگ نے انعام کے لالچ میں الور سے گرفتار کرا دیا۔ دلی لائے گئے مقدمہ چلا اور پھانسی پر لٹکا دیئے گئے (مرزا منتظربیک صاحب نے یہ حالات سنائے)۔

نواب مرزا ماہ رخ بیگ خاں :- (داماد طالع یار خاں) ابن نواب مرزا بیگ خاں عماد جنگ مرزا مثل کے ساتھی تھے۔ یہ بھی الور سے گرفتار ہو کر آئے اور اپنے سالوں کے ساتھ پھانسی پائی۔ لال کنواں اور فراشتخانہ کی جائیداد ضبط ہوئی۔

مولانا شاہ عبد القادر لدھیانوی

مولانا شاہ عبد القادر ابن مولانا عبد الوارث لدھیانوی پنجاب میں یہ خاندان علم

و فضل کے اعتبار سے بھی بلند پایہ رکھتا ہے۔ مولانا شاہ عبد القادر ۱۸۹۹ء میں لدھیانہ سے تحصیل علم کے لئے روانہ ہوئے اور دلی آکر مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے درس میں شریک ہوئے ہیں۔ تکمیل کی اور تربیت روحانی پائی۔ ۱۸۲۵ء میں واپس وطن لوٹے اور رشد و ہدایت میں لگ گئے (مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کے صاحبزادے مولوی عزیز الرحمن جاسمی سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

اس زمانہ میں احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زماں اور شاہ شجاع الملک انگریزی سیاست کا شکار ہو کر کابل سے لائے گئے اور لدھیانہ میں نظر بند ہوئے۔ وہ حضرت شاہ عبد القادر کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ مولانا کو انگریزوں سے دلی نفرت تھی۔ ڈپٹی کمشنر چاہتا تھا کہ مولانا اعلیٰ عہدہ قبول کر لیں۔ اس نے انکار کر دیا۔ مولانا کے حلقہ اثر میں انقلابی تحریک پنجاب کے علاقہ میں پھل پھول رہی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں مولانا اور آپ کے فاضل بیٹوں مولانا سیف الرحمن۔ مولانا محمد مولانا محمد مہد اللہ۔ مولانا شاہ عبدالعزیز نے سرکھت حصہ لیا۔ مولانا معہ اہل و عیال اور اپنے مریدوں کو لے کر دہلی جنگ آزادی میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لائے اور مسجد فتح پوری کے مجروں میں قیام کیا۔ یہیں ان کی زوجہ محترمہ کا وصال ہوا۔ جو صحن مسجد میں دفن ہوئیں مگر پانسہ الٹ چکا تھا۔ مولانا پھر واپس وطن ہوئے۔ مگر خلوت نشین ایک عرصہ تک رہے۔ گورنمنٹ نے تلاش بہت کرائی مگر خدا نے بچائے رکھا۔ آپ نے نیشنل کانگریس کی شرکت کے لئے فتویٰ شائع فرمایا۔ آپ کے صاحبزادہ مولانا مہد العزیز اور مولانا عبداللہ اور شیخ احمد جان تاجر دہلوی جو کہ اسلحہ کے تاجر تھے۔ حکومت نے افغانستان سے ساز باز کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ شیخ صاحب جیل میں سدھارے۔ یہ لوگ مقدمہ سے بری ہو گئے۔ مولانا محمد کے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم تھے۔ جن کے خلف الرشید فخر احرار مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی ہیں۔ جن کی سیاسی مساعی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ میرے دوست حکیم مولوی محمد حفیظ صاحب ابن مولانا عبداللہ نواسہ مولانا عبدالعزیز جو ایک عرصہ تک

مجلس احرار دہلی کے صدر رہے، مولانا شاہ عبدالقادر نے ۱۲۷۸ھ میں انتقال کیا نزانہ (پٹیل) میں دفن ہوئے۔

مولوی شاہ محمد حسن :- پٹنہ کے صاحب اثر حضرات میں سے تھے۔ ان کے ہمراہ مولوی احمد اللہ اور مولوی واعظ الحق جانیاز لوگوں میں سے تھے۔ بہار کے راجہ کنور سنگھ صاحب نے بہار میں سیاسی سرگرمی عمل دکھائی۔ ان بزرگوں نے بھی اس کا اثر لیا۔

راجہ کنور سنگھ جگدیش :- پور صوبہ بہار کے صاحب اقتدار رئیس تھے (79)۔ پہلی جنگ آزادی میں ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ سرکھت میدان میں اتر آئے۔ انقلابی فوج کے سردار بن گئے۔ آہ کے خزانہ پر قبضہ کیا۔ انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ لارڈ کنگ گھبرا گئے۔ بنارس آکر لارڈ مارک کی فوج سے بھڑے۔ راجہ مثل بجلی کے ادھر سے ادھر کوندتے پھرتے تھے۔ بلیا کے قریب ایک ہاتھ میں گولی لگی۔ اس کو اپنی تلوار سے کاٹ کر پھینک دیا۔ آٹھ ماہ جنگ کرنے کے بعد اپنی راجدھانی پر قبضہ کیا۔ مگر قسمت سے پانسہ الٹ گیا۔ ان کو بھی نیپال کی ترائی میں جانا پڑا۔ وہیں عالم غربت میں انتقال کر گئے۔ (مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۹۳)

ہنگامہ کے دوران میں مسٹر ٹیلر نے ان تینوں شاہ محمد حسن وغیرہ کو بلا کر دھوکے سے جیل خانہ بھیج دیا۔ مجسٹریٹ مولوی محمد ممدی تھے۔ ان کو یہ واقعہ ناگوار گزرا اور مسٹر ٹیلر کے خلاف ہو گئے۔ جس کی بناء پر ان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس افسر وارث علی کو یہ حرکت بار خاطر ہوئی اور انہوں نے خفیہ وطن پرستوں کی امداد کی۔ مسٹر ٹیلر سے غداروں نے جا لگائی۔ ۲۳ جون کو یہ بھی پکڑے گئے۔ علی کریم رئیس پٹنہ ان صاحبوں کے ہمراہ تھے۔ پکڑا دھکڑی دیکھ کر ٹیلر کے رو بہد ہاتھی پر سوار ہو چلتے ہوئے۔ ہنگامہ ختم ہوا۔ سب کو بڑی بڑی سزائیں ہوئیں۔ آگے کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

راجہ بینی مادھو بخش :- مصلحتدار نظامت یواژہ حضرت محل کی رفاقت میں رہے۔ میدان جنگ میں کام آئے (80)۔

راجہ ناہر :- بلکٹھ کے رئیس تھے۔ بہادر شاہ کے دربار کے رکن تھے پھانسی پائی۔ بیس لاکھ روپیہ ضبطی میں آیا (81)۔

کمانڈر ہیرا سنگھ :- دلی اور سے فوج لے کر آئے تھے۔ ان کو پھانسی ہوئی (82)۔ ان کے ساتھی سردار غوث محمد خاں صوبہ دار اور گردھاری لال تھے۔ راجہ کنور سنگھ شاہ آبادی نانار او پیشوا کے رفیق کار تھے۔

قادر بخش صوبہ دار :- سفرینا فوج دہلی کو انڈمان کی سزا ملی۔ راجہ مادھو سنگھ رئیس گڈھ امیفی نے دو ہزار سپاہی سے مقابلہ کیا۔ آخر میں روپوش ہو گئے۔

راجہ دہبی سنگھ :- بہادر شاہ کے درباری تھے۔ سالک رام۔ نواب موسیٰ خاں۔ نواب احمد مرزا۔ حکیم عبدالحق یہ لوگ مل کر فوج کے لئے غلہ اور روپیہ کا انتظام کرتے تھے۔ کوئی پھانسی چڑھا کوئی انڈمان گیا۔ (83)

نواب علی :- رئیس سمجرات، تلارام رئیس دیواڑی۔ کمند لال۔ میر منشی بہادر۔ شاہ مہاراجہ بال کرشن۔ رفیق برجیس قدر۔ زیت سنگھ رئیس، ان کو سزائیں ہوئیں۔ مرزا بیدار بخت :- بہادر شاہ کے پوتے تھے۔ نانار او اور عظیم اللہ خاں کے مشورہ سے ایک اخبار دلی سے نکالا ”پیام آزادی“ نام تھا۔ اس اخبار نے ۷۵ء میں بڑی خدمت انجام دی۔ انگریزی تسلط پر ان کو پکڑ لیا گیا اور جسم پر سوز کی چھبلی مل کر جانیں دے دی گئی۔

مولوی جلال الدین

مولوی جلال الدین احمد بن مولوی عبداللہ علی بناری اپنے والد مولوی احمد اللہ

بنارس کے شاگرد تھے۔ سند حدیث مولوی عبدالحق بنارس سے لی۔ عامل بالحدیث و متبع سنت نبوی و قانع و متقی تھے۔

”جید الحافظ آپنجان بود کہ در یک روز یک پارہ کلام مجید حفظ نمود وقت شب ہمارہ مضامین تراویح می خواند (84)۔

آپ نے بھی ہنگامہ ۵۷۷ء میں حصہ لیا، مگر حکومت کے شکنجہ سے بچ گئے۔ زبدۃ القوائین (صرف و نحو) و شرح کافیہ یادگار سے ہے۔ بنارس کالج میں پہلے مدرس تھے۔ ۱۲۷۹ھ میں پندرہ سال وفات پائی۔

سید حسین علی :- ابن سید مدد علی نبیرہ حضرت بھلے شاہ سادات نو محلہ سے تھے۔ یہ میرٹھ میں سرکاری فوج میں رسالدار تھے۔ جو فوج حکومت سے منحرف ہوئی تھی۔ اس کے سرگروہ ہو کر دلی آئے۔ مرزا مغل کے ساتھ رہے۔ آخری مورچہ میں کام آئے۔ ان کے بھائی میر فیض علی نے معہ اپنے اہل خانہ ان کے نواب خان بہادر خاں کا ساتھ دیا۔ پانسہ لٹا پڑا۔ اپنی ماں بہنوں کو آمادہ کیا کہ وہ سادات کی لاج رکھتے ہوئے کنوئیں کی نذر ہوں۔ چنانچہ بخوش دلی ہر سیدانی نو محلہ کی مسجد کے کنوئیں میں کود پڑی۔ یہ آگرہ آئے۔ ان کی بیوی کے بھائی مولوی صفدر علی شکوہ آبادی کو ایک انگریز کے قتل پر امر سنگھ گیٹ پر چھانی دی جا چکی تھی۔ بیوی شکوہ آباد کیسے معیم تھیں۔ ان کو آگرہ بلا لیا۔

ملک باقر علی :- بدھوری زمیندار بھی ہنگامہ سے ترک وطن کر کے آگئے تھے۔ ان کے ساتھ اپنی ایک دختر منسوب کی۔ دوسری دختر مولوی اکرام اللہ گواموسی صاحب تصویر الشعراء سے بیابھی گئیں۔ سید سبط حسن صاحبزادے تھے (ان کی صاحبزادی زندہ ہیں جن سے یہ حالات معلوم ہوئے)۔

امراؤ بہادر :- برادر دوندے خاں جاگیر دار گڈھی علی گڑھ پچاس بہادر سپاہی لے کر دلی آگئے اور عمر شباب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں باریاب ہوئے۔ ان دونوں

سرداروں کے نام افسران کی حیثیت سے شاہی فرست میں لکھ لئے گئے (85)۔ ہر دو نے بڑی بہادری دکھائی اور میدان مصاف میں کام آئے۔ (86)۔

داروغہ شیخ محمد بخش :- ساکن بہتی تحصیل دہلی ان کے صاحبزادہ شمس العلماء شیخ ضیاء الدین دہلوی تھے۔ بوقت تسلط انگریزی فوج کے سپاہی کے ہاتھوں شہید ہوئے (87)۔

بہادر شاہ کا آخری فرمان

(تمام راجگان ہند کے نام جاری ہوا)

جمع راجگان و رؤسائے ہند پر واضح دلالت ہو کہ تم ہم وجہ نیکی اور نیک خصلتی اور فیاضی میں مشہور الدہر و العلوم ہو اور تمہاری حسن حمایت طرز اور فہم اور ہدایت سے مذہب ہندوستان کی اعانت ہے۔ لہذا ازراہ خیر اندیشی تمہارے ہم کو ہدایت ہوتی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو اپنے مختلف مذاہب کے قائم کرنے کے واسطے پیدا کیا ہے اور تم پر فرض ہے کہ اپنے عقائد اور قوانین مذہبی کو بخوبی درست جانو اور ان پر ثابت قدم رہو۔

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ مرتبہ عالی اور ملک اور دولت اور حکومت اسی واسطے بخشی ہے کہ تم ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب میں رخنہ اندازی کریں۔ غارت کرو اور جو اشخاص کہ تم میں سے صاحب طاقت ہیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو تمہارے مذہب کو بگاڑنا چاہتے ہیں نیست و نابود کریں اور جو اتنی قدرت نہیں رکھتے جو بدل و جان ایسی تدبیروں میں مشغول رہیں جن سے ان کے مذاہب کے دشمنوں پامالی ہو اور یہ تمہارے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مذہب کے لئے سے مرجانا بہتر ہے اور واقع میں یہی حکم خداوند تعالیٰ کا بھی ہے جو خاص و عام ہے۔ انگریز جملہ مذاہب کو غارت کیا چاہتے ہیں اور ہندوستان کے تھلیل و تہلیل کے واسطے انہوں نے ایک مدت سے بہت سی کتابیں لکھوا کر اپنے پادریوں

کے ہاتھ سے سب ملک میں تقسیم کرائی ہیں اور پادریوں کو بلا کر اپنے مقبولوں کا اعلان کیا ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ انگریزوں نے کیا کیا تدبیریں واسطے عارتی ہمارے مذاہب کے کی ہیں۔

اول یہ کہ جب ایک مرد مر جاوے تو اس کی بیوہ دوبارہ شادی کرے۔

دوسرے یہ کہ سنی ہونے کی ایک رسم مذہبی قدیم تھی جس کو انگریزوں نے اپنے قوانین کی رو سے موقوف کیا۔

تیسرے یہ کہ انہوں نے عام خلقت کو علانیہ سمجھایا کہ اگر وہ ان کا مذہب قبول کر لیں گے تو سرکار میں ان کی توقیر ہوگی اور یہ بھی ہدایت کی کہ تم عیسائی کلیساؤں میں جا کر وعظ سنو۔ علاوہ اس کے انہوں نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ صرف حقیقی اولاد راجگان و رئیسان ہند کی مسند نشین ہوگی اور گودی ہوئی اولاد کا کچھ حق نہ ہوگا۔ حالانکہ از روئے شاستر دس طرح کے مختلف وارث سلطنت ہو سکتے ہیں۔ اس تدبیر سے ان کا مطلب خاص یہ ہے کہ وہ آخر تمہاری ریاستیں اور جاگیریں چھین لیں۔ جیسا کہ انہوں نے فی زمانہ ریاست ہائے لکھنؤ اور ناگپور میں عمل کیا۔ ورائے ازیں ایک اور تدبیر انہوں نے یہ بھی کی قیدیان جیل خانہ کو جبراً بچی ہوئی روٹیوں کے کھانے کا حکم دیا اور اکثر قیدیوں نے تو یہ امر قبول نہیں کیا، بھوکے مر گئے اور بہتوں نے ناچار ہو کر روٹی کھانا قبول کیا اور اپنا مذہب کھو دیا۔

جب یہ تدبیر انگریزوں کی اچھی طرح نہ چلی تو انہوں نے آٹے اور شکر میں ہڈیاں پسوا کر ملائیں تاکہ لوگ اس کو بلا کسی ظن اور شبہ کے کھا کر اپنا ایمان کھو دیں اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استخوان اور گوشت کے جانوروں کے ساتھ ملا کر سر بازار بکوا دیا۔ علاوہ اس کے انہوں نے ہر ایک تدبیر ایسی کی جس سے ہمارے مذاہب عارت ہوں۔ انجام کار بعض بنگالیوں نے بعد غور یہ امر قرار دیا کہ اگر ابتداء میں اہل فوج اسی معاملہ مذہبی میں بیرو رائے انگریز ان ہو جاویں تو فرقہ بنگالیان بھی انہیں کی رائے کے مطابق کار بند ہوگا۔ انگریزوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور بے اندیشہ

کہ چاہ کندہ را چاہ در پیش۔ برستان اور افضل قوم کے لوگوں کو ان کا رتوس کے لئے کاجن کے بنانے میں جبری ملکی تھی حکم دیا۔ اس حالت میں اگرچہ مسلمان ہادیوں نے خیال کیا کہ ان کا رتوسوں کے کاٹنے سے مذہب ہندو کا صرف جاتا رہے گا لیکن تاہم انہوں نے ان کے کاٹنے سے انکار کیا۔ تب ان سپاہیوں کو جنہوں نے رتوس کاٹنے سے انکار کیا، انگریزوں نے توپ سے اڑا دیا۔ یہ ظلم شدید دیکھ کر سپاہ نے انگریزوں کا قتل شروع کیا اور جہاں کہیں فرنگی کو پایا مار ڈالا اور بفضل ایزدی و لہذا سردی بالفعل ان تدابیر میں مشغول ہیں۔ جیسے کہ چند انگریز جو کہیں باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو جاویں اور ہمارا یقین واثق ہے کہ اگر اب انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے ہاں کو مٹا دیں گے۔ ہر چند بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے مخالفت رکھتے ہیں بلکہ ان کی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں۔ ان کے حال پر بخوبی غور کیا گیا تو بھی ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ ان کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا۔ اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنا ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے؟ اگر ہماری اور تم سب کی رائے متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو عارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں۔ چونکہ ہم سب کو ہندو اور مسلمانوں کو بہتری پیش نظر ہے اور انگریز، دونوں فرقوں کے دشمن ہیں۔ لہذا ہمارے مذہب کی حمایت کا پاس اور خیال کر کے اور بنظر اندفاع امدائے دین بذریعہ ہمارے مطلوبہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہل ہندو کو گنگا جی اور تلسی اور ساگر ام کو حرم ہے اور مسلمانوں کو قرآن شریف کی قسم ہے کہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کو یہاں سے نکال دیں۔



حوالہ جات

- 1:- تاریخ و منیت
- 2:- تاریخ و منیت صفحہ ۶۳
- 3:- تاریخ و منیت
- 4:- تواریخ احمدی از مولانا تائب لکھنؤی
- 5:- ہندوستانی غدر کی تاریخ جلد دوم صفحہ ۶۰۳
- 6:- قیصر التواریخ و تاریخ شاہجہانپور
- 7:- تذکرہ علماء از مولوی اکرام اللہ گریاموی (قلمی)
- 8:- سوانح احمدی از مولانا فتح محمد تائب لکھنؤی
- 9:- تاریخ منشیان گویامو صفحہ ۳۰
- 10:- آثار الصنادید
- 11:- مہتاب اجیر و اولیائے ہند مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ
- 12:- داستان تاریخ اردو از پروفیسر خالد حسن قادری
- 13:- انشائے بیخبر صفحہ ۲۱
- 14:- انشائے بیخبر مطبوعہ مرتضائی پریس آگرہ
- 15:- مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۸۰ بار چارم
- 16:- اسعد الاخبار نمبر ۳۸ جلد اول ۱۷ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ مولوی قمر الدین خاں ایڈیٹر ۱۸۰۵ء
- 17:- مولانا غلام امام شہید کا ۱۳۹۳ھ میں انتقال ہوا (حیات شہید مطبوعہ مصطفائی پریس آگرہ)
- 18:- گارسان و تالی صفحہ ۳۳

- 19:- گارسان و تالی صفحہ ۳۶
- 20:- غدر کی صبح و شام
- 21:- روزنامہ مشرق مارتن پھیل (مصنف مارچ ۱۹۳۳ء سرگزشت محمد علی خاں بریلوی صفحہ ۳۶۶)
- 22:- گزشتہ لکھنؤ صفحہ ۶۰
- 23:- ہسٹری دی انڈین منیوٹی جی ڈیلو فار سٹر
- 24:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۲۳۳
- 25:- مولانا محمد حسین مرحوم۔
- 26:- قیصر التواریخ سید کمال الدین حیدر حسنی الحسینی جلد دوم صفحہ ۳۶۷
- 27:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹
- 28:- تاریخ شاہجہانپور صفحہ ۱۳۹
- 29:- محققہ زرین مطبوعہ نو کشور پریس لکھنؤ۔
- 30:- تاریخ شاہجہانپور۔
- 31:- تواریخ احمدی منظوم از مولانا فتح محمد تائب لکھنؤی
- 32:- بیج آہنگ از مرزا غالب۔
- 33:- مولانا فضل حق و عبدالحق از انتظام اللہ مطبوعہ ذوالقرنین پریس بدایوں۔
- 34:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۲۱۷
- 35:- تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔
- 36:- کلیات شیفہ و حسرتی صفحہ ۱۰ از مولانا نظامی بدایونی اور مفصل تذکرہ "غدر کے چند علماء" میں ہے۔
- 37:- غدر کا آخر نتیجہ۔
- 38:- داستان تاریخ اردو صفحہ ۲۷۳ و نقش سلیمانی
- 39:- حیات حافظ رحمت خاں از مولوی سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ نظامی پریس

بدایوں۔

40:- غدر کی صبح و شام

41:- داستان غدر صفحہ ۹

42:- دیباچہ مقدمہ بہادر شاہ از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی صفحہ ۲۳۶۔

43:- تراجم علمائے حدیث صفحہ ۲۲۳۔

44:- سرگذشت ایام غدر از خان بہادر عنایت حسین خان الہ آبادی (الناظر ۳۵ء)

45:- فرخ آباد اردن صفحہ ۲۰۰ تاریخ فرخ آباد ولی اللہ فرخ آبادی قلمی ملک مولوی سید الطاف علی بریلوی۔

46:- مگزئیر فرخ آباد صفحہ ۱۵۰۔

47:- سرگذشت ایام غدر (الناظر ۱۹۳۶ء) و "غدر کے چند علماء"۔

48:- رسالہ مصنف (مولانا امام بخش سہبائی) صفحہ ۵۵ تا ۶۹ از انتظام اللہ شامی۔

49:- حکایت العلماء صفحہ ۵۲-۵۳

50:- روشن مستقبل صفحہ ۳۲۔ از مولانا سید طفیل احمد منگوری۔

51:- استاذ العلماء از نواب صدر یار جنگ بہادر صفحہ ۹۷ روشن مستقبل صفحہ ۳۹۔

52:- روشن مستقبل صفحہ ۳۹۔ کیفیت بلند شہر صفحہ ۲۳۱۔

53:- دہلی کی سزا صفحہ ۲

54:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۳۶۳۔

55:- تاریخ اودھ صفحہ ۳۶۷۔

56:- تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۹۹۔

57:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۲۸۔

58:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۵۷۔

59:- شیخ بہادر علی شجاع لکھنوی قیصر التواریخ صفحہ ۳۵۔

60:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۳۲۔

61:- قیصر التواریخ صفحہ ۲۰۷۔

62:- دہلی کی سزا صفحہ ۵۱۔

63:- قیصر التواریخ جلد دوم صفحہ ۳۵۸۔

64:- مکاتیب غالب صفحہ ۶۶۔

65:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۶۸ جلد دوم۔

66:- قیصر التواریخ صفحہ ۳۰۷۔

67:- مرقع اکبر آباد صفحہ ۳۱-۳۲۔

68:- اردوئے معلیٰ۔

69:- تواریخ اودھ صفحہ ۵۳۳۔

70:- تواریخ اودھ صفحہ ۳۵۳ جلد ۲۔

71:- اردو معلیٰ۔

72:- اردوئے معلیٰ و غالب ۱۹۷۔

73:- غالب صفحہ ۲۲۰۔

74:- تذکرہ شہید صفحہ ۷۳۔

75:- کارنامہ سروری صفحہ ۱۷-۳۲۔

76:- کارنامہ سروری صفحہ ۵۹۔

77:- ضیاء الملک جنرل محمود خاں از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی (مصنف اکتوبر ۱۹۶۶ء)

78:- بغاوت ہند صفحہ ۱۸۲۲۔

79:- تاریخ بغاوت ہند صفحہ ۶۸۷۔

80:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۳۷۳۔

81:- قیصر التواریخ حصہ دوم صفحہ ۶۵۶۔

82:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۳۔

83:- غدر کی صبح و شام صفحہ ۸۰۔

ہماری مطبوعات

غازی علم الدین شہید

باتصویر/ اضافہ شدہ

سازشوں کا دیباچہ (قادیانیت)

مقرر ربیعہ (چھٹا ایڈیشن)

گلاب ہونٹوں کے دائرے (محبت و وفا)

شعور

ناقابل تردید

زیرِ مین
اڑے لوگوں کے فکا توغریات
سے متعلق انسائیکلو پیڈیا

(ذیبر حبیب)
تذکرہ کی حقانی پرستش
بلہ رحمہ انجمن خدات

قادیانیت کا فکری پس منظر

طلباء کی تقریریں

کہ آپ اپنا تعارف ہوا ہمارا کی جئے۔

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

لال قلعہ سے لال مسجد تک

عنوان	لال قلعہ سے لال مسجد تک
مؤلف	صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری
سن اشاعت	۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء
تعداد	ایک ہزار
صفحات	۶۴
قیمت	ہدیہ درود و سلام بر نبی الخیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆ ☆☆☆

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

۲۵۔ جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل)، صدر، کراچی ۷۴۴۰۰،

اسلامی جمہوریہ پاکستان فون: 0092-21-2725150 فیکس: 0092-21-2732369

ای۔میل: imamahmadraza@gmail.com

ویب سائٹ: imamahmadraza.net

مؤلف

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

ناشر

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل

ویب سائٹ: imamahmadraza.net

وہابیت کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا بڑے احسن انداز میں تجزیہ فرمایا۔ لال مسجد کے قضیہ سے حکومت جیسے نیٹی، اس نے عوام میں ان کے لیے ہمدردانہ جذبات پیدا کر دیے اور غازی برادران کے مذموم مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

صاحبزادہ صاحب نے بڑے تحقیقی اور علمی طریقے سے ان مذموم مقاصد کی جھلک دکھائی ہے اور ساتھ ہی یہ واضح کیا کہ وہابیت کی تاریخ ایسے مسلم دشمن اور وطن دشمن واقعات سے بھری پڑی ہے۔

مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی

مدیر اعلیٰ، ماہنامہ ”کاروانِ قمر“ کراچی

واجب الاکرام جناب صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صاحب کا مضمون ”لال قلعہ سے لال مسجد تک“ مفصل اور مدلل تو ہے ہی، جاندار اور شاندار مقالہ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے جس جرات، جس محنت، جس ہمت سے اسے تحریر کیا ہے لگتا ہے ”قلعہ“ فتح کر لیا ہے۔ مجلسِ ادارت ماہنامہ ”کاروانِ قمر“ آپ کو ہدیہ سپاس پیش کرتی ہے۔

مولانا محمد سہیل احمد سیالوی

استاذ فقہ و عربی ادب، جامعہ رضویہ احسن القرآن، دینہ
حضرت قبلہ مولانا سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی نے جس جرأت اور حکمت سے حقائق کے رخ سے پردہ اٹھایا ہے وہ یقیناً نوجوان نسل پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان معلومات میں سے بہت سے باتیں ایسی تھیں جو پہلی دفعہ پڑھنے میں آئیں۔

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

نگران، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

محترم سید وجاہت رسول قادری صاحب زید مجدہ کی نوکِ قلم سے ”لال قلعہ سے لال مسجد تک“ کی تاریخ جس انداز سے سامنے آئی ہے وہ حقائق کا ایک شاندار مرقع ہے۔ ملکِ عزیز کی اندرونی سازشوں کو انہوں نے بڑی خوبی سے بے نقاب کیا ہے اور ان بدعقیدہ ٹولوں کے عزائم کو طشتِ ازم بام کر کے اپنے قارئین کی راہنمائی فرمائی ہے اور مستقبل میں ہونے والے دینی فتنوں سے آگاہ فرما دیا ہے۔ میرا خیال ہے، معارفِ رضا کے قارئین سید صاحب کے اس انداز کو پسند کریں گے۔

بائیں احساس انہوں نے نہایت اہم مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ ۱۸۵۷ء کے لال قلعہ کی سازش اور اسلام آباد کی لال مسجد کے ”برقعہ پوشوں“ کا تجزیہ کیا ہے اور پھر بڑی تفصیل سے پاکستان کے خونخوار طبقات کی نشاندہی کی ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ مضمون ”جہانِ رضا“ کے علاوہ تمام سنی رسالوں میں چھپے تاکہ ہم خوابیدہ سنیوں کے معلوم ہو کہ ہمارے ملک عزیز کو کن لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے۔ کیا ہم سنی خود ان خونخواروں کا مقابلہ کریں گے یا ملٹری کے سپاہیوں کی پناہ میں بیٹھے رہیں گے؟ جرائدِ اہلسنت اگر اس مضمون کو اپنے رسالے میں شائع کر دیں تو اس کے دور رس نتائج سامنے آئیں گے۔

مولانا حافظ محمد عطاء الرحمن قادری رضوی

قابلِ صدا احترام حضرت مولانا سید وجاہت رسول قادری صاحب مدظلہ العالی کا تحریر کردہ مضمون بعنوان ”لال قلعہ سے لال مسجد تک“ پڑھا۔ ماشاء اللہ انہوں نے برصغیر میں



ماہ جولائی میں لال مسجد کا سانحہ پاکستان کی تاریخ کی ایک ایسی ٹریجڈی ہے جس کے دُور رس اثرات بے حد و بے حساب ہیں۔ مسلمانانِ پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے مسلمانوں کے لیے بھی یہ بات نہایت ہی قابلِ افسوس اور سخت صدمے کا باعث ہے کہ ایک عبادت گاہ (مسجد) کو گولہ بارود کے ذخیرہ خانہ یا جنگلی قلعے میں تبدیل کیا گیا، لال مسجد اور ملحقہ مدرسہ حصہ سے جدید اسلحہ کی نہ صرف نمائش کی گئی بلکہ معصوم طالب علم بچوں، بچیوں، مرد اور عورتوں کو پرغمال بنا کر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دہشت گردی کا بدترین مظاہرہ کیا گیا۔ مملکت کے اندر ایک مملکت بنائی گئی، حکومتِ وقت کی رٹ کو چیلنج کیا گیا۔ اپنی من پسند کی شریعت نافذ کرنے کے لیے خواتین اور مرد طلباء کی ڈنڈا بردار اور پستول بردار ”پولیس“ ٹولیاں بنائی گئیں، جو لال مسجد کے ارد گرد کے علاقوں اور بازاروں میں گشت کرتی تھیں، ملکی اور غیر ملکی خواتین، مردوں اور پولیس کو بازاروں، شاہراہوں، دکانوں اور حتیٰ کہ گھروں کے اندر گھس گھس کر اغوا کیا گیا اور انہیں لال مسجد میں حبس بے جا میں رکھا گیا۔ لال مسجد میں قائم عدالت سے سزائیں سنائی گئیں، سیکورٹی فورسز پر فائرنگ کی گئی، پبلک عمارات کو آگ لگائی گئی، جس پر مجبوراً سیکورٹی فورسز نے گھیراؤ کر کے ایک ہفتہ تک

انہیں وارننگ دی۔ پھر مذاکرات کی ناکامی پر وہ کچھ ہوا جو پاکستان کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا جس کی تمام تر ذمہ داری لال مسجد کی انتظامیہ اور وفاق المدارس کے کرتا دھرتا اور پس پردہ حکومتی اداروں میں ان کے ہمدردوں پر عائد ہوتی ہے۔ نتیجتاً سیکڑوں بے گناہ معصوم جانوں کو آگ اور خون کے دریا کی بھیشت چڑھا دیا گیا اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے مقدس نام پر کیا گیا۔ نام نہاد ”جہاد“ میں فتح سے قبل ہی دہشت پسندوں کے دونوں سرداروں عبدالعزیز اور عبدالرشید نے ”غازی“ کے لفظ کا لاحقہ اپنے نام کے آگے لگا لیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ:

دونوں ہی تنگِ ملت، دونوں وطن کے باغی

عبدالعزیز ”برقع“، عبدالرشید ”غازی“

پھر دنیا نے براہِ راست ٹیلی ویژن (Live Media) اسکرین پر دیکھا کہ لال مسجد کے ”مجاہدین“ کا کمانڈر انچیف، ”خیالی اسلامی حکومت“ کا ”امیر المؤمنین“، ”خود ساختہ اسلامی عدالت“ کا ”قاضی القضاات“ جس نے ”شہادت“ کا جامِ شیریں پینے اور جنت کی حوروں کے استقبال کے تین سو سے زیادہ مبشرات بیان کئے تھے، جامعہ حصہ سے نکلنے والی نوجوان طالبات کے جھرمٹ میں بزدلوں کی طرح برقع پہن کر فرار ہوتے ہوئے پکڑا گیا۔ بھلا گستاخانِ رسول ﷺ کو کبھی مبشرات ہو سکتے ہیں؟ ہاں شیطانی الہامات ہوں تو تعجب نہیں!

جب ہی اللہ تعالیٰ نے خود اس کو اپنے مبشرات کے جھوٹے ہونے کی دلیل بنا دیا

اور اس نے خود بھی پوری دنیا کے لیے میڈیا اسکرین پر ”نقابِ رخ“ الٹ کر قرآن مجید فرقان حمید کی آیاتِ کریمہ:

وُجُوۃٌ یُّوْمِنُوْنَ عَلَیْہَا غَبَرَةٌ ۝ تَرٰہُفُہَا قَتَرَةٌ ۝

(ترجمہ: اور کتنے مونہوں پر اس دن گرد پڑی ہوگی، ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے۔ [عس: ۸۰/ ۴۰، ۴۱]) کی عملی تفسیر اپنا اصل چہرہ دکھا کر پیش کی، وہ چہرہ جس کی تصویر آج سے قبل دنیا کی کسی بھی الیکٹرونک میڈیا کا کیمرہ نہ اتار سکا، آج اس نے خود اپنے اترے ہوئے چہرے کی اصل تصویر دکھا کر ملت اسلامیہ کو افسردہ و شرمندہ اور ملت کفر کو فرخندہ ”باں میوہ رسیدہ“ بنادیا۔ پھر کیا تھا، ملت کفر نے جسے عصرِ حاضر کی زبان میں ”صیہونی لابی“ کہتے ہیں، اپنے ہر چینل پر اس ننگِ دین، ننگِ وطن، ننگِ ملت کے چہرہ غَبَرَةُ قَتَرَةٍ کی ہر ہر زاویے سے خوب خوب تصویر کشی کی اور ہر تجزیہ نگار حافظ علیہ الرحمۃ کے اس شعر کے بموجب:

بس شکر باز گویم در بندگیِ خواجہ

گراوند بدستم آں میوہ رسیدہ

اس ”میوہ رسیدہ“ کے حصول پر خوب خوب بغلیں بجاتا اور منخوس چہرہ کو ملت اسلامیہ اور علماء ملت اسلامیہ کا اصلی چہرہ قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا اور اسلام کو دہشت گرد مذہب قرار دینے کے لیے دور دور کی کوڑی لاتا اور ان تبصروں کو بار بار بار نشر کر کے مسلمانوں کا خون کھولتا۔ لال مسجد اور اس کے ملحقہ مدرسہ حفصہ سے گولہ

بارود کا جو ذخیرہ نکلا، کلاشکوف، مشین گن، ہینڈ گرنیڈ، راکٹ اور راکٹ لانچر پیڈ، مائنیز، دیسی بم بنانے کے سامان، مدرسہ حفصہ کی وسیع و عریض عظیم چھ منزلہ عمارت میں تہہ خانہ در تہہ خانہ، اس کی قلعہ نما دیواریں کہ ڈائنامائٹ لگانے سے بھی نہ گر پائیں، ان سب نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ لال مسجد اور غصب شدہ زمین پر اس کی اسلحہ کے زور پر تو وسیع اور مدرسہ حفصہ کی سی۔ ڈی۔ اے سے بلا اجازت منظوری تعمیر، ایک سو چھ سبھی طویل المدت منصوبہ کا حصہ تھی جس کا مقصد کسی بھی سازگار وقت میں اسلام آباد پر قبضہ کر کے ”امیر المؤمنین عبدالعزیز برقع“ کی امارت اور ایک دیوبندی وہابی اسٹیٹ کے قیام کا اعلان تھا۔ لال مسجد کے سانحہ اور اس کے بعد کے حالات و واقعات سے اب یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی اور ملکی غیر ملکی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں بار بار دہرائی گئی اور اب بھی کہی جا رہی ہے کہ نہ صرف لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کی انتظامیہ اور اس میں تعینات مسلح دہشت گرد طالبان کا تعلق پاکستان میں نجدی عقائد کے ناشر فرقہ دیوبندیہ سے ہے کیونکہ لال مسجد، مدرسہ حفصہ، مدرسہ فریدیہ اور لال مسجد کی انتظامیہ سے ملحقہ دیگر ۲۸ مدارس جن کے متعلق حکومت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کی سیکرٹ ایجنسیوں کی خفیہ رپورٹ اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ان سب کا الحاق دیوبندی مدارس کی تنظیم وفاق المدارس سے ہے۔ خود وفاق المدارس کی مجلس عاملہ نے نہ صرف اسے تسلیم کیا بلکہ لال مسجد پر سیکورٹی فورسز کے پولیس ایکشن سے قبل اور بعد انہوں نے لال مسجد انتظامیہ کی حمایت میں زوردار بیانات جاری کئے اور

”برقع برداران“ اور دیگر دہشت گردوں کو ”محفوظ راستہ“ فراہم کرنے کے لیے وزیر اعظم، صدر مملکت اور حکومتی نمائندوں پر اثر انداز ہونے کی بھرپور کوشش بھی کرتے رہے۔ یہ بات اخبارات کی فائلوں اور الیکٹرونک میڈیا کی سی۔ ڈی میں ریکارڈ ہے۔ اس سے وہی انکار کر سکتا ہے جو دن کو نصف النہار کے وقت آسمان پر سورج کے چمکنے کا انکار کرے۔ لہذا جتنے بھی کلاشکوف بردار طالبان نظر آتے ہیں ان سب کا تعلق دیوبندی فرقہ سے ہے اور وہ انہی کہ مدرسہ سے پڑھے ہوئے ہیں، وہیں کے پروردہ ہیں یا اب بھی وہاں بطور طالب علم پرورش و تربیت پا رہے ہیں جبکہ الحمد للہ اہل سنت و جماعت کی تنظیم، تنظیم المدارس سے ملحقہ کسی بھی دارالعلوم کا کوئی طالب علم چھری بردار بھی نظر نہیں آئے گا۔

یہاں ہم یہ بھی وضاحت کر دیں کہ ”ہم سخن فہم ہیں، غالب کے طرفدار نہیں۔“ ہم نہ حکومت وقت کے حریف ہیں نہ حلیف اور نہ ہمارے کوئی اور سیاسی عزائم ہیں۔ ہم دین حقہ کے خدمت گزار ہیں۔ ہم نے ہر غلط کام پر حکومت کی تنقید کی ہے۔ خواہ وہ کشمیر کی آزادی کا معاملہ ہو، آزادیِ خواتین بل کا یا ملک میں نفاذِ شریعت کا یا نام نہاد ”روشن خیالی“ کے فروغ کا یا پاکستان کے استحکام کا، معارفِ رضا کے ادارے اور مضامین اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور بے مثال قربانیاں دیں جو تاریخ میں مرقوم ہے۔ آل انڈیائی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے آزاد مسلم مملکت کی تحریک شروع کی گئی تو پاکستان کی

تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرتے وقت اس کا ہراول دستہ ہم ہی تھے۔ اس لیے جس تحریک یا اقدام سے استحکام پاکستان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا مملکتِ خداداد کے حصول کے مقاصد میں رخنہ آئے، یا قرآن و سنہ کے خلاف آئین سازی کی کوشش کی جائے، ہم اس کی مخالفت کریں گے۔ لہذا لال مسجد کے واقعات کے پس پردہ جو عوامل سامنے آئے ہیں ہم اس پر بھی اسی نکتہ نظر سے روشنی ڈالیں گے تاکہ قارئین کرام اس کے پس منظر اور پیش منظر کے مختلف پہلوؤں سے واقف ہو سکیں اور انہیں اپنی رائے قائم کرنے میں آسانی ہو جائے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حادثہ لال مسجد (Lal Masjid Episode)

کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟

۱۔ زعمائے فرقہ و ہابیہ نجدیہ

۲۔ حکمران

۳۔ حکومتی ایجنسیاں

۴۔ بیرونی حکومتیں اور ایجنسیاں

جب ہم تاریخ کے تناظر میں وہابیہ نجدیہ کا تحقیقی اور معروضی جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کی بنیاد ہی شدت پسندی، فتنہ و فساد، دہشت گردی اور قتل و غارت گری پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ برصغیر پاک و ہند کی ایک نہایت معتبر و مستند اور غیر جانبدار شخصیت جن کا سنی، دیوبندی، وہابی سب ہی احترام کرتے ہیں، یعنی

حضرت علامہ مولانا شاہ زید ابو الحسن فاروقی مجددی نقشبندی علیہ الرحمۃ (پ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی (پ ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء یا ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء - ۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۲ء) جو وہابیہ فرقہ کے بانی ہیں، پر سب سے زیادہ نکیر (مخالفت) دو باتوں کی وجہ سے کی گئی ہے:

ایک: صرف تکلفیاتِ بلا دلیل کے (جھوٹی باتوں کو بنا کر بیان کر کے) اہل جہاں کو کافر قرار دینا اور اس سلسلے میں علامہ سید داؤد بن سلیمان نے انصاف کے ساتھ ان کا رد لکھا ہے۔

دوم: بغیر کسی حجت اور دلیل کے معصوم خون کا بہانہ اور اس کام میں ان کا تو غل۔ [۱]

حضرت زید فاروقی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کے مذہب کی تحقیق اس وقت کے دو اماموں علامہ بدر الملتہ سید محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی اور شیخ مرید التیمی نے کی۔ ان کا بیان ہے کہ ”ہمارے پاس محمد عبد الوہاب کے بعض رسالے بھی پہنچے ان رسالوں میں اہل ایمان کو کافر قرار دینے اور ان کو قتل کرنے اور ان کے مال لوٹنے کا بیان ہے۔ محمد بن عبد الوہاب کے رسالوں کو پڑھ کر اور ان کے احوال سن کر ہم کو یقین ہو گیا اس شخص کو شریعت کے صرف ایک حصہ کا علم ہے اور وہ بھی (اس نے) دقیق نظر سے نہیں دیکھا ہے اور نہ کسی باکمال سے پڑھا ہے کہ وہ اس کو صحیح راستہ پر لگاتا اور مفید علوم سے آگاہ کرتا اور تفقہ اور دقیق سنجی کی راہ پر

لگاتا۔“ [۲]

اور سید محمد امین بن عمر معروف بہ ابن عابدین نے ”در مختار“ کی شرح ”رد المحتار“ مطبوعہ ۱۲۴۹ھ کی تیسری جلد ”باب البغات“ ص ۳۹ میں لکھا ہے:

”جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پیش آیا ہے کہ نجد سے عبد الوہاب کے پیروان نکلے اور انہوں نے حرمین پر قبضہ کیا۔ وہ اپنے کو اگرچہ حنبلی کہتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی ہیں، جو بھی ان کے عقائد کے خلاف ہو وہ مشرک ہے بنا بریں انہوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کو قتل کرنا مباح قرار دیا ہے۔ تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت اور طاقت توڑی، ۱۲۳۳ھ میں مسلمان افواج کو ان پر فتح دی اور ان کا وطن برباد کیا۔“ [۳]

امام عبد اللہ بن عیسیٰ بن محمد صنعانی نے ۱۲۱۸ھ میں کتاب ”السيف الہندی فی اَبانة طریقة الشیخ النجدی“ لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہاب، عبد العزیز نجدی کے محلہ میں فروکش ہوئے، عبد العزیز نے بیعت کی اور وہاں کے لوگ ان کے مددگار ہوئے۔ ان لوگوں نے درعیہ کے قرب و جوار کے بستیوں میں اپنا مسلک پھیلا یا۔ جب محمد بن عبد الوہاب کے ساتھ ایک قوی جماعت ہو گئی: قَرَرَ لَهُمْ أَنَّ مَنْ دَعَا غَيْرَ اللَّهِ أَوْ تَوَسَّلَ بِنَبِيِّ أَوْ مَلِكٍ أَوْ عَالِمٍ فَإِنَّهُ مُشْرِكٌ شَاءَ أَوْ أَبَى یہ قانون نافذ کر دیا کہ جو شخص غیر اللہ کو آواز دے یا کسی نبی، یا فرشتے یا عالم کا وسیلہ لے، وہ مشرک ہے، اس کا ارادہ شرک کا ہو یا نہ ہو۔

محمد بن عبد الوہاب کے اس قول کی وجہ سے عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آتی ہے

اور اسی پر وہ مسلمانوں سے لڑے ہیں۔“ [۴]

نواب صدیق حسن خاں نے ”ابجد العلوم“ میں کچھ تفصیل سے محمد بن عبد الوہاب نجدی کا حال لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

”ولادت عینیہ میں ہوئی، قرآن مجید پڑھا اور حدیث کی سماع کی اور اپنے والد سے جو کہ حنبلی فقیہ گھرانے میں سے تھے، پڑھا، پھر حج کیا اور مدینہ منورہ گئے۔ وہاں شیخ عبد اللہ بن ابراہیم نجدی تلمیذ ابوالمواہب بعلی دمشقی سے پڑھا، پھر اپنے والد کے ساتھ نجد آئے اور جریمل میں قیام کیا، والد کی وفات کے بعد عینیہ آ گئے۔ وہاں اپنی دعوت پھیلائی، پھر کسی وجہ سے درعیہ آ گئے۔ وہاں امیر محمد بن سعود آل مقرن از اولاد بنی حنیفہ (از ربیعہ) نے ان کی اطاعت کی۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۱۵۹ھ کا ہے، اس کے بعد محمد بن عبد الوہاب کی دعوت نجد میں اور جزیرہ عرب کے مشرقی حصوں میں عمان تک پھیلی۔“ [۵]

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ محمد ابن عبد الوہاب نے اپنے مذہب کی بنیاد جمہور ائمہ اربعہ کے مذہب کے خلاف پر رکھی اور اول روز سے جبر، ظلم اور دہشت گردی کا سہارا لے کر عامۃ المسلمین کو بالجبر اپنا ہمنوا بنانے اور اربعہ امام کے مذہب کو ترک کر کے نجدی عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کیا کیونکہ جو ان کا عقیدہ و مذہب اختیار نہیں کرتا تھا، وہ اسے کافر و مشرک قرار دے کر قتل کر دیتے تھے اور دنیا کی سب سے بڑی مسلم سنی اسٹیٹ سلطنتِ ترکیہ کو جو اس زمانے میں دنیا کی سپر پاور تھی، انگریزوں

کی ملی بھگت سے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کوشش کی اور آخر کار تقریباً سو سال کے بعد ۱۹۲۴ء میں حکومتِ برطانیہ کی مدد سے وہ اس عظیم الشان مسلم قوت کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو گئے تو عبدالعزیز آل سعود نے ۱۹۲۴ء میں انگریزوں کی فوجی اور سیاسی مدد و حمایت سے مکہ المکرمہ اور مدینہ المنورہ کو تاراج کیا، مثلاً اسلامی آثار، مسجدوں، مدرسوں، صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات اور ان سے منسوب مکانات اور مساجد اور دیگر تبرکات کی بے حرمتی کی گئی، ان کو ڈھا کر ان پر گدھوں کے ہل چلائے گئے۔ طائف، مکہ المکرمہ اور پھر مدینہ المنورہ میں سیکڑوں کی تعداد میں علمائے کرام اور ہزاروں کی تعداد میں اہل سنت کو تہ تیغ کیا گیا۔ حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمۃ کی تصنیف تاریخ نجد و حجاز میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ برطانیہ اور یورپ کی دیگر عیسائی حکومتوں کی سلطنتِ ترکیہ اور مسلمانوں کے خلاف اقدامات اور خفیہ سازشوں کی مزید تفصیل اس دور کے ایک برطانوی جاسوس ”ہمفرے کے انکشافات“ نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو اول جرمنی کے جریدے ”سیگل“ میں شائع ہوئی۔ پھر عربی میں ترجمہ ہو کر بیروت سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ ہوا۔

پہلی بار ۱۲۲۰ھ میں نجدیوں نے ترکی صوبہ حجاز کے شہر طائف پر اچانک حملہ کیا، خلقِ خدا کو قتل کیا، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مسجد گرائی اور پھر وہاں سے محمد بن عبد الوہاب نجدی کا ایک مختصر رسالہ ”رد الاشراک“ مکہ المکرمہ

ارسال کیا گیا کہ اہل مکہ اربعہ امام کا مذہب (جو بقول ان کے معاذ اللہ) مشرکوں کا مذہب ہے، چھوڑ کر نجدیوں کا مذہب اختیار کر لیں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اسی دوران (۱۲۲۱ھ میں) یہ مختصر رسالہ ”رد الاشرک“ تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچایا گیا، چنانچہ یہ ہندوستان بھی پہنچا اور حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کی حیات میں دہلی پہنچا اور مولوی اسماعیل نے جزوی رد و بدل کے ساتھ ”تقویت الایمان“ کے نام سے شائع کیا۔ [۶]

یہ عجب اتفاق ہے کہ جس طرح نجدی کے رسالہ ”رد الاشرک“ کا سب سے پہلا رد ان کے بھائی علامہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نجدی نے ”الصوائق الالہیۃ فی رد علی الوہابیہ“ علمی انداز میں لکھ کر کیا بالکل اسی طرح اسماعیل دہلوی کے چچا زاد بھائی حضرت مولانا مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت مولانا شاہ محمد موسیٰ دہلوی نے ”معید الایمان“ اور ”حجۃ العمل“ کے نام سے تقویت الایمان کا رد لکھ کر کیا اور وہ تقویت الایمان کو ”تقویت الایمان“ یعنی ایمان کو فوت کرنے والی کتاب کہتے تھے۔ [۷]

حضرت علامہ مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ کے استفسار پر مولانا مخصوص اللہ ابن مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی علیہما الرحمۃ نے ”تحقیق الحقیقہ“ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کے مندرجات سے تقویت الایمان اور خود اس کے مصنف آنجنابی اسماعیل دہلوی کی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ اس میں انہوں نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ”میرے نزدیک اس کا رسالہ عمل نامہ برائی اور بگاڑ کا ہے اور

بنانے والا فتنہ گر اور مفسد اور غاوی اور مغوی ہے۔“ [۸] غالباً تقویت الاسلام کی اسی فتنہ انگیزی کی وجہ سے انگریزوں نے اس کی اشاعت اور مفت تقسیم میں حصہ لیا۔ (ملاحظہ ہو، مقالہ ڈاکٹریٹ عربی، ”العلامۃ فضل حق خیر آبادی، تحریر: ڈاکٹر قمر النساء، ناشر: عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد، دکن، ص: ۵۲) یہی نہیں بلکہ انگریزوں نے مسلمانان ہند کے دلوں سے محبت رسول ﷺ کے چراغ کو گل کر دینے اور سوادِ اعظم کے پختہ دینی عقائد کو متزلزل اور اسلامی افکار کو تبدیل کرنے کے لیے ایک اسلام دشمن اسکیم کے تحت اسماعیل دہلوی کی جماعت سے بعض کرائے کے مولویوں کو ۱۸۴۸ء میں پچاس پچاس روپے یا اس سے بھی زائد رقم دے کر اس کام پر مامور کیا کہ وہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں انگریزی مشنری کی طرف سے تیار کردہ ایک ”اسلامی نصاب“ کے مطابق قرآنی آیتوں اور احادیث مبارکہ کی من مانی تفسیر و تشریح سنا سنا کر سید عالم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور ان کی سچی پیروی کا جذبہ مسلمانوں کے دل سے محو کروائیں۔ انگریزوں کی اس نہایت سنگین اور خطرناک سازش کا انکشاف اس دور کے (۱۸۴۸ء) کے ایک سنی عالم مولانا سید اشرف علی گلشن آبادی (ناسک، مہاراشٹر، انڈیا) نے اپنی ایک کتاب ”تحفہ محمدیہ“، مطبوعہ لیتھو برقی پریس، نئی سڑک، کانپور، ص: ۳۲، ۳۱ پر کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: محمد نجم مصطفائی، منزل کی تلاش، ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد، پنجاب، ای۔ میل: najamustafai@yahoo.com)

ص: ۱۸ تا ۲۰)۔ انگریز اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ انگریزوں کے تنخواہ دار مولویوں اور سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی جیسے جعلی پیروں کے ماننے والے جھوٹے پیروؤں کی تبلیغ سے بے شمار مسلمانوں کے صحیح عقائد خراب ہوئے، پھر نئے اور پرانے عقائد والوں میں آپس میں جھگڑا فساد شروع ہو گئے۔ مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ کر تتر بتر ہو گئے اور آج آپس کے ان جھگڑوں نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ کھلے عام ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے، دلائل کی جگہ پستول اور بندوق نے لے لی۔ انگریز اور صیہونی طاقتیں جو چاہتی تھیں، وہ ہی ہوا۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت ختم ہو کر رہ گئی۔ یہ حقیقت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے ہی تھا۔ انہوں نے ان کے اندر اپنے ایجنٹوں سے خلفشار پیدا کر کے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ مسلمان ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف اپنوں کی غداری کے سبب ناکام رہے اور بعد میں حکومتِ برطانیہ کے خلاف جہاد کی جرأت نہ کر سکے۔

حضرت علامہ مفتی سید شاہ حسین گردیزی صاحب، اسماعیل دہلوی کی شخصیت کا ایک تجزیاتی اور نفسیاتی پس منظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند میں انتشار و افتراق، فتنہ پردازی، ضرب و فساد اور گردن کشی (دہشت گردی) کی روایت دلی کے لال قلعہ کے ارد گرد جامعہ مسجد دہلی سے شروع ہوتی ہے۔

”حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے یتیم پوتے شاہ اسماعیل دہلوی اس کام

کے لیے استعمال ہوئے جو اپنے اعمام (چچا حضرات، مثلاً حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ) سے کبیدہ خاطر تھے۔ بعض خانگی اور شخصی معاملات پر ناراضگی کو دیر پا بنانے کے لیے محمد بن عبد الوہاب نجدی کی متابعت میں ”تقویۃ الایمان“ کے نام سے ایک اختلافی رسالہ لکھ کر میدان میں لے آئے جس میں انہوں نے بعض معمولی ”افکار و افعال“ کو شرک اور حرام قرار دیا۔۔۔“

”اس طرح شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنے علمی و دینی خاندان سے شخصی اختلاف کا بدلہ لے کر مسلمانوں کو سو سالہ غلامی کے اندھیرے میں دھکیل دیا گویا شاہ اسماعیل دہلوی نے مسلمانوں میں مذہبی منافرت پیدا کی جس سے مسلمان حکومت کمزور ہوئی اور ایک مقامی طاقت اور حکومتِ پنجاب کو کمزور کر کے انگریز کی گود میں ڈال دیا۔ بس ان کے دو ہی کارنامے ہیں۔“ [۹]

مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کی تحریک وہابیت کے تاریخی پس منظر اور برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے عقائد ان کی سچائی اور اتحاد و اتفاق پر اس کے مضمرات کے حوالے سے علامہ حضرت زید ابوالحسن فاروقی علیہ الرحمۃ کی مذکورہ معرکہ الآراء تصنیف ”مولوی اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان“ پر ماہر رضویات حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی صاحب نے ایک بھرپور مقدمہ تحریر کیا ہے اور برصغیر پاک و ہند میں اس تحریک کے اصل چہرہ اور ان کے کریہہ مقاصد پر بھرپور انداز

میں روشنی ڈالی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس بات کا احساس اجاگر ہوتا ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی اور کسمپرسی کے اصل ذمہ دار کون لوگ ہیں۔

غرض کہ تاریخی توازن اور شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی اور ان کے جاہل پیرو سید احمد بریلوی انگریزوں کے وفادار تھے۔ بقول سر سید احمد خاں علیگڑھی، ”سید احمد بریلوی اور شاہ صاحب (اسماعیل دہلوی) کی عملی زندگی سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ لہذا ان حضرات کے انگریزوں سے جیسے اچھے تعلقات تھے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔“ (ملاحظہ کیجئے: مقالاتِ سر سید، ص: ۳۱۹، حصہ شانز دہم، اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منزل کی تلاش، مصنفہ: محمد نجم مصطفائی، مکتبہ تحقیقاتِ اسلامیہ حنفیہ، فیصل آباد، پاکستان، ص: ۶۵)

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ وہ دور ہے جب مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا ہے، عملاً انگریز پورے ہندوستان پر مسلط ہے، مگر پنجاب اور صوبہ سرحد پورے طور پر اس کے قابو میں نہیں ہے۔ پنجاب میں سکھ ایک طاقتور قوم اور انگریزی اقتدار کے حریف کے طور پر ابھر رہی ہے، ادھر سرحد کے علاقہ میں غیور مسلمان پٹھان قبائل متحد ہو کر انگریزی اقتدارِ اعلیٰ کے لیے چیلنج بن رہے ہیں۔ فرنگی پریشان ہے کہ ان دونوں سے کیسے نمٹا جائے۔ ادھر دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خانوادہ ایک ایسا علمی خانوادہ ہے جس کا اثر و رسوخ عوام، علماء اور لال قلعے کے اندر مغل بادشاہ اور اس کے درباریوں پر بھی ہے لہذا انہوں نے اسی خانوادہ کے ایک فرد

اسماعیل دہلوی کو مسلمانوں پر اثر و رسوخ ڈالنے کے لیے استعمال کیا کہ لوگ (مسلمان) ان کی بات سنیں گے اور اسے وہابیت کی تبلیغ کے لیے نہ صرف کھلی چھوٹ دی بلکہ وسائل بھی مہیا کیے۔ یہاں تک کہ ان کی کتاب ”تقویت الایمان“ فورٹ ولیم کالج پریس، کلکتہ سے شائع کر کے مفت پورے ہند میں تقسیم کی گئی [۱۰] اور پھر موصوف کو مسلمانانِ سرحد اور سکھوں کی قوت کو توڑنے اور منتشر کرنے کے لیے خوب اچھی طرح استعمال کیا۔ اگر اسماعیل دہلوی واقعی سکھوں سے جنگ کرنا چاہتے تو امرتسر کی طرف سے حملہ آور ہوتے نہ کہ سندھ اور بلوچستان سے گذر کر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے سب سے پہلی جنگ یاغستان کے امیر یار محمد خان سے کرتے۔ (ملاحظہ ہو، تذکرۃ الرشید، ج: ۲، ص: ۷۰-۳)

انگریزوں نے اس مہم میں اپنی عیارانہ سیاست سے تین مقاصد حاصل کیے:

- ۱۔ سکھوں اور انگریزی عملداری سے آزاد خود مختار صوبہ سرحد کی قبائلی مسلم ریاستوں کی فوجی قوت کو آپس میں دست و گریباں کر کے کمزور کرنا۔
- ۲۔ مغلیہ سلطنت کے حدود پر انگریزوں کی روز افزوں کسی نہ کسی بہانے یلغار کے خلاف ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی بے چینی اور اندر ہی اندر ان کی چیرہ دستیوں کے خلاف جہاد کی جو تحریک جنم لے رہی تھی، اس کا رخ سکھوں کی طرف موڑ کر ان کے اس جذبہ کو سرد کر کے رفتہ رفتہ ختم کرنا۔
- ۳۔ مسلمانانِ ہند، جن کی اس وقت تک نوے فیصد آبادی اہلسنت و جماعت پر

مشتمل تھی، ان میں فرقہ پرستی کا بیج بو کر داخلی طور پر ان میں انتشار، افتراق اور شکست و ریخت پیدا کر کے آپس میں دست و گریباں کرنا تاکہ وہ اجتماعی طور پر متحد ہو کر انگریزوں سے لڑنے کے قابل نہ رہ جائیں۔

واضح ہو کہ انگریز اپنی اس حکمت عملی (اسٹریٹجی) میں بہت حد تک کامیاب رہا۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اسماعیل دہلوی کے پیروکار، جنہیں عرف عام میں وہابی اور انگریزوں کے بنائے ہوئے قانون کی اصطلاح میں ”محمدی“ کہا جاتا ہے، انگریزوں کے حلیف اور مجاہدین جنگ آزادی کے حریف بنے، کچھ جو خاموش رہے، انہوں نے انگریزوں کی خفیہ سی۔ آئی۔ ڈی کی خدمات انجام دیں۔ جنگ آزادی میں ناکامی کی جہاں اور وجوہ تھیں، ان میں ایک اہم وجہ اپنوں کی غداری بھی تھی۔ اس غداری کے عوض انگریزوں نے انہیں سیاسی، مالی اور قانونی تحفظ فراہم کیا جس کے مثال ایسے وقت میں جبکہ ایک طرف انگریز ہزاروں علماء حق کا قتل عام کر رہا ہو اور سینکڑوں کی تعداد میں دینی مدارس کو بلڈوز کیا جا رہا ہو، دیوبند میں (مقلد) وہابیوں کے لیے ایک مدرسہ کا قیام اور اس کی سالانہ مالی گرانٹ [۱۱] اور غیر مقلد وہابیوں کو ”وہابی“ کہنے پر انگریزوں کی طرف سے قانونی پابندی اور ملک و بیرون ملک کے تبلیغی اسفار کے لیے ہر طرح کی سہولیات کی فراہمی ہے۔ [۱۲] آگے چل کر ان ہی دیوبندی (مقلد) وہابی علماء کے فتاویٰ کی بنیاد پر فتنہ انکار ختم نبوت نے سراٹھایا اور اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیان (مشرقی پنجاب، انڈیا) سے انگریزوں کے ایک

زر خرید غلام نے جھوٹی نبوت کا اعلان کر کے مسلمانانِ ہند کی جمعیت کو مزید کمزور کرنے کی کوشش کی۔ عجب اتفاق ہے کہ بساطِ تاریخ کے اسی منظر نامہ پر ٹھیک اسی عہد میں انگریزوں اور نجدیوں کی آپس کی ملی بھگت سے جبکہ سلطنتِ ترکیہ مغرب میں زوال پذیر ہو رہی تھی، فلسطین کی مقدس سرزمین پر ایک یہودی اسٹیٹ کے قیام کا خفیہ منصوبہ روبہ عمل آیا۔ انگریزوں نے غدار مسلمانوں کے تعاون سے مسلمانوں کے جسد میں دو اطراف سے ”قادیانیت“ اور ”یہودیت“ کے ایسے ناسور بنا دیے ہیں جن کا اندمال بظاہر قیامت تک نظر نہیں آتا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اہل اسلام کے لیے کوئی راہ پیدا فرمادے۔

ذرا محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکاروں اور ہندوستان میں نجدی تحریک کے بانی اسماعیل دہلوی کے پیروکاروں میں انگریزوں اور اسلام دشمن قوتوں کے ساتھ اشتراک عمل ملاحظہ!

کسے کہ لاله رادر گرہ بست
زبندِ مکتب و ملا بروں جست
بآں دین و بآں دانش مپرداز
کہ از مای برد چشم و دل دوست
(اقبال)

نا قابلِ تردید تاریخی دستاویزات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انگریزوں

نے اپنے غاصبانہ قبضہ کو قائم رکھنے اور جہاد کو روکنے کے لیے ایسے زر خرید مولوی تیار کئے جنہوں نے ہندوستان پر ان کے ناجائز تسلط کو مستحکم اور مضبوط کیا۔ یہ عمل جاہل پیر سید احمد بریلوی اور اس کے مرید جانی اور عظیم علمی و روحانی خانوادہ دہلی، ولی اللہی کی ناخلف و باغی اولاد شاہ اسماعیل دہلوی سے شروع ہوا اور مختلف مراحل سے گزرتا ہوا قیام پاکستان تک اور پھر اس کے بعد تیسرے مرحلے میں بھی بدل کر لال مسجد کے واقعہ تک جاری رہا اور اب کہیں دہشت گردی اور کہیں پٹرول و ڈالر (نجی ایڈ) کی مدد سے دینی مدارس، غصب شدہ زمینوں پر سرعت رفتار سے تعمیر مسجد پر وگرام تبلیغی اسفار اور چلوں کی صورت میں اور کہیں مزارات اولیاء کے توڑ پھوڑ کے لبادے میں جاری ہے۔ ۱۸۲۶ء سے لے کر آج تک برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش کے کروڑوں مسلمان ان نام نہاد وہابی مولویوں اور ان کی تبلیغی جماعت کے دام فریب میں مبتلا ہو کر گروہ درگروہ بٹ گئے۔ اس طرح ان دو ضمیر فروش نام نہاد مولویوں سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تعلیم و تربیت اور تقریر و تحریر سے برصغیر میں فرقہ واریت کا آغاز ہوا۔ عالم ماکان و مایکون مخبر صادق سید عالم رحمۃ اللہ علیہ کی پیشین گوئی کے عین مطابق سرزمین نجد سے قرن الشیطان برآمد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی غوست نے مشرق و مغرب کے امن پسند علاقوں کو فتنہ و فساد اور قتل و غارتگری کی آماجگاہ بنادیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ تحریک پاکستان میں دیوبندی وہابیوں نے من حیث القوم (باستثناء چند) گاندھی اور کانگریس کی حمایت اور بابائے قوم جناب محمد علی جناب

اور مسلم لیگ کی کھل کر مخالفت کی لیکن حیرت و استعجاب اس بات پر ہے کہ آج ان کے اخلاف یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ پاکستان کی تحریک کا ہر اول دستہ علماء دیوبند تھے اور پاکستان کا قیام دیوبندی حضرات کی حمایت سے ہی رو بہ عمل ہو سکا اور بہت سے ایسے بھی کانگریسی اور احراری علماء پاکستان ہجرت کر کے آ گئے جن کا تقسیم ہند سے قبل دعویٰ تھا کہ پاکستان پلیدستان ہے اور وہ اس کی ”پ“ بھی نہیں بنے دیں گے۔ [۱۳] ان علماء نے قیام پاکستان کے بعد اپنے گماشتوں کے ذریعہ حکومت کے مختلف محکموں میں رسوخ حاصل کیا اور ایوان حکومت تک رسائی حاصل کر کے مراعات وصول کیں۔ اپنے مدارس کے لیے مفت زمینیں حاصل کیں، غصب شدہ زمین پر مساجد تعمیر کیں اور اہل سنت کے مساجد پر ڈنڈوں اور بندوق کے زور پر فتنہ و فساد مچا کر قبضہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی بھی جو خود مسلکاً وہابی ہیں، دیوبندیوں سے پیچھے نہ رہی۔ ۱۹۸۸ء میں ہمارے ادارہ کے فائننس سیکریٹری جناب منظور حسین جیلانی صاحب نے کراچی شہر کے پارکوں میں غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ سو (۱۰۰) مساجد کا ایک جائزہ مرتب کیا تھا۔ اس وقت کراچی شہر کی میونسپلٹی کے سربراہ جماعت اسلامی کے آنجمنی لیڈر عبدالستار افغانی صاحب تھے۔ تقریباً اسی فیصد مساجد کا تعلق دیوبندی مسلک، پندرہ فیصد کا جماعت اسلامی اور پانچ فیصد کا اہل حدیث مسلک سے تھا۔ ان مساجد میں اہل سنت کی ایک مسجد بھی نہیں تھی۔ بعض علاقوں میں اہل سنت و جماعت کی چند مساجد (تین یا چار) پارک سے ملحقہ زمین پر بنی ہوئی تھیں۔ وہاں کی انتظامیہ

نے کراچی کے میسر آنجمنی عبدالستار افغانی کو تحریری درخواست دی تھی کہ ان کی مساجد بہت چھوٹی ہیں، نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اگر پارک کا کچھ حصہ (تقریباً ۱۰۰/۲۰۰ مربع گز) الاٹ کر دیا جائے تو نمازیوں کو سہولت ہو جائے گی۔ تو ان کو جواب دیا گیا کہ پارک کی جگہ مسجد تعمیر نہیں ہو سکتی۔ اس سے اہل سنت کے خلاف بغض و عناد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ لہذا ملک میں مذہبی و مسلکی معاملات میں جبر اور شدت پسندی کو فروغ ملنے لگا۔ ادھر یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جماعت اسلامی کی طلبہ تنظیم نے ”تھنڈر اسکوڈ“ کے نام سے دہشت گردی کو پہلی بار متعارف کرایا۔ پھر ایسا تبلیغی جماعت کا طریقہ ارشاد والدعوة، دیوبندی وہابیوں کی اس شدت پسندی میں مزید اضافے کا سبب بنی۔ اخباری خبروں کے مطابق تبلیغی جماعت کے اجتماع میں متعدد بار ایسے واقعات ہوئے کہ بھولے بھالے سنی پہلی بار ان کے دامِ تدویر میں پھنس کر رائے و نڈ کے اجتماع میں گئے۔ حسبِ عادت جوش میں آ کر انہوں نے ”یا رسول اللہ“ (ﷺ) کا نعرہ لگایا تو نہ صرف ان کو روکا گیا بلکہ اس ”شرک“ کے بدلے میں انہیں الٹا لٹکا کر مارا پٹا گیا۔

سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی نے وہابیت کے جوز ہریلے جراثیم اپنے دور میں صوبہ سرحد اور اردگرد کے دوسرے علاقوں میں چھوڑے تھے، قیام پاکستان کے بعد دیوبندی علماء اور ان کی تبلیغی جماعت نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے پورے ملک پاکستان بالخصوص صوبہ سرحد اور بلوچستان کی فضاؤں کو پوری طرح مسموم

کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پذیرائی انہیں صوبہ سرحد میں ملی۔ وہیں سے عسکریت پسندی، تشدد اور دہشت گردی کا مزاج وہابی مدارس اور تبلیغی جماعتوں کی تعلیم و تربیت سے عام اور سادہ مسلمانوں میں در آیا۔ اہلسنت کی مساجد و مدارس پر جبر و تشدد کے ذریعہ قبضہ ہونے لگا۔ بے شمار اولیاء کرام کے مزارات کو زمین بوس کیا گیا۔ بہت سوں کا نام و نشان بھی مٹا دیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں افغانستان میں روس کے خلاف جہاد شروع ہوا۔ بے شمار خاندان ہجرت کر کے پاکستان صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے علاقہ میں آ گئے۔ دیوبندی اور تبلیغی علماء صدر ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ انہوں نے صدر کی تائید سے اپنے مدارس کے دروازے افغانی طلباء پر کھول دیے۔ یہ مدارس میں تعلیم حاصل کرتے، پھر علاقہ غیر میں عسکری تربیت حاصل کرتے اور بعدہ افغانستان جا کر جہاد میں شریک ہو جاتے۔ ان علماء دیوبند میں لال مسجد اسلام آباد کے مولوی عبداللہ، ضیاء الحق کے بہت قریب تھے۔ انہوں نے اس جنگ میں ضیاء الحق صاحب کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ انہوں نے خود بھی عسکری تربیت حاصل کی اور اپنے صاحبزادگان عبدالرشید اور عبدالعزیز کو بھی عسکری تربیت دلوائی مجاہدین افغانستان اور حکومت پاکستان کے درمیان ایک طرح کے رابطہ (Liasoning) کی خدمات بھی انجام دیں۔ جب ضیاء الحق کے بعد افغانستان میں طالبان کا دور آیا تو یہ ان کے ساتھ ہو گئے۔ ملٹری انٹیلی جنس دیگر حکومتی خفیہ ایجنسیز سے ان کے ٹھیک ٹھاک تعلقات استوار ہوئے۔ یہیں سے ان کی زندگی

میں نیا موڑ آیا۔ آنجہانی مولوی عبداللہ کے حکومتی حلقوں اور حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) اور مسلم لیگ (ق) دونوں میں ہمدرد اور دوست بھی پیدا ہو گئے۔ مولوی عبداللہ نہایت متعصب، متشدد اور غالی قسم کے وہابی تھے، اہل سنت کے خلاف بالعموم اور شیعہوں کے خلاف بالخصوص جارحانہ تقاریر کرتے تھے اور غالباً اسی پاداش میں اپنے ”لال قلعے“ یعنی لال مسجد کے صدر دروازے کے سامنے گولی کا نشانہ بن کر ہلاک ہوئے۔

ان کی ہلاکت کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالعزیز نے ان کی جگہ لے لی اور اپنے چھوٹے بھائی عبدالرشید کو جنہیں مولوی عبداللہ نے اپنی زندگی میں ان کی ناشائستہ اور غیر اسلامی حرکتوں کی بناء پر عاق کر رکھا تھا، اپنا دست راست بنایا۔ دونوں بھائیوں نے اپنے والد کے قتل کا بدلہ لینے کی قسم کھائی اور اپنے نام کے آگے لفظ ”غازی“ کا اضافہ کیا۔

اسی دوران جنرل پرویز مشرف کی حکومت آگئی اور پھر ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد حکومت پاکستان نے افغانستان کی طالبان حکومت کی حمایت سے دستبرداری کا اعلان کرتے ہوئے اپنی خارجہ پالیسی کو یوٹرن دیا اور دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور یورپین برادری کی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ اس پس منظر میں ملٹری انٹیلی جنس اور دیگر حکومتی خفیہ ایجنسیوں کے سربراہان بھی تبدیل کیے گئے جس سے ”غازی“ برادران کے لیے مشکلات کا آغاز ہوا۔ مولوی عبدالعزیز پر اسلحہ کی اسمگلنگ کے سلسلے میں متعدد

مقامات قائم ہوئے، اس سلسلے میں رنگے ہاتھوں پکڑے بھی گئے۔ لیکن چونکہ حکومتی حلقوں اور خفیہ اداروں کی چٹائی سطح پر ان کے ہم درد موجود تھے، اس لیے یہ گرفتاری سے گریز کرتے ہوئے لال مسجد میں قلعہ بند ہو گئے اور پھر باہر نہیں آئے تا آنکہ لال مسجد پر پولیس ایکشن کے وقت برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے گرفتار ہوئے۔

مولوی عبدالعزیز حکومت وقت کی دہشت گردوں اور مقامی اور بیرونی طالبان کے خلاف فوجی مہم اور اپنے اوپر دہشت گردی و ناجائز اسلحہ کی اسمگلنگ کے سلسلہ میں قائم شدہ متعدد مقدمات سے سخت نالاں اور برہم تھے لہذا انہوں نے حکومت وقت بالخصوص جنرل پرویز مشرف پر دباؤ ڈالنے کے لیے اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا تا کہ عوام الناس کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ان پر جو دہشت گردی اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی اور اس کی بیرون ملک سے اسمگلنگ کے جوازات حکومت کی طرف لگائے گئے ہیں، وہ ان کی شریعت اسلامی کے نفاذ کے لیے جدوجہد اور مطالبہ کی بنیاد کی پاداش میں لگائے گئے ہیں۔ ”غازی برادران“ نے ایک نہایت منظم اور منضبط طریقہ پر حکومت وقت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا اور مسجد اور اس سے ملحقہ مدرسہ حصہ کے تقدس کی آڑ میں اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی اور طلباء اور نمازیوں کے بھیس میں مسلح دہشت گردوں کی آمد و رفت کا سلسلہ تیز سے تیز کر دیا۔ لال مسجد کو لال قلعہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ افسوسناک اور باعث شرم امر یہ ہے کہ اپنے ذاتی مفاد میں معصوم طلباء و طالبات کو استعمال کیا گیا، غصب شدہ زمینوں پر اسلحہ کے زور پر دن

دھاڑے قبضہ کر کے مساجد و مدرسہ قائم کئے گئے۔ طالبات کی ایک ڈنڈا بردار فوج بنائی گئی جس نے غازی برادران کے نفاذ اسلام اور غصب شدہ زمینوں پر مساجد بنوانے کا مطالبہ منوانے کے لیے مدرسہ حفصہ سے ملحقہ حکومت کی قائم کردہ چلڈرن لائبریری پر راتوں رات قبضہ کر لیا۔ لال مسجد کی حفاظت کے نام پر اس کے اطراف میں طلباء کے بھیس میں کلاشنکوف بردار دہشت گردوں کا پہرہ مقرر کیا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا کہ لال مسجد اور مدرسہ حفصہ کے اطراف کی سڑکوں سے کوئی فرد پایادہ یا کار/اسکوٹر سوار بغیر تلاشی دیئے گذر نہیں سکتا تھا۔ حتیٰ کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے افراد کو بھی گذر نہ نہیں دیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ مولوی عبدالعزیز کی ہمتیں بڑھیں، پولیس اور ریجنرز کے افراد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں اس علاقہ میں راہ چلتے ڈنڈوں اور کلاشنکوف کی بٹوں سے زد و کوب کر کے اغوا کیا جانے لگا۔ حکومتی جماعت میں ان کے ہم مسلک اور ہمدرد افراد جو وفاق المدارس (دیوبندی مدارس کے الحاق کا وفاق) کے علماء اور تبلیغی جماعت کے زیر اثر ہیں، ہمیشہ آڑے آتے رہے اور غازی برادران کے خلاف کسی قسم کے قانونی اقدام سے گریز کیا جاتا رہا۔ غازی برادران حکومتی حلقوں اور خفیہ ایجنسیوں میں اپنے ہمدردوں کی پس پردہ حمایت پر اس قدر اعتماد تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کے خلاف کوئی پولیس ایکشن نہیں کیا جاسکے گا اور وہ حکومت پر دباؤ کے ان ہتھکنڈوں سے نہ صرف اپنے اوپر قائم مقدمات سے خلاصی حاصل کر لیں گے بلکہ غصب شدہ زمین پر مساجد اور مدرسوں کی

صورت میں انہوں نے جو اپنی ذاتی جائیدادیں بنائی تھیں وہ بھی مفت میں ان کے حوالے کر دی جائیں گی نیز یہ کہ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو بھی اسلام آباد میں آئندہ حکومت آئے گی وہ مساجد، مدارس کی تعمیر و توسیع، اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے شرعی نکات کی تشریح و توضیح اور دارالحکومت اسلام آباد میں امن و امان کے سلسلہ میں ”غازی برادران“ اور ان کی ”ملیشیا“ سے مصالحت کی محتاج رہے گی۔ ”لال مسجد“ پر ۱۰ جولائی ۲۰۰۷ء کے پولیس ایکشن سے قبل پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں جو حالات تھے وہ آج سے تقریباً پونے دو سو سال قبل (۱۸۲۵ء) کے مغل سلطنت کے دارالحکومت دہلی سے ملتے جلتے تھے۔ بادشاہ وقت کی حکومت کی عملداری لال قلعہ کے اطراف تک محدود ہو چکی تھی۔ انگریز پورے ہندوستان پر عملی تسلط حاصل کر چکا تھا۔ دہلی کے ارد گرد جاٹ اور مرہٹہ اور سکھوں کے دہشت گرد دندناتے پھرتے تھے۔ رات کو شب خون مارتے، دن دھاڑے جس کو چاہے لوٹ لیتے، جسے چاہے اغوا کر لیتے اور بادشاہ وقت کے عمال سے تاوان الگ وصول کرتے رہتے تھے۔ دہلی کے لال قلعہ کے ارد گرد یہی حالات اور ماحول تھے جس سے انگریزوں کی ایمپرمولوی اسماعیل دہلوی نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اگر وہ دہلی میں بیٹھ کر اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہو جاتے اور مرتدین اہل سنت (وہابیوں) کی ایک جماعت ان کے ساتھ ہو جاتی اور بادشاہ وقت ان کا مسلک اختیار کر لیتا تو ان کا سلوک اور اگلا قدم اسی جہاد کا ہوتا جو محمد بن عبدالوہاب نجدی نے عامۃ المسلمین کے

ساتھ کیا۔ یعنی ان کے عقیدہ و مسلک سے اختلاف رکھنے والوں کا قتل عام اور ان کی عزت و آبرو اور مال و متاع کی بربادی۔ لیکن چونکہ اس وقت دہلی میں جید علمائے وقت بشمول ”شہید لیلیٰ نجد“ اسماعیل دہلوی کے محترم چچا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث بریلوی علیہم الرحمۃ موجود تھے اور عامۃ المسلمین کی غالب اکثریت متصلب قسم کی سنی المذہب تھی نیز بادشاہ وقت خود متصلب قسم کا سنی تھا لہذا بادشاہی مسجد میں خانوادہ ولی اللہی اور دہلی کے دیگر جید علماء اہل سنت کے ساتھ مناظرہ میں شکست کے بعد اسماعیل دہلوی نے انگریزوں کے مشورے پر بہار، بنگال اور کرناٹک کا رخ کیا جہاں انہوں نے اپنے عقیدے کی تبلیغ اور سکھوں سے جہاد کے لیے عامۃ المسلمین کو تشویق و ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ انگریزوں سے وفادار رہنے اور ان کے خلاف جہاد نہ کرنے بلکہ ان کی طرف سے ان کی حمایت میں جہاد کرنے کے بھی فتوے دیئے۔ [۱۴]

غرض کہ عبدالعزیز غازی اس دور میں اسلام آباد میں اسی اسماعیلی نجدی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے سرگرم تھے۔ وہ دارالحکومت اسلام آباد کو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے کا دہلی بنانا چاہتے تھے جہاں چاروں طرف انار کی پھیلی ہوئی تھی اور حکومت کی رٹ ختم ہو چکی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر وہ سید احمد بریلوی کی طرح ایک دہابی اسٹیٹ کا ”امیر المؤمنین“ بننے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا حشر ۱۸۳۲ء میں بالاکوٹ میں ہونے والے واقعہ سے زیادہ عبرتناک بنا دیا۔ سید احمد بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تو انگریزوں نے حمایت کی اور

مالی و فوجی تعاون کیا۔ [۱۵] لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ”برقع برادران“ اور لال مسجد کے دہشت گردوں کی پشت پناہ کون سی طاقت تھی یا اب بھی ہے؟ یہی بات سمجھنے اور سمجھانے کی ہے! یہ جدید اسلحہ جات (Sophisticated Weapons) پاکستان میں نہیں بنتے۔ روس، امریکہ اور یورپ میں بنتے ہیں، وہیں سے خریدے جارہے ہیں اور یہ نہایت مہنگے داموں پر ملتے ہیں۔ چونکہ یہی اسلحے پاکستان کی افواج کے پاس بھی ہیں تو ہمیں معلوم ہے کہ یہ کس قدر مہنگے ہیں۔ ان اسلحہ جات کی خریداری کے لیے ایک طاقتور فائنانشی کی بھی ضرورت ہے۔ آخر بلین ڈالر کہاں سے آرہے ہیں؟ سوال ٹیڑھا ہے لیکن جواب بالکل آسان اور سیدھا سادھا۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی کے وقت میں فرنگی (برطانیہ) سپر پاور تھا۔ وہی ان کے لائحہ عمل کا منصوبہ بندی کرنے والا اور وہی ان کا فائنانشی بھی تھا۔ برطانوی جاسوس ”ہمفرے کے انکشافات“ نامی کتاب میں اس کی ساری تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ آج کے دور میں سپر پاور امریکہ ہے جس کا دوسرا نام ”صیہونی لابی“ ہے۔ آج یہی صیہونی لابی مسلمان ملکوں بشمول پاکستان میں ہمارے اندر کے منافقین کے ذریعہ دہشت گردی، فرقہ واریت اور تشدد پسندی کو فروغ و ترغیب دینے کی کوشش کر رہی ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کی تکمیل کے لیے اسلحہ اور فنڈ بھی مہیا کر رہی ہے۔ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے!

اُس وقت سلطنتِ ترکیہ مسلمانوں کی عظیم اور طاقتور سلطنت تھی۔ اور لطف کی

بات یہ ہے کہ وہ ایک سنی اسٹیٹ تھی۔ اس کے جتنے سربراہ (خلیفہ) گذرے ہیں، وہ سب آقا و مولیٰ سید عالم ﷺ کی نعل پاک اپنے سروں پر لے کر چلنے والے تھے۔ دشمنانِ اسلام بالخصوص صیہونی فکر والوں کو سب سے زیادہ بغض اور نفرت ان مسلمانوں سے ہے جو نبی کریم سید عالم ﷺ کی ذات مقدسہ سے وارفتگانہ لگاؤ اور آپ کی محبت میں فداکارانہ جذبہ رکھتے ہیں۔ ایسے افراد پر مشتمل قوم بزورِ شمشیر بھی زیر نہیں کی جاسکتی۔ لہذا اس کا توڑ انہوں نے ابلیمسی نظریہ سے سیکھا کہ ان کے دلوں سے حبّ رسول ﷺ کو نکال دو پھر ان سے جو چاہو کروالو، جو چاہو لکھوالو۔ لیکن ایسی تعلیم اور ایسے نظریات کو عام کون کرے گا؟ ایک منافق ہی ایسی جسارت کر سکتا ہے۔ سلطنتِ ترکیہ کے زوال کے لیے فرنگیوں نے محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے پیروکاروں کو منتخب کر کے استعمال کیا اور ہندوستان میں مسلمانوں میں انتشار و افتراق کے لیے انہوں نے رائے بریلی کے ایک قزاق [۱۶] اور جعلی و جاہل پیر سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی ناخلف اولاد مولوی اسماعیل دہلوی کو استعمال کیا اور اپنے ”حسن انتخاب“ پر دشمنانِ اسلام سے داد لی۔

دورِ حاضر میں مسلم ممالک میں پاکستان واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا اور آج فوجی بالخصوص جوہری توانائی کے اعتبار سے تمام مسلم ممالک میں سب سے زیادہ طاقتور تسلیم کیا جاتا ہے۔ پھر اس ملک کی اکثریت اپنے نبی و آقا و مولیٰ ﷺ سے والہانہ محبت رکھتی ہے۔ اس لیے دشمنانِ اسلام کی نظر میں یہ کھٹک رہا ہے۔ اگرچہ

اس کا ایک بازو ۱۹۷۱ء میں ”صیہونی لابی“ کی سازشوں کی بدولت ہم سے الگ کر دیا گیا لیکن بھم اللہ! آج بھی پاکستان اپنے خطہ کا مضبوط ترین ملک ہے۔ صیہونی لابی اب عراق اور افغانستان کے بعد (معاذ اللہ) ہمارے پیارے ملک کے اندر خلفشار پیدا کرنے اور اسے دو لخت کرنے کی منصوبہ بندی کرتی نظر آ رہی ہے۔ لال مسجد کا واقعہ اسی سازش کی ایک کڑی ہے۔ اس کے لیے آج پھر اسماعیل دہلوی تحریک کے کارکنان اسے مل گئے ہیں۔ لال مسجد اپنی سوڈ (Episide) سو فیصد اسماعیل دہلوی کے نظریات کو مسلط کرنے کی ایک تحریک تھی جو اب صوبہ سرحد کے دور دراز علاقہ غیر تک پھیل چکی ہے جس کا مقصد اسلام آباد سمیت پورے صوبہ سرحد میں ایک وہابی اسٹیٹ کا قیام ہے۔ اس صوبہ میں متحدہ مجلس عمل کی حکومت کے قیام کا امریکہ کی طرف سے خیر مقدم بھی اسی مہم کا ایک حصہ ہے۔ گویا پاکستان کے اندر ایک وہابی اسٹیٹ کے قیام کی ریہرسل ہو رہی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح عراق میں صیہونی لابی نے بظاہر اس ملک کو تقسیم نہ کرنے کے اعلان کے باوجود شمالی عراق میں ایک سوشلسٹ کرد اسٹیٹ قائم کر دی ہے اور بقیہ ملک کو سنی اور شیعہ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ حالانکہ گُرد خود بھی مذہباً سنی ہیں۔

”لال مسجد“ کا سانحہ ہمارے لیے ایک وارننگ ہے۔ پاکستان کی بقا اور مسلم ممالک کے اتحاد و اتفاق کے لیے ایک ہی راستہ ہے اور وہ اپنے نبی پاک آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی نسبتوں کی استواری اور ان کی سچی اطاعت و پیروی

اور ان تمام باطل عقائد و نظریات کے ترک کا جو عقیدہ توحید کی تعلیم کی آڑ میں ہمیں سید عالم ﷺ سے اپنی تمام نسبتیں منقطع کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور سرکارِ رسالت مآب ﷺ کا گستاخ اور نافرمان بنا کر ہماری دنیا و آخرت برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس دنیائے فانی میں آنے کے مقاصد کی تکمیل اور یہاں سے کامیابی و کامرانی سے کوچ کرنے کا ایک یہی راستہ ہے جس کی نشاندہی عصر حاضر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے یوں فرمائی ہے۔

انہیں جانا، انہیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام

لہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

یا بقول علامہ اقبال:

بمصطفیٰ برسوں خویش را کردی ہمہ اوست

اگر باو نہ رسیدی تمام بولہی است

سیاسی و فوجی مقاصد:

لال مسجد سانحہ سے قبل گذشتہ ۶ ماہ کے دوران لال مسجد کی انتظامیہ کی طرف سے میڈیا انٹرویو اور اخباری بیانات کے ذریعہ بار بار یہ بات کہی گئی کہ ان کے کوئی سیاسی و فوجی مقاصد نہیں ہیں، وہ صرف حکومت کی غلط پالیسیوں کی اصلاح، معاشرے کا سدھار چاہتے ہیں۔ چونکہ گذشتہ کئی برسوں سے حکومت نے ان کی بات نہیں سنی اور شریعت کا مکمل نفاذ نہ کر کے آئین پاکستان کی خلاف ورزی کی ہے، معاشرے کے

بگڑے ہوئے افراد نے ان کے طلباء و طالبات کے بار بار کے انتباہ کے باوجود فحاشی و بے حیائی کے خلاف اپنا رویہ نہیں بدلا اس لیے ارشادِ رسول ﷺ کی روشنی میں بزورِ طاقت شریعت کا نفاذ کرنا اور معاشرے سے برائیوں کو ختم کرنا ان پر فرض ہو گیا ہے اور وہ یہ کام کر گزریں گے۔ ظاہر ہے کہ لال مسجد کی برقع پوش انتظامیہ کے اس بیان سے اور وفاق المدارس سے وابستہ علماء و اساتذہ کی طرف سے ان کے مطالبے کی مکمل تائید سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کے سیاسی اور فوجی دونوں عزائم تھے (اور اب بھی ہیں) اور وہ ملک خصوصاً دارالحکومت اسلام آباد کی مرکزی جگہ پر قبضہ جما کر، معاشرے میں انتشار پھیلا کر اور لوگوں کو اغواء کے واقعات اور اسلحہ کی نمائش سے خوف زدہ و دہشت زدہ کر کے اپنے ان عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے تھے۔

اس کی تائید اور دستاویزی شہادت ان دو کتابچوں سے بھی ہوتی ہے جو لال مسجد انتظامیہ نے اپریل ۲۰۰۷ء میں شائع کیے تھے جس کا انکشاف معروف صحافی اور اخبار ”جنگ“ کے کالم نگار جناب حامد میر نے مذکورہ اخبار کی ۲۱ اگست کی اشاعت میں ”قول و فعل کا تضاد“ کے عنوان کے تحت کیا ہے۔ اس کالم میں موصوف نے ملک کے جید دیوبندی علماء اور ان کے ہم مسلک فرقہ ”جماعت اسلامی“ کے امیر ترین ”امیر“ جناب قاضی حسین احمد صاحب کے لال مسجد میں محصور دہشت گردوں اور ان کے سردار ”برقع برادران“ کے ساتھ منافقانہ رویہ کا ذکر کیا ہے۔ حامد میر صاحب کو یہ کتابچہ لال مسجد کے نائب خطیب نے اس وقت دیئے تھے جب اپریل ۲۰۰۷ء

میں ان کا انٹرویو لینے وہاں گئے تھے۔ ان میں ایک کتابچہ پاکستان میں اسلامی نظام کے عملی نفاذ سے متعلق ”تحریک طلباء و طالبات“ کے عنوان سے تھا اور دوسرا کتابچہ ”تحریک طلباء طالبات کے مقاصد“ کے بارے میں تھا۔ اس کتابچے میں ملک بھر کے معروف ۸۸ دیوبندی علماء کے ناموں کی ایک فہرست شائع ہوئی جنہوں نے ”برقع“ برادران اور لال مسجد کے طلباء و طالبات کے مطالبات اور لائحہ عمل کی مکمل حمایت کا اعلان کیا تھا۔ لیکن جناب حامد میر صاحب نے غالباً بعض مصلحتوں کی وجہ سے یا شاید اخبار جنگ نے اپنی پالیسی کے تحت صرف ۱۸ علماء کے نام کالم میں درج کیے ہیں، ۷۰ ناموں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کتابچے میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ۱۵ فروری ۲۰۰۷ء کو قاضی حسین احمد صاحب لال مسجد آئے اور انہوں نے مسجد میں موجود طلباء کے ساتھ اظہارِ بیعتی کے لیے نفلی اعتکاف کیا اور طلباء کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جو حضرات بڑی راتوں مثلاً لیلة القدر، لیلة الاسری وغیرہ میں مسجدوں میں نفلی اعتکاف اور شب بیداری کو بدعت سیہ قرار دیتے نہیں تھکتے، وہ لال مسجد میں نفلی اعتکاف کے ثواب کا زبردستی مزہ لوٹنے جارہے ہیں۔ پھر ”الاعمال بالتیات“ کے تحت اگر واقعی قاضی صاحب اعتکاف کی ہی نیت سے گئے تھے تو صرف اعتکاف کر کے واپس آجاتے اور سیاسی مذاکرات نہ کرتے۔ جب دُنیوی سیاسی مقصد کی تکمیل کی خاطر ”برقع“ برادران سے جو گفتگو ہو گئی تو اب اعتکاف کیسا اور اس کا ثواب کیسا؟ کاش کہ قاضی صاحب نے مجددِ عصر حضور مفتی اعظم

مصطفیٰ رضا خاں نوری قدس سرہ جیسے بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا ہوتا تو انہیں آدابِ بندگی سے آگاہی ہوتی۔ ایک طرف آپ نے کائنات کے سردار اور ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کو معاذ اللہ ”عرب کے ایک چرواہے“ کا لقب دینے والے پیروکار کا عمل ملاحظہ کیا۔ اب دوسری طرف ایک رہبرِ شریعت و طریقت، مجددِ وقت، مفتی اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری علیہ الرحمۃ والرضوان کی اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی سنتِ مبارکہ کی پیروی کا حال سنیں، اپنے ایمان کو جلا بخشیں اور شریعت کا مسئلہ بھی سمجھ لیں۔ ایک مرتبہ آپ حرم شریف میں بعد طواف بیٹھے ذکر اذکار فرما رہے تھے کہ ایک صاحب نے انہیں زمزم شریف نوش کرنے کے لیے پیش کیا۔ آپ نے جزاک اللہ فرمایا اور فوراً گلاس لے کر مسجد حرام کے دروازے کے باہر تشریف لے گئے، زمزم شریف پیا، پھر واپس تشریف لا کر اپنی نشست پر تشریف فرما ہو گئے۔ زمزم لانے والے صاحب نے دریافت کیا حضرت آپ نے اتنی زحمت کیوں فرمائی، یہیں زمزم شریف پی لیتے۔ آپ نے فرمایا، بات یہ تھی کہ میں نے مسجد شریف میں داخل ہوتے وقت سنتِ اعتکاف کی نیت نہ کی تھی، اس لیے باہر جا کر زمزم شریف پیا اور اب اعتکاف کی نیت کر کے آیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں، آپ اعتکاف کی نیت فرما لیتے، پھر یہیں زمزم شریف پی لیتے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ نے جس وقت زمزم شریف پیش کیا مجھے سخت پیاس لگی تھی اگر اب میں اعتکاف کی نیت کرتا تو اصل نیت تو پیاس بجھانے کی ہوتی، اعتکاف کا اجر نہ ملتا چونکہ پیاس

بجھانے کی خاطر ایسا کرتا جبکہ اعتکاف خالصاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔

قاضی صاحب! یہ آدابِ بندگی و زندگی وہی حضراتِ قدس سکھا سکتے ہیں جو اہل اللہ ہیں، جو شریعت و طریقت دونوں کے مجمعِ البحرین ہوتے ہیں، جو لوگ اپنے ذاتی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل اور جان و مال کی حفاظت کی خاطر ہمہ وقت مسلح دستوں اور ڈنڈا بردار پولیس کے حلقوں میں گھرے ہوتے ہیں، وہ خود اپنے عمل سے اپنے مجرم ہونے اور اللہ مالک و مولیٰ کی ذات پر ایمان کامل نہ ہونے کے مُقر ہوتے ہیں، وہ انسانیت دشمن ہیں۔ وہ خود کو اور اپنے پیروکاروں کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوتے ہیں، یہ بھٹکے ہوئے کسی کی کیا رہبری و رہنمائی کر سکیں گے۔

ادھر آہر قدم پر حسنِ منزل تجھ کو دکھلا دوں

فلک کو یا س سے منزل بہ منزل دیکھنے والے

تعجب ہے کہ جناب قاضی صاحب برس ہا برس حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صاحب کی صحبت میں رہے اور انہیں بباغِ دہل اپنا امام اور پیرو رہنما کہتے رہے لیکن نہ آدابِ فرزندہ کی سیکھے نہ بندگی کا سلیقہ۔ شاید وہاں بھی اپنے گروہ کی روایتی پالیسیِ مہانت و منافقت کا شکار رہے۔

غصب شدہ زمین پر تعمیر مدرسہ و مسجد:

لال مسجد کرائس کے دوران ”برقع برادران“ اور ان کے حمایتی دیوبندی فرقہ کے علماء کی طرف سے دیگر مطالبات کے علاوہ جو اہم مطالبہ سامنے آیا اور جو اس

کرائس کے سنگین تر ہونے کا فوری سبب بھی بنا، وہ ان آٹھ مساجد کی تعمیر نو اور ان کا لال مسجد کی انتظامیہ کے حوالے کرنا تھا جو سی۔ ڈی۔ اے (Capital Development Authority) نے اس بنا پر گرا دی تھیں کہ وہ غصب شدہ زمین پر ناجائز طریقہ پر بنائی گئی تھیں۔

لال مسجد وہ مسجد ہے جو اسلام آباد میں غالباً ۱۹۶۰ء/۱۹۶۱ء میں صدر ایوب خاں کے دور میں سرکاری طور پر بنائی گئی تھی جب شروع شروع دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہوا تھا۔ یہ مسجد محکمہ اوقاف کی تحویل میں تھی، امام و خطیب کی وہاں ضرورت تھی۔ اس زمانے میں پیر دیول شریف مرحوم کو صدر ایوب خاں کا بڑا قرب حاصل تھا۔ مشہور یہی ہے کہ وہ صدر ایوب کے پیر تھے۔ ”برقع برادران“ کے ابا جان عبد اللہ ایک عام سے غیر معروف دیوبندی مولوی تھے، بے روزگار بھی تھے۔ لال مسجد اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد تھی لہذا ایک پلاننگ کے تحت ان کو پیر دیول شریف مرحوم سے مرید کرایا گیا۔ موصوف ان کے آگے پیچھے خادم کی طرح رہنے لگے۔ مہانت اور منافقت کا لبادہ اوڑھ کر خود کو سنی ظاہر کرتے تھے۔ پیر صاحب کی ذکر و فکر اور میلاد شریف کی محفل میں شریک ہو کر تمام معمولات ادا کرتے تھے۔ عبد اللہ صاحب نے پیر صاحب سے سفارش کی حضرت میں بیروزگار ہوں، آپ صدر ایوب سے کہہ کر لال مسجد کی امامت و خطابت دلوادیں۔ پیر دیول شریف مرحوم سیدھے سادے انسان تھے وہ انہیں پہچانے نہیں، ان کی سفارش کر دی اور یہ لال مسجد کی مسند

امامت و خطابت پر مامور ہو گئے۔ پھر انہوں نے صدر مملکت کے حضور رسوخ حاصل کر لیا، محکمہ اوقاف میں بھی دخیل ہو گئے۔ گریڈ پر گریڈ بڑھواتے رہے۔ صدر ایوب کی برطرفی کے بعد بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔ اب کھل کر اپنے عقیدہ مسلک کی تبلیغ کرنے لگے۔ صدر ضیاء الحق کے زمانے میں ان کے بھاگ کھل گئے۔ افغانستان پر روسی حملہ کے بعد صدر ضیاء الحق نے امریکہ کی شہ پروہاں کے مجاہدین کے حمایت میں پاکستانی فوج بھیجنے کے بجائے یہاں سے مجاہدین بھیجنے کا فیصلہ کیا تو مولوی عبداللہ صاحب صدر ضیاء الحق کے ہر طرح سے کام آئے۔ پہلے علماء سے جہاد کے حق میں فتویٰ لیا، افغان مہاجرین کے طلباء (طالبان) کا پاکستان کے تمام بڑے دیوبندی مدارس میں داخلہ کا بندوبست کیا، ان کی تعلیم و تربیت کے علاوہ ان کی ”جہادی“ تربیت کی ذمہ داری بھی نبھائی، اسلحہ کی کھیپ کی کھیپ ان کے پاس آنے جانے لگی۔ ضیاء الحق صاحب ان سے بہت خوش ہو گئے اور انہیں ان ”خدماتِ جلیلہ“ کے صلہ میں خوب خوب نوازا۔ پھر صدر ضیاء الحق کے بعد جتنی بھی حکومتیں اور صدور آئے، ان کو اپنی افغان پالیسی کی حمایت کے لیے عبداللہ صاحب کی ضرورت رہی۔

اس دوران چونکہ ان کے عسکری اور خفیہ ایجنسیوں کی اعلیٰ شخصیات سے روابط مضبوط ہو گئے، انہوں نے لال مسجد کی حدود کو ملحقہ غصب شدہ زمین پر وسیع سے وسیع تر کر کے اپنی جائیداد بنانا شروع کر دی۔ مدرسہ حفصہ محکمہ تعلیم کو الاٹ شدہ وسیع و عریض رقبہ کی غصب شدہ زمین پر قائم کیا گیا اور اس کی چھ منزلہ عمارت قلعہ کی طرز پر

بنائی گئی۔ اس طور پر موجودہ حکومت کی خفیہ رپورٹ کے مطابق اسلام آباد اور اس کے اطراف میں ان کے ۲۸ مدارس اور لال مسجد کے علاوہ آٹھ دیگر مساجد ان کے قبضہ اثر میں آ گئی تھیں۔ کشمیر میں وہابی جہادی تنظیموں، لشکرِ طیبہ، حرکتِ المجاہدین، حرکتِ الانصار، جمیش محمدی وغیرہم کی طرف سے نام نہاد جہاد کشمیر میں حصہ لینے اور افغانستان میں طالبان کی حکومت کے قیام کے بعد ان کے رابطے مذکورہ وہابی جہادی تنظیموں اور طالبان افغانی حکومت سے مزید مضبوط ہو گئے۔ اب طالبان مجاہدین کی کھلے بندوں ان کے پاس آمد و رفت شروع ہو گئی۔ کشمیر میں جہاد کرنے والی کالعدم وہابی تنظیمیں اپنے مجاہدین کو فوجی تربیت کے لیے افغانستان بھیجنے لگیں۔ آنجمانی مولوی عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک طرف ان وہابی جہادی تنظیموں کی حمایت حاصل ہو گئی تو دوسری طرف ان تنظیموں کو پاکستان کے دارالحکومت کے عین قلب میں لال مسجد کی صورت میں ایک پناہ گاہ میسر آ گئی۔ ان جہادی تنظیموں کا پاکستان کو تباہ و برباد کرنے کا کیا منشور تھا، اس کے لیے ملاحظہ ہو، روزنامہ ”پاکستان“، لاہور، مورخہ ۹ نومبر ۱۹۹۶ء، اور ماہنامہ ”اہل سنت“، گجرات، ماہ دسمبر ۱۹۹۸ء۔ مثال کے لیے صرف ایک کالعدم جہادی تنظیم ”لشکرِ طیبہ“ کے مقاصد کی، جس کا فوجی ہیڈ کوارٹر مرید کے میں ہوا کرتا تھا، ایک رپورٹ ملاحظہ ہو:

”آج پاکستان بھر میں سنی مسلمانوں کو کشمیر کے جہاد کے بہانے لشکرِ طیبہ، حرکتِ المجاہدین، حرکتِ الانصار، حزبِ المجاہدین، تحریکِ المجاہدین، المبارک، جمیش محمد اور دیگر

وہابی تنظیموں میں شامل کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ وہ تنظیمیں ہیں جن کے بڑوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کیا اور ہندوؤں کا بھرپور ساتھ دیا۔ آج وہابی دیوبندی تنظیمیں جہاد کے نام پر ہندوستان کو اپنا دشمن ظاہر کر رہی ہیں۔ ذرا سوچئے اگر یہ واقعی دشمن ہیں تو پھر بھارتی حکومت اپنے دشمنوں کے عالمی مرکز مدرسہ دیوبند کا محاصرہ کیوں نہیں کرتی؟ دہلی کی جامع مسجد کے دیوبندی امام بخاری کو گرفتار کیوں نہیں کرتی؟ دہلی میں تبلیغی جماعت کے عالمی مرکز کو مسمار کیوں نہیں کرتی؟ کیا یہ ساری حقیقتیں انڈین حکومت کے علم میں نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں مگر ایسا سب کچھ مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور ہندو اور یہود کے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے بعد ان کے بناوٹی جہاد سے دور رہیں۔۔۔۔۔“

”ملک کو مکمل تہس نہس کرنے اور یہاں نیا دین، نئی شریعت اور نیا کلچر رائج کرنے کے لیے مذہب کے نام پر ایک دہشت گرد عسکری تنظیم خفیہ طور پر مکمل تیاری میں مصروف ہے جو منافقت اور دھوکہ فریب کے پردوں اور جعلی جہاد کشمیر کے لبادوں میں لپٹی اپنی تیاری مکمل کر رہی ہے۔ اس دہشت گرد تنظیم کا نام لشکر طیبہ ہے اور ”مرید کے“ میں اس کا ہیڈ کوارٹر ہے جس کی سرپرستی بعض بیرون ملک کی ایجنسیاں کر رہی ہیں۔ اس تنظیم کے مقاصد کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ مضبوط ترین عسکری قوت بنا جو وقت آنے پر افواج پاکستان سے نبرد آزما

ہوسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاد کشمیر کو حیلہ بنانا اور عوام کو جہاد کا حکمہ دے کر اپنے تربیتی اداروں اور کیمپوں میں لے جا کر انہیں جبراً وہابی اہل حدیث بنانا، جو نہ مانے اس کو قتل کر کے بڑے خاص انداز سے یہ مشہور کرنا کہ یہ ہمارا مجاہد ہے جو جہاد میں شہید ہو گیا ہے۔ پھر اس کے بارے میں اخبارات میں جھوٹی خبریں چھپوانا اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا۔

۲۔ افواج پاکستان میں دھڑے بندی، مذہبی منافرت اور مذہبی گروہ بندی بنانا تاکہ فوج انتشار کا شکار ہو کر کمزور ہو جائے اور وقت آنے پر فوج کے اندران کی تیار لابی ان کا ساتھ دے اور فوج کے جو گروہ ان کے مخالف نظریات رکھتے ہوں، ان کو مار بھگایا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے فوجی اداروں میں اپنے مکتبہ فکر کے آفیسر اور خطیب مقرر کرانا اور انہیں اپنے نظریات کے پرچار کے لیے فوج میں فری ہینڈ دلوانا۔

[خصوصی نوٹ: اس کی زندہ مثال تبلیغی جماعت کے اجتماع میں شرکت کے لیے افواج پاکستان کے تینوں شعبے، آرمی، ایئر فورس اور نیوی کے جوانوں اور افسروں کو نہ صرف فری ہینڈ دینا بلکہ ان کو اجتماع میں شرکت کے لیے تبلیغی وہابی افسروں کی طرف سے باقاعدہ تشویق و ترغیب دینا اور ٹرانسپورٹ مہیا کرنا ہے۔ لیکن کوئی جوان سنی تبلیغی جماعت ”دعوت اسلامی“ کے اجتماع میں اگر چھٹی لے کر بھی جانا چاہے تو اس کے خلاف فوجی تنظیمی قوانین کی خلاف ورزی کی شق لگا کر تادیبی کارروائی کی دھمکی دینا، اسی طرح کراچی کی ایک ایئر بیس (Air Base) میں ایک سینئر آفیسر کے لیے اپنا ہیڈ کوارٹر

چھوڑ کر نہ جانے کی پابندی ان کے ایک تبلیغی کمانڈنگ آفیسر نے اس لیے لگادی تھی کہ وہ ایک اعلیٰ پایہ کے سنی عالم دین اور مفتی تھے اور میلاد النبی ﷺ کے جلسوں میں فی سبیل اللہ خطاب فرماتے تھے۔ فوج میں فرقہ پرستی اور تعصب کی ایک اور مثال کارساز پر بخاری شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مزار سے متصل مسجد اور مدرسہ پر، جو گذشتہ ۲۵ سال سے قائم تھا، راتوں رات قبضہ اور پھر مدرسہ کو نیوی کی تحویل میں دینے کے بجائے شہر کی ایک متعصب وہابی تنظیم ”عالمگیر ویلفیئر ٹرسٹ“ کی انتظامیہ کے حوالہ کرنا ہے۔ اسی طرح ملیر کینٹ بازار میں اہل سنت کی ایک نیک فیاض خاتون کی اپنے پیسوں سے تعمیر شدہ مسجد پر دیوبندی کمانڈنگ آفیسر کی طرف سے جبراً قبضہ کر کے آرمی انتظامیہ کے حوالے کرنا اور پھر وہاں دیوبندی مسلک کے خطیب و امام کی تقرری ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں، ایسی سیکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔]

۳۔ پاکستان کو نجدی اسٹیٹ بنانا جس کو عرب ممالک کی طرح انگریز مغربی ممالک کی سرپرستی حاصل ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک میں سر عام نجدیت کا پرچار کرنا اور مختلف حیلوں سے لوگوں کے ایمان خراب اور عقیدہ تباہ کرنا تاکہ وقت آنے پر عربوں کی طرح ان کی غیرت ملی اور حمیت دینی مردہ ہو چکی ہو اور وہ چپ چاپ سب کچھ برداشت کر جائیں۔

۴۔ مسلمانوں کے دلوں سے انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور عقیدت مختلف طریقہ ہائے واردات سے ناپید کرنا تاکہ وہ دین کی برکات سے

محروم ہو کر بے دست و پا ہو کر رہ جائیں اور ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح اپنی مرضی سے ہانکا جاسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی محبت اور عقیدت کو کفر اور شرک قرار دینا اور ان پاک ہستیوں کے خلاف تقاریر اور لٹریچر کے ذریعے منافرت پھیلانا تاکہ وقت آنے پر ان ہستیوں کے مزارات و آثار کو نیست و نابود کیا جاسکے (جو اسلامی قوت کا سرچشمہ و مرکز شمار ہوتے ہیں)۔

۵۔ سرکاری اور نجی اداروں میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرنا تاکہ ہر سطح پر حصول مقاصد میں آسانی پیدا ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر ادارے میں اپنے ایجنٹ ایڈجسٹ کرانا۔

۶۔ اہل سنت و جماعت کے خلاف مختلف پروپیگنڈے کر کے اس کو ختم کرنا اور یہاں انگریزوں کی خود ساختہ نجدی شریعت نافذ کرنا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اپنے ہم نظریہ مولویوں کی مکمل سرپرستی کرنا اور جو علماء اہل سنت ان کے خلاف لوگوں کو آگاہ کریں، ان کو قتل کر دینا۔ صوبہ سرحد کے سابق صوبائی اسمبلی نے نفاذ شریعت کے لیے جو حسبہ بل پاس کیا تھا، اس میں بھی شریعت کی اپنی من مانی تعریف کی گئی تھی اور مجلس عمل کی شریک کار جماعت جمعیت علماء پاکستان کے اعتراض کے باوجود بل کی اس مخصوص شق پر جمعیت کا اعتراض نظر انداز کر کے منظور کیا گیا۔ اس سلسلے میں اس وقت کے جمعیت کے نائب سینئر صدر صاحبزادہ ابوالخیر نقشبندی صاحب نے تمام سنی

علماء، اسکا لراور دانشوروں کو ایک گشتی مراسلہ تحریر کیا تھا جس میں بل کے نفاذ کے خلاف احتجاج کے لیے کہا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو، معارف رضا ستمبر ۲۰۰۵ء کا ادارہ ”ہائے اس زود پشیمیاں کا پشیمیا ہونا“۔)

۷۔ مذکورہ مقاصد کے حصول میں جب ہر سطح پر نمایاں کامیابی کے آثار نظر آنے لگیں تو یک دم ہلہ بول دینا اور اپنے سر پرست ممالک کی افواج کو بلوا کر اس ملک پر قبضہ کر لینا اور یہاں وہی تاریخ تازہ کر دینا جو عرب ممالک میں ترکوں کی (سُنی) اسلامی حکومت اور ان ممالک کے سنی مسلمانوں کو ان نجدیوں کے ہاتھوں پیش آئی تھی۔“

(ملاحظہ کیجئے، ماہنامہ ”اہل سنت“، گجرات، ص: ۵، ۶، ۷، ماہ دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم محمد نجم مصطفائی تحریر کرتے ہیں:

”مسلمانو! مذکورہ رپورٹ کو جان لینے کے بعد یہ حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے کہ وہابیوں کے نام نہاد جہادی اور عسکری تنظیم لشکر طیبہ (اور دیگر تنظیمیں بھی) جب اپنے مقاصد کو حاصل کر لے گی (کر لیں گی) تو اس پاک سرزمین پر کیسی اندھیری رات ہوگی کہ جس کے منحوس سائے ہر سمت پھیل چکے ہوں گے۔ ذرا اس دن کو تصور میں لائیے خدا نخواستہ اس دھرتی پر سنی اور وہابی بنیادوں پر جنگ چھڑ گئی تو کون سا گھر اور کون سا قومی ادارہ ہے جو اس خون ریز تصادم سے محفوظ رہے گا۔ حکومتِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس خطرناک ناسور پر قابو پائے۔ اگر خدا نخواستہ یہ خوفناک معاملہ ہاتھوں سے نکل گیا تو پھر اس ملک کی آنے والی نسلیں روزِ محشر تک حکومتِ وقت کی

لا پرواہی اور چشم پوشی کا ماتم کرتی رہیں گی اور اس کا تمام تر وبال بروزِ محشر حکومت کی گردن پر آ سکتا ہے۔ [۷۱] (اس سلسلہ میں آج جو صوبہ سرحد کے علاقہ پاراچنار میں باقاعدہ مسلح دیوبندی اور شیعہ تصادم ہو رہا ہے اور جس میں ایک سو سے زیادہ جانیں اب تک ضائع ہو چکی اور املاک کا نقصان الگ حتیٰ کہ پاکستان کی سکیورٹی فورسز سے بھی مسلح طرفین کو قابو میں کرنا مشکل ہو رہا ہے، ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے)۔

لال مسجد کے مولوی عبداللہ اور ان کے بیٹے (برقعہ برداران) انہی تنظیموں کے آلہ کار تھے۔ لال مسجد کا عدم دہشت گرد تنظیموں کے جہادیوں کا مرکز بن گئی تھی۔ دوسرے الفاظ میں گویا لال مسجد اب لال قلعے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مولوی عبداللہ کی زبان و بیان میں شدت آ گئی۔ ان کی ہر تقریر اور جمعہ کا ہر خطاب فرقہ وارانہ رنگ کا ہوتا، اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات پر حملہ کرتے کرتے، انہوں نے اپنا رخ اہل التشیع کی طرف موڑ دیا۔ حکمران طبقہ، عسکری اور خفیہ ایجنسیوں کی اعلیٰ شخصیات سے رابطوں نے ان کو متکبر بھی بنا دیا تھا۔ خود اپنے فرقہ کے معتدل مزاج لوگوں کا مشورہ بھی رد کر دیتے تھے۔ چنانچہ فرقہ واریت کی جو آگ انہوں نے لگائی تھی، ایک دن خود اسی میں جل کر بھسم ہو گئے۔ کلاشکوف بردار پہریداروں کے جھرمٹ میں رہتے ہوئے بھی قتل کر دیئے گئے۔ شاید ان کی فتنہ پروری کی وجہ سے حکومتِ وقت نے بھی ان کے قتل کا زیادہ نوٹس نہیں لیا۔

مولوی عبداللہ کے قتل کے بعد ان کے بڑے بیٹے مولوی عبدالعزیز صاحب (شاگرد رشید و مرید خاص جناب مفتی رفیع عثمانی صاحب) جانشین بنے۔ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرشید کو جن کو ان کے ابا جان نے ان کی غیر شرعی حرکتوں کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا اور عاق کر رکھا تھا، معافی تلافی کر کے اپنے پاس بلا لیا۔ اب دونوں برادران نے اپنے ابا کے نام کے آگے ”شہید“ اور خود اپنے نام کے آگے ”غازی“ کا لاحقہ لگا لیا اور ان کی چھوڑی ہوئی کروڑوں کی جائیداد کے مالک بن بیٹھے، حالانکہ یہ ان کے گھر، دفتر، مساجد، مدرسے، یہ سب کے سب غصب شدہ زمین پر تعمیر شدہ ہیں اور ان کی تعمیر پر ان کے ”ابا جان“ کی جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا بلکہ یہ سب پبلک کا پیسہ ہے جو زکوٰۃ، خیرات اور عطیات کے بطور وصول کیا گیا تھا۔ ان کو اپنے ”پیارے ابا جان“ کے ناگہانی قتل پر آنجمانی ہونے کا بڑا صدمہ اور ان کے قاتلوں کی عدم گرفتاری پر شدید غصہ تو تھا ہی، اس لیے انہوں نے اپنے بزرگوں کے مشورہ سے نفاذ شریعہ کی آڑ میں ایک ایسی اسٹریٹجی اپنائی جس سے پہلے تو دارالحکومت کے نظم و ضبط کو مفلوج کر کے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی جاتی، پھر سارے ملک کی دوسرے مسالک کی مساجد، مدارس، خانقاہوں اور مزارات پر قبضہ کر کے ملک میں فرقہ وارانہ فساد اور رسول دار کی کیفیت پیدا کی جاتی اور جب ملک میں انارکی پیدا ہونے کی صورت میں حکومت کی رٹ کمزور ہو جاتی تو اسلام آباد سے لے کر علاقہ غیر تک کے علاقوں کو اپنے عسکری تربیت یافتہ دہشت گرد جتھوں کی مدد سے قبضہ کر کے

سعودی طرز پر ایک ”خالص اسلامی“ حکومت کے قیام کا اعلان کیا جاتا جس کے ”امیر“ اور ”نائب امیر“ بلکہ ”آمر“ اور ”نائب آمر“ یہ دونوں ”غازی امراء“ ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں ”برقع برادران“ اپنے ”پیارے ابا جان“ کے ناگہانی آنجمانی ہونے پر شدید غم و غصہ کی بناء پر سائیکسی (نفسیاتی مریض) ہو گئے اور جلد بازی میں وہ کر بیٹھے جو انہیں نہیں کرنا چاہئے تھا یعنی پوری عسکری تیاری کے بغیر اپنے اسلحوں کی برسر عام نمائش اور پھر پاکستان کی طاقتور سکیورٹی فورسز سے دو دو ہاتھ کر بیٹھے، نتیجتاً وہ تو اپنی جان سے گئے لیکن اپنے پیچھے اپنی دس سالہ منصوبہ بندی کے شریک بزرگوں، بالخصوص وفاق المدارس کے رہنماؤں اور بالعموم اپنی پوری قوم کو ہر گنا بگا اور رنجیدہ کر گئے۔ (نوٹ: یہ نہیں پتا چل سکا کہ یہ بزرگ اپنے اخلاف کی اس حرکت پر شرمندہ بھی ہوئے کہ نہیں)۔

ابھی جب کہ لال مسجد کا گھیراؤ چل رہا تھا اور پھر اس پر سے دہشت گردوں کے خاتمہ کے بعد بھی دو سوالات علماء سے بار بار دریافت کیے گئے، الیکٹرونک میڈیا پر بھی اور پرنٹ میڈیا میں بھی۔

- ۱۔ کیا غصب شدہ زمین پر مسجد یا مدرسہ بنانا شرعاً جائز ہے؟
- ۲۔ لال مسجد پر پولیس ایکشن کے دوران کون مارا جانے والا شخص شرع کی رو سے شہید اور کونسا حرام موت مرے گا؟ لال مسجد سے پاکستانی سیکورٹی فورسز اور فوج پر گولی چلانے والا ”لال مسجدی مجاہد جوان“ یا اسلامی جمہوریہ پاکستان کی افواج اور اس کی

سیکورٹی فورسز کا سرفروش سپاہی؟

پہلے سوال کا جواب اہل سنت کے علماء نے یہ دیا کہ شرعاً ایسا کرنا ناجائز ہے۔ ایسا کرنے والا نہ صرف گنہگار ہوگا بلکہ ایسی مسجد میں جو لوگ نماز پڑھیں یا پڑھائیں گے، ان کی نمازیں باطل ہوں گی اور جو پڑھے یا پڑھائے اس پر نماز کا اعادہ اور توبہ واجب۔ اس پر انہوں نے کتب فقہ سے دلائل دیئے اور صدر اول سے مثالیں دیں۔ لیکن جن علمائے دیوبند سے یہ سوال کیا گیا، الا ماشاء اللہ تقریباً سب نے اس کے اصل جواب سے گریز کرتے ہوئے آئیں بائیں شانیں کر کے یہ ثابت کیا کہ ”مسجد و مدرسہ کے سلسلہ میں ایسا کرنا ناجائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی ذاتی ملکیت بنانے کے لیے اسے استعمال نہیں کر سکتا۔ ”برقع برداران“ اور ان کے ”پیارے آنجنابی ابا جان“ نے جن قطعات پر مساجد و مدارس بنائے وہ تو میرانہ اور بیکار زمینیں (Barren Lands) تھیں۔ اس کا انہوں نے صحیح استعمال کیا۔ دیکھئے جی اللہ تبارک و تعالیٰ نے تو تمام کرۂ ارض کو مسلمانوں کے لیے مسجد قرار دیدیا ہے۔ بالفرض وہ زمین حکومت کی بھی ملکیت ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے عوامی ملکیت ثابت ہوتی ہے، ایسی زمینیں حکومت عوام کی فلاح کے لیے استعمال کرتی ہے۔ مسجد و مدرسہ سے بڑھ کر عوام کی فلاح کا کیا کام ہو سکتا ہے؟ ہاں زمین اگر کسی کی ذاتی ملکیت ہو تو اس پر زبردستی قبضہ کر کے مسجد کی تعمیر بیشک ناجائز ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ ہمارے ان تینوں ”مجاہدین اسلام“ (یعنی برقع برداران اور ان کے پیارے ابا

جان) نے کسی شخص کی ذاتی ملکیت کو زبردستی قبضہ کر کے مسجد یا مدرسہ بنایا ہو۔ گورنمنٹ نے مدرسہ حفصہ کو قبضہ کرنے کے بعد اس لیے ڈھادیا کہ یہ محکمہ تعلیم کی زمین تھی تو ان ”مجاہدین“ نے بھی تعلیم گاہ بنائی تھی جہاں بچوں اور بچیوں کو مفت تعلیم دی جا رہی تھی، کوئی فائینو اسٹار ہوٹل تو نہیں بنایا تھا جہاں عیش و عشرت کے حرام مواقع مہیا کر کے لوگوں سے کمایا جا رہا ہو۔“ ایک مولوی صاحب نے ایک ٹی وی پروگرام میں زچ ہو کر کہا کہ کیا ہوا اگر ان تینوں ”محترم دین کے علمبرداروں“ نے نادانی سے سی۔ ڈی۔ اے کی زمین پر مسجدیں اور مدرسے بنا بھی لیے تھے تو سی۔ ڈی۔ اے کی انتظامیہ تو اندھی نہ تھی، کیا وہ نہیں دیکھ رہی تھی ایک نیک اور فلاحی کام ہو رہا ہے، اس کو مفت میں الاٹ کر کے ریگولر ائز کر دیتی۔ آخر یہ اختیار تو ان کو حاصل تھا اور ہے۔ اگر کسی صاحب کے فتوے کے مطابق ان مسجدوں میں نمازیں باطل تھیں تو اب صحیح ہو جائیں گی اور جو لوگ پڑھ چکے ہیں ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، اس کا الاٹمنٹ یا ریگولر ائیزیشن سجدہ سہو کی مانند ہے۔“

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ سوال کیا ہے اور یہ مفتیان دیوبند جواب کیا عطا فرما رہے ہیں! اس کو کہتے ہیں ”مارو گھٹنا، پھوٹے آنکھ“۔ لیکن لوگ اب اتنے بے وقوف نہیں کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز نہ کر سکیں۔ انہوں نے بلکہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں لوگوں نے جن میں مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی سبھی شامل ہیں، اپنی آنکھوں سے ٹیلی ویژن اسکرین پر دیکھا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دو بڑے مفتیوں نے اپنا سابقہ فتویٰ

رشت لے کر بدل دیا اور نیا لکھ کر دیدیا۔ گویا زبان حال سے کہہ رہے ہوں کہ ”حضرت مستفتی صاحب ہم دیوبند والے اصل نسل، جدی پشتی مفتی ہیں، مفتے نہیں ہیں کہ آپ کو مفت میں فتویٰ دیدیں، پیسے لاؤ جو نسا چاہو فتویٰ لے لو جس قدر زیادہ گڑالو گے اتنا زیادہ بیٹھا ہوگا اور خبردار کسی سے شکایت نہ کرنا۔ ہم دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں، دنیا میں ہماری دھاک ہے، تمہاری کوئی نہ سنے گا، ذلیل ہو گے۔“

دوسرے سوال کے جواب میں علماء اہلسنت کا جواب بالکل صاف اور واضح تھا کہ اسلامی حکومت کے فرائض میں ہے کہ سرحدوں پر اگر بیرونی دشمن حملہ کرے تو اس کے خلاف جنگ کرے۔ اس دوران جو بھی فوجی مارا جائے گا، وہ شہید ہوگا اور دشمن حرام موت مرے گا۔ اسی طرح اگر مملکت کے اندرونی دشمن ملک کے اندر بغاوت کریں یا فتنہ و فساد پیدا کریں اور اگر ان کو روکا اور سمجھایا جائے تو اسلامی فوج پر حملہ آور ہوں تو فوج پر لازم ہے کہ ان کی بیخ کنی کرے اور امن و امان قائم کرے۔ اس فرض کی ادائیگی میں جو فوجی جاں بحق ہوگا، وہ شہید ہے اور جو باغی مارا جائے گا وہ حرام موت مرے گا۔ لال مسجد کے جو دہشت گرد ہلاک ہوئے، حرام موت مرے اور افواج پاکستان اور سیکورٹی فورسز کے جو جوان اس ایکشن میں جاں بحق ہوئے، وہ بلاشبہ شہید ہیں۔ البتہ اس لڑائی میں دو طرفہ گولیوں کی زد میں جو معصوم طالب علم اور طالبات جنہیں دہشت گردوں نے یرغمال بنایا ہوا تھا، وہ بے گناہ مارے گئے، وہ بھی شہید کہلائیں گے۔ علمائے دیوبند میں سے اس سوال کے دو جواب آئے۔ بعض نے

لال مسجد کے دہشت گردوں کو ”مجاہد“ قرار دے کر کہ اسلامی نظام کے نفاذ اور مسجد کے دفاع کی خاطر ”جہاد“ کر رہے تھے، شہید قرار دیا اور افواج پاکستان اور سیکورٹی فورسز کے جاں بحق ہونے والے نوجوانوں کو حرام موت کا مرتکب قرار دیا۔ دوسرے لوگوں نے جس میں مفتی رفیع عثمانی صاحب بھی شامل ہیں، نہایت گول مول جواب دیا۔ مفتی رفیع عثمانی کا جواب جو روزنامہ جنگ، ۱۱ جولائی ۲۰۰۷ء، ص: ۱۷ پر شائع ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

”لال مسجد آپریشن میں فریقین کی طرف سے جاں بحق ہونے والے افراد کو شہید قرار دیا جاسکتا ہے، اس کا انحصار ان کی نیت پر ہے۔ دیکھنا ہوگا کہ لال مسجد کے اندر جاں بحق ہونے والوں کی نیت کیا ہے، اگر وہ اس نیت کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کے دین کو بچایا جائے، غیر اسلامی اقدام کو روکا جائے تو اس حوالے سے رائے کا مختلف ہونا معنی نہیں رکھتا ہے، وہ شخص شہید ہے اسی طرح سے سیکورٹی فورسز میں شامل اہل کاروں کی نیت کو دیکھنا ہوگا۔ اگر وہ اس نیت کے ساتھ آپریشن میں شریک تھے کہ مسجد اور مدرسے میں موجود لوگ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو شرعاً صحیح نہیں تو وہ شہید قرار پائیں گے لیکن اگر وہ ملازم کے طور تنخواہ کے عوض کاروائی میں شریک تھے تو شہید نہیں ہوں گے، جہنمی ہوں گے۔“

۱۔ بادی النظر میں ایسا لگتا ہے کہ مفتی صاحب یہ گول مول فتویٰ دے کر لال مسجد کے دہشت گردوں کو بھی خوش رکھنا چاہتے ہیں اور حکومت وقت کو بھی ناراض نہیں کرنا

چاہتے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو مفتی صاحب نے اپنے سیاسی عقیدہ کا کھل کر اظہار کر دیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک سیاسی بیان ضرور ہے، فتویٰ کسی طور پر نہیں کیوں کہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے نہ کہ نیتوں پر۔ نیتوں کا حکم تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا پھر اس کے بتائے سے اس کے نبي مکرم ﷺ جانتے ہیں۔ ایک شخص نے اگر کسی نماز کے وقت پر طہارت کے ساتھ قیام و رکوع و سجود وغیرہ میں اختتام نماز تک اراکین، فرائض، واجبات، سنن وغیرہ ادا کیے تو فتویٰ یہی ہے کہ نماز ادا ہوگئی، اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو مسجد میں کس نیت سے آیا تھا۔

۲۔ یہ بیان سیاسی اس لیے ہے کہ مفتی صاحب نے اپنے شاگرد اور ہم مسلک دہشت گرد ”برقع برادران“ اور ان کے ساتھی جو افواج پاکستان کے خلاف مورچہ بند ہو کر لال مسجد کے اندر سے لڑ رہے تھے، کی ہمنوائی اور ہمت افزائی کی ہے۔ ”لال مسجد“ کے ہلاک شدگان کے لیے صرف ایک شرط بیان کی ہے ”اللہ تعالیٰ اور نبی پاک ﷺ کے دین کو بچایا جائے“، اس نیت سے لڑنے پر وہ شہید ہیں۔ یہ فتویٰ نہیں دیا کہ کس صورت میں وہ حرام موت مریں گے اور جہنمی ہوں گے۔ جبکہ افواج پاکستان کے لیے دو شرائط بیان کی، پہلی صورت میں وہ شہید قرار پاتے ہیں، دوسری صورت میں جہنمی۔

۳۔ اس بیان سے مملکتِ خداداد پاکستان اور اس کی افواج سے ان کی دلی کدورت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یادش بخیر جب لال مسجد کا تنازعہ چل رہا تھا اور ابھی پولیس ایکشن نہیں ہوا تھا،

اس دوران ایک چینل پر اکھوڑہ خٹک، سرحد کے ایک مولوی صاحب کا بالمشاعرہ اور علامہ احترام الحق تھانوی صاحب کا بذریعہ فون انٹرویو نشر ہو رہا تھا۔ جب علامہ احترام الحق صاحب سے کمپیئر نے دریافت کیا کہ لال مسجد کی انتظامیہ کی دہشت گرد سرگرمیوں کے متعلق کیا خیال ہے تو انہوں نے نہایت صاف گوئی سے کام لے کر دو ٹوک الفاظ میں یہ بات کہی کہ بد قسمتی سے آج وفاق المدارس اور اس سے متعلقہ مدارس پر قابض اکثریت ان لوگوں کی ہے جن کے آباء واجداد نے غیر منقسم ہند میں پاکستان کے حصول کی شدت سے مخالفت کی تھی لہذا یہ لوگ آج بھی پاکستان کے مخالف ہیں اور انہی کے مدارس آج دہشت گردی کی تربیت کا مرکز ہیں۔ ان لوگوں نے دین اسلام، مسلمان، علماء، دینی مدارس اور ملک پاکستان کو تمام عالم میں بدنام کر دیا ہے۔

۴۔ اب مذکور مفتی صاحب استاذ عبدالعزیز برقع سے فتویٰ پوچھا جائے کہ ۱۹۴۸ء میں کشمیر میں اور ۱۹۶۵ء و ۱۹۷۱ء میں ہندوستان کی افواج کے ساتھ جنگ میں افواج پاکستان کے جن بہادر فوجیوں نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا، ان کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں۔ کیا ملک کے یہ بہادر سپوت آپ کے خیال شریف میں سرحدوں پر اپنی تنخواہ اور الاؤنس لینے کی لالچ میں گئے تھے اور وہاں ہندوستانی فوج کی بمباری یا گولیوں سے ہلاک ہو گئے اور معاذ اللہ آپ کے بقول حرام موت مر گئے؟ یا آپ ان کی قبروں میں جا کر ان کی نیت معلوم کر کے پھر فتویٰ دیں گے؟

۵۔ مفتی صاحب کے اپنے اس فتویٰ سے یہ بھی عندیہ ملتا ہے کہ وہ لال مسجد اور

جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کے اس رویہ کے حامی تھے کہ یہاں عسکریت پسندوں کو تربیت دی جائے، اسلحہ کا ذخیرہ کیا جائے، دفاعی مورچہ بنائے جائیں اور اسلحہ کی نہ صرف نمائش کی جائے بلکہ افواج پاکستان کے جوانوں کے ساتھ کفار کا سا سلوک کیا جائے اور انہیں مار مار کر جہنم رسید کیا جائے۔ کیوں کہ ہر دہشت گرد یا خود کش بمبار یہی دعویٰ رکھتا ہے بلکہ عقیدہ کا اظہار کرتا ہے کہ ہم اسلامی نظام مصطفیٰ کے لیے لوگوں کی جانیں لے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

۶۔ اگر شیعہ حضرات بھی یہی حرکت کریں جو دیوبندی فرقہ والوں نے لال مسجد میں کی اور مطالبہ کریں کہ فقہ جعفریہ کی شریعت نافذ کی جائے ورنہ بندوق کے زور پر نافذ کریں گے تو اس وقت مفتی صاحب کا فتویٰ کیا ہوگا؟

اس تجزیہ کا مدعا یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کسی ایک مسجد یا مدرسہ کا معاملہ نہیں اور نہ کوئی جزوقتی حادثہ ہے بلکہ یہ ایک طویل المدت سوچے سمجھے منصوبہ کی بات ہے جس کا مقصد پاکستان کے اندر ایک نجدی حکومت کا قیام ہے اور پاکستان کی حساس فوجی تنصیبات بالخصوص جوہری تنصیبات پر قبضہ ہے اور ظاہر ہے اس کے پس پردہ ہندو اور صیہونی لابی ہے۔ خواہ اس کے لیے پاکستان کو توڑنا ہی کیوں نہ پڑے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب حکومت پاکستان کے وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق نے حرم کعبہ شریف کے امام صاحب جناب علامہ الشیخ ڈاکٹر عبدالرحمن السدیس بن عبدالعزیز کو پاکستان آنے کی دعوت دی کہ وہ یہاں آ کر اپنے ہم مسلک شدت پسند لال مسجد

کے خطیب و امام ”عبدالعزیز برقع“ کو سمجھائیں اور اسے دہشت گردی اور عسکریت پسندی سے روکیں۔ تو ان کی پاکستان آمد پر ”برقع برادران“ کی طرف سے ایک بیان تمام اخبارات میں آیا تھا کہ ”اگر صدر پرویز مشرف سعودی مہمان مکرم شیخ حرم کو پاکستان کا صدر بنادیں تو ہم اپنے مطالبات اور رویوں سے دستبردار ہو جائیں گے۔“ حالانکہ کسی غیر ملکی کو اپنے ملک کے صدر بننے کی دعوت دینا کس قدر ملک دشمنی اور غدار کی بات ہے۔ سوال یہ ہے کہ ”برقع برادران“ نے نجدی حکومت کے ایک مجبور و محصور ملازم کو صدر بنانے کی بات کیوں کی؟ ملائیشیا کے مہاتیر محمد صاحب جو کہ ملائیشیا کے قابل ترین حکمران رہے ہیں، ان کا نام کیوں نہیں لیا؟ وہ اپنے ملک کے قابل ترین حکمران گذرے ہیں، آداب حکمرانی و جہاں بانی سے اچھی طرح واقف ہیں، جنوبی مشرقی ایشیا میں ملائیشیا فوجی اور معاشی اعتبار سے طاقتور ملک بنانے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مزید یہ کہ وہ امریکہ، یورپین ممالک کی استعماری طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کے عادی ہیں اور عالمی پیمانے پر مسلم ممالک کے فوجی اور اقتصادی اتحاد کے داعی ہیں، ان کے مقابلہ پر نجدی حکومت کے مذکورہ مجبور محض ملازم امام کی کیا حیثیت ہے جو بے چارہ اپنی مرضی سے اپنے الفاظ میں جمعہ وعیدین کا خطبہ بھی دینے کا مجاز نہ ہو؟ لیکن محترم مہاتیر محمد صاحب اس لیے پسند نہیں آئیں گے کہ وہ سنی ہیں، عید میلاد النبی ﷺ دھوم دھام سے سے مناتے ہیں اور ملائیشیا میں یوں بھی سرکاری طور پر یوم عید میلاد النبی ﷺ جشن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ”صالح نیت“ کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر پاکستان کے بیس ہزار سے زیادہ دینی مدارس اور لاکھوں مساجد میں اسلحوں کا ڈھیر لگ جائے اور ان میں تعلیم حاصل کرنے والے تقریباً بیس لاکھ طلباء ہاتھوں میں کلاشکوف اور مشین گنیں لے کر اپنے مطالبات منوانے کے لیے سڑکوں پر آجائیں تو ملک میں لوٹ مار، فتنہ و فساد، خون خرابے کو کون روک سکے گا اور ملک کی سالمیت کیسے باقی رہ سکے گی؟

بریں عقل و دانش بباہر گریخت

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں۔ سچ کہا، علامہ اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے لیے ۔

نماند آں تاب و تب در خونِ نابش

نروید لالہ از کشتِ خرابش

نیام او تہی چوں کیسہ او

بطاقِ خانہ ویراں کتائبش

ہم دنیائے اسلام کے حکمرانوں بالخصوص پاکستان کے اربابِ حل و عقد سے بھی یہ مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ ان تمام حقائق کا بغور اور بحیثیت آقا و مولیٰ سید عالم نور مجسم ﷺ کے ایک وفادار امتی کے، مشاہدہ کریں اور مسلکی و مذہبی تعصب یا فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بلند ہو کر سوچیں کہ وہ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کس کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ نام نہاد ”روشن خیالی“ کے بجائے احکامِ الہی اور سنتِ مصطفیٰ کریم ﷺ کو

اپنا رہبر و رہنما بنائیں، اپنا دین و ایمان بچائیں اور مملکتِ خداداد پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دین و ایمان اور عقیدہ صالح و صحیحہ کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں۔ یہ ان کی انفرادی، ملی اور منصبی ذمہ داری بھی ہے، ورنہ دنیا و آخرت دونوں میں اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکیں گے۔ اگر ان حکمرانوں نے آج اپنی ایمانی اور عشقِ رسول ﷺ کی ناقابلِ تسخیر قوت سے کام لے کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا پامردی سے مقابلہ نہ کیا تو کل تاریخ سے ان کا نام و نشان بھی مٹ جائے گا اور اپنی قبر کی اندھیری کوٹھریوں میں اپنے کئے کی عبرتناک سزا بھگت رہے ہوں گے۔ ان کی قبروں کے نشان بھی مٹ جائیں گے۔ انہیں یاد ہونا چاہئے کہ آج بھی ہمارے وہ صالح حکمران جنہوں نے دشمنانِ اسلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سید عالم ﷺ کی محبت کے چراغِ مسلمانوں کے دلوں سے بجھنے اور شعائرِ اسلام کو مٹنے سے بچایا۔ مثلاً صلاح الدین ایوبی، نور الدین زنگی، محمد بن قاسم، شہاب الدین غوری، اور رنگ زیب عالمگیر علیہم الرحمۃ وغیرہم اپنے عظیم کارناموں کی وجہ سے زندہ ہیں۔ صبحِ قیامت تک ان کا نام عقیدت و محبت سے لیا جاتا رہے گا۔ اب بھی موقع ہے کہ ہمارے حکمران ہوش کے ناخن لیں اور توبہ کر کے حضورِ اکرم ﷺ کے سچے وفادار غلام بن کر حق و انصاف اور عدل و احسان سے کام لیں۔ ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ نافذ کر کے اپنی منصبی اور ایمانی ذمہ داری نبھائیں۔

آج لے ان کی پناہ، آج مدد مانگ ان سے

پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اس موقع پر ہم دیوبندی، اہلحدیث اور جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے سنجیدہ، غیر جانبدار، حق پسند، حق گو اور امت مسلمہ کا درد رکھنے والے اصحاب فکر و نظر اور اربابان علم و تحقیق سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ آپ ان تمام بیان کردہ حقائق کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں۔ برطانوی جاسوس ہمفرے کے انکشافات کی روشنی میں مسلم سپرپاور سلطنت ترکیہ کے زوال کے اسباب و اثرات اور عرب دنیا کو یہود و نصاریٰ کی سازشوں کے تحت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کرنے کے منصوبے پر عملدرآمد کے بعد عربوں کو سیاست اور ان کے معاشی وسائل کے استعمال پر لندن اور نیویارک سے ڈکٹیشن، پھر اسی تسلسل میں افغانستان، عراق و فلسطین اور کشمیر پر غاصبانہ قبضہ اور آخر میں آج پاکستان کے اندر موجود دہشت گردی کی فضاء پیدا کرنے والے عناصر کے کردار، معاملات اور ان کے مفادات کا نہایت غور و فکر سے مطالعہ کریں اور ٹھنڈے دل سے انکا جائزہ لیں پھر سوچیں کہ کیا اس قدر نقصانات اٹھانے کے بعد بھی ہم من حیثیت مسلم امہ حضور اکرم سید عالم ﷺ کی سچی محبت اور ان کی سنت اور عزت و عظمت کو معیار بنا کر آپس میں متحد و متفق نہیں ہو سکتے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی پیغام تھا اور بعد میں آنے والے اہل ایمان، تابعین، تبع تابعین، اولیاء کرام، ائمہ کرمان امت علیہم الرحمۃ والرضوان کا یہی پیغام رہا ہے۔ محقق علی الاطلاق مجدد وقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت شیخ سرہندی مجدد الف ثانی علیہما الرحمہ نے بھی ان ہی نظریات کا ابلاغ کیا ہے اور آج اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا

خاں محمدی، حنفی، قادری برکاتی قدس سرہ کا بھی یہی پیغام ہے جو ان کی تصانیف کے ایک ایک حرف سے ثابت ہے۔ تعصب کی عینک اتار کر، غیر جانبدار ہو کر ان کا پیغام ان کی اپنی تصانیف کی روشنی میں پڑھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ انشراح قلب ہوگا اور حق واضح ہو جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ جن کے قلوب میں خشیت الہی کا جذبہ اور محبت رسول ﷺ کی چنگاری ہے وہ یقیناً ہماری گزارشات پر سنجیدگی سے کان دھریں گے اور حق پرستی کی راہ اپنا کر اتحاد و یکجہتی اور اسلامی جذبوں کو فروغ دینے میں ایک دوسرے کے دست و بازو بن کر ہندو و یہود اور نصاریٰ کی سازشوں کو ناکام بنائیں گے اور وحدت امت مسلمہ کو تقویت اور قوت بخشنے کا سبب بنیں گے۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دیا جلا کر سرعام رکھ دیا
اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سید عالم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ہر کلمہ گو کو راہ صواب اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مسلمانوں کو نشاۃ ثانیہ عطا فرما کر اہل اسلام کو باطل قوتوں پر غلبہ بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔
چہ گویم زان فقیرے درد مندے
مسلمانے بہ گوہر ارجمندے
خدا ایں سخت جاں ریا ربا دا
کہ افتاد است از بام بلندے

حوالہ جات

- [۱] زید ابوالحسن فاروقی مجددی الازہری، مولانا، مولوی اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان، ناشر: ضیاء الکیڈمی، کراچی، جنوری ۲۰۰۴ء، ص: ۴۳
- [۲] ایضاً، ص: ۴۶
- [۳] ایضاً
- [۴] ایضاً، ص: ۳۳
- [۵] ایضاً، ص: ۴۲
- [۶] ایضاً، ص: ۴۹
- [۷] ایضاً، ص: ۸۲، ۸۳، ۱۳۹
- [۸] ایضاً، ص: ۱۴۰
- [۹] ایضاً، ص: ۱۰، ۱۱
- [۱۰] (ڈاکٹریٹ مقالہ) قمر النساء، ڈاکٹر، العلامة فضل حق الخیر آبادی، مخطوطہ، ص: ۱۵۲، بحوالہ مولوی اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان، ص: ۸۲
- [۱۱] (الف) تاریخ عجیبہ، ص: ۸۶،
(ب) سیرت ثنائی، ص: ۳۷۲

- [۱۲] (الف) ہفت روزہ المشیر، مراد آباد، ۸ مارچ ۱۹۲۵ء، ص: ۲، ۷، ۹، کالم (ب) ”مولانا احسن نانا توئی“، ص: ۲۱۷،
(ج) رونداد مدرسہ دیوبند ۱۳۳۲ھ، ص: ۷، بحوالہ ماہنامہ فیض الاسلام، راولپنڈی، ستمبر ۱۹۶۰ء، (د) ماہنامہ ”الولی“، حیدرآباد، سندھ، نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ اور جنوری، فروری ۱۹۹۲ء، بحوالہ ”منزل کی تلاش“، مصنفہ محمد نجم مصطفائی، ص: ۱۰۰ تا ۱۰۸
- [۱۳] منزل کی تلاش، ص: ۱۲۶ تا ۱۲۹
- [۱۴] ایضاً، ص: ۵۱، ۵۲، ۵۳
- [۱۵] ایضاً، ص: ۶۲ تا ۶۵
- [۱۶] ملاحظہ ہو: حیات طیبہ، مصنفہ جعفر تھائیسری، ص: ۳۰۷، بحوالہ ”منزل کی تلاش“، ص: ۴۶، ۵۳
- [۱۷] منزل کی تلاش، ص: ۲۲۵-۲۲۸

☆☆☆

ابلیس تا دیوبند

تحریر۔ علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
والحمد للہ والصلوة علی رسول اللہ

پیش لفظ

ابلیس بذات خود آج کل کے کئی انسانوں سے بہتر پوزیشن میں ہے:

- (1) وہ موحد ہے
- (2) سب سے بڑے گناہ شرک سے مجتنب
- (3) وہ مُلحد اور دہریہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر پکارتا ہے اور اس کی عزت کی قسم کھاتا ہے۔
- (4) یہ کہ یوم حشر اور جزا پر بھی یقین رکھتا ہے
- (5) وہ صرف انسان کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ کا دشمن نہیں ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ سب سے بڑا دشمن ہے۔

باوجود اینہم وہ جب لعنتی ہوا تو اس نے قسم کھائی تھی کہ ”**لا غوینہم اجمعین**“ میں ان بنی آدم کو گمراہ کروں گا ”**الاعبادک منہم المخلصین**“ لیکن وہ جو ان میں تیرے مخلص بندے ہیں انہیں میں گمراہ نہ کر سکوں گا۔

ظاہر ہے کہ وہ انسان کو گمراہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا اور لگا رہا ہے لیکن گمراہی سے مراد صرف عملی غلط کرداری مراد نہیں کیونکہ وہ تو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم یا شفاعتِ امام الانبیاء و دیگر انبیاء و رسل اور اولیاء کرام و غیرہم کی شفاعت بخشی جائیگی ناقابلِ معافی جرم شرک و کفر اور غلط عقائد ہیں۔ فقیر اس تصنیف میں دلائل سے ثابت کرے گا کہ ابلیس کے عقائد کے کون سا فرقہ قریب یا مماثل ہے جب کہ آج کل دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر فرقہ شیطان سے برأت کا اظہار کرتا ہے لیکن اس تصنیف میں واضح ہو جائیگا کہ ابلیس کے ساتھ عقیدہ و طریقہ کی ہمنوائی کس فرقہ کو ہے جس فرقہ کے متعلق یقین ہو جائے اس سے دور رہنے کی کوشش

فرمائیے اور بس۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ



بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله ولا اله الا هو والصلوة والسلام على حبيبہ هو عبدہ ورسولہ

ابلیس کی کہانی

یہ مشہور و معروف کہانی ہے کسی سے اوجھل نہیں ہر مذہب اور ہر فرقہ کا ہر فرد اس سے نہ صرف واقف ہے بلکہ شب و روز کوشاں ہے کہ اس کے دامِ تزویر سے بچا جائے لیکن یہ بھی ایسا چالاک ہے کہ الٹا اس نے گمراہ فرقوں کو اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اپنا آلہ کار بنایا ہوا ہے۔ جس کا انہیں شعور تک نہیں۔ فقیر اس تصنیف میں کچھ عرض کرے گا جس سے واضح ہو جائے گا کہ اس کے اس دُنیا میں آلہ کار کون ہیں۔

ابلیس لعنتی ہونے سے پہلے

آدم علیہ السلام سے پہلے ہزاروں سال ابلیس بظاہر برگزیدہ حق تھا۔ اور طاعتِ حق تعالیٰ میں ایسے کارنامے سرانجام دیئے جو اپنی مثال خود تھے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً سو لاکھ برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جنات کو زمین پر آباد کیا تھا زمین میں جنوں کی نسل بود و باش کے لئے جگہ نہ رہی تو حق تعالیٰ نے کچھ جنات کو ہوا میں رہنے کے لئے جگہ عطا فرمائی اور کچھ پہلے آسمان پر رہنے لگے اور ان میں سلسلہ توالد و تناسل بھی تھا۔ انہیں میں ابلیس بھی تھا چنانچہ وہ بن منبہ کی طویل روایت کا ایک حصہ یہ ہے:

وكان يلد من الجن الذكر والانثى ومن الجن كذا لك توأمين فصاروا سبعين

الفا توالدوا حتى بلغوا عدد الرمل فتزوج ابليس امرأة من ولد الجن وانتشر واحتى

امتلا الاقطار اسكن الله الجن في الهوا ابليس واولا دة دفي السماء الدنيا

وامرهم بالعبادة والطاعة فكانت السماء تفتخر على الارض كان الله رفعها

و جعل فیہا مالم یکن فی الارض ۝ (الانس الجلیل)

ترجمہ: یعنی جنات کی افزائش نسل کا یہ عالم تھا کہ ایک حمل سے ایک لڑکا ایک لڑکی (جڑواں) پیدا ہوتے تھے جب ان لوگوں کی تعداد 70 ہزار ہو گئی اور بیاہ شادی کا سلسلہ جاری رہا تو پھر ان کی اولاد کی کوئی گنتی (حساب) نہ رہا ابلیس نے بھی بنو الجان کی ایک لڑکی سے شادی کر لی اس کے بعد بہت سی اولاد پیدا ہوئی اور جان کی نسل کے لئے دنیا میں رہنے کے لئے جگہ نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے جان کو ہوا میں رہنے کے لئے مقام عطا فرمایا اور ابلیس اور اس کی اولاد کو پہلے آسمان میں رہنے کے لئے جگہ دی اور ان دونوں کو اپنی اطاعت و عبادت کا حکم بھی دیا اب چونکہ زمین خالی ہو چکی تھی اور زمین پر خدا تعالیٰ کا کوئی بھی ذکر کرنے والا نہ تھا تو آسمان اپنی بلندی اور اپنے اندر ذکرین کی جماعت کی وجہ سے زمین پر فخر کرتا تھا۔

زمین پر شر اور دنگا فساد کا آغاز

عرصہ دراز تک ہوا میں رہتے رہتے جب شیاطین گھبرائے تو انہوں نے حق تبارک و تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں زمین پر رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ حق تعالیٰ نے ازراہ لطف و کرم اجازت عطا فرمادی اور ان سے عہد و میثاق لے کر تاکید کی کہ زمین پر پہنچ کر میری عبادت سے غافل نہ ہو جانا شیاطین اپنی شرارت سے کب باز آنے والے تھے کچھ عرصہ زمین پر رہنے کے بعد وہ طوفانِ بدتمیزی مچایا کہ زمین نے بھی پناہ مانگ لی۔ اس پر آسمان والوں نے زمین پر آنے کی درخواست کی چنانچہ ملاحظہ ہو:

”فاشرفت الجان علی الارض وقالت اهبطنا الی الارض فاذن الله لهم بذلك ان یعبدوا ولا یعصون فاعطوه العهن علی ذلك ونزلو وهم الوف یعبدون الله دھرا طویلا ثم اخذوا فی المعاصی وسقك الدماء حتی استغاثت الارض منهم وقالت ان خلوی یارب احب لی۔“ (الانس الجلیل)

اس کے بعد شیاطین نے حق تعالیٰ سے زمین پر رہنے کی اجازت مانگی اللہ نے اجازت دے دی اور ان سے اپنی عبادت و اطاعت کا عہد لے لیا شیاطین ایک طویل زمانے تک خدا کی اطاعت کرتے رہے اس کے بعد گناہوں میں مبتلا ہو گئے ناحق خونریزی شروع کر دی زمین نے ان کی شرانگیزی سے پناہ مانگتے ہوئے اللہ سے

فریاد کی الہ العلیین بہتر تو یہی تھا کہ تو شیاطین کو میری پشت پر آباد نہ کرتا۔

جنات و شیاطین کی خباثتوں اور شرارتوں کے نمونے

مذکورہ بالا شرارتوں اور خباثتوں میں ابلیس کو شامل نہ سمجھنا بلکہ وہ اس وقت ^{مُصلح} حسین میں سے تھا جیسا کہ آئینہ گاہ اور نہ ہی جنات و شیاطین کی معمولی شرارتیں تھیں وہ ایسے نامراد واقع ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ان کی جنس یعنی جنات سے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے جن کو ان خبیثوں نے شہید کر ڈالا اور ایسے غلط اُمور کے مرتکب ہوئے جن سے دھرتی نے تنگ ہو کر فریاد کی تو ان کا ^{مُصلح} اکبر ابلیس مقرر ہوا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

قال کعب الاحبار ان اول نبی بعثہ من الجن نبیاً منهم یقال له عامر بن عمیر ثم

بعث لهم من بعد عامر صبا ع بن ماعق بن مارد بن الجن فقتلوه ۝

ترجمہ: کعب احبار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنات میں سے سب سے پہلے جس نبی کو ہدایت کے لئے بھیجا تھا ان کا نام عامر بن عمیر بن الجان تھا جنات نے ان کو قتل کر دیا ان کے بعد صاعق بن ماعق بن مارد بن الجان کو بھیجا تو وہ بھی جنات کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

فائدہ: روایت مذکورہ بالا میں حضرت کعب نے فرمایا کہ:

”حتی بعث اللہ الیہم ثمانمئة نبی فی ثمانمئة سنة فی کل سنة نبیا و ہم یقتلوا لهم۔“

جنوں کی سرکشی اور بدکرداری دیکھ کر حق تعالیٰ نے 800 رہبر 800 سال میں بھیجے ہر سال ایک رہبر آتا رہا اور جنات اُس کو شہید کرتے رہے۔

فائدہ: **عجائب القصص** میں جنات کے جن انبیاء کی بعثت اور جنات کی کفر و سرکشی کا حال اس طرح

لکھا ہے:

چوں اولاد ابو الجان بر زمین از تولد و تناسل بسیار شد ند حق تعالیٰ ایشان را بشیر یعنی تکلیف نموده و بطاعت و عبادت خود فرمود ایشان قبول نمودند و خوشحال در جہاں فانی زندگانی میکردند تا آنکہ یک روز ثوابت کہ نزد بعض حکماء عبارت از سی و شش ہزار سال است انتہا رسید اما چون خلقت از نار بود مظهر تجلی قہر است بعد از اتمام حجت ہمہ متکبران ایشان را بانواع و عقاب ہلاک گردانیدند و بعضی ایشان بر جادئہ شریعت مستقیم بودند سالم ماندند بعد از ان خدا تعالیٰ ہم ازاں نبی الجان

شخصے را بر ایشان والی گرد آیند و شریعت جدید ایشان را عطا فرمود چون دورہ دیگر عبارات ازاں در از فرمان است گذشت بعضے از ایشان کل شئی يرجع الی اصلہ طریق نافرمانی پیش گرفتند لاجرم حکم الہی بافتا و اعدام ایشان صادر گشت و از نسل بیتہ آن طبقہ کہ بواسطہ استقامت بر جادئہ طاعت سلامت مانده بودند شخصے حاکم ایشان گشت و چون دوئہ سوم نیز منتهی شد باز آغاز فساد ازاں نهاد این طائفہ سرزد بعد از حضرت باری تعالیٰ سبحانہ گرفتار شدند و از ہمائے ایشان نوح قلیل باز پسمانده بودند بمرور ایام خلقے کثیر پیدا آمد نہ لیکن از ایشان کہ ہزیور فضل و دانش آراستہ و سلاح صلاح پراستہ بودند والی گشتہ مدتی ام معروف و نہی منکر و بیان احکام کرد و اد آنکہ از انجہان رحلت نمود بعد از چوں بدترین ابن الجان کفران نعمت و عصیان ورزیدند باری شانہ رسولان فرستاد و از نصائح و واعظ ایشان اصلاً آگاہ نہ شدند و دورہ چہارم نیز عام گشت باقتضائے الہی جماعت ملائکہ بحریہ این طائفہ نامزد گشت و از آسمان نزول کردہ بابنی الجان جنگ نمودند۔

یعنی جس وقت زمین پر جنات کی آبادی بڑھ گئی حق تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا جنات حکم الہی میں کمر بستہ رہے جس وقت جنات کو دنیا میں آباد ہوئے 36 ہزار سال گذر گئے تو کفر اختیار کر کے مورد عذاب الہی بنے حق تعالیٰ نے تمام متکبروں کو ہلاک کر دیا اور باقی ماندہ نیک بخت افراد میں سے ایک شخص کو حاکم بنا کر نئی شریعت عطا فرمائی۔

دوسرا دور

یعنی مزید 34 ہزار سال پورے ہونے کے بعد پھر گمراہی اور نافرمانی اختیار کی اس بار بھی عذاب الہی نے ان کو ٹھکانے لگا دیا جو لوگ بچ رہے تھے ان میں سے پھر حق تعالیٰ نے ایک صاحب کو حاکم بنایا تیسرا دور ختم ہوتے ہی پھر فتنہ و فساد کا دور شروع ہو گیا حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوا نافرمان لوگ ہلاک کر دیئے گئے باقی ماندہ نیک لوگوں میں سے پھر حق تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا۔ جب تک یہ شخص زندہ رہا جنات کو دعوت دیتا رہا۔ اس شخص کی وفات کے بعد جنات میں کوئی نیک شخص باقی نہ رہا زمین پر شریر جنات کے سوا کسی نیک جن کا وجود نہ رہا حق تعالیٰ نے فرشتوں کی فوج بھیج کر اشرار جنات کا قتل عام کر دیا بے شمار ہلاک ہوئے جو بچ گئے وہ پہاڑوں و غاروں میں جا چھپے۔

دعوت غور و فکر

یہ ہے کہ جنات کی ایک لاکھ 44 ہزار سال کی تاریخ اور ان کی شرارتوں اور سیاہ کارناموں کا ایک مختصر خاکہ جن کی اصلاح ناممکن نہیں تو مشکل ضرورتھی اسی لئے ایسے شرارتیوں اور فساد یوں کے لئے زبردست مصلح چاہئے اور وہ اپنی اصلاحی قوت سے ان کی کاپلٹ دے اور یقین مانئے ایسے مصلح کارروائی اور ایسی کامیاب پالیسی سے ہم سب کا متاثر ہونا لازمی ہے کہ ایسے بد معاشوں کو اپنی اصلاح سے نہ صرف انہیں اپنے جیسا مصلح بنا دیا بلکہ ملائکہ کرام کو بھی اس کی پالیسی نے دنگ کر دیا کون تھا دل کے کان کھول کر سنئے وہ تھا ابلیس۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

پھلا امیر جماعت

800 سال کی طویل جدوجہد کے باوجود جنات بدکاری سے باز نہ آئے تو حق تعالیٰ نے آسمان اول پر رہنے والے جنات کو زمین پر رہنے والے جنات کے قتل عام کے لئے بھیجا اس فوج کا سپہ سالار ابلیس تھا ابلیس نے زمین پر آتے ہی جنات کو ٹھکانے لگا دیا، حضرت کعب احبار فرماتے ہیں:

فلما كذبوا الرسل اوحى الله الى اولاد الجنان فى السماء ان انزلوا الى الارض
وقاتلوا من فيها اولاد الجنان وامر عليهم ابليس اللعين ومن كان معه حتى
ادخلهم الى تقعد من الارض فاجتمعوا وفيها فارسل الله عليه بالا ناحرقتهم
ومكن ابليس الارض مع الجن وعبد الله حق عبادته فكانت عبادة اكثر من
عبادتهم۔“ (الانس الجليل)

ترجمہ : غرض جنات نے جب رسولوں کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر رہنے والے جنات کو حکم دیا کہ تم زمین پر جا کر جنات کو قتل کر دو اور ابلیس کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا ابلیس کی فوج نے زمین پر آتے ہی قتل عام شروع کر دیا جنات بھاگ پڑے۔ ایک مقام پر پناہ گزیں ہوئے تو وہاں آگ آ کر ان کو جلا گئی۔ زمین پر ابلیس اور اس کی فوج آباد ہو گئی۔ ابلیس نے اس مرتبہ اس قدر عبادت کی کہ باید و شاید مندرجہ بالا تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ شیطان ابلیس کا کارنامہ کتنا بلند تھا اور پھر اس کی عبادت کا کیا کہنا اندازہ لگائیے کہ شیطان ابلیس جیسا کوئی نیک نہ تھا۔ گویا نیکی یعنی نیک عملی اس پر ختم تھی لیکن اس کے باوجود وہ لعنتی ٹھہرا اور جہنمیوں کا سردار۔

ابلیس کا سنہری کارنامہ

ابلیس چونکہ عبادتِ الہی کا دلدادہ تھا اس کا تمام وقت عبادت میں گذرتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس کو آسمان پر بلا لیا فرشتے اس کی عبادت دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ فرشتوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ ایسا عبادت گزار اور فرمانبردار بندہ فرشتوں میں شامل کئے جانے کے لائق ہے۔ حق تعالیٰ نے فرشتوں کی درخواست قبول فرما کر ابلیس کو فرشتوں کی جماعت میں شامل کیا۔ ابلیس ایک ہزار سال تک پہلے آسمان پر رہا۔ عبادت کا ذوق و شوق چونکہ روز افزوں تھا۔ حق تبارک و تعالیٰ نے اس کو ترقی عطا فرما کر دوسرے آسمان پر اٹھالیا یہاں بھی عبادت کرتا رہا پھر وہاں سے اسے تیسرے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ غرض اسی طرح عبادت میں ترقی حاصل کرتے کرتے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ جنت کے فرشتے رضوان علیہ السلام کی سفارش پر ابلیس کو جنت میں داخلہ کی اجازت مل گئی اور شیطان بصد اعزاز و احترام جنت میں رہنے لگا۔ ابلیس جنت میں پہنچ کر بھی عبادت کرتا رہا فرشتوں کی تعلیم و ارشادات کے فرائض انجام دیتا رہا۔ ابلیس کے درس و خطابت کی یہ شان تھی کہ عرش کے نیچے یا قوت کا منبر لگایا جاتا تھا سر پر نوروں کا پھریرا فضا میں لہراتا تھا۔

روح البیان کا حوالہ

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسے رئیس الملائکہ کا خطاب حاصل تھا اور وہ تمام ملائکہ سے اعلیٰ بلکہ معلم المکوت تھا اور عبادت میں تو ضرب المثل تھا اس نے آسمان و زمین کے چپے چپے پر عبادت کی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں اتنا زور لگایا کہ فرشتوں نے اسے اپنا استاذ اور سردار مان لیا۔ (روح البیان)

قبل از لعنت ابلیس کی شان و شوکت

زمین پر بہت طویل عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ تقریباً ستر ہزار سال پھر اُن میں حسد اور بغاوت پھیلی اور لڑے مرے۔ اُن کی طرف فرشتگان کو بھیجا جن کا امیر ابلیس جس کا نام عزازیل تھا۔ اُن سے علم میں زائد تھا۔ زمین پر اترتے ہی جنات کو شکست دی۔ اور انہیں زمین سے نکال کر، دریاؤں اور پہاڑوں کی غاروں میں بھگادیا۔ اور خود وہیں رہنے سہنے لگے۔ اب ان پر عبادتِ آسمان ہو گئی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ ملائکہ جو آسمانوں پر بلند ہیں۔ خوف زدہ زیادہ ہیں اور جو ملائکہ آسمان دُنیا میں ہیں وہ بہ نسبت دوسروں کے آسانی میں ہیں۔ بہر حال ابلیس کو زمین و آسمان دنیا کی سلطنت دی گئی۔ اور بہشت کا خزانہ بھی سپرد ہوا۔ اس کے دوزمرد کے پر تھے۔ بنا بریں کبھی

زمین پر عبادت کرتا کبھی آسمان پر اور کبھی جنت میں، اسی وجہ سے اُسے عجب (غرور) لاحق ہوا اور اپنے دل میں لگا کہنے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی شاہی اس لئے دی کہ مجھ سے زیادہ مکرم ملائکہ میں کوئی ہے نہیں۔ (روح البیان)

(۱) ابلیس سو الاکھ سال کا رہائے نمایاں سرانجام دیتا رہا یہاں تک کہ جملہ رہبران قوم سے سبقت لے گیا۔

(۲) جہاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی فوج جنات کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور سر توڑ جدوجہد سے زمین باغیوں سے پاک و صاف ہوئی، جس کے صلہ نے دُنیوی سلطنت کا واحد بادشاہ بنا دیا کہ زمین پر جملہ مکین اس کے زیر نگین تھے۔

(۳) دُنیوی سلطنت اور وجاہت و سطوت اس کی نظروں میں کچھ نہ تھے وہ صرف اور صرف عبادت الہی کا عاشق تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر بلا لیا جس کی عبادت کو دیکھ کر فرشتے انگشتِ بدنداں اور حیران و ششدر رہ گئے، کروڑوں سال عبادت کرنے والے اپنی عبادت کو اس کے سامنے حقیر و لاشے خیال فرما رہے ہیں۔ یہی بات ہم آگے چل کر ثابت کرنے والے ہیں کہ ابلیس تا دیوبند جملہ ابلیسی چیلے عبادت میں ایسے بلند مرتبہ ہونگے کہ دوسرے سینکڑوں سال والے اپنی عبادت اور نماز و روزہ کو حقیر سمجھیں گے۔

(۴) بارگاہِ حق میں عبادت کو ایسا سجا کر پیش کیا کہ خود خالق کو اس سے ایسا پیار ہوا کہ اسے نہ صرف ساتویں آسمان تک بلا لیا گیا بلکہ بہشت کے چیف افسر حضرت خازنِ فرشتے کو استدعا کرنی پڑی کہ ابلیس کے بغیر جنت کی زیب و زینت گویا بے زیب ہے پھر ادب و احترام کے ساتھ بہشت میں پہنچایا۔

(۵) بہشت میں درس و تدریس اور خطابت کوئی معمولی عہدہ نہیں۔ بادشاہی مسجد کے خطیب کے اعزاز کو دیکھ لو وہ کیسی سچ دھج سے زندگی بسر کرتا ہے گورنمنٹ یونیورسٹی کی اعلیٰ ڈگری والے بھی عہدے دار کا کیا مرتبہ ہوتا ہے کہ جملہ ارکانِ دولت و اعیانِ سلطنت اس کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور یہاں تو احکم الحاکمین کی بہشت کی خطابت اور ملکوتیوں کی تدریس کا صدارتی عہدہ ہے کہ جس کے آگے جبرائیل و میکائیل و دیگر مقربین ملائکہ علیہم السلام سرنگوں پھرتے ہیں اس کا جو تصور ناظرینِ ذہن میں جمائیں ابلیس کی شان و شوکت کے شایانِ شان پھر بھی پورے نہ اتر سکیں گے۔ لیکن اس کا انجام بھی نہ بھولنے کہ جب اس نے محبوبِ خدا اور اس کے پیارے پیغمبر کی نیاز مندی سے منہ موڑا اور گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب کیا تو وہی تلمیذانِ ذی قدر ملکوتی تھے جو لعنت لعنت کہہ رہے تھے اور نہایت ذلت و خواری سے دھکے دے کر اسے بہشت سے باہر نکال دیا اور تاحال

لعنت و پھٹکار کے ڈوگر بر سار ہے ہیں تاقیامت اس کے ساتھ یہی سلوک ہوتا رہے گا۔

(۶) اتنے بڑے اعزاز کے باوجود خطاب کے لئے جو یا قوت کا منبر بچھایا جاتا وہ عرش کے نیچے ہوتا کہ اس سے بڑھ کر آگے کوئی منبر نہ تھا سوائے عرش الہی کے۔

(۷) جب تک خطاب یا تعلیم و ارشاد ملائکہ میں مصروف رہتا سر پر نور کا پھر یرا فضاء میں لہراتا جاتا۔ یہ وہی ابلیس ہے جس پر ہم سب لعنت کرتے نہیں تھکتے یہ کوئی معمولی شخصیت نہ تھا بلکہ اس وقت وہ بزعم خویش خدا تعالیٰ کے بعد شان و شوکت میں اول نمبر پر تھا۔ لیکن مارا گیا تکبر سے نہیں حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی و گستاخی سے۔

جس کا سبب اور موجب تکبر بنا۔ نہ صرف تکبر یا سجدہ نہ کرنا جیسا کہ بعض لوگوں نے عوام میں مشہور کر رکھا ہے کہ شیطان نماز کا ایک سجدہ نہ کرنے اور تکبر کی وجہ سے مارا گیا اس سے ان کی مراد جو بھی ہو لیکن ان کی یہ بات صحیح مان لی جائے تو خوارج و معتزلہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک کبار (کبیرہ گناہ) کا مرتکب کافر اور دائمی جہنمی ہو جاتا ہے اور اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ کبار کا مرتکب فاسق و فاجر ہے اسے اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر توبہ بخش دے چاہے جرم کی سزا کے بعد بخشے لیکن نہ وہ لعنتی ہے نہ وہ کافر اور نہ ہی ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ لیکن خوارج و معتزلہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے۔

نتیجہ نکالے

ابلیس صرف سجدے نہ کرنے اور تکبر سے مارا جاتا تو وہ بقاعدہ اہلسنت نہ لعنتی ہوتا اور نہ دائمی جہنمی کیونکہ یہ دونوں فعل عقائد میں شامل نہیں بلکہ کبیرہ گناہ ہیں حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ ابلیس نہ صرف لعنتی اور جہنمی بلکہ وہ تمام لعنتیوں اور جہنمیوں کا سرغنہ ہے وہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ گستاخ اور بے ادب تھا۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ جو بھی نبوت و ولایت کا گستاخ اور بے ادب ہو اس کی نجات ناممکن بلکہ محال و ممتنع ہے چنانچہ حضرت علامہ جامی قدس سرہ نے فرمایا

محمد بخشد گنہگار حق را ☆ و لے حق نہ بخشد خطائے محمد

اس سے ثابت ہوا کہ عقائد صحیحہ نجات بخشتے ہیں اور عقیدہ بدتباہ و برباد کرتا ہے اگرچہ اعمال صالحہ کی بہتات ہو۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ”نجات عقیدہ میں ہے۔“

لعنت کے بعد ابلیس کا برا حال

صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انکار سجدہ آدم کے بعد ابلیس کا جسم خنزیر کی شکل میں اور چہرہ بندر کی طرح ہو گیا۔ صورت ہیئت نعمت سب کچھ چھین لیا گیا۔ اور مندرجہ ذیل سزاؤں کا مستحق ہوا۔

(۱) تمام روئے زمین اور آسمان اول کی بادشاہت کے علاوہ جنت کے افسر خزانہ کے عہدہ سے محروم کر دیا گیا۔
 - بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تک بہشت کا داخلہ بند۔ (۲) حق تعالیٰ کے قرب سے محروم ہوا۔ (۳) عزائیل نام تبدیل کر کے ابلیس نام تجویز کیا گیا۔ (۴) بد بخت لوگوں اور کفار کا پیشوا بنادیا گیا۔ (۵) ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون و مردود بنادیا گیا۔
 (۶) معرفت الہی کی دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔ (۷) توبہ کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا گیا۔ (۸) نیکی سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیا گیا۔ (۹) تمام دوزخیوں کا خطیب مقرر ہوا۔

فائدہ : اس سے ثابت ہوا کہ گستاخ رسول علیہم السلام و صحابہ عظام اور اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کا بے ادب اس دنیا میں حاجی ہو، مفتی، قاضی، نماری، مجاہد، زاہد، متقی پرہیزگار اور قوم کا سب سے اونچا اور عوام کا محبوب و مقتدا اور سب کچھ ہو لیکن قیامت میں جہنم کے کتوں سے ہوگا۔ جیسا کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا

”الخوارج کلاب النار“ بد مذہب (خوارج) جہنم کے کتے ہیں۔

یہ کوئی مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ ٹھنڈے دل سے کوئی غور فرمائے تو سمجھ آ جائے گا (ان شاء اللہ عزوجل)

آدم علیہ السلام سے بغض و عداوت

سب کو معلوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنا خلیفہ منتخب فرما کر ان کی تعظیم و تکریم کے لیے سجدہ تحیہ کا حکم فرمایا تو ابلیس کے سوا تمام ملکوت نے تعظیم و تکریم کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، (فسجدوا لآبلیس) سب نے سجدہ کیا ابلیس کے سوا۔

روح البیان میں ہے کہ جب ملائکہ سجدہ میں گرے تو ابلیس نے آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر پیٹھ کر لی یہاں تک کہ وہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور سجدہ میں ایک سو سال تک پڑے رہے۔ بعض روایات میں پانچ سو سال آیا ہے۔ جب انہوں نے سراٹھا کر دیکھا تو ابلیس کھڑا ہوا ہے بلکہ الٹا آدم علیہ السلام سے منہ پھیرے ہوئے ہے اور اس فعل سے نادم بھی نہیں ہوتا بلکہ الٹا عزم بالجزم میں ہے۔ تو اس کے امتناع اور اپنی فرمانبرداری کی توفیق کی وجہ سے ملائکہ دوبارہ سجدہ میں گرے۔ ان کے لیے دو سجدے ہو گئے۔ ایک آدم علیہ السلام کے لیے، دوسرا اللہ تعالیٰ

کے لیے تھا۔ جب یہ سجدہ کر رہے تھے ابلیس دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت مسخ کر دی جس کی تفصیل پہلے گزری ہے۔

صرف اور صرف گستاخی اور بے ادبی

تمام اسلامی فرقے متفق ہیں کہ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے سے لعین ورجیم ہوا۔ لیکن مخالفین کہتے ہیں چونکہ اس نے امر الہی عزوجل یعنی حکم خداوندی سے منہ موڑا اسی لیے ملعون ہوا۔ ہم کہتے ہیں اس طرح سے تو ہر بندے کو حکم الہی عزوجل سے منہ موڑنیپر ملعون ہو جانا چاہیے بلکہ حقیقت وہی ہے کہ حکم خداوندی چونکہ محبوب کی تعظیم و تکریم کے متعلق تھا اور وہ ابلیس سے نہ ہو سکا اسی لیے ملعون و مردود ہوا۔

خدا کے ماننے والا مسلمان ہو نہیں سکتا

بجز حبِ نبی کامل ایماں ہو نہیں سکتا

اللہ کے محبوب آدم کی تعظیم و تکریم

آدم علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کا نائب اور خلیفہ منتخب ہونا ہمارے لئے باعثِ صداقت و افتخار ہے ان کی تعظیم و تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو ابلیس سمیت سجدہ تحیہ (تعظیم) کا حکم فرمایا تو اس تعظیم و تکریم کو تو حید کے منافی سمجھ کر انکار کیا تو صرف ابلیس نے۔ حالانکہ جملہ ملائکہ کرام جبریل علیہ السلام سمیت تو حید پرستی میں ابلیس سے کچھ کم نہ تھے۔ لیکن انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم عین تو حید ہے اسی لیے ہم بحمدہ تعالیٰ انبیاء اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام کی تعظیم و تکریم و آداب کو عین اسلام سمجھتے ہیں اور دوسرے فرقے انہیں شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دورِ حاضرہ میں حق و باطل کا نکھار اسی سے ہوتا ہے کہ جو محبوبانِ خدا کی تعظیم و تکریم بجالاتا ہے وہ مومن ہے۔ اور جو اس دولت سے محروم ہے وہ ابلیس کا چیلہ ہے۔

عداوتِ ابلیس کا آغاز

جب ابلیس کو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ زمین پر ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہے۔ اسی وقت سے اس نے قسم کھائی کہ اولادِ آدم کو اپنے جیسا بناؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے قسم کو مؤکد فرما کر اعلان فرمایا کہ ایسی اولادِ آدم کو ابلیس کے ساتھ جہنم میں دھکیلوں گا۔

”کما قال تعالیٰ لا ملئن جہنم منك وممن تبعك منهم اجمعین۔“

اے ابلیس میں تجھے اور ان میں سے جو تیری تابعداری کرے گا جہنم میں دھکیلوں گا۔
اس سے واضح ہوا کہ آدم علیہ السلام کا پہلا دشمن ابلیس ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اولاد آدم کو ہمنوا بنائے۔

ابلیس کی تابع داری کی تشریح

ابلیس کی تابعداری دو قسم کی ہے (1) عقائد میں (2) اعمال میں۔

شیطان ان دونوں میں اولاد آدم کو اپنے دامِ تزویر میں پھنساتا ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں خرابیوں (خرابی عقائد و اعمال) کی تابعداری انسان کو تباہ و برباد کرتی ہے لیکن اہلسنت کے اصول پر بد عملی اور غلط کرداری کی معافی کی اُمید ہو سکتی ہے لیکن بد اعتقادی یعنی شیطان کے عقائد سے مطابقت ہو تو اس کی نجات صرف ناممکن نہیں بلکہ ممتنع ہے۔

نوٹ : یاد رہے کہ ابلیس کی اتباع سے بھی اعتقادی تابعداری مراد ہو سکتی ہے اس لئے کہ بد اعمالی سے خلود نار کا عقیدہ خوارج کا ہے اور ظاہر ہے کہ شیطان (ابلیس) کے وجود سے بد عملی صادر نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے ذاتی طور نیکی ضد ور ہو گئی ہے۔ صرف دو شواہد ملاحظہ ہوں۔

ابلیس رشوت خور نہیں

اُسامہ ظالم حاکم مصر کے کارناموں سے خوش ہو کر ایک دن سلیمان (خلیفہ) کسی سے کہتا ہے رشوت میں ایک دینار بلکہ ایک درہم تک نہیں لیتا۔ عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) بولے میں آپ کو ایک ایسا متنفس بتاتا ہوں جو اسامہ سے زیادہ بُرا ہے حالانکہ وہ بھی ایک درہم تک رشوت نہیں لیتا۔ سلیمان نے پوچھا وہ کون ہے؟ فرمایا ”اللہ کا دشمن ابلیس۔“ (النجوم الزاہرہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۱)

ابلیس نمازی

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک پری مشرف باسلام ہوئی اور اکثر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھی۔ ایک بار عرصہ تک حاضر نہ ہوئی۔ سبب دریافت فرمایا، عرض کی، حضور میرے ایک عزیز کا ہندوستان میں انتقال ہو گیا تھا وہاں گئی تھی، راہ میں میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا ہے میں نے اس کی یہ نئی بات دیکھ کر کہا کہ تیرا تو کام نماز سے غافل کر دینا ہے تو خود کیسے نماز پڑھتا ہے۔ اس نے کہا کہ شاید اپنے فضل و کرم سے باری تعالیٰ میری نماز قبول فرمائے اور مجھے بخش دے

۔ (ملفوظات جلد ۱۲ صفحہ ۱۵ تا ۱۶)

نوٹ: اس کی ہر برائی اور اعمالِ صالحہ کے بارے میں نمونہ کے طور پر عرض کیا ہے ورنہ ان کے جملہ نیک اعمال کا یہی حال ہے اور برائیوں کا کام تو اس سے ہوتا نہیں، ہاں دوسروں سے سب کچھ کرا لیتا ہے۔

مزید بران

اس سے یہ نہ سمجھیں کہ ابلیس بُرائی نہیں کرتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ برائی جو اس کی ذات سے متعلق ہو وہ خود نہیں کرتا مثلاً ظاہر ہے کہ شیطان زانی نہیں، چور نہیں، ڈاکو نہیں کہ کسی کا مال چھین لیتا ہو اور نہ ہی دوسری عملی غلط کاریوں میں مبتلا ہے بلکہ وہ تو اعمالِ صالحہ کے لحاظ سے تاحال ویسے پابند ہے جیسے پہلے تھا۔ اور توحید میں رئیس الموحدین ہے، یہاں تک کہ اب اس کا نام پوچھنا ممکن ہو تو عزازیل عبد اللہ (یعنی اللہ کا بندہ) نام بتائے گا۔ ابلیس، شیطان، رجیم وغیرہ نہیں بتائیگا۔

اس طرح

اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کو مانتا ہے اور اس کی عبادت کو حق سمجھتا ہے اسے ضد ہے یا دشمنی و عداوت اور بغض ہے تو انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام سے اسی لئے ملعون ہے رجیم ہے۔ مردود ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی ہمارا موضوع ہے اسی عقیدہ میں جو بھی شیطان و ابلیس کا ہمنوا ہے وہ بھی اسی کا دوست ہے یا سمجھو چیلہ۔ ایسے چیلے اس نے تیار کرنے ہیں جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھا کر کہا اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں بار بار بتایا۔ ابلیس کے چیلے جنوں میں بھی ہیں اور انسانوں میں بھی، بلکہ قرآن مجید کا اختتام اسی مسئلہ پر ہوا کہ ”من الجنة والناس۔“ اور فقیر عرصہ سے اس قسم کے چیلوں سے بچنے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

محبوبِ خدا اور ابلیس

اس بحث میں ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ ابلیس نے محبوبِ خدا ﷺ کی گستاخی اور بے ادبی اور ان کے ساتھ دشمنی اور بغض و عداوت میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ کیا کیا۔

حدیث: ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا کہ میرے محبوب (حضرت) محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ جو کچھ تجھ سے پوچھیں اس کا جواب دے۔ چنانچہ شیطان ایک بڈھے کی شکل میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا میں شیطان ہوں، فرمایا کیوں آیا ہے؟ کہا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ

میں آپ کے پاس آؤں اور آپ جو پوچھیں اس کا جواب دوں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اچھا یہ بتا میری امت میں تیرے دشمن کتنے ہیں؟ شیطان نے جواب دیا، پندرہ، فرمایا کون کون سے؟ شیطان نے کہا، سب سے پہلے تو میرے دشمن آپ ہیں۔ دوسرا میرا دشمن انصاف کرنے والا حاکم ہے۔ تیسرا متواضع دولت مند، چوتھا سچ بولنے والا تاجر، پانچواں خدا سے ڈرنے والا عالم، چھٹا ناصح، ساتواں رحمدل مومن، آٹھواں توبہ کرنے والا، نواں حرام سے بچنے والا، دسواں ہمیشہ با وضو رہنے والا، گیارہواں صدقہ و خیرات کرنے والا، بارہواں نیک اخلاق رکھنے والا، تیرہواں لوگوں کو نفع پہنچانے والا، چودھواں قرآن پڑھنے والا، پندرہواں رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے والا۔ (روح البیان)

فائدہ: اس حدیث پاک سے میرا مقصد اتنا ہے کہ ابلیس کی سب سے بڑی دشمنی ہمارے نبی پاک ﷺ کے ساتھ ہے اس نے اپنے دشمن کی دشمنی کے لئے کیسے کیسے دُکھ برداشت کئے۔ اس سے سوچئے کہ اب نبوت دشمنی کا ثبوت کون دے رہا ہے۔

عقیدہ

سب سے پہلے یہ یاد رکھ لیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ معصوم ہیں۔ اور اللہ عز و جل آپ ﷺ کے لئے کافی ہے۔ اس سے کہ شیطان آپ ﷺ کے جسم میں اذیتوں کے انواع سے کوئی اذیت پہنچائے۔ اور آپ ﷺ کے قلبِ مبارک میں وسوسہ رسانی کرے یعنی شیطان کو یہ مقدور نہیں ہے کہ وہ آپ کو جسمانی ایذا پہنچائے یا آپ کے پاک دل میں کوئی وسوسہ ڈالے۔

حضور ﷺ کا شیطان مسلمان

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ”نہیں تم سے کوئی مگر مقرر کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس کا ساتھی جنوں سے اور اس کا ساتھی فرشتوں سے۔ انہوں نے عرض کیا اور آپ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا اور میرے ساتھ بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر مدد دی۔ پس وہ مسلمان ہو گیا ہے۔

مشیر خیر شیطان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس معنی میں ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔ بعض راویوں نے حدیث میں

یہ کلمہ زیادہ کیا ہے۔ **فلا یامرئی الا بخیر**، مجھے وہ صرف نیکی ہی کی بات کہتا ہے۔ حدیث کا لفظ **اَسْلَمَ بالفتح** بعض دیگر روایات میں میم کے ضمیمہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ میں اس کے شر سے محفوظ رہتا ہوں۔ بعض محدثین نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ اور اس کو ترجیح دی ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کا قریب یعنی ساتھی کفر سے نکل کر اسلام کی طرف آ گیا ہے۔ یعنی وہ فرشتہ کی طرح ہو گیا ہے وہ نہیں حکم دیتا مگر نیکی کا۔ یہ ظاہر حدیث ہے۔ اور بعض محدثین نے حدیث میں **فاستسلم** (اسے روایت کیا ہے) قاضی ابوالفضل رحمۃ اللہ علیہ نے شفا شریف میں۔

فائدہ : جب کہ یہ حکم آپ کے شیطان اور آپ کے قرین کا ہے۔ جو بنی آدم پر مسلط ہے۔ پس کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جو آپ کے بعد ہوئے اور جن کو آپ کی صحبت و قربت نصیب نہیں ہوئی۔

واقعات دشمنی ابلیس

شیاطین بہت جگہوں پر آپ کے درپے آزار ہوئے ہیں اس بات میں رغبت کرتے ہوئے کہ آپ ان کی دام تزدیر میں آئیں لیکن پاکیزہ نفس کو مردود کب و رغلا سکتا تھا مگر اس کے باوجود کوشش کی کہ آپ کو اپنی طرف مشغول کر دیں۔ مگر ناکام ہو کر پلٹ گئے۔ جیسا کہ ایک بار ایک شیطان نے نماز کی حالت میں آپ سے تعرض کیا تو آپ نے اس کو پکڑ کر قید کر دیا۔

شیطان بلی کی شکل میں

صحاح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان میرے سامنے آیا (عبدالرزاق نے کہا کہ بلی کی صورت میں آیا) اس نے میری نماز کو قطع کرنے کے لئے مجھ پر حملہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس پر قدرت دی۔ میں نے اسے دھکا دینے کا ارادہ کیا کہ اس کو ستون سے باندھ دوں تاکہ صبح کو تم بھی اس کو دیکھ لو پھر میں نے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کا قول یاد کیا، ”**رب اغفر لی وہب لی ملکا**“ (الآیہ) ”اے میرے رب مجھ کو بخش دے اور مجھ کو ایسا ملک دے جو کسی کے لئے نہ ہو“۔ اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

آگ لے کر آیا

حدیث ابودرداء میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا دشمن میرے پاس آگ کا انگارہ لے کر آیا

اس کو میرے منہ پر مارے (اس وقت نبی ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس سے اللہ کی پناہ مانگی اور اس پر لعنت کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس سے پہلی بات ذکر کروں اس کے آگے وہی ذکر کیا جو پہلے ذکر ہوا۔ اور آپ نے فرمایا کہ اگر میں اس کو پکڑ کر باندھتا تو صبح کو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے۔ ایسے ہی اسراء حدیث میں آیا ہے کہ ایک عفریت نے آگ کے شعلہ کے ساتھ آپ کا تعاقب کیا تو جبریل نے آپ کو وہ کلمات سکھائے جن سے آپ اس کے شر سے اللہ کی ذات کے ساتھ پناہ مانگیں جو ذکر ہوئے۔

شیطان نجدی

جب شیطان براہ راست شر پہنچانے سے عاجز آ گیا تو پھر اس نے آپ کو شر پہنچانے کے لئے آپ کے دشمنوں کو اس کا واسطہ بنایا۔ جیسا کہ جب قریش حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ایک محفوظ مقام پر باہمی مشورہ کے لئے بیٹھے تو شیطان ایک نجدی شیخ کی صورت میں ان کے پاس آیا۔

شیطان غزوہ بدر میں

بدر میں سراقہ ابن مالک کی صورت میں ان کے پاس آیا اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا: **واذین لهم الشیطان اعمالهم**۔ الآیۃ ”اور جب ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کیا“۔ ایسے ہی ایک بیعت عقبہ کے وقت میں وہ لوگوں کو آپ کے حال کے ساتھ ڈرا رہا تھا۔ ان تمام مواقع میں شیطان نے رسول خدا ﷺ کی عداوت و دشمنی میں کسر نہ چھوڑی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

ہرنبی (علیہ السلام) اور ولی

شیطان کا حملہ ہر ایک پر ہوتا ہے انبیاء علیہم السلام ہوں یا اولیاء کرام یا عوام، صرف فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور اولیائے کرام محفوظ۔ ہاں عوام پر داؤ چلا لیتا ہے اگر جس خوش قسمت کو کسی ولی کامل کا دامن نصیب ہوتا ہے تو وہ بھی اس کی شرارت سے بچ جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے کسی کو بچالے ورنہ عموماً عوام کا اس کی شرارت سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔

اولیاء سے شیطان کی پناہ

شیطان ابلیس سے پوچھا گیا کہ تم ابو مدین (ولی اللہ کامل) کو گمراہ کرنے میں کس قدر کامیابی کی امید رکھتے

ہو اس نے جواب دیا ہمارا انہیں گمراہ کرنا ایسے ہے جیسے بحر محیط میں پیشاب کیا جائے یعنی ہم اپنی عادت پر مجبور ہو کر اگر انہیں کچھ کہتے بھی ہیں تو انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں، جیسے بہت بڑے دریا میں پیشاب کر دیا جائے تو دریا کا کیا بگڑتا ہے یا جیسے سورج کے انوار کو پھونکوں سے بجھایا جائے یعنی جیسے انوار شمسی کو پھونکوں سے بجھانے والا ایک احمق اور پاگل سمجھا جاتا ہے ایسے ہی حضرت ابو مدین رضی اللہ عنہ کو گمراہ کرنے والے کو ہم اپنی برادری (شیطان) میں پاگل اور مجنون سمجھتے ہیں۔ (روح البیان از مسئلہ الحکم)

نبی علیہ السلام کے بچپن کا دشمن

ابلیس، رسول اللہ ﷺ کا بچپن سے دشمن تھا۔ بچپن سے ہی اللہ تعالیٰ اپنی عزت و عظمت کو گاہے گاہے ظاہر فرمادیتا تھا جسے آپ کے بڑے سے بڑے دشمن بھی اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ابلیس بد بخت ایسا ضدی دشمن ہے کہ یہ رفعت شان جاننے کے باوجود اپنی ضد کا پکا ہے پھر باوجود یہ کہ سمجھتا ہے کہ اس کی شرارت سے عزت و عظمت میں کمی نہیں آئے گی لیکن عزت گھٹانے کے لئے اپنے طور زور لگاتا رہتا ہے چنانچہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود کی تنصیب کے وقت اس نے جو گل کھلائے وہ اس کی نبوت دشمنی کی واضح دلیل ہے۔

جب قریش تعمیر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو ہر قبیلہ نے اپنا پتھر رکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور ہر ایک نے یہی چاہا کہ حجر اسود کے نصب کی سعادت سوائے اس کے کسی اور کو حاصل نہ ہو۔ اس سے سخت اختلاف اور جھگڑا پیدا ہو گیا یہاں تک کہ سب جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور بعض قبائل نے دستورِ عرب کے مطابق خون کا پیالہ بھرا اور اس میں انگلیاں ڈبو کر عہد کیا کہ ہم مرتے دم تک لڑیں گے۔

چار روز تک یہ کش مکش برابر جاری رہی پانچویں روز مسجد حرام میں اس خیال سے سب جمع ہوئے کہ شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے ابو امیہ بن مغیرہ جو سب سے زیادہ عمر کا تھا اس نے رائے دی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے مسجد میں داخل ہو وہی حکم قرار دے دیا جائے اور اس کا فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔ سب نے اس رائے کو منظور کر لیا۔ اور دوسرے روز ہر قبیلہ کے معزز آدمی موقع پر پہنچ کر دیکھنے لگے۔

خدا کی قدرت کہ سب سے پہلے مسجد میں داخل ہونے والے ہمارے نبی ﷺ ہی تھے۔ جب ان کی نظریں آپ کے چہرہ انور پر پڑیں تو سب کے سب پکار اُٹھے۔

ہذا محمد هذا الامین قد رضینا بہ (شفا شریف صفحہ ۷۸)

یہ تو محمد ﷺ ہیں یہ تو امین ہیں (ان کے فیصلے پر) ہم سب راضی ہیں۔

رحمت عالم ﷺ نے حالات کا جائزہ لے کر ایسی بہترین تدبیر فرمائی کہ سب کے سب خوش بھی ہو گئے اور ایک بہت بڑے جھگڑے کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تمام قبائل اپنا اپنا ایک سردار منتخب کر لیں۔ جب انہوں نے انتخاب کر لیا تو آپ نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اٹھا کر اس میں رکھ دیا اور ان منتخب سرداروں سے فرمایا کہ چاروں طرف سے چادر کے کونے اور کنارے تھام کر اُپر اٹھائیں جب چادر مقامِ نصب کے برابر آگئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا اور پھر تعمیر ہونے لگی۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تمام لوگوں نے آپ پر اظہارِ رضامندی کیا تو شیطان جو کہ شیخِ نجدی کی صورت میں ان کے ساتھ تھا چلا یا اور بولا۔ اے قریشیو! تم محمد (ﷺ) پر راضی ہو گئے جو ایک غلام اور یتیم ہے کہ وہ اس پتھر کو رکھے حالانکہ تمہارے بڑے لوگ اس کام کے مستحق موجود ہیں قریب تھا کہ اس کی شرارت سے شور و غل ہو جاتا مگر وہ خاموش رہے۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۱ صفحہ ۲۰۵ طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)

اسباقِ عبرت

(۱) ابلیس نے ایک تو اس وقت شیخِ نجدی کی صورت اختیار کی، کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ نبوتِ دشمنی نجدیت کو سبقت ہے (۲) دشمنانِ مصطفیٰ ﷺ نے نجدی صورت کو دیکھ کر اجنبیت محسوس نہ کی بلکہ اس کی شمولیت کو راحت محسوس کیا تبھی تو ہم کہتے ہیں:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

مشرکین مکہ دشمنیِ مصطفیٰ میں شیخِ نجدی کی رفاقت کو بہترین معاونت سمجھتے تھے تبھی تو اس کی شرارت کو اہمیت دے کر بعض نے معاملہ کو گڑبڑ کرنا چاہا لیکن چونکہ قدرتِ ایزدی کو منظور نہ تھا اسی لئے معاملہ فرو ہو گیا (۳) اس وقت مکہ مکرمہ میں دشمنانِ نبی ﷺ بے خبری میں مصطفیٰ کریم ﷺ کو ایک بہت بڑا اعزاز پیش کر رہے تھے لیکن ابلیس کو معلوم تھا کہ وہی محبوبِ خدا ﷺ ہیں جن کو قدرتِ قادر نے کئی خوبیوں سے نوازا ہے اسی لئے اسے یہ اعزاز نہ بھایا، یک لخت چونکا اگرچہ جانتا تھا کہ میری دال نہیں گلے گی لیکن آواز تو اٹھائی۔ ایسے ہی دشمنانِ مصطفیٰ کی ہر دور میں عادت رہی اور رہے گی مثلاً ہمارے دور میں رسول اللہ ﷺ کے میلادِ پاک اور ۱۲ ربیع

الاول شریف کو جلوس نکالنے میں عوام سے حکومت تک اس سعادت سے سرشار ہے اور مخالفین کو یقین ہے کہ ہماری کوئی نہیں سنے گا لیکن پھر بھی بے تکی بیانات اخبارات میں پھر بصورتِ اشتہارات و رسائل شائع کرتے ہیں لیکن اس طرح منہ کی کھانی پڑتی ہے جیسے ابلیس کو تنصیبِ حجرِ اسود کے وقت (۴) بات تو بظاہر صحیح اور ٹھیک کہی کہ واقعی رسول اللہ ﷺ اس وقت بچے اور دریتیم تھے اور واقعی قریش میں اس وقت ان کی نظروں میں بڑی قد آور شخصیات موجود تھیں لیکن بظاہر کچھ کہہ دیا لیکن اندرونِ خانہ رسول اللہ ﷺ کے اعزاز و اکرام کو ٹھیس پہنچانا تھا جیسے مخالفینِ مصطفیٰ ﷺ کی عادت رہی اور ہے کہ دل میں کچھ لیکن زبان سے کچھ۔ تفصیل آتی ہے (ان شاء اللہ) (۵) اس کا ہر دشمنی کے موقع پر نجدی کی شکل بن کر آنے میں کوئی راز تو ہے ورنہ اسے تو سوائے انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء کے ہر شخص کی صورت میں آنے کا اختیار حاصل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نجدی کے دل میں ہے کوئی کالا کالا۔

عجوبہ

تفسیرِ ثعلبی میں تو لکھا کہ جب ”اہبطوا“ اتر جاؤ کا حکم ہوا آدم علیہ السلام سرانڈیپ (ہند) میں اور حواء رضی اللہ عنہا جدہ میں اور ابلیس ریلہ میں اور سانپ ایلہ میں، لیکن تاریخِ جعفر طبری میں ابلیس کا سہوٹ سندھ بالخصوص ملتان میں لکھا اولاً یہ قول غیر معتبر ہے اس لئے کہ کہاں ثعلبی کہاں طبری کیونکہ ثعلبی اعظم مفسرین و اکابر مؤرخین سے ہیں اور انہوں نے کیونکہ اپنی تفسیر میں بے اصل اقوال لانے سے احتراز کا التزام فرمایا ہے اسی لئے اکثر اہل تفاسیر نے ثعلبی کا اتباع کیا ہے بالفرض جعفر طبری کا قول مان لیا جائے تو اس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اس سے کب لازم آتا ہے کہ تمام اہل سندھ اور اہل ملتان اشرار ہیں جیسے سرانڈیپ میں سیدنا آدم علیہ السلام کے سہوٹ سے تمام سرانڈیپ ابرار و صالحین ہیں۔

تبصرہ اویسی غفرلہ

بقول طبری سندھ بالخصوص ملتان کا قول مان لیا جائے تو بھی ہم حق بجانب ہیں کہ اہل ملتان کو اور اس کے وابستگان کو اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام بھی بہ نسبت دوسرے خطوں کے بکثرت عطا فرمائے کہ صرف شہر ملتان میں سو لاکھ سے زائد اولیائے کاملین مدفون ہیں پھر اوج شریف میں اولیاء کرام کی مرکزیت مسلم ہے۔ اس کے ساتھ ریاست بہاول پور کے مشائخ و اولیائے کرام کی اولیاء آبادی کسی کو معلوم نہیں۔ سندھ میں ٹھٹھ سے لے کر

سکھرتک نگاہ ڈالئے کہاں سے کہاں تک اولیائے کرام کی کثرت محسوس ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ شیطان کی شرارتوں سے بچنے کا واحد حل اولیائے کرام سے وابستگی ہے ورنہ شیطان اسی ریوڑ کو گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے جو اولیاء کرام کے دامن سے وابستہ نہیں ہوتا۔

شیطان کی رسول دشمنی کی جدوجہد

جب حضور اکرم ﷺ انصار سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا معاہدہ منیٰ میں فرما رہے تھے تو ایک شیطان پہاڑ کی چوٹی سے یہ نظارہ دیکھ کر چیخا اور اہل مکہ کو پکار کر کہا کہ لوگو! محمد (ﷺ) اور اس کے فرقہ کے لوگ تم سے لڑائی کے مشورے کر رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی پرواہ نہ کرو۔ (رحمۃ اللعالمین صفحہ ۹۰)

شیطان کی شرارت

حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول خدا ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھے کہ پہاڑوں سے آواز آئی لوگو! محمد (ﷺ) پر چڑھائی کر دو۔ حضور سرور کونین ﷺ نے فرمایا یہ شیطان کے لشکر کا ایک شیطان ہے اور جو شیطان کسی نبی پر چڑھائی کرنے کا اعلان کرتا ہے وہ ضرور مارا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے ایک غلام جن نے جس کا نام سمج تھا اور میں نے اس کا نام عبد اللہ رکھا ہے، نے شیطان کو مار ڈالا ہے چنانچہ پھر ہمیں پہاڑ سے آواز آئی ”نحن قتلنا مسعراً“ (حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۱۹۱) ہم نے مسعر کو قتل کر ڈالا۔

فائدہ : شیطان نبوت دشمنی میں اپنا بہت بڑا لشکر رکھتا ہے تو بفضلہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے عشاق اور خدام بھی ان کی سرکوبی کے لئے موجود ہوتے ہیں چنانچہ اس قاعدہ کو ہر دور پر منطبق کرینگے تو سو فیصد صحیح پائیں گے۔ آج بھی اس کی آزمائش کر سکتے ہیں کہ جہاں بھی نبوت کی گستاخی اور بے ادبی کی معمولی بدبو اٹھتی ہے تو غلامانِ مصطفیٰ ﷺ کٹ مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

ابلیس کی نبوت دشمنی

قرآن نے ثابت کر دکھایا کہ ابلیس آدم اور آدم زاد کا ناقیامت ان کی شان گھٹانے کے درپے رہے گا۔ ہم چند نمونے عرض کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ شیطان اپنی عادت پر انبیائے عظام والیائے کرام پر حملہ کرنے سے باز نہیں آتا لیکن انبیائے عظام معصوم اور اولیاء کرام محفوظ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ان عبادی لیس

لک علیہم من سلطان “بیشک میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہ ہوگا۔

بلکہ شیطان نے خود اعتراف کیا کہ **”لا غوینہم اجمعین الاعبادک منہم المخلصین“**، میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔

اور روح البیان جلد ۱، صفحہ ۴ میں ہے کہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ شیطان کو دیکھ کر ڈنڈا لے کر مارنے کے لئے دوڑے۔ شیطان نے عرض کی اے ابوسعید! میں ڈنڈوں سے نہیں ڈرتا ہاں اگر ڈرتا ہوں تو عارفین باللہ کے دل کے عرفان کی شعاع سے ڈرتا ہوں جو ایک سورج کی مانند ہے۔

فائدہ : گویا انبیاء و اولیاء پر حملہ کرنے سے اپنی ہار مان گیا لیکن اس بد بخت برادری کو کہا جائے کہ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی انبیاء و اولیاء کی توہین اور گستاخی اور بے ادبی ہے تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لوگ ابلیس لعین سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ آئندہ اوراق میں چند نمونے ابلیس کی انبیاء و اولیاء دشمنی کے پیش کر کے اس کے عقائد اور کارنامے عرض کروں گا۔

ابلیس کی نبوت دشمنی کے نمونے

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی فضیلت **”فلما انبأہم باسمائہم“** ثابت فرمائی تو آخر میں فرمایا **”واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون“** (پارہ نمبر ۴، رکوع ۴) جانتا ہوں وہ جو ظاہر کرتے ہو اور وہ جو تھے چھپاتے، تفسیر کبیر میں ہے کہ فرشتوں کا ظاہری بات کہنا تو وہی جو پہلی میں مذکور ہوا یعنی **”اتجعل فیہا من یفسد فیہا“** اور چھپی ہوئی بات سے ابلیس کا دلی ارادہ مراد ہے وہ یہی تھا جو مواہب الرحمن مع ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ (مخالفین کی تفسیر معتبر و مستند) میں ہے کہ بس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے قالب کو پاکیزہ طین (مٹی) سے بنایا اور اپنے ید قدرت سے پیدا کیا اور یہ قالبِ خاک کی چالیس دن تک پڑا رہا اور اس درمیان میں ابلیس اس قالبِ خاک کے پاس آ کر اپنے پاؤں سے ٹھوکر مارتا تو اس میں سے کھنکھناہٹ ہوتی، پھر ابلیس اس قالب کے منہ سے گھستا اور اسفل سے نکلتا اور اسفل کی جانب سے گھستا اور منہ کی جانب سے نکلتا تھا اور کہتا کہ تو کچھ چیز نہیں اور نا کارہ پیدا ہوا اور اگر میں تجھ پر مسلط ہوا تو میں تجھ کو تباہ کر دوں گا اور اگر تو مجھ پر سردار بنایا گیا تو میں ہرگز تیرا کہنا نہیں مانو گا الخ۔

فائدہ : گویا ابلیس نے ابتدا ہی ٹھان لیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے محبوب اور خلیفہ سے دشمنی کرے گا۔ یہی

طریقہ اور وطیرہ آج ہمارے حریفوں کا ہے جیسے تمام اہل اسلام نے اخبارات میں پڑھا اور ان کی تقریریں سنیں، تحریریں و تصانیف پڑھیں، عرب شریف میں جا کر دیکھیں ان کا عزم ہے کہ اگر حکومت مل جائے تو سب سے پہلے اولیائے کرام کے مزارات کو مسمار کریں گے۔

اس سے ناظرین سوچیں کہ ابلیس کے کارناموں سے انہیں دلچسپی کیوں، ورنہ وہ ان عزائم کے بجائے یہ ظاہر کرتے کہ اگر ہم برسرِ اقتدار آگئے تو دنیا سے تمام برائیوں کا قلع قمع کر دیں گے۔

گستاخ ابلیس

خدا نے جب حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مبارک تیار فرمایا تو فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے اس پتلے مبارک کی زیارت کرتے تھے مگر شیطان لعین حسد کی آگ میں جل بھن گیا اور ایک مرتبہ اس مردود نے بغض اور کینے میں آ کر حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے مبارک پر تھوک دیا یہ تھوک حضرت آدم علیہ السلام کی ناف مبارک کے مقام پر پڑی۔

نبوت کا گستاخ ابلیس

”فسجد و“ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا جس کا ابلیس نے انکار کیا جب ملائکہ سجدہ میں گرے تو ابلیس نے آدم علیہ السلام سے منہ پھیر کر پیٹھ کر لی۔ یہاں تک کہ وہ سجدہ سے فارغ ہوئے اور سجدہ میں ایک سو سال تک پڑے رہے۔ بعض آیات میں پانچ سو (500) سال آیا ہے۔ جب انہوں نے سراٹھا کر دیکھا تو ابلیس کھڑا ہے۔ بلکہ آدم علیہ السلام کو پیٹھ کر کے کھڑا فرشتوں کو دیکھ رہا ہے اسی لئے فرشتے دوبارہ سجدہ میں گرے۔ اُن کے لئے دو سجدے ہو گئے۔ ایک آدم علیہ السلام کے لئے، دوسرا اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُس کی صفت، حالت، صورت، ہیئت، نعمت سب کچھ چھین لیا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا جسم خنزیر کی شکل میں چہرہ بندر کی طرح کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے حسین و جمیل تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں شیطان کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے۔ میں تیری توبہ قبول کر کے تیرے گناہ معاف کر دوں گا۔ شیطان نے عرض کی جب میں اس کے جسم کو ساجد نہ ہوا تو پھر اس کی قبر اور میت کو کس طرح سجدہ کروں۔

حدیث شریف

میں ہے کہ اللہ تعالیٰ شیطان کو قیامت میں ہزاروں سال کے بعد دوزخ سے باہر نکال کر آدم علیہ السلام کے سامنے کھڑا کر کے سجدہ کا حکم فرمائے گا ابلیس سجدہ سے انکار کرے گا، پھر اُسے دوزخ میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا حکم کیا جائیگا۔ چنانچہ ایسے ہوا کہ اس نے انکار کر دیا تو وہ دائمًا دوزخ میں رہے گا۔ (روح البیان)

ابلیس کی یوسف علیہ السلام کے ساتھ دشمنی

تیسیر میں ہے کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے متعلق مشورہ کیا تو شیطان بوڑھا پریشان حال بن کر اخوة یوسف کے ہاں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا خیال ہے اب وہ بڑا ہوگا تو وہ تمہیں اپنا غلام بنائے گا۔ بھائیوں نے کہا تو فرمائیے بابا اس کے متعلق کیا کیا جائے۔ شیطان نے کہا ”اقتلو ایوسف“ یوسف علیہ السلام کو قتل کر دو، ”واطرحوہ ارضا“ یا اسے ڈال دو ایسی اندھیری اور غیر معروف میں جو آبادیوں سے دور ہوتا کہ اس میں ہلاک ہو یا ایسی جگہ چھوڑ آؤ جہاں درندے کھا جائیں (قرآن مع روح البیان سورۃ یوسف)

فائدہ : شیطان کو معلوم تھا کہ یوسف (علیہ السلام) کا اس کاروائی سے کچھ نہ بگڑے گا لیکن عادت سے مجبور تھا ان کی شہادت یا ہلاکت کا مشورہ دے ہی دیا۔ اس طرح ہم اپنے زمانہ کے بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ شانِ نبوت و ولایت کے معمولات نہ بند ہونے کے ہیں نہ بند ہو سکتے ہیں لیکن عادت کی مجبوری پر اپنی دل کی بھڑاس نکال ہی دیں گے مثلاً چند سالوں کی بات ہے کہ نجدیوں کے ایک گروہ نے گنبد خضراء کو گرانے کا مشورہ دیا جس پر عالم اسلام کے احتجاج پر نجدی حکومت کو معذرت کرنی پڑی اور عید میلاد النبی ﷺ کے سالانہ جلوس کے متعلق حکام سے لے کر عوام تک کی وابستگی سے متاثر ہو کر وہابی، دیوبندی، مودودی وغیرہم فرقے کیسی فریادیں کرتے ہیں۔ یہ اسی ابلیسی خباثت کا کرشمہ ہے۔

ابلیس غالی توحیدی

ابلیس تا حال اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا قائل ہے اور توحید پر اتنا ثابت قدم ہے کہ وہ قیامت میں بھی دوزخ میں رہنا قبول کر لے گا لیکن غیر اللہ کی تعظیم یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا گوارہ نہیں اس سے بڑھ کر توحید کے عقیدہ پر تصلب و مضبوطی اور کیا ہو سکتی ہے۔

فائدہ : یاد رکھئے کہ شیطان (ابلیس) کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ جو تیری تابعداری کرے گا اسے اور تجھے جہنم میں داخل کرونگا۔ یہ فرما کر واضح کر دیا کہ شیطان کی برادری جہنم میں ضرور جائیگی اور اس سے اس کی ذاتی غلطیاں یعنی عقائد مراد ہیں اور اس کے ساتھ شریک لوگوں کو بھی جہنم نصیب ہوگی۔ تو ان کے بد عقیدوں سے ورنہ ظاہر ہے کہ شیطان زانی نہیں، چور نہیں، ڈاکو نہیں، اور نہ ہی دوسری عملی غلط کاریوں میں مبتلا ہے بلکہ وہ تو اعمال صالحہ کے لحاظ سے تاحال ویسے پابند ہے جیسے پہلے تھا۔ اور توحید میں رئیس الموحدین ہے یہاں تک کہ اب اس کا نام پوچھنا ممکن ہو تو عزازیل (بمعنی عبد اللہ یعنی اللہ کا بندہ) نام بتائیگا۔ ابلیس، شیطان، رجیم وغیرہ نہیں بتائے گا کیونکہ جتنا اسے صرف توحید میں انہماک ہے کوئی اور اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا اسے ہم توحید ابلیسی سے تعبیر کرتے ہیں۔

شیطان نجدی کی شکل میں

تمام کتب حدیث و سیرۃ و تاریخ باب ہجرۃ النبی ﷺ میں لکھتے چلے آئے اور ہم سب پڑھتے آئے اور پڑھتے رہیں گے کہ شیطان کو نجدیوں سے کتنا پیار ہے کہ وہ جب بھی انسانوں کے بھیس میں آیا تو نجدی شیخ بن کر آیا۔ ہم اصل عربی لکھتے ہیں تاکہ ناظرین کو یقین ہو کہ ابلیس کی برادری دنیا میں کہاں ہے۔

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال لما اجمعوا لذلك اتعدوا ان یدخلوا فی دار الندوة لیتشاوروا فیہا فی امر رسول اللہ ﷺ غدوا فی الیوم الذی اتعدوا الہ وکان ذالک الیوم یسمی یوم الزحمة فاعترضہم ابلیس لعنة اللہ فی ہیئة شیخ جلیل علیہ بت لہ فوقف علی باب الدار فلما رأوہ واقفا علی بابہا قالوا من الشیخ قال شیخ من اهل نجد سمع بالذی اتعدتم لہ فحضر معکم یسمع ماتقولون وعسی ان لا یعدمکم منه رایا ونفحوا قالوا اجل فادخل فدخل معهم لعنة اللہ علیہ۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۳، تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۸، البدایہ والنہایہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۵)

ترجمہ : عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جب کفار مکہ نے اجتماع کیا اور دار الندوہ میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوئے تاکہ دار الندوہ میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق مشورہ کریں، صبح صبح ہی تیاری کر کے آئے اور اس دن کا یوم زحمتہ نام رکھا

گیا تو ابلیس لعنت اللہ علیہ ایک بھاری چادر اوڑھ کر شیخ نجدی کی شکل میں آ کر دروازے پر کھڑا ہو گیا، دیکھا تو پوچھا آپ کون ہیں، کہا میں شیخ نجدی ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تم رسول اللہ (ﷺ) کے لئے مشورہ کر رہے ہو میں بھی اس میں شامل ہونا چاہتا ہوں تاکہ کوئی مفید مشورہ دے سکوں، ممکن ہے تم اس میں کوئی غلطی نہ کھا جاؤ۔ سب نے کہا خوب، آئیے تشریف لائیے، اس پر وہ لعنتی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

درس عبرت: کہاں مکہ معظمہ کہاں نجد، لیکن جب آپس میں عشق و محبت ہو تو دوریاں ہٹ جاتی ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کفار مکہ نبوت دشمنی میں شیطان نجدی کے بہت گہرے دوست تھے تبھی تو نام سن کر فوراً اھلاً وسہلاً خوش آمدید کہا۔

ابو جہل کو ابلیس کی شاباش

جب دار الندوہ (مکہ شریف) میں حضور اکرم ﷺ کی دشمنی میں کفار مکہ نے مجلس شوریٰ میں مختلف آراء قائم کیں تو:

فقال ابو جہل بن ہشام واللہ ان لی فیہ لرأیا ما اراکم وقعتہ علیہ بعد و قالوا ما ہو یا ابا الحکم؟ قال اری ان ناخذ من کل قبیلۃ شابا فتی جلیداً نسیباً و سبطاً فینا ثم نعطى کل فتی منهم سیفا صار ما ثم یعمدوا الیہ فیضر بوہ بها ضربۃ رجل فیقتلوه فتستریح منه فانہم اذا فعلوا ذالک تفرق دمہ فی القبائل جمیعاً فلم یقدر بنو عبد مناف علی حرب قومہم جمیعاً فرضوا بنا بالعقل ففعلنا لہم قال بقول الشیخ النجدی القول ما قال الرجل ہذا الرأى لا رأى غیرہ فتفرق القوم علی ذالک وہم مجمعون لہ۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۶ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۹)

ترجمہ: ابو جہل نے کہا کہ خدا کی قسم محمد (ﷺ) کے متعلق میری ایک رائے ہے جہاں تک تم ابھی نہیں پہنچے، سب نے کہا ارشاد فرمائیے وہ کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک جوان ”زبردست“ خاندانی اور ہم سے بہترین نکلے اور ہر جوان کے ہاتھ میں تیز دھار تلوار ہم دے دیں پھر وہ محمد (ﷺ) پر ایک ہی بار میں جھپٹ پڑیں اور محمد (ﷺ) کو قتل کر دیں تو

اس سے بے غم ہو جاؤ گے اور تمام قبائل میں اُس کا خون پھیلا یا جائے بنو عبد مناف کو تمام قوم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں صرف قید کو ہی پسند کریں گے ہم تسلیم کر لیں گے۔

نبوت دشمنی کا مرکز

شیطان ابلیس جب سے پیدا ہوا تو اس نے نہ کہیں کوٹھی بنوائی نہ بنگلہ اور نہ ہی کسی خاص جگہ کو مرکز بنایا لیکن ہمارے رسول کریم ﷺ کے زمانہ اقدس میں اس نے اپنا خصوصی مرکز نجد کو منتخب کیا جس کی نشاندہی رسول خدا ﷺ نے خود فرمائی۔ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمن والشام اور بخاری صفحہ ۲۲۷ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریائے رحمت مصطفیٰ ﷺ جوش میں ہے، بارگاہِ الہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی جا رہی ہے ”اللہم بارک لنا فی شامنا۔“ اے اللہ ہمارے لئے سارے شام میں برکت دے۔

”اللہم بارک لنا فی یمنا۔“ اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے۔ حاضرین میں سے بعض نے عرض کی ”ونجدنا یا رسول اللہ“ دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے۔ پھر حضور ﷺ نے وہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ فرمایا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ ”وفی نجدنا“ حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو۔ غرض تین بار یمن اور شام کے لئے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلانے پر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا ”ہناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطن“ میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہاں شیطانی گروہ پیدا ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کی نگاہ پاک میں دجال کے فتنے کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی آپ نے اس طرح خبر دے دی۔

فائدہ : اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نجد خیر و برکت کی جگہ نہیں بلکہ فتنہ و شر کی جگہ ہے کیونکہ امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اس خطہ کو اپنی دعائے خیر سے محروم فرما دیا اور ہمیشہ کے لئے اس خطہ کی محرومی پر مہر ثبت ہو گئی۔

نجدی کس کا لقب

اسی لئے شیطان نے ہر اہم شرارت اور نبوت دشمنی میں شیخ نجدی کا رُوپ دھارا اسی وجہ سے اس کا لقب شیخ نجدی پڑ گیا ہے، چنانچہ غیاث اللغات صفحہ ۳۹۳ میں ہے کہ ”نجدی لقب شیطان است“ شیخ نجدی شیطان کا

لقب ہے۔

لطیفہ

یہ لقب محمد بن عبدالوہاب اور اس کی آل اور اس کے مرکزی پیروکاروں کے لئے آج بھی جزو لاینفک ہے مثلاً شیخ عبدالعزیز بن باز، شیخ ابن السبیل، شیخ فلاں بن فلاں وغیرہ۔ یہ لقب نجدیوں کے لئے ہے غیروں کے لئے نہیں ہے۔

نوٹ: اس نبوی دعا سے محرومی اور غیبی خبر (وہاں زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور شیطان کا سینگ ابھرے گا) کی تفصیل فقیر کی کتاب ”وہابی دیوبندی کی نشانی“ میں ملاحظہ ہو۔

قرآنی فیصلہ

ان الشیطن ینزغ بینہم ان الشیطن کان للانسان عدوا مبینا۔

الم اعہد الیکم یا بنی آدم ان لاتعبدوا الشیطان۔

ان الشیطان للانسان عدو مبین۔ (پارہ نمبر ۱۲ سورہ یوسف)

انہ لکم عدو مبین وان اعبدونی ہذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم جبلا

کثیرا۔ (پارہ نمبر ۲۳ سورہ یس)

ان آیات کے علاوہ دیگر آیات قرآنی کی تصریح بتاتی ہے کہ شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انسان اس کے ساتھ جہنم میں جائے اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہے اور ظاہر ہے کہ دائماً جہنم میں گنہگار کو نہیں رہنا۔ کافر اور بے ایمان کو رہنا ہے کیونکہ گنہگار کے لئے شفاعتِ انبیاء و اولیاء ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین نے سرے سے شفاعت کا انکار کر دیا تا کہ ابلیس کی حمایت ہو اسی لئے اس کے چیلے اعمال صالحہ کے لئے خوب سردھڑکی بازی لگا دیتے ہیں لیکن عقائدِ صحیحہ سے عوام کو ناواقف رکھتے ہیں بالخصوص انبیاء و اولیاء کی عزت و احترام دل سے نکالنے کے لئے شب و روز منہمک ہیں اسی کو جہادِ اکبر سمجھتے ہیں چونکہ ابلیس کا اصلی مشن ہی انبیاء و اولیاء سے دشمنی ہے اسی لئے اس کے چیلے تا قیامت اس کے اس مشن کو زندہ رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہیں گے۔

کمالاتِ رسول ﷺ سے عناد و بغض

روح البیان پارہ ۱۵ آیت اسراء میں ہے کہ شب معراج کے سفر سے حضور نبی کریم ﷺ جوں ہی واپس تشریف لائے تو آسمان دنیا سے نیچے دیکھا تو شور و غل دھواں اور سخت آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ شیاطین کی شرارت ہے، صرف اس غرض پر کہ انسان (آپ ﷺ) ملکوت السموات کو نہ دیکھ سکیں۔ اگر ان کی مذکورہ شرارت نہ ہوتی تو تمام انسان آسمانوں کے عجائبات کو دیکھ لیتے۔

چیلے

ابلیس و شیاطین رسول اکرم ﷺ کے کمالات سے کتنا ناراض ہے اور انہیں چھپانے کے لئے کتنا جتن کرتا ہے یہاں تک کہ لعنتی بننا منظور اور دوزخ میں ہمیشہ رہنا گوارہ کر لیا لیکن ایک نبی (آدم علیہ السلام) کی تعظیم و تکریم کا اعتراف نہ کیا۔ یہی کیفیت ہمارے دور کے بعض لوگوں کی ہے کہ ان کے پڑوس میں لاکھوں برائیاں ہوتی رہیں گی کبھی ٹس سے مس نہ ہوں گے لیکن کسی غریب سے نعت خوانی یا ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ کی آوازیں سن لیں تو پھر اس کی خیر نہیں۔ ایسا طوفان بپا کریں گے کہ گویا بہت بڑے جہاد میں اترے ہیں یہاں تک کہ جیل میں جانا منظور کر لیں گے لیکن مجلس نعت خوانی اور محفل میلاد قائم نہیں ہونے دیں گے اور نہ ہی درود مذکور سننا گوارہ ہے اگرچہ ہزاروں اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔

وسیلہ کا انکار

آدم علیہ السلام کو ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی علت نبی علیہ السلام کو وسیلہ نہ ماننے پر مبنی تھا، چنانچہ بیضاوی شریف پارہ اول میں ”باستقباحہ امر اللہ ایاء بالسجود اعتقاداً بانہ افضل منہ والا فضل لایحسن ان یؤمر بالشخص للفضل والتوسل کما اشعر بہ قوله انا خیر منہ“ یعنی ابلیس کا انکار از سجدہ کا سبب اللہ تعالیٰ کو قبیح سمجھنے کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ ابلیس کا عقیدہ تھا کہ وہ افضل ہے اور افضل نہ تو مفضل کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور نہ ہی اسے وسیلہ بنائے۔

ازالۃ وہم

ابلیس کے لعنتی ہونے کا سبب ترک واجب یعنی سجدہ نہ کرنا بتانا خوارج کا عقیدہ ہے چنانچہ علامہ عبدالحکیم

سیالکوٹی حاشیہ بیضاوی صفحہ ۳۰۵ میں لکھتے ہیں (قولہ لا بہ ترک الواجب) **کما زعم الخوارج متمکسین** **بہذہ الآیۃ۔** ابلیس کا ترک واجب لغتی ہونا اس کا استدلال آیت ہذا سے خوارج نے کیا یعنی خوارج کا عقیدہ ہے کہ ابلیس کا لغتی ہونا آدم علیہ السلام کی ترک تعظیم سے نہیں بلکہ ترک واجب سے ہے ہم کہتے ہیں ترک واجب کا اصلی موجب کیا تھا وہی آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کے سجدہ سے انکار۔

سب سے پہلا وسیلہ کا منکر کون ؟

یقین فرمائیں کہ سب سے پہلا منکر از وسیلہ (انبیاء و اولیاء) ابلیس ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کو وسیلہ بنانے کا انکار ابلیس نے کیا تو آج جو لوگ وسیلہ انبیاء و اولیاء کو شرک اور حرام کہتے ہیں وہ کس کھاتے میں جائیں گے خود سوچئے، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے خوارج کے مذہب کی نشاندہی کی ہے تو آج ہمارے دور کے فرقوں میں یہی انکار دیکھ کر کیوں نہ کہیں کہ یہی لوگ خوارج کا بقایا ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنت والجماعت انبیاء و اولیاء کا وسیلہ مان کر ابلیس کی تلخیص سے اور خوارج کی شرارت سے محفوظ ہیں۔

انبیاء و اولیاء کے وسیلہ کا منکر ابلیس

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو سریر سلطنت ملا اور انس و طہوران کے تابع کئے گئے تو حضرت عزت عزوجل میں عرض کی کہ شیطان کو بھی میرا مطیع کر دیجئے، حکم ہوا کہ فتنہ عالم ہے اس کو اپنے پاس مت بلائیے ورنہ تمہارے ملک داری میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن حضرت نے باصرار یہی التجا کی۔ تو شیطان کو حکم ہوا کہ جا کر سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کر۔ ناچار حاضر ہوا اور پایہ تخت کے قریب بیٹھ کر رونے لگا۔ حضرت نے پوچھا روتا کیوں ہے؟ بولا کہ بھلا تھا یا برا ملعون تھا یا مرحوم مقہور تھا یا مردود۔ جیسا تھا اسی در کا بندہ تھا مگر اب فی الحقیقہ میرے گلے میں طوق لعنت پڑ گیا اور سچ مچ کا مردود ہو گیا کیونکہ غیر کا تابع کیا گیا۔

حضرت نے تسلی دی کہ میرا تو یہ ارادہ تھا کہ قیامت کے دن تمہیں بہشت میں ہمراہ لے چلوں گا۔ بھلا شیطان اس لالچ میں کب آتا تھا کہا واہ حضرت! ایسی بہشت کہ غیر کے توسل سے ملے ہزار دوزخ سے بڑھ کر عذاب الہی اور جس دوزخ کے لئے خاص سرکاری (اللہ تعالیٰ) کا حکم ہوا اس پر ہزار بہشت قربان ہیں۔ (تذکرہ

فوائد : (۱) انبیاء علیہم السلام کی دعا رد نہیں ہوتی۔ (۲) شیطان توحید کے معاملہ میں اپنی نظیر آپ ہے کہ الثانی علیہ السلام کی غلامی کو طوقِ لعنت سمجھتا ہے۔ (۳) انبیاء علیہم السلام کو غیر غیر کی رٹل لگانا شیطان کا طریقہ ہے۔ (۴) وسیلہ انبیاء کا پہلا منکر شیطان ابلیس ہے۔

بقایا حکایت مذکورہ

تین دن تک شیطان روتا رہا آخر اس کی گریہ وزاری اور آہ و بیقراری نے اثر دکھایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم تھا کہ اپنے لئے قوتِ لایموت حاصل کریں چنانچہ زنبیل بانی کیا کرتے تھے۔ اب اس عرصے میں کوئی زنبیل نہ بکی اور حضرت کو روٹی کے لئے کچھ نصیب نہ ہوا تشویش ہوئی کہ اب کیونکر بسر کروں خزانہ سے کھانے کا حکم نہیں اور زنبیل سے دام نہیں اٹھتے۔ حکم ہوا کہ زنبیل کیسے بکے کیونکہ دلال تو تمہارے پاس مقید ہے، عرض کی الہی تو اس کو اپنے ہی پاس رکھ میں اس کی اطاعت سے باز آیا۔ غرض چوتھے دن اس دلاور پہلوان نے قید سے رہائی پائی اور اطرافِ جہاں میں پھرو ہی دھوم مچائی۔ (تذکرہ غوثیہ صفحہ ۲۳۹)

مزارات کی حاضری کا انکار

ایک دن موسیٰ علیہ السلام سے ابلیس (شیطان) ملا اور عرض کی اے موسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اور کلیم کے لقب سے نوازا، میں بھی اس کی مخلوق میں شامل ہوں۔ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی توبہ کرنا چاہتا ہوں آپ بارگاہِ الہی میں میری سفارش فرمائیے تاکہ میری توبہ قبول ہو جائے اور مجھے معافی نصیب ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں عرض کی کہ اب ابلیس (شیطان) معافی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) میری ناراضگی آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے ہے اس نے اسے سجدہ نہ کیا تو میں ناراض ہو گیا اب اگر وہ معافی چاہتا ہے تو آدم (علیہ السلام) کی قبر پر جائے اور اس کی قبر کو سجدہ کرے میں راضی ہو جاؤں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو اللہ تعالیٰ کا پیام سنایا، شیطان نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) رہنے دیجئے! میں نے جب آدم (علیہ السلام) کو زندگی میں سجدہ نہیں کیا تو اب ان کے مرنے کے بعد ان کی قبر پر جا کر سجدہ کروں یہ کبھی نہ ہوگا لہذا مجھے ایسی معافی کی ضرورت نہیں۔ (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۷۲)

حیاتِ انبیاء کا ابلیس کو انکار

حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے قرار پکڑا تو دیکھا کہ ابلیس کشتی

کے پچھلے حصے پر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے بد بخت! تیری وجہ سے تو ساری قوم تباہ و برباد ہوئی تو خود زندہ بچ گیا۔ ابلیس نے پوچھا میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بارگاہِ رب العزت میں سچے دل سے تائب ہو جا۔ عرض کی مجھے کون سا انکار ہے۔ اللہ سے اجازت لیجئے میں حاضر ہوں۔ نوح علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں التجا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے کہیے کہ وہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کر لے میں اسے معاف کر دوں گا۔ نوح علیہ السلام نے شیطان سے کہا: تجھے مبارک ہو میں تیرے لئے معافی کا پیغام لایا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ تم مزارِ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو۔ ابلیس لعین نے کہا: جب وہ زندہ تھے میں نے انہیں سجدہ نہ کیا۔ اب مردہ کو کیسے سجدہ کروں۔

آدم علیہ السلام جیسے عالم دنیا میں زندہ تھے اور ان کو سجدہ روا رکھا گیا ان کے وصال کے بعد بھی ان کے سجدے کا حکم ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں۔ اسی طرح اولیاء کاملین بھی اپنے مزارات میں زندہ ہیں۔ حضرت صائب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مشوہم ^۱ زامداد اہل دل نومید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیدار یست

ترجمہ: اہل دل اولیاء و انبیاء کی موت سے ناامید نہ ہو کیونکہ ان کی موت ظاہری ان کی عین حیات ہے۔ لیکن شیطان ملعون اس نکتہ سے بے خبر رہا کہ اس لئے حق کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ صاحبِ روح البیان صفحہ نمبر ۱۳۷ جلد ۴ پر شیطان کے لئے اوپر کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

مثله من ینکر الاولیاء اوزیارة قبورهم والا ستمداد منهم O

ترجمہ: وہ لوگ جو اولیاء کے کمالات اور ان کے مزارات کی زیارت اور ان سے مدد مانگنے کے منکر ہیں شیطان کے چیلے ہیں۔

فوائد: (۱) وہابی اور بعض دیوبندی یعنی غلام خانی اسی جسمانی زندگی (انبیاء و اولیاء) کے منکر ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ ابلیس ملعون کی پیروی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ (۲) محبوبانِ خدا کے مزارات کی حاضری عین مراد ایزدی ہے لیکن شیطان اس کا منکر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے چیلے آج بھی مزارات کی حاضری سے محروم ہیں بلکہ حاضری دینے والوں کو مشرک کہتے ہیں۔ آزما کر دیکھئے کہ سینکڑوں میل اپنے سر پر بستر اٹھا کر پہنچیں گے لیکن

دو قدم قریب کے مزار پر جانے سے کترائیں گے بلکہ ”لاتشد الرجال“ (الحديث) کی رٹ لگائیں گے اور یاد رکھنا چاہئے کہ انکا مزارات پر نہ جانا انکا مذہبی جذبہ ہے بلکہ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے مقدس مقامات پر آنے نہیں دیتا۔ ورنہ وہ حدیث شریف ”الافزور وروھا“ خبردار قبروں کی زیارت کرو۔ تو کبھی کبھار مزارات پر چلے جائیں تاکہ حدیث شریف پر عمل ہو۔ دراصل بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء بہشت کی کیاریاں ہیں ”قبر المؤمن روضة من رياض الجنة“ (مشکوٰۃ) ”مؤمن کی قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔“ تو جنت میں وہی داخل ہو سکتا ہے جو جنتی ہے جو اس کا اہل نہیں اسے اس کی خوشبو سونگھنا بھی نصیب نہ ہوگا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی شان بیان کرتے وقت لفظ ”الا“ (خبردار) فرمایا تاکہ یقین ہو کہ یہ مقدس گروہ ہے اس کے پاس پلید و خبیث کو خود اللہ تعالیٰ نہیں آنے دیتا۔ دیکھئے ہم مسجد جیسی مقدس جگہ پر گتے کو نہیں آنے دیتے۔ اس لئے کہ وہ پلید ہے اسی سے سمجھ لیں کہ جس گروہ کو مزارات اولیاء سے محرومی ہے وہ ازلی بد قسمت ہیں۔ اور ابلیس کے پیروکار۔

ازالہ وہم

اوقاف کی طرف سے مراعات کا سب کو معلوم ہے کہ مزارات پر ایسے محسوس ہوگا کہ یہ سات پشتوں سے مزارات کے مجاور ہیں لیکن ان کو منجانب اللہ سزا ہے کیونکہ ان کا فتویٰ ہے کہ مزارات کی آمدنی حرام اور ان پر جانا حرام۔ لیکن اب حال یہ ہے کہ ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا مزارات ہیں ان کی اولاد اسی خوراک سے پیدا ہوگی تو بقول ان کے غذا حرام تو اولاد کا کیا حکم ہے۔

حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”جو میرے کسی ولی کا دشمن ہے میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔“ اس معنی پر یہ ان کے لئے عذاب الہی ہوا کہ حرام کا فتویٰ دے کر نہ صرف خود بلکہ تمام کنبہ مزارات کی آمدنی سے پال رہے ہیں بلکہ مزارات کی غذا سے رہتی دنیا تک ان کی نسل میں مزارات کی آمدنی کے اثرات پائے جائیں گے۔

نیز دار و مدار نیت پر ہے ان کا مزارات پر مجاور رہنا اور ان کی آمدنی ہڑپ کرنا تبرک اور نیک ارادہ کے طور نہیں بلکہ ”رام رام چپنا پر ایامال اپنا“ کے طور ہے۔

خلاصہ یہ کہ محبوبانِ خدا کے وسیلہ کو شرک اور حرام کہنا اسی ابلیس کی کارستانی ہے اور اس نے طوق لعنت پہنتے

وقت بڑی جرأت کر کے اللہ تعالیٰ کو کہہ دیا تھا کہ مجھے تیری ذات کی قسم ان آدم زادوں کو میں اپنا ہمنوا بنا کر چھوڑوں گا۔

حضرت مولانا محمد انور اللہ اتالیق نواب دکن اور خلیفہ اعظم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہما اللہ نے فرمایا کہ: ”دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی ہو ضرور ہے کہ اس کے دین میں کچھ نہ کچھ علت ہوگی۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں گستاخانہ انا خیر منہ کہا اور ابدال آباد کے لئے مردودِ بارگاہِ کبریائی ٹھہرا اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور اُن کی خرابی کے درپے ہوا۔“ **”کما قال ولا غوینہم اجمعین الآیہ“**، کئی اقسام کی تدابیر سوچیں مگر اس غرض کو پوری کرنے میں اس سے بہتر کون سی تدبیر ہو سکتی ہے جس کا تجربہ خود اُسی کی خواہش پر ہو چکا ہے یعنی دعویٰ انانیت اور ہمسری بزرگانِ دین۔ جب دیکھا کہ گستاخی اور بے ادبی کو مردود بنانے میں نہایت درجہ کا اثر اور کمال ہے اس لئے **”ان انتم الالبشر مثلنا“** کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں یہی کہا کئے اب اس کلام کو دیکھئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو **انا خیر منہ** میں تھی اور اگر کسی قدر فرق ہے تو وہ بھی بے موقع نہیں کیونکہ تابع و متبوع کی ہمتوں میں اتنا فرق ضرور ہے جس پر تفاوت درجات و درکات مرتب ہو۔ غرض کہ انبیاء علیہم السلام ہزار ہا معجزے دکھائیں مگر کفار کے دلوں میں اُن کی عظمت اُس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور مسلمان ہوئے اُن سے کس قدر اس کو مایوسی ہوئی۔ کیونکہ اُن سے تو وہ بیباکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی یہاں اس فکر کی ضرورت ہوئی کہ وہ چیز دکھائی جائے جو دین میں بھی محمود ہو آخر یہ سوچا کہ راست گوئی کے پردہ میں یہ مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ بس یہاں سے دروازہ بے ادبی کا کھول دیا اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے احمقوں کے فہم میں ڈال دیتا ہے اور کچھ ایسا بیوقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دُھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ چنانچہ کسی بیوقوف نے خود آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ جو یہ مال بانٹتے ہیں اس میں عدل و انصاف نہیں کر رہے، تفصیل باب المنافقین میں ہے۔

نبی بشر ہے ابلیس نے کہا

سب سے پہلے نبی علیہ السلام کو بشر بشر کی رٹ شیطان (ابلیس) نے لگائی چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے

سوال کیا ”**قال يا ابليس مالك الاتكون مع الساجدين**“ اے ابلیس تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا۔ جواب میں ابلیس نے کہا ”**لم اكن لاسجد بشر**“ میں بشر کو سجدہ نہیں کرتا۔ (پارہ نمبر ۱۲ سورۃ الحجر) یعنی اس جملہ سے ابلیس کا ارادہ حضرت آدم علیہ السلام کی حقارت کا اظہار تھا۔ اور انہیں بجائے خلیفۃ اللہ الاعظم اور مسجود الملائکہ، نبی اللہ۔ رسول اللہ کہنے کے وہ صفت بتائی جو ان کی کمی شان پر دلالت کرتی ہے۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں لیکن وہ محبوب اور رسول اور نبی وغیرہ بھی تو ہیں۔ ان کو اس صفت سے بار بار ذکر کرنا جو عامی صفت ہے یہ عقیدہ ابلیسی ہے اس کی مزید تفصیل آئیگی۔ ان شاء اللہ

ملائکہ نے دیکھا

آدم علیہ السلام کو بشر اور مٹی کا پتلا کہنے کا حق تھا کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں آدم علیہ السلام کا مجسمہ تیار کیا اور ان کے سامنے ہی آپ مٹی سے تیار ہوئے لیکن اس کے باوجود بلاچوں و چرا سجدہ میں گر گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی صرف آدم علیہ السلام کی بشریت پر نظر نہ تھی بلکہ ایک دوسری حقیقت کو دیکھا۔ امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے لکھا کہ: **الرابع ان الملائكة امرؤا بالسجود لآدم لاجل ان نور محمد عليه السلام في جهة ادم** (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۲) فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ نور محمد ﷺ آدم کی پیشانی میں تھا۔

فائدہ : یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کرام کی نظر نبی کے نور پر تھی۔ وہ سجدہ میں گر گئے۔ اور قرب خداوندی حاصل کر لیا۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔ وہ تکبر کر کے ابلیس لعین ہوا۔ اور ابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر کے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔ پس علماء اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

شیطان کو نور نظر نہ آیا

لو ابصر الشيطان طلعة نوره في وجه ادم فسجد قبل الملائكة۔

ترجمہ : اگر شیطان چشم بصیرت سے نور محمدی ﷺ کو دیکھتا تو سب سے پہلے سجدہ کرتا۔ (المواہب

انبیاء کو بشر کھنا ابلیس اور کافروں کا شیوہ ہے

قال لم اکن لاسجد لبشر (پارہ نمبر ۱۴)

ترجمہ: ابلیس نے کہا میں تو بشر کو سجدہ کرنے کو تیار نہیں۔

ما هذا الا بشر مثلکم (پارہ نمبر ۱۸ المومنون)

ترجمہ: کافروں نے کہا یہ (نبی) تو تمہارے جیسا بشر ہے۔

يقولون اطعمم بشر امثلکم (پارہ نمبر ۱۸ المومنون)

ترجمہ: کافروں نے کہا اگر تم اپنے بشر (نبی) اطاعت کرو گے۔

قالو اما انتم الالبشر مثلنا (پارہ نمبر ۲۲ یس)

ترجمہ: کافروں نے کہا تم نہیں ہو مگر ہمارے جیسے بشر۔

ابشر يهدوننا فکفروا (پارہ ۲۸ التغابن)

ترجمہ: کیا بشر ہماری رہبری کریں گے تو اس قول سے وہ کافر ہوئے۔

انؤمن لبشرین مثلنا (پارہ ۱۸)

ترجمہ: فرعون نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں۔

یہ نمونہ کی آیات ابلیس سے لے کر حضور سرور عالم ﷺ کے ہمزمان مشرکوں کی ہیں۔ اور ہمارے دور کے فرقوں سے پوچھئے تو وہ کیا کہتے ہیں۔ مولوی اسماعیل دہلوی سے لے کر مولوی قاسم نانوتوی تک لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ بڑے بھائی ہیں، حضور ﷺ کی عزت و توقیر گاؤں کے چوہدری جیسی ہے، حضور ﷺ کو علم غیب نہیں، حضور علیہ السلام سے کئی غلطیاں سرزد ہوئی۔ (تقویۃ الایمان وغیرہ وغیرہ)

اور دیوبند کے قطب عالم مولوی گنگوہی نے لکھا کہ ”لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول ﷺ کی نہیں ہے

(فتاویٰ رشیدیہ)

تبصرہ اویسی

غالباً آیت قرآن ”وما ارسلنک الا رحمة للعالمین“ نظر سے نہیں گزری اور اگر گزری ہے تو کیا انکار

آیت قرآن پر کوئی فتویٰ صادر ہو سکتا ہے یا نہیں، یہ وقت بتائیگا۔ (فانتظروا انی منعکم من المنتظرین)

یہ صرف نمونہ عرض کیا گیا ہے ان کی تفصیل مع تشریح کے لئے فقیر کی کتاب ”المسائل فی شرح مرآة الدلائل“ میں ہے۔

سوال: جب حضور ﷺ بشر ہیں تو پھر انہیں بشر کہنے میں حرج کیا ہے؟

جواب: یہ قاعدہ، شرعی اصول میں سے ہے کہ کسی ایک شے کا ہونا اور بات ہے پھر اس پر کسی شے کا اطلاق نہ ہونا اور بات۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر شے کا خالق ہے یہاں تک کہ خنزیر، کتے، بِلے اور وہ تمام بری اشیاء جنہیں مخالف حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر کے متعلق لکھے ہیں۔

خود فرماتا ہے۔ ”اللہ خالق کل شئی“ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے۔ اور فرماتا ہے ”خلق کل شئی“ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو پیدا کیا۔ لیکن باوجود اس ہمہ علم کلام کی کتب میں اللہ تعالیٰ کو خالق القاذورات کہنا جرم ہے۔ ”کما قال الملا علی القاری“ اور خالق الخنزیر و خالق الکلاب کہنا بے ادبی و گستاخی۔ (کذا قال التھانوی فی البوادر النوار)

نتیجہ نکلا کہ اجمالی طور تو کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے لیکن تفصیل کے وقت بری اشیاء کا نام لے کر کہنا بے ادبی، گستاخی اور کفر ہے اس طرح حضور ﷺ کو بشر مان لیں گے لیکن زبان پر نہ لائیں گے کہ یہ کلمہ گستاخوں نے استعمال کیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب ”نور و بشر“ میں ہے۔

ابلیس نور کا منکر

رسول خدا ﷺ کے نور مبارک کا سب سے پہلے ابلیس نے انکار کیا چنانچہ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں کو فرمایا کہ زمین سے ہر قسم کی سُرخ، سفید، سیاہ، کھاری، میٹھی، نرم، سخت، خشک، ترمٹی لاؤ۔ فرشتوں نے تعمیل کی۔ اسی مٹی سے پروردگارِ عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کا خوبصورت پتلا بنایا اور اس میں اپنی رُوح پھونکی اور اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا نور ان کی پشت میں بطور امانت رکھا۔ جس کی وجہ سے ان کی پیشانی آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکنے لگی، چنانچہ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وفی الخبر لما خلق الله تعالى ادم جعل اودع (ذلك النور) نور المصطفى في ظهره فكان

لشدته۔ (يلمع في جبينه) الخ“ (زرقانی علی المواہب جلد ۱ صفحہ ۴۹)

حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو نور مصطفیٰ ﷺ کو ان کی پشت مبارک میں رکھ دیا تو وہ نور ایسا شدید چمک والا تھا کہ باوجود پشتِ آدم میں ہونے کے پیشانی آدم سے چمکتا تھا۔

فائدہ : پشتِ آدم علیہ السلام میں ان کی تمام اولاد کے وہ لطیف اجزاء جسمیہ تھے جو انسانی پیدائش کے بعد اس کی ریڑھ کی ہڈی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور وہی اس کے اجزاءِ اصلیہ کہلائے جاتے ہیں نہ صرف آدم علیہ السلام بلکہ ہر باپ کے صلب میں اس کی اولاد کے ایسے ہی لطیف اجزاءِ بدنیہ موجود ہوتے ہیں جو اس سے منتقل ہو کر اس کی نسل کہلاتی ہے اولاد کے ان ہی اجزاءِ جسمیہ کا آباء کے اصلا ب میں پایا جانا باپ بیٹے کے درمیان ولدیت اور ابنیت کے رشتہ کا سنگ بنیاد اور سببِ اصلی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت میں قیامت تک ہونے والی اولاد کے اجزاءِ اصلیہ رکھ دیئے۔ یہ اجزاءِ روح کے اجزاء نہیں، کیونکہ ایک بدن میں ایک ہی روح سما سکتی ہے ایک سے زائد ایک بدن میں روح نور ذاتِ محمدی ﷺ کی شعاعیں تھیں۔

آدم علیہ السلام کو سجدہ کس لئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ان الملائكة امروا بالسجود لآدم لاجل ان نور محمد ﷺ كان في جبهة آدم“ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ زیرایت تِلْكَ الرُّسُلُ)

کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم جو فرشتوں کو دیا گیا تھا وہ اس وجہ سے تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد ﷺ کا نورِ پاک تھا۔

فائدہ : معلوم ہوا کہ وہ تعظیم و تحیت درحقیقت نورِ محمدی ﷺ کی ہی تھی، چنانچہ تمام نوری فرشتے اس نورِ اعظم کی تعظیم کے لئے جھک گئے اور مقبول ہو گئے جو سب سے پہلے جھکا وہ سب کا سردار ہو گیا اس کے بعد درجہ بدرجہ ان کے درجات بلند ہوئے اور ابلیس انکار کر کے ملعون و مردود ہو گیا اور اس کا عابد و زاہد اور موحد ہونا، اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔

تیرے آگے خاک پر جھکتا ہے ماتھا نور کا

نور نے پایا ترے سجدے سے سیما نور کا

یہاں یہ بات بھی نہایت قابلِ غور ہے کہ شیطان ہزاروں برس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا مگر اس کا ملعون و مردود ہونا ظاہر نہیں ہوا اس کے ملعون و مردود ہونے کا اظہار حضور ﷺ کی تعظیم کے وقت ہوا۔ معلوم ہوا کہ علامتِ مقبولیت صرف عبادت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ بھی ہے۔

دوسرا حوالہ

عارف کبیر سیدی ابوالحسن علی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

عیسےٰ و آدم

والصدور جمعہم

ہم اعین ہو نور ہالما

ورد

آدم علیہ السلام سے لے کر عیسےٰ علیہ السلام تک جتنے انبیاء کرام گزر چکے ہیں وہ سب آنکھیں اور حضرت محمد ﷺ ان کا نور ہیں۔

انکار از تقلید

فسق عن امر ربہ۔ اس نے اپنی گردن سے تقلید کی رسی دُور پھینک دی یعنی (غیر مقلد) ہو گیا۔ (روح

البیان مع قرآن پارہ ۱۶)

یہ پہلی کڑی ہے عدم تقلید کی جس کی بنیاد ابلیس نے رکھی اور اس کے مقتدیوں نے۔ اس پر مفصل تبصرہ فقیر کی تصنیف ”فضل المجید فی بحث التقلید“ میں دیکھئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے ملائکہ میں مقلد بنا کر رکھا تھا چنانچہ روح البیان کے اسی پارہ میں کچھ آگے چل کر لکھا ہے چونکہ ابلیس کو ضلالت و اضلاعی اور غوریۃ و اغواء کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس لئے اس کی تخلیق بھی نار سے ہوئی اور نار کی طبع استعلاء و استکبار ہے۔ اگرچہ پیدا کرتے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے ملائکہ کے ساتھ ملا دیا اسے ملائکہ کا لباس عنایت فرمایا اس لئے کہ اس کے افعال ملائکہ سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ بھی تقلیداً نہ تحقیقاً۔ اسی لئے یہ بھی ملائکہ میں شمار ہونے لگا بعض نے کہا کہ یہ اس قوم سے تھا جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا جب انکار کیا تو انہیں آگ سے جلا دیا گیا ان کے بعد انہیں پیدا کر کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم فرمایا سب نے

سجدہ کیا لیکن ابلیس نے اپنی پہلی برادری کی طرح سجدہ سے انکار کر دیا۔ (روح البیان)

ابلیس کون تھا؟

تکملہ میں لکھا ہے کہ ابلیس اول الجن تھا باقی جنات اسی سے پیدا کئے گئے جیسے آدم علیہ السلام اول الانس ہیں کہ باقی تمام انسان انہی سے پیدا ہوئے، بعض نے کہا کہ وہ قوم جن کا بقایا تھا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے جنات کو پیدا کیا تھا چونکہ انہوں نے زمین پر خون ریزی اور فسادات برپا کئے انہیں ملائکہ کرام سے مٹا دیا گیا یہ ابلیس نیک تھا ان سے زندہ بچ کر رہ گیا۔ (روح البیان)

ابلیس کی سجدہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا، عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد و علم میں بہت بڑا تھا اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اس کا تعلق جنات سے تھا اس کے چار پر تھے جنت کا خزانچی تھا زمین و دنیا کا بادشاہ تھا۔ (ابن کثیر)

سعد بن مسعود کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب ماراتب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کے لئے رہ پڑا۔ (ابن کثیر)
اس کی تفصیل پہلے گزری ہے۔

ابلیس کو اجماع کا انکار

اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی چودھراہٹ یوں ظاہر کی کہ:

انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ (پارہ ۲۳ سورہ ص)

ترجمہ: میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے۔

فوائد: (۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف اپنا نظریہ پیش کر کے لعنت و پھٹکار کو گلے کا ہار بنایا ہے۔ ایسے ہی نبی علیہ السلام کی ظاہری حکمتوں کے خلاف لوگ اپنی مانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اگر اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ (تخذیر الناس)

(از قاسم نانوتوی)

(۲) شیطان کا یہاں پر سب سے بڑا جرم یہ ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو بہ نظر حقارت دیکھا تو مارا گیا

یہی وجہ ہے کہ جو آج نبوت کی کسی نسبت کی تحقیر کرتا ہے تو اسے قتل کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب ”باادب بانصیب، اور بے ادب بے نصیب“ کا مطالعہ کیجئے۔

(۳) ابلیس نے اپنے علم و عمل کے گھمنڈ میں اجماع کی مخالفت کی، جب دیکھ رہا تھا کہ تمام نوری، قدسی، ملکوتی سربسجود ہیں تو خود کو بہتر سمجھ کر سجدہ نہ کیا بلکہ اکڑا رہا یہی تو اجماع کا انکار ہے۔ یہی ہم کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ کے بعد صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین و جملہ مجتہدین اور فقہاء و مشائخ اور اولیاء و علماء تقلید کا درس ہے اور محبوب خدا ﷺ بلکہ جملہ محبوبان کبریا کے ادب و تعظیم اور مزارات کی حاضری کے قائل عامل رہے لیکن نئی پارٹیوں نے اجماع کو توڑ کر خود مجتہد بننے کی کوشش کی۔

ابلیس کا واویلا

مروی ہے کہ جب نور محمد ﷺ حضرت عبداللہ سے سیدہ آمنہ کے بطن میں منتقل ہوا تو رُوئے زمین کے تمام بت اوندھے گر گئے اور تمام شیاطین اپنے کام سے دست کش ہو گئے ملائکہ نے تخت ابلیس کو سرنگوں کر کے سمندر میں پھینک دیا اور چالیس روز تک اُسے سزا دیتے رہے۔ آخر کار وہاں سے جبل بوقنیس پر آ کر اس طرح شورشیں اور فریاد و غوغا کرنے لگا کہ اس کی تمام ذریت جمع ہو گئی، کہنے لگا تم پر سخت افسوس ہے کہ محمد ﷺ بن عبداللہ متولد ہو گئے۔ یاد رکھو اس کے بعدلات و عزّی اور تمام بتوں کی عبادت باطل ہو جائے گی۔ اور دنیا نورِ توحید سے معمور ہو جائے گی اور اسی طرح عرب کے تمام قبائل اور قریش کے تمام کاہن اپنی صفت گاری (بت پرستی) سے نادم و شرمندہ ہو گئے اور کہانت کا علم اُن سے سلب کر لیا گیا اسی رات زمین و آسمان سے یہ صدا آنے لگی کہ اس نبی آخر الزمان کی آمد کا وقت آ گیا ہے۔

ابلیس کی میلاد دشمنی

حضرت علامہ نور الدین حلبی المتوفی ۷۰۰ھ اپنی مشہور تصنیف سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ابلیس غمگین و پریشان آواز سے رویا۔ اور جب ارادہ بد سے رسول اللہ ﷺ کے قریب ہونا چاہا تو جبریل علیہ السلام نے اسے ایسی ٹھوکر لگائی کہ وہ عدن میں جا گرا۔

فائدہ: آج کے دور میں مخالفین میلاد کا رونا آنسو بہانا ماہِ ربیع الاول میں قابل دید ہوتا ہے کہ اخبارات، اشتہارات، رسائل، پمفلٹ اور تقریروں سے زمین کو سر پر اٹھا لیتے ہیں وہاں ابلیس کو جبریل علیہ السلام نے دو

رہینگ مارا۔ یہاں ہر دور کی حکومت نے ان کے ہر مطالبہ کو ان کے منہ پر مارا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تاقیامت محبوب خدا، حبیب کبریا، شہ ہر دوسرا ﷺ کا چرچا اسی طرح رہیگا اور جلنے والے جلتے رہیں گے۔

رہیگا یوں ہی انکا چرچا رہیگا

پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

سلام قیام کا دشمن ابلیس

”ابلیس کا روزنامہ“ کے عنوان کے تحت ”نقاد“ کراچی بابت اپریل ۱۹۶۲ء میں درج ہے کہ خبر ملاحظہ

فرمائیے:

کراچی میں جامع مسجد آرام باغ کی نئی ٹرسٹ کمیٹی کے صدر نے آج جمعۃ الوداع کے بعد نمازیوں کو صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روک دیا جس پر نمازیوں میں زبردست اشتعال پیدا ہو گیا اور انہوں نے مسجد میں نئے صدر کی مرمت کر ڈالی۔ معلوم ہوا کہ قیام مسجد کے وقت سے ہر سال جمعۃ الوداع کے مبارک موقع پر مسجد میں صلوٰۃ وسلام کا خصوصی اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

اس خبر میں قابل غور بات یہ ہے کہ قیام مسجد کے وقت سے سلام کا اہتمام ہو رہا ہے۔ قیام اسلام یا ابتداء اسلام کا ذکر نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ کے زمانہ میں کبھی کسی مسجد میں کسی الوداع کے موقع پر صلوٰۃ وسلام کا تذکرہ نہیں ملتا۔ اب آرام باغ کی مسجد کے قیام سے یہ سلسلہ اگر شروع ہوا ہے تو بھیا! خدا کی قسم مجھے پتہ نہیں کیا قصہ ہے؟ قرآن اور حدیث میں تو میں نے بڑا تلاش کیا لیکن مجھ جیسے اندھے کو الوداع کے دن یا کسی بھی نماز کے وقت صلوٰۃ وسلام کا تذکرہ نہیں ملا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ میں ابلیس ہوں۔ اللہ میاں ☆ 1 مجھ سے خوش نہیں ہیں اس لئے یہ اہم مسائل مجھے اپنی کوتاہ بینی کے پیش نظر نظر ہی نہ آتے ہوں۔ اور کراچی کے لوگوں پر سب کچھ عیاں ہو گیا ہو۔

تبصرہ نقاد

”ابلیس کا یہ کہنا کہ اللہ میاں مجھ سے خوش نہیں ہیں اس لئے یہ اہم مسائل مجھے اپنی کوتاہ بینی کے باعث نظر ہی نہ آتے ہوں۔“ بالکل درست ہے، کیونکہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی اس لئے اسے اس کی ذریت کو قرآن و حدیث کے مسائل کا صحیح طور پر علم نہیں ہو سکتا..... قرآن مجید کی شان میں

مولیٰ تعالیٰ جل مجدہ نے فرمایا ”هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ“ یعنی قرآن کی ہدایات سے وہی متفع ہو سکتا ہے جسے دولتِ ایمان حاصل ہو۔ (تفسیر بیضاوی صفحہ ۱۶)

ابلیس اپنی ذریت سمیت لاکھ ٹکریں مارے لیکن اسے صلوٰۃ و سلام کا جواز نہ قرآن میں نظر آئے نہ حدیث میں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسلمان پورے ادب و احترام کے ساتھ خدا تعالیٰ جل مجدہ کی مقدس کتاب قرآن مجید کو کھول کر بانیسواں پارہ سورۃ الاحزاب رکوع نمبر ۷ پڑھے تو اسے یہ مبارک آیت صاف نظر آئے گی۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والوں ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت کے مضمون کو ذہن نشین کرنے کے بعد مومن کا ایمان اسے یہ اصول بھی سمجھائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ اقدس سید عالم ﷺ میں صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا مطلق حکم دیا ہے کسی وقت کی تعیین و تخصیص نہیں فرمائی، لہذا ہم جب چاہیں

صلوٰۃ و سلام بھیج سکتے ہیں۔ نماز جمعہ سے پہلے بھی جمعہ کے بعد بھی۔ الگ الگ بھی اور اکٹھے ہو کر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت ایسا نہیں بتایا جس میں کہ صلوٰۃ و سلام کا بھیجنا ناجائز و حرام ہو۔ لہذا اگر کسی جگہ کے مسلمان اپنی سہولت کے لئے کوئی وقت معین کر لیں اور اس میں صلوٰۃ و سلام کے نذرانے بارگاہِ رسالت میں پیش کریں تو کوئی حرج نہیں۔

فائدہ: نقاد کی تنقید سے ہمیں اتفاق ہے اگرچہ اس سے ابلیس کے چیلے ناراض ہوں تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ابلیس ہمارا اور ہمارے باپ کا دشمن اور اس کے چیلے ہمارے ساتھ دشمنی کریں تو انہیں حق پہنچتا ہے ہاں اسلامی دینی اصول کے لحاظ سے سلام و قیام نہ صرف جائز بلکہ اہل ایمان کو روحانی ذوق نصیب ہوتا ہے، چنانچہ فضلاءِ دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ یہی فیصلہ فرما چکے ہیں۔

جھاڑ پھونک اور دم درود سے خوف

حضرت علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ساتویں پارہ کی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنایا اور اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے بعد کو پیوؤں

گا۔ صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھا۔ بعد تلاش آخر نہ ملا پھر دوسرا شربت تیار کیا اور اُس پر سورہ یسین پڑھ کر رکھ دیا اور وہی ارادہ کہ صبح کو پیو گا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے اندر پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جاسکا۔

فائدہ: دم درود جھاڑ پھونک سے تو ہماری عزت افزائی ہوئی اللہ تعالیٰ نے ”**فنفخت فیہ من روحی**“ مٹی کے ڈھیلے کو حضرت انسان بنا کر ”**ولقد کر منابنی آدم**“ کا تاج پہنایا، جس سے ابلیس کی چودھراہٹ خطرہ میں پڑی اب اس کے چیلوں کو اپنا خطرہ نہیں بلکہ گروہ کی بے عزتی ایک آنکھ نہیں بھاتی ورنہ جھاڑ پھونک میں کیا ہوتا ہے ”کلام الہی“ پڑھ کر بیمار کو پھونک مار کر تندرستی و شفاء کی اُمید کی جاتی ہے اور اس کا ثبوت اور جواز قرآن وحدیث میں صریح موجود ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب ”علاج الابدان بالا احادیث والقرآن“ میں پڑھئے۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی اسی عمل کا کرشمہ ہے ”**فنفحن فیہا من روحنا**“ اور وہ خود بھی اسی عمل سے بیماروں کو شفا اور مُردوں کو ارواح کی دولت بخشتے تھے ”**کما قال فانفخ فیہ**“ اور کل قیامت میں ہمارا اٹھنا بھی اسی عمل سے ہوگا ”**کما قال تعالیٰ ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث ینسلون**“

لیکن مخالفین کو چونکہ اپنے گرو کو خوش کرنا ہے اسی لئے نہ صرف انکار بلکہ اس کے عامل کو شرک کی وعید شدید سناتے ہیں۔ اور ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ مثال مشہور ہے۔ اپنی بات منوانے کے لئے وہ روایات پیش کرتے ہیں جو زمانہ جاہلیت کی غلط رسموں کو روکنے کے لئے حضور سرور کونین ﷺ نے بیان فرمائیں، لیکن یار لوگوں نے ان روایات کو اہل اسلام پر تھوپ دیں اور یہ بھی حضور نبی پاک، شہ لولاک ﷺ کا معجزہ ہے جیسا کہ فرمایا کہ ایسی قوم پیدا ہوگی جو مسلمانوں کو مشرک کہتی پھرے گی، چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ نجدیت سے لے کر دیوبندیت تک تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو یہی لوگ مشرک بناتے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ”وہابی دیوبندی“۔

بے ادب اور گستاخ ابلیس کے معززین

حضور سرور عالم ﷺ نے ابلیس سے پوچھا تیرے نزدیک معزز اور محبوب کون ہے۔ کہا جو ابو بکر و عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دے۔ (نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۵۶)

فائدہ: یہ صرف نمونہ کے طور پر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہم نے مثال دی ہے ورنہ ابلیس ہر محبوب خدا کو گالی دینے اور اُن سے بغض و عداوت رکھنے اور ان کی بے ادبی اور گستاخی کرنے والے سے پیارا اور صرف اسی کو اپنا معزز و محترم سمجھتا ہے۔

ناظرین کو دعوتِ انصاف ہے کہ محبوبانِ خدا اولیاءِ کرام کی عزت و احترام پر کون سی پارٹی حملہ آور ہے ان کی تقریریں، تحریریں گواہ ہیں فقیر کیا عرض کرے۔

ابلیس تقیہ باز

جب آدم و حوا، علیہما السلام بہشت میں تشریف فرما تھے تو شیطان حاضر ہو کر ”**فاسمہانی لکمالمن الناصحین**“ ان کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ بیشک میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

فائدہ: شیعوں کا تقیہ تو سب کو معلوم ہے لیکن ہمارے دور میں دیوبندیوں کا تقیہ شیعہ فرقہ سے پندرہ گز آگے ہے اسکے لئے دلائل کی ضرورت نہیں۔ مساجد میں گھس جانا تقیہ کر کے رہنا پھر مساجد پر قبضہ جمالینا کس پارٹی کا شیوہ ہے اور یہ عملی تقیہ مولوی اشرف علی تھانوی کا مرہونِ منت ہے جب کہ کانپور میں میلاد شریف کی محفلوں میں آنے جانے لگا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے ٹوکا تو جواب دیا کہ اس میں مصلحت ہے۔ (تفصیل دیکھئے تذکرۃ الرشید)

ابلیس کی تین طلاقیں

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ”میں مکہ میں عالمِ رویا میں رسولِ اکرم شفیع اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، دیکھا کہ حضور جلوہ افروز ہیں اور محمد بن مالک صدفی بخاری شریف سنا رہے ہیں تو میں نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ عرض کیا۔

سوال: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو کیا تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی یا ایک رجعی ہوگی؟“

جواب: یہ سن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خاوند کے کہنے کے مطابق تین واقع ہوں گی۔“

سوال: میں نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک واقع ہوگی۔“

جواب: فرمایا ”انہوں نے جو اُن تک دلائل پہنچے اس کے مطابق حکم لگایا ہے۔“

سوال: میں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! میں اس مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ پوچھتا ہوں جو آپ نے فرمایا ہے۔“

جواب: یہ سُن کر حضور ﷺ نے فرمایا ہے، ”**فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ۔**“ اور وہ عورت اُس پر حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے۔ (الآیۃ)

ابلیس

جب سرکار نے یہ حکم فرمایا تو میں نے دیکھا کہ مجلس میں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بحث شروع کر دی اور وہ ابلیس تھا۔ اُس کی اس تکرار سے میں نے دیکھا کہ سید دو عالم ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا۔ گویا کہ حضور کے رُخسار مبارک میں انار نچوڑا گیا ہے اور حضور غضب ناک ہو گئے اور سرکار نے بلند آواز سے متعدد مرتبہ جھڑک کر فرمایا ”کیا تم بدکاری کرنا چاہتے ہو؟“ ”یہ تین طلاقیں ہیں، یہ تین طلاقیں ہیں۔“ ز اں بعد پھر سنانے والے نے صحیح بخاری سنانا شروع کر دی جب ختم ہو گئی تو حبیبِ خدا سید انبیاء ﷺ نے دعا فرمائی پھر آنکھ کھل گئی۔ ”(رسالہ مبشرات للشیخ الاکبر، سعادة الدارین صفحہ ۷۷) اس مبارک خواب سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین ہی واقع ہوں گی اور اگر کوئی شخص ایسی مطلقہ بیوی کو آباد کر لے تو ہمیشہ بدکاری ہوتی رہے گی۔ اور اولاد بھی ناجائز پیدا ہوگی جب تک کہ حلالہ شرعی نہ ہو۔

تبصرہ از اویسی

طلاق ثلاثہ بیک وقت وقوع کا سب سے پہلا ابلیس ہے۔ اس کی پیروی کس نے کی، اس کے متعلق تفصیل کی ضرورت نہیں صرف ایک حوالہ پڑھ لیجئے:

ابن تیمیہ اور غیر مقلدین

آیت مبارکہ ”**فلا تحل له**“ (پارہ ۲ آیت ۱۳) کے تحت مفسر قرآن شیخ صاوی علیہ رحمۃ الباری نے نقل فرمایا، آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر یکدم یا الگ الگ تین طلاقیں دیں تو عورت اُس پر حلال نہیں ہوگی۔ مثلاً کوئی کہے کہ میں نے تجھے تین طلاق دی تو وہ اس پر اتنا کہنے سے بھی حرام ہو جائے گی اور اس پر علماء کا اجماع ہو چکا ہے اور ابن تیمیہ کے علاوہ کسی بھی معتمد عالم نے یکدم تین طلاق کو ایک طلاق شمار نہیں کیا ہے۔ ابن تیمیہ کا رد اس

کے ہم مذہب علماء وائمہ نے بھی کیا یہاں تک کہ علماء نے ابن تیمیہ کو گمراہ کنندہ کہا ہے۔“

فتاویٰ ثنائیہ

میں بھی منقول ہے کہ ”نواب صدیق حسن خان نے ”اتحاف النبلاء“ میں جہاں شیخ ابن تیمیہ کے متفردات مسائل لکھے ہیں اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب ابن تیمیہ نے تین طلاق کے ایک مجلس میں ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ ابن تیمیہ اور اُن کے شاگرد ابن قیم پر مصائب برپا ہوئے اُن کو اونٹ پر سوار کر کے درے مار مار کر شہر میں پھرا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامتِ روافض کی تھی۔“ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

مزید لکھا ہے کہ ”تین طلاق مجلس واحد کا ایک حکم میں ہونا یہ مسلک صحابہ تابعین تبع تابعین وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو ابن تیمیہ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں۔“ (فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۲۱۹)

غیر مقلدین وہابی

اب ہمارے دور میں وہابی غیر مقلدین طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت وقوع کے نہ صرف منکر ہیں بلکہ الٹا اس کے منکر کو گمراہ اور بے دین گردانتے ہیں بلکہ خود اپنے ہم مسلک مولوی ثناء اللہ امرتسری کو بھی گمراہ کہتے ہیں اس کے اور وجوہ بھی ہیں جنہیں فقیر نے کتاب ”شتر بے مہار“ میں تفصیل سے لکھا ہے، منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ابن تیمیہ کا خلاف کیوں کیا اور یہ کیوں کہہ دیا کہ علامتِ روافض اور یہ مسلک سات سو سال بعد کا ہے۔

علامات و نشانات اولادِ ابلیس

ابلیس کی اولادِ حقیقی سے ہماری بحث نہیں بلکہ اس کی معنوی اولاد کو ظاہر کرنا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دم مارا کہ وہ اپنے چیلے چائے اولاد آدم سے بنائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابلیس نے اپنے چیلے چائے تیار کئے تو ان کی نشانیاں کون سی ہیں۔ فقیر معتبر و مستند کتب سے چند علامات ذکر کرتا ہے۔

انبیاء و اولیاء سے دشمنی

صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کے پارہ ۱۵ میں لکھتے ہیں کہ ”وہ آدم زادے جن کی شکل و صورت

تو آدم علیہ السلام جیسی ہو لیکن ان کے کردار ابلیس جیسے ہوں تو انہیں شیاطین الانس سمجھوان کی علامت یہ ہے کہ ابلیس معنوی اولاد کو اپنا حامی کار بناتا ہے جو شب و روز اس کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمٰن کی اطاعت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذریت شیطان کے چیلے بنے پر فخر کرتے ہیں لیکن آدم علیہ السلام کی حقیقی اولاد یعنی انبیاء و اولیاء کی اطاعت سے کراتے ہیں انہیں اولیاء و اعداء کے مابین امتیاز نہیں رہتا۔

فائدہ : نجدی وہابی (غیر مقلدین) اور دیوبندی اپنی تصانیف اور تقریروں میں بتوں کی آیات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

آخری بات

یہ داستان طویل ہے فقیر نے صرف چند نمونے عرض کئے ہیں۔ اب چند حوالے ملاحظہ ہوں کہ جن لوگوں نے انبیاء و اولیاء کے کمالات کو ماننے پر شرک کا فتویٰ دیا لیکن وہی کمالات ابلیس کے لئے ثابت کئے چند نمونے حاضر ہیں۔

ابلیس کا علم محیط

علمائے دیوبند کا قطب مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں لکھا کہ ”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا محض شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کے لئے یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کے لئے کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ صفحہ ۵۱ مطبوعہ انڈیا دیوبند)

شان درود

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مولانا عبد السمیع رامپوری کمہار ان (رحمۃ اللہ علیہ) نے مجلس میلاد اور سلام و قیام و فاتحہ کے اثبات میں ایک کتاب لکھی ”انوار ساطعہ“ اس میں ثابت کیا کہ بعض مجلس میلاد میں حضور سرور عالم ﷺ کا تشریف لانا یا آپ کو اس کا علم ہونا بعید از امکان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بُری مخلوق شیطان اور بہتر مخلوق حضرت ملک الموت کے لئے ایسی صفت اپنے پرائے سب مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں مذکورہ بالا عبارت دیوبند کے دوستوں نے لکھ ماری جس پر عرب و عجم کے علماء و مشائخ نے اس کی تکفیر

کی۔ لیکن افسوس کہ اس سے ندامت کے بجائے فضلاء دیوبند اس منحوس عبارت کی تصحیح پراپرٹی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

عبارت مذکورہ نے فیصلہ فرمادیا کہ آپ کے لئے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اب اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ان کا عقیدہ پڑھ لیجئے۔

مولوی اسماعیل دہلوی اپنی کتاب ”تقویت الایمان“ میں لکھتا ہے جو اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں، سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملائے وہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی مقرب مثلاً کوئی کسی سے کہے کہ فلاں درخت میں کتنے پتے ہیں تو اس کے جواب میں نہ کہے کہ اللہ و رسول جانے کیونکہ غیب کی بات اللہ ہی جانتا ہے رسول کو کیا خبر۔

تبصرہ: افسوس کہ درخت کے پتے جاننے کو خدائی علم محدود کر دیا اور کہہ دیا کہ اس میں مخلوق کو دخل نہیں حالانکہ یہ تو معمولی بات ہے لیکن اس میں نبی علیہ السلام کو بے خبر بتا دیا اور ابلیس کے لئے کہا کہ اس کا ساری زمین کا علم محیط ہے۔

دوسرا حوالہ

مولوی حسین علی واں بھچرانوی نے تفسیر بلغۃ الحیر ان پارہ نمبر ۱۲ پہلی آیت کی تفسیر میں معتزلہ کے عقیدہ کو ترجیح دی کہ ”اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا جب تک وہ کام (عمل) کر نہیں لیتے۔
تبصرہ: جس برادری کا عقیدہ خدا تعالیٰ کے لئے ایسا گھٹیا ہو وہ اگر رسول خدا ﷺ کا علم گھٹا کر بیان کریں تو اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

شیطان کا دور سے تصرف

مولوی ظفر احمد تھانوی نے رسالہ ”انوار الصوم“ صفحہ ۳۰ پر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ جب شیاطین قید ہو گئے تو پھر وہ آدمیوں کو (رمضان میں) کس طرح بہکاتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ دور سے بذریعہ توجہ کے تصرف کرتے ہیں الخ

فائدہ: کتاب مذکورہ اشرفیہ کتب خانہ تھانہ بھون (انڈیا) ۷۴ھ میں شائع ہوئی۔

فقیر کے پاس موجود ہے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ

شیطان کے لئے تو اتنا بڑا تصرف ماننا عین اسلام ہے اگر ایسے تصرفات حضور ﷺ اور اولیائے کرام کے لئے مانے جائیں تو شرک، اس کی وجہ وہ خود ہی بتا سکتے ہیں۔

شیطان ہر قبر میں

ہر قبر میں شیطان کے موجود ہونے کے یہ لوگ قائل ہیں کیونکہ حدیث شریف سے ثابت ہے اور حضور ﷺ کے ہر قبر میں موجود ہونے کے منکر ہیں اس کے متعلق فقیر کا رسالہ ہے ”القول المؤید فیما تقول فی ہذا رجل المحمد“، عرفی نام ”ہر قبر میں زیارت رسول ﷺ“۔

تبصرہ اویسی غفرلہ

بتائیے کہ شیطان کی اتنی بڑی زبردست قدرت ماننا کہ وہ ہر قبر میں ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے انکار کرنا اس کی وجہ کیا ہے یہ ان سے پوچھئے۔

لطیفہ

مخالفین ابلیس کے علم محیط اراضی کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس کے منکر کو کافر کہتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کا علم نصوص قطعیہ سے ثابت ہے (براہین قاطعہ) لیکن حضور ﷺ کے لئے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے (براہین) لیکن سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں خیر و شر کو پیدا فرمایا ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں افسوس ہے کہ مخالفین شرک کے لئے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اور جس آقا ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہیں اس سے نہ صرف انکار بلکہ ماننے والے کو مشرک کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مخالفین شرپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر شے سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے بچائے۔ (آمین)

لفظ نبی خود غیب کے عقیدہ کا پابند کرتا ہے کیونکہ یہ نبأ سے ہے بمعنی غیبی خبر دینا اگر اسے مطلق خبر کے لئے محدود رکھا جائے۔ تو پھر خبر کو نبی مانا جائے لیکن ایسا نہیں بلکہ اس کو نبی ماننا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے غیبی خبریں دے۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کے لئے علم غیب ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ نہیں مانتے۔ مگر شیطان کے لئے مانتے ہیں ایسا کیوں؟

ان حقائق سے ماننا پڑے گا کہ وہ ابلیس کے کمالات کے قائل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے منکر ہیں۔

آخری گذارش

اس بحث کو یہاں ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ کریم ہمیں اپنے نبی پاک ﷺ کے سچے اور پکے نیاز مندوں سے بنائے۔

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہ

بہاول پور - پاکستان

۲۱ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

فضل حق خیر آبادی اور سن ستارون

حکیم محمود احمد برکاتی



اعلیٰ حضرت نیٹ ورک
Alahazrat Network



فضلِ حق خیر آبادی
اور

سن ستاون

حکیم محمود احمد برکاتی

برکات اکیڈمی، کراچی

جملہ حقوق محفوظ

مؤلف: حکیم محمود احمد برکاتی

ناشر: برکات اکیڈمی، ۲۹۸۰-۱ لیاقت آباد، کراچی

کتابت: مرزا اشفاق احمد چغتائی

مطبع: افریشیا پرنٹنگ پریس - کراچی

تاریخ اشاعت: مئی ۱۹۸۷ء ہارم مطبع - شہزاد پور لاہور

اشاعت اول: ایک ہزار

قیمت: ۴ روپے

منے کاپیتہ: مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ ضویہ لوہاری دروازہ لاہور

باطل دشمنِ حریت پسند اور اسلام دوست نوجوانوں کے نام

مولینا فضل حق خیر آبادی نے وطن عزیز پر انگریزوں کے استیلا کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا اور اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے کسی بھی ممکن قربانی سے دریغ نہیں کیا بلکہ انگریز کا تسلط قائم ہوا مولینا کے فرزند گرامی مولینا عبدالحق خیر آبادی نے بھی استخلاصِ وطن کی تمنا میں عمر گزاری اور بسترِ مرگ پر اپنے تلامذہ و اخلاف سے یہ فرما گئے کہ

”میں تو وطن سے انگریزوں کو جاتے نہ دیکھ سکا خدا تمہیں یہ روز روشن دکھائے تو میری قبر پر اگر یہ ضرور کہہ دینا کہ انگریز چلا گیا“

مولینا عبدالحق کے اخلاف تلامذہ کی دو نسلوں سے مسلسل یہ وصیت ہم تک منتقل ہوتی چلی آرہی ہے اور انگریزی تسلط کے خاتمے کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے اب ہم یہ وصیت تم — نوجوانوں تک منتقل کر رہے ہیں کہ اگر خدا بزرگ تمہاری سرور و شیموں اور قربانیوں کے نتیجے میں یہ ساعتِ سعید تمہارے عہد میں لے آئے تو مولینا کی رُوحِ پاک کو مخاطب کر کے یہ پیامِ جانفراضر و رسد دینا کہ ”انگریز حقیقتاً ہماری سرزمین سے چلا گیا اور ساتھ ہی اس کے علوم و نظریات اور انکار و خیالات بھی ہمارے ذہن و دماغ سے محو ہو گئے۔“

مولینا کی رُوحِ اس صدائے دل نواز کے لئے گوشِ بردار ہے اور

راک آنے والی اسلامی حکومت کے تخیل میں
حد میں بھی کھلی ہے اس کی چشمِ انتظار اب تک

حمود احمد برکاتی

اور دوسرے خدامِ بارگاہِ فضلِ حق

ترتیب

۵	پس منظر
۱۵	تقریب
۱۵	مولینا فضل حق خیر آبادی
۳۱	مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں دہلی میں
۶۰	اودھ میں مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں
۶۷	مولینا اور فتوائے جہاد
۹۱	ضمیمہ ۱ — عرضی رتم زدہ مولوی فضل حق صاحب
۹۵	ضمیمہ ۲ — قواعد و ضوابط کورٹ
۱۰۰	مآخذ
۱۰۲	مولینا خیر آبادی کی زندگی کے سلسلے میں چند اعلاط کی تصحیح

پیرِ مختار

مولینا فضل حق خیر آبادی سے میری کوئی قرابت داری تو نہیں
 تھی، لیکن میرے اور مولینا کے خاندانوں میں برادری کا وہ قدیم رشتہ
 ضرور تھا جو اودھ کے تمام قصبات میں پھیلا ہوا تھا۔ پھر سیتاپور اور
 خیر آباد کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا، پانچ یا چھ میل۔ انقلاب سن
 ستاون سے پہلے سیتاپور کو مرکزیت ہی حاصل نہیں تھی، بلکہ خیر آباد ہی
 نظامت (کشنری) تھی، اس لئے قیاس یہی کرنا چاہیے کہ سیتاپور اور
 خیر آباد میں گھر آگن کا بھی ایک کہاوتی رشتہ ضرور ہوگا! خود مولینا
 خیر آبادی تمام عمر خیر آباد سے باہر ہی رہے، مگر دطنی تعلق ہمیشہ باقی رکھا۔
 بہت سے افراد خاندان یہیں رہے اور آخری آرام گاہ تو بیشتر افراد
 خاندان کی خیر آباد ہی قرار پائی۔ یہ اور بات ہے کہ چند روز کے بعد
 خیر آباد میں کوئی یہ بھی بتانے والا باقی نہ رہے گا کہ مولینا فضل امام
 خیر آبادی اور شمس العلماء مولینا عبدالحق خیر آبادی کی قبریں بڑے مخدوم
 صاحب کے مزار کے شمال مغربی گوشے میں کہاں پر تھیں؟ مولینا

خیر آبادی کے خلاف دشمن تو دشمن خود دوستوں نے وہ سلوک کیا جسکی توقع نہیں کی جاسکتی تھی! انقلاب سن ستاون کے بعد برصغیر کا مسلمان سیاسی خلفشار کے علاوہ معاشرتی، سماجی اور مذہبی افراتفری کا شکار رہا۔ مسلمانوں میں کتنی تحریکیں ابھریں اور معاشرے کو روندتی ہوئی ختم ہو گئیں۔ مولینا خیر آبادی بھی اسی چکی میں پس گئے۔ انگریز پرست مسلمان تو مولینا سے اس لئے خفا تھا کہ وہ سن ستاون کی جنگ آزادی میں مجاہدانہ اور باغیانہ کردار کے حامل رہ چکے تھے اور کٹر مذہبی حلقے اس لئے ناراض تھے کہ مولینا خیر آبادی حضرت شاہ اسماعیل شہید کے نظریات سے متفق نہیں تھے۔

ایک صدی بیت گئی! لیکن ذہنی گردوغبار کے بادل نہ چھٹ سکے! انگریز جب تک برصغیر میں برسرِ اقتدار رہا آئین اور قانون کی دیواروں سے جھانک کر بہت سے چہرے پیچانے گئے، مگر نظر نہ آسکی تو ایک مولینا فضل حق کی ڈراؤنی صورت بھی جن کی غالب ساز "شخصیت کو چھپانے کے لئے بڑے بڑے غالب شناس، ریسرچ اور تحقیق کی پُر خار وادیوں سے آگے نہ بڑھ سکے!

خدا بھلا کرے محبتی مولینا عبدالشاہ خاں شروانی کا جنھوں نے سب سے پہلے اس مظلوم شخصیت کو حیاتِ نانیہ بخشی اور "باغی ہندوستان" لکھ کر ایک بار پھر یہ یاد دلادیا کہ مولینا فضل حق خیر آبادی صرف عالمِ دین ہی نہیں تھے بلکہ ایک مردِ مجاہد بھی تھے جنھوں نے انقلاب سن ستاون میں عزمِ عمل کا ایک ایسا کردار ادا کیا تھا جسے ہندوپاک میں کبھی فراموش

نہیں کیا جاسکتا۔

مولینا شروانی کی یہ پہلی تالیف تھی۔ اپنے موضوع سے انھیں والہانہ عشق بھی تھا۔ اس لئے ”زور بیان“ میں وہ بعض مقامات پر اپنے موضوع سے آگے نکل گئے اور کہیں پیچھے رہ گئے۔ سب سے زیادہ غضب یہ ہوا کہ انھیں مرحوم مفتی انتظام اللہ خاں شہابی کی غیر معتبر اور غیر مستند حکایات و روایات کا بھی سہارا لینا پڑا۔ انجام ظاہر تھا۔

”خیر آبادیات“ کے موضوع پر نقشِ اول کا درجہ رکھنے کے باوجود یہ تالیف اہل تحقیق و تنقید کی ”خوردہ گیری“ سے نہ بچ سکی۔

مولینا شروانی کی آواز کہاں تک پہنچی؟ میں اس سلسلے میں بہت کچھ لاعلم ہوں، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ”باغی ہندوستان“ کی اشاعت کے بعد ایک روسی مشتشرق ”مادام پوکونسکایا“، مولینا فضل حق خیر آبادی کے سیاسی افکار اور ”فلسفہ بغاوت“ پر تحقیقی کام کرنے کیلئے ہندوستان پہنچی تھیں۔ ایک طرف تو ”بیرون ہند“ مولینا خیر آبادی کی سیاسی زندگی ”فلسفہ بغاوت“ کی چھان بین ہو رہی تھی دوسری طرف انقلاب سن ستاون کے مسلم مجاہدین آزادی کو رُسوا اور بدنام کرنے کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں غیر ملکی امداد و تعاون پر چلنے والا دہلی کا ایک نیم ادبی ماہ نامہ پیش پیش تھا۔

حسن اتفاق کہ اسی زمانے میں محترم مولینا امتیاز علی خاں عری رامپوری کو کتب خانہ رامپور میں ایک ایسی تاریخی ”عرضی“ مل گئی جس پر

مولینا فضل حق خیر آبادی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اس عرضی پر ۸ فروری (۱۸۵۹ء) کی تاریخ پڑی ہوئی تھی جس سے مولینا عرشی کو یہ دھوکا ہوا کہ یہ تحریر مولینا خیر آبادی کی تاریخی درخواست کا درجہ رکھتی ہے، حالانکہ اگر مولینا غور فرماتے تو بہ آسانی یہ نتیجہ نکال سکتے تھے کہ عرضی پر جو تاریخ پڑی ہوئی ہے مولینا خیر آبادی کی مہر ہونے کے باوجود وہ کسی طرح اُن کی تحریر نہیں ہو سکتی، کیونکہ مولینا خیر آبادی اس سے قبل ۳ جنوری ۱۸۵۹ء کو گرفتار کئے جا چکے تھے اور غدر سن ستاون کے گرفتار شدگان کے ساتھ انگریز وہی سلوک کرتے تھے جو ”مارشل لا“ کے ہنگامی دور میں اب بھی کیا جاتا ہے اس لئے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مولینا خیر آبادی قید فرنگ سے کوئی عرضی یا درخواست نواب رامپور کو پیش کر سکتے اور وہ بھی اپنی مہر لگا کر۔ جو دوسرے سامان کی طرح اُن کے ساتھ جیل میں ہرگز نہیں جاسکتی تھی۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ اسی زمانے میں ڈاکٹر اطہر عباس کی ایک کتاب ”سوتنتر بھارت“ شائع ہو گئی جس میں اخبار الظفر دہلی کے پرانے زمانے میں چھپے ہوئے ایک ایسے فتوے کا عکس بھی شامل تھا جس پر مولینا خیر آبادی کے دستخط نہیں تھے۔ انقلاب سن ستاون میں دہلی کے علما نے کئی فتوے دیے تھے جن کا تذکرہ ستاون کے سلسلے میں کئی جگہ ملتا ہے، لیکن مولینا عرشی نے اس مطبوعہ فتوے ہی کو اول و آخر فتویٰ قرار دیکر ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا اور وہ بھی اس روشنی میں کہ مولینا فضل حق نے سن ستاون کی جنگ آزادی میں

کسی قسم کا کردار ادا نہیں کیا تھا۔ چونکہ مولینا عرشی نے یہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنے ذہن کو منفی انداز میں تیار کر لیا تھا اس لئے انھوں نے اپنی دیرینہ روایات کے خلاف اپنے گرد و پیش پر قطعاً نظر نہیں ڈالی اور ضروری مواد کو دیکھے بغیر عجلت میں یہ مضمون قلم بند فرما دیا، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو خود اُن کے گرد و پیش ایسا مواد پھیلا ہوا تھا جسے ملاحظہ فرما کر وہ اپنی دیرینہ روایات کو قائم رکھ سکتے تھے۔

میں مولینا عرشی کی علمی سنجیدہ روی، شائستگی اور متانت کا ہمیشہ معترف رہا اور آج بھی اُن کی تحقیقی و علمی عظمت کا قائل ہوں اسی لئے جب میں نے مولینا کے مضمون میں مولینا خیر آبادی کے متعلق یہ جملے دیکھے تو کچھ دیر تک اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا:

”ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولینا خیر آبادی نے غیر شرعی شوق شہادت“ سے مجبور ہو کر ایسا ”جھوٹ“ بولا تھا جو اگر باور کر لیا جاتا اور اس کے مطابق نہیں بھانسی دے دی جاتی تو وہ ایک طرح کی خودکشی کے مرتکب ہوتے“

(صفحہ ۱۰-۱۱ ماہنامہ تحریکِ دہلی اگست ۱۹۵۷ء)

مولینا عرشی نے اس موضوع کے ساتھ تحقیقی برتاؤ نہیں کیا ؟
نواب رامپور کے نام اس عرضی کو بنیاد بنا کر مولینا عرشی نے یہ مفروضہ قائم کر لیا۔ مولینا خیر آبادی پر حسب ذیل تین الزام عائد کئے گئے تھے:

(۱) خان بہادر کے ساتھ بریلی میں تعاون اور مولینا کی طرف سے

پہلی بحیثیت میں نظامت۔

(۲) پھر خان علی خاں کی طرف سے محمدی کی چکلہ داری۔

(۳) پھر ایک باغی لشکر کی کمان داری۔

مولینا عرشی نے اس عرضی کو بنیاد بنا کر یہ تین الزامات اخذ

کئے ہیں اور انہیں الزامات کا سہارا لے کر مولینا فضل حق خیر آبادی

کے ”غیر شرعی شوق شہادت“ اور ”جھوٹ“ کا تحقیقی محاسبہ فرمایا ہے۔

لیکن آپ انگشت بند لا رہے جاتیں گے جب مولینا فضل حق کی اس

فرد جرم میں ان تین الزامات کے برعکس صرف یہ دو ہی الزام ملیں گے

جھٹیل جناب مالک رام نے مولینا فضل حق کے خلاف اس سرکاری

فائل سے پیش کیا ہے جس کی بنیاد پر مولینا خیر آبادی کے خلاف ”مارشل لا

کورٹ“ نے جرم بغاوت لگا کر انہیں کالے پانی کی سزا دی تھی۔

مارشل لا کورٹ کی یہ فرد جرم تین نہیں صرف دو الزامات پر مبنی ہے:

۱۔ پوری بغاوت کے دوران میں بالعموم لوگوں کو بھڑکانا۔

۲۔ ۱۸۵۸ء میں بالخصوص اور دھ میں بغاوت پر اکسانا۔

مولینا عرشی کی عائد کردہ فرد جرم میں کتنا فرق ہے؟ اسے ایک

قانون دان ہی محسوس کر سکتا ہے، کیونکہ قانون کی اساس و بنیاد الفاظ

پر رکھی گئی ہے۔ اگر بقول مولینا عرشی ”عرضی“ مورخہ ۱۸ فروری ۱۸۵۹ء

سے یہی نتیجہ نکلتا ہو جو انھوں نے نکالا ہے تب بھی وہ فرد جرم کی حیثیت

نہیں رکھتی اور نہ اسے بنیاد بنا کر کسی کو جھوٹا قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ

اس مقدمہ کی روداد سے یہ ثابت ہے کہ مولینا خیر آبادی کے مقدمہ کی کارروائی کا براہ راست تعلق ان واقعات سے نہیں تھا جن کا تذکرہ مولینا عرشی نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔

مولینا فضل حق سے منسوب عرضی (۸ فروری ۱۹۵۹ء) کے علاوہ مولینا عرشی نے ”سو تنہر دہلی“ میں چھپے ہوئے اس فتوے کے عکس کو بھی بنیاد بنایا ہے جو ”صادق الاخبار دہلی“ ۲۶ جولائی ۱۸۵۷ء سے لیا گیا ہے۔ اور جس پر مولینا خیر آبادی کے دستخط نہیں ہیں۔ یہ فتویٰ سب سے پہلے اخبار ”الظفر دہلی“ میں چھپا تھا، لیکن مولینا عرشی اب سے ڈیڑھ سو سالہ قدیم اغلاط کتابت و طباعت کی مشکلات سے باخبر ہونے کے باوجود کسی طرح یہ ثابت نہیں کر سکے کہ ”صادق الاخبار“ میں چھپا ہوا فتویٰ اخبار ”الظفر دہلی“ کی ہو ہو نقل ہے۔ جن لوگوں کے سامنے ۱۸۵۷ء سے پہلے کی ”لیتھو“ طباعت کی اسقام ہیں وہ کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ الظفر سے نقل کرنے کے باوجود یہ تحریر کتابت کی اغلاط سے پاک ہے۔ مجھے اس بات پر قطعاً اصرار نہیں ہے کہ یہ فتویٰ وہی جہاد کا فتویٰ ہے جس پر مولینا خیر آبادی کے دستخط تھے۔ مولینا عرشی جیسے محتاط محقق سے مجھے یہ بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اپنی تحقیقی عمارت کو ایسی بودی اور کمزور بنیادوں پر قائم کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

اگرچہ مولینا عرشی نے فتوے کی بحث میں مفتی صدر الدین آزادؒ کے ”شہدت بالنجریا شہدت بالجبر“ کا غیر متعلق تذکرہ مناسب سمجھا۔

کاش قدیم لیتھو طباعت کی لاشعوری مشکلات کو سامنے رکھ کر وہ ”صادق الاخبار“ میں چھپے ہوئے فتوے کے عکس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے !

مولینا عرشی نے جس بحث کا آغاز اگست ۱۹۵۷ء میں کیا تھا، اس کا بہت کچھ مکملہ جناب مالک رام کے اس مضمون (مولینا فضل حق فیرو آبادی) پر ہوا جو ماہنامہ تحریک دہلی بابتہ جون ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا تھا۔

جناب مالک رام نے ایک جزو سے زائد ضخامت پر مشتمل اس مضمون میں حکومت ہند (نئی دہلی) کے نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، فارن پالیٹیکل ستمبر ۱۹۶۰ء نمبر ۵۵ کے ریکارڈ کی تلخیص کر کے شائع کر دی۔ مگر اس التزام کے ساتھ کہ مولینا عرشی نے تحقیق کی جو سنی راہیں نکالی ہیں اُن پر حرف نہ آنے پائے۔

لیکن میں جناب مالک رام کی نیک نیتی اور محتاط نگاری کے احترام کے باوجود یہ عرض کروں گا کہ وہ قانونی موشگافیوں کی پُرہنج وادیوں سے یقیناً واقف نہیں ہیں۔ اگر اس مثل کی تلخیص سے پہلے وہ ”بہادر شاہ ظفر“ کے مقدمہ بغاوت کی ترتیب اپنی نظر میں رکھتے تو شاید پڑھنے والوں کو صحیح نتیجہ نکالنے میں زیادہ آسانیاں پہنچا سکتے تھے۔

کیونکہ مارشل لا کا وہ مقدمہ بھی ”آرمی ایکٹ“ ہی کے تحت چلایا

گیا تھا۔ اس قسم کے مقدمات کی فائلوں کی ترتیب کچھ اس طرح پر کی جاتی ہے:

(۱) استغاثہ (۲) فرد جرم (۳) کارروائی مقدمہ (۴) پلیڈنگس (۵) کاغذات مدخلہ فریقین (۶) درمیانی اور متفرق درخواستیں۔

آرمی ایکٹ ہو یا تعزیرات ہند ہر مقدمہ کی فائل تقریباً انہیں اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ کسی مقدمہ کی کارروائی پر تحقیقی بحث کرنے کے لئے تمام اجزاء کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے لیکن مالک رام صاحب نے صرف اپنے مفید مطلب باتوں کی تلخیص پیش کی ہے۔ یہ انداز وکیلانہ تو ہے محققانہ نہیں۔ جناب مالک رام کو کم از کم ان کاغذات کی نقل ضرور پیش کرنی چاہیے تھی جن کا حوالہ مقدمہ میں دیا گیا ہے، مثلاً کمشنر دہلی کی وہ رپورٹ جس کا ذکر تجویز مقدمہ میں موجود ہے۔

لیکن ان تفصیلات کے باوجود مقدمہ کے مضمرات پھر بھی تحقیق طلب رہ جاتے ہیں جو مولینا فضل حق کے سرکاری وکلاء میسرز سون ہو۔ بی بی اینڈ لینزلی کے مشورے کے مطابق تھے اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کے خلاف نفرت رکھنے کے باوجود انگریز اپنے فرض کی ادائیگی میں کتنے دیانت دار تھے۔

یہ کرب ناک ”پس منظر“ ہے ان اوراق کی تالیف کا جسے میری درخواست پر برادر م جناب حکیم سید محمود احمد صاحب برکاتی نے

اپنے روایتی علمی اور تحقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ یوں تو یہ فرض میں نے اپنے اوپر عائد کر لیا تھا اور محبتِ محترم مولینا عرشی سے وعدہ بھی کر لیا تھا، لیکن جب برکاتی صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو اپنے سے زیادہ باصلاحیت اور اہل پاکر انھیں دعوتِ فکر دی۔ اور شکر ہے کہ یہ کام انھیں ہاتھوں سے انجام پارہا ہے جو خیر آبادی، مکتبِ فکر کے جائز وارث و جانشین اور پاک و ہند میں خیر آباد کے نمائندے ہیں۔

برکاتی صاحب اس خانوادہٴ علم و دانش سے تعلق رکھتے ہیں جس کا براہِ راست معنوی رشتہ خیر آباد سے ہے۔ آپ کے جدِ امجد حضرت مولینا حکیم سید برکات احمد صاحب مرحوم نہ صرف شمس العلماء علامہ عبدالحق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے، بلکہ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اُن جلیلِ علما میں شمار کئے جاتے تھے جن کا نام ہر مجلسِ علم و ادب میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ برکاتی صاحب کے اندازِ فکر میں تحقیق کے علاوہ علمی سنجیدہ روی کا وہ وقار بھی ہے جسے وہ حضرات بھی محسوس کریں گے جو کسی وجہ سے ان کے ہم خیال نہ ہو سکیں۔

ناوم سیتاپوری

۲۵ مارچ ۱۹۷۵ء

تقریب

مولینا فضل حق خیر آبادی نے سن ستاون (سنہ ۱۸۵۷ء تا ۱۸۵۹ء) کے معرکہ جہاد میں جو نمایاں حصہ لیا تھا وہ تاریخِ ملت کا ایک واقعہ تھا۔ ناقابلِ انکار بھی اور قابلِ فخر بھی، مگر اس کے ساتھ عجیب معاملہ روا رکھا گیا۔ پہلے تو جنگِ آزادی کی تاریخ میں مولینا کا نام لینا بھی گوارا نہیں کیا جاتا تھا، مگر جب سے مولینا عبدالشہید خان صاحب شروانی کی ”باغی ہندوستان“ شائع ہوتی رہتی مولینا کا نام لیا جانے لگا تھا اور مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا اعتراف کیا جانے لگا تھا، لیکن مولینا امتیاز علی خاں صاحبِ عرشی اور جناب مالک رام کے مضامین کی اشاعت (ماہنامہ تحریکِ دہلی) کے بعد پھر یہ کہا جانے لگا، بلکہ لکھا جانے لگا کہ مولینا نے اس معرکہ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔

حیرانی تھی کہ ایک حقیقت کے انکار کی ضرورت کیوں لاحق ہو گئی؟ اور انتظار تھا کہ کوئی ”فضل حق پسند“ نہیں تو حق پسند اہل قلم ہی اس زیادتی کی تلافی کے لئے کمر بستہ ہو اور اسحقاقِ حق کا فرض ادا کرے۔ آخر کچھ ادھر سے مایوسی اور کچھ حضرت نادم سینا پوری کے اُکسانے پر خود میں نے ہمت کی اور ادبیاتِ غدر کا جو حصہ بھی میسر آسکا اور اپنے

غیر علمی مشاغل کے هجوم میں جتنا استفادہ بھی اس سے ممکن ہوا کر کے مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی کچھ تفصیل فراہم کریں۔ اب یہ تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

آئندہ صفحات میں جو تفصیل آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ ضرر اشارات ہیں اور ان کی حیثیت اربابِ قلم اور محققین کے لئے دعوتِ عمل سے زیادہ نہیں ہے۔ ادبیاتِ غدر میں سے بڑا حصہ مجھے دستیاب نہیں ہو سکا اور جو کتابیں ملیں ان سے میں مصروفیت اور انگریزی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکا، جو بھی جواں سال وجواں عزم موثر اس ہم پر کمر بستہ ہو گا وہ مجھ سے کئی گنا زیادہ مواد یا بقول مولینا ماہر القادری لوازمہ فراہم کرے گا۔

میں نے حق پرستی کا دامن کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اپنے موضوع کے ساتھ دانستہ کوئی بے انصافی نہیں کی ہے مثلاً میں نے یہ نہیں اصرار کیا کہ مولینا نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ صرف یہ ثابت کیا ہے کہ فتوے نہ دینے کے جو دلائل دیئے گئے ہیں ان میں وزن نہیں۔ غدر پر بہت سا مواد دفتر ہند (انڈیا آفس) کے کتب خانے میں مقفل ہے۔ اس کی اشاعت سے پہلے حقیقت کے ساتھ اظہارِ رائے کرنا بھولپن ہے۔ حکیم حسن اللہ خاں اور مبارک شاہ کو تو وال کی یادداشتیں اب ہاتھ لگی ہیں اور غدر کے ٹھیک سو سال بعد جناب ڈاکٹر سید معین الحق نے دریافت کی ہیں۔ ”یہ دونوں غدر

کے سلسلے میں بڑے اہم ماخذ ہیں۔

میری یہ کوشش ایک مظلوم کی حمایت و دفاع کی
(موکیلا نہ نہیں) منصفانہ کوشش ہے۔ جہاد تو مولینا کی حیات
کا صرف ایک رُخ تھا ورنہ ایک مفکر، متکلم، ادیب، منطقی اور
فلسفی کی حیثیت سے کئی عظیم المرتبت کتابوں کے مصنف کی حیثیت،
سے وہ تاریخِ ملت کے ایک لازوال ولافانی اور بے مثال و بنظیر
شخص تھے۔ جہاد اُن کی کلامِ افتخار کا واحد میرا نہیں تھا۔ اگر معاصر ماخذ
سے یہ مواد فراہم نہ ہوتا جو ہوا تو آپ مجھے بھی جناب مالک رام کا ہمنوا
پاتے۔ مولینا فضل حق نے عدالت کے سامنے اپنی بے گناہی کے
سلسلے میں جو کچھ کیا اور اپنی رہائی کے لئے جو کچھ کیا، صاف کہتا
ہوں کہ یہ خلافِ عزیمت فعل تھا اور حیاتِ فضل حق میں یہ ورقِ
کاش سیاہ ہو جاتا۔ مانا کہ کئی مجاہدین نے بھی یہی کیا، مگر کاش مولینا
فضل حق اپنے شاگرد کے شاگرد مولینا معین الدین اجمیری کی طرح
اپنے جرم کا اعتراف فرمالیتے۔ مولینا معین الدین نے ۱۹۲۱ء
میں عدالت کے سامنے حکومتِ برطانیہ سے اپنی عداوت اور
استیصالِ حکومت کے لئے اپنے عزمِ صمیم کا اظہار کیا اور کہا کہ
ہم حکومت کے خلاف اپنی تمام قوت اور تمام ذرائع استعمال

علہ مثلاً خان بہادر خاں اور بہادر شاہ دونوں نے یہی کہا کہ ہم مجرم نہیں ہیں۔

کریں گے۔ مولینا نے حکومت کو چیلنج دیا کہ
 ”ہم اس کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کو
 تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔“

چوں کہ یہ کتاب مولینا کی شرکتِ جہاد کے سلسلے میں اغلاط
 کے ازالے اور تصحیح کے لئے لکھی گئی ہے، اس لئے آخر میں میں نے
 اپنا ایک مضمون بھی شامل کر دیا ہے جس میں پوری ایک صدی کی
 اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔

اس مضمون میں مجھے اپنی طبیعت کے خلاف کئی شخصیتوں پر
 بھی کلام کرنا پڑا ہے، مگر تصحیح اس کے بغیر ممکن نہیں تھی!

محمود احمد برکاتی

کتاب کے آخر میں جناب حکیم محمود احمد برکاتی ہی کا ایک مقالہ مولانا
 فضل حق خیر آبادی اور معرکہ نہومان گڑھی شامل کیا جا رہا ہے اس طرح
 اس اشاعت کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

محمد عبد الحکیم شرف قادری

مولینا فضل حق خیر آبادی

مولینا فضل حق خیر آبادی الہیات، علمِ کلام، منطق اور فلسفے کے امام وقت تھے۔ بر عظیم کے معقولین میں ابتر اسے اب تک ان کا کوئی مثیل و نظیر نہیں ہے۔ عالم اسلام کے فلاسفہ میں وہ نصیر الدین طوسی میر باقر داماد اور صدر شیرازی کے ہم صف اور ہم تہ محققین میں سے تھے۔ فلسفے، الہیات اور منطق میں ان کی تالیفات شروح اور حواشی فلاسفہ عالم میں ان کے مقام کا تعین کرتی ہیں۔ نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسبِ کمال کیا اور یوں منطق و کلام کے ایک جدید مکتبِ فکر — ”مکتبِ خیر آباد“ کے بانی قرار پائے۔

علوم میں اس علومِ مقام کے ساتھ مولینا کی حیات کا ایک تاب ناک باب یہ ہے کہ آپ ایک مدبر سیاسی اور مجاہد بھی تھے۔

یہی باب ہمارا موضوع ہے !

مولینا کے سوانح حیات مختصر آئیے ہیں : ولادت ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء
 فراغتِ درس (بعمر ۱۳ سال) ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء ملازمت کمپنی ۱۲۳۱ھ /
 ۱۸۱۶ء سے کچھ قبل ، ولادت فرزند گرامی (مولینا عبدالحق) ۱۲۴۲ھ /
 ۱۸۲۸ء - ولادت فرزند (علاء الحق) ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء - وفات والد
 ماجد (مولینا فضیل امام خیر آبادی) ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۹ء کمپنی کی ملازمت
 (سررشتہ داری عدالت دیوانی دہلی) سے استعفاء ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۱ء
 کے اداثر میں ، ملازمت ریاست جھڑ میں ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۲ء - پھر چند سال
 الور ، سہارن پور اور ٹونک میں قیام کے بعد ۱۲۵۱ھ / ۱۸۴۰ء سے ۱۲۶۴ھ
 ۱۸۴۸ء تک ریاست رام پور میں قیام (محکمہ نظامت اور مرافعہ
 عدالتین کے حاکم کی حیثیت سے) ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ /
 ۱۸۵۶ء کے اوائل تک لکھنؤ میں قیام (کچھری حضور تحصیل کے مہتمم اور
 صدر الصدور کی حیثیت سے) ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں
 الور تشریف لے آئے اور رمضان ۱۲۷۳ھ / مئی ۱۸۵۷ء میں سن ستاون
 کی جنگ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور پورے ڈیڑھ سال
 (مئی ۱۸۵۷ء سے دسمبر ۱۸۵۸ء) تک دہلی اور ادھ کے مختلف
 اضلاع میں مجاہدین حریت کی رفاقت ، اعانت اور قیادت فرماتے
 رہے اس سررشتہ داری میں انھیں وہ دبدبہ اور قوت و شوکت حاصل
 تھی جو اس زمانے میں ڈپٹی کمشنر کو ہے۔ آپ کے مکان پر اہل مقدمہ کا دربار
 لگا رہتا تھا اور زندگانی نہایت عزت و احترام سے بسر ہوتی تھی۔ "مرزا میرت حیات طیبہ"

رہے۔ جنوری ۱۸۵۹ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ مقدمہ چلا اور جرم ثابت ہونے پر تمام زرعی اور مسکونہ جائیداد اور ذخیرہ نوادریں کتب خانے کی ضبطی اور حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی گئی۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پورٹ بلیئر (جزائر انڈمان) پہنچا دیئے گئے جہاں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۲۰ اگست ۱۸۹۱ء کو ۶۶ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

مولینا نے ”سن ستاون“ کی جنگِ آزادی میں جو حصہ لیا وہ کسی وقتی جوش اور جذبے کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ جنگِ آزادی برپا ہونے سے برسوں پہلے آپ بزرگ پر فرنگی راج کے استیلا و تسلط، فرنگی حکام کی نااہلی اور ستم شکاری کی وجہ سے بد دل، بیزار اور نفور تھے اور مولینا نے اپنی عملی زندگی کا آغاز اگرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت ہی سے کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملازمت ناپسند ہونے کے باوجود والد ماجد کے حکم اور خواہش کی ایک سعادت مندانہ تعمیل تھی۔ ملازمت کے تین چار سال بعد ہی ۱۸۱۸ء میں والد ماجد کے نام اپنے ایک مکتوب میں اس ملازمت سے بیزاری کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں: ”میں خدا کے فضل و کرم سے خوش حال اور مطمئن ہوں مگر ملازمت میں ذلت و خواری بہت ہے۔ حاکم کے سامنے مستقل حاضر رہنا پڑتا ہے اور اس کے وہ احکام اِطاعت

علیہ مولینا کی قلمی بیاض صفحہ ۲۸ (مملوکہ مولوی حکیم نصیر الدین ندوی، کراچی) نے اس عربی مکتوب کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے۔

کرنا ہوتے ہیں جو قابل قبول نہیں ہوتے۔ قسم خدا کی اگر
مجھے رسوائی کی شرم نہ ہوتی تو کبھی کا کہیں اور منتقل
ہو جاتا اور متوکلانہ زندگی بسر کرتا۔“

شاید والد ماحد کا اصرار ملازمت کے برقرار رکھنے کے سلسلے میں جاری
رہا اور مولینا صبر و تحمل سے کام لیتے رہے مگر والد کی رحلت کے مابعد
مولینا نے غلامی کا یہ لبادہ اتار پھینکا اور والی جھجھو اب فیض محمد خاں
کی دعوت پر ریاست جھجھو کا قیام منظور فرمالیا۔ مرزا غالب نے آئینہ
اسکندری (کلکتہ) کے مدیر کے نام اپنے مراسلے (مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۳۲ء)
میں اس واقعہ پر جن جذبات کا اظہار کیا ہے اگر مولینا سے مرزا غالب
کے مراسم اخوت و اتحاد کے پیش نظر ہم انھیں مولینا کے جذبات و
تاثرات تصور کریں تو بے جا نہ ہوگا، خصوصاً اس لئے کہ فرنگی حکومت کے
متعلق مرزا غالب نے ایسے الفاظ کہیں اور استعمال نہیں کیے :

حکام فرنگ کی بے تمیزی اور قدر	بے تمیزی و قدر ناشناسی حکام فرنگ
ناشناسی نے یہ رنگ دکھایا کہ	اں ریخت کہ فاضل بے نظیر والمعنی
فاضل بے نظیر والمعنی یگانہ مولوی	یگانہ مولوی حافظ فضل حق از سرشت
حافظ محمد فضل حق نے عدالت	داری عدالت دہلی استعفا کردہ خود
دیوانی کی سررشتہ داری سے	را از تنگ و عار وار ہا نند حقا کہ از
استعفا دیکر رنگ و عار سے نجات	پایہ علم و فضل و دانش و کنش مولوی

فضل حق آں مایہ بکا ہند کہ از صد
 یک دلیانہ باز۔ آں پایہ را بہشتہ
 داری ملکات دیوانی سنجند اس
 عہدہ دور مرتبہ دے خواہد بود۔

پانی۔ واقعہ یہ ہے اگر مولینا کے
 علم و فضل کے ایک فی صد کی
 عدالت دیوانی کی سررشتہ داری
 سے موازنہ کریں تو اس عہدہ کا
 پتہ ہلکا نکلے گا۔

مولینا نے اس قطع تعلق پر ہی اکتفا نہیں فرمایا کہ انگریز حکام کے
 ظالمانہ احکام و اقدامات اور اس سے عوام کی تکالیف اور پریشانیوں
 کا بھی تفصیل جائزہ لیتے رہے اور ان تکالیف کے ازالہ کے لئے جدوجہد
 بھی فرماتے رہے۔ مولینا کی ان سرگرمیوں کا پتہ ہمیں اس درخواست

علا یہ درخواست جناب نثار احمد فاروقی کو اپنی ایک قلمی بیاض میں دستیاب
 ہوئی ہے اور انھوں نے نوائے ادب ممبئی (جلد ۳۱ شمارہ ۳ جولائی ۱۹۶۲ء)
 میں شائع کی ہے۔ فاروقی صاحب نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ درخواست
 بہادر شاہ ظفر کے نام ہے مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ اکبر شاہ ثانی کے نام ہے کیونکہ اس
 میں سرچارلس مٹکاف کے ایک تازہ حکم کا ذکر ہے اور سرچارلس مٹکاف پہلے
 ۱۸۱۱ء سے ۱۹ء تک اور پھر دوبارہ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۲۷ء تک دہلی کے ریزیڈنٹ
 رہے تھے اور ۱۸۳۶ء میں وفات پا گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو ڈکشنری آف انڈین
 بائیوگرافی ص ۲۸۷ مطبوعہ ۱۹۰۶ء از بٹ لینڈ)۔ اس لئے یہ درخواست ۱۸۲۷ء
 سے پہلے کسی سن میں لکھی گئی ہے اور اس دور میں اکبر شاہ ثانی زندہ تھے۔ بہادر
 شاہ ظفر تو ۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے تھے۔ یہ درخواست افسوس ہے کہ
 ناقص الاخر ہے۔

سے چلتا ہے جو مولینا نے ”سن ستاون“ سے کم سے کم ۳۰ سال پہلے
اکبر شاہ ثانی (ف ۱۸۳۷ء) کے نام رعایائے شہر کی طرف سے مرتب
کی گئی تھی۔ ذیل میں اس طویل فارسی درخواست کا خلاصہ درج کیا جاتا
ہے (اصل فارسی متن ضمیمہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں)

ملک کی اقتصادی حالت

یہاں کے باشندے ہندو ہوں یا مسلمان ملازمت،
تجارت، زراعت، حرفت، زمینداری اور در یوزہ گری
پر معاش رکھتے ہیں۔ انگریزوں کی حکومت کے قیام کے
بعد سے معاش کے یہ تمام وسائل مسدود و مفقود
ہو گئے ہیں۔ ملازمت کے دروازے شہر لیں پر بند ہیں
تجارت پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا ہے۔ کپڑا، سوت،
ظروف اور گھوڑے وغیرہ تک وہ فرنگ سے لیکر خود
فروخت کر کے نفع کھاتے ہیں۔ معافی داروں کی معافیا
ضبط کر لی گئی ہیں۔ کسانوں کو محاصل کی کثرت نے بدل
کر دیا ہے۔

ان چاروں طبقوں کی زبوں حالت کے نتیجے میں اہل حرفہ اور
ان سب کے نتیجے میں در یوزہ گرتنگی معاش کے شکا رہیں۔

دہلی کی اقتصادی زبوں حالی

دہلی میں ہوٹل وغیرہ بہت سے پر گنے جاگیر میں شامل

تھے اور جاگیرداروں کے یہاں ہزاروں آدمی فوج ،
 انتظامی امور اور شاگرد پیشہ کی خدمت پر مامور تھے۔ اب
 یہ پرگنے اور دیہات و مواضع انگریزوں نے ضبط
 کر لئے ہیں اور لاکھوں کسان بے روزگار ہو گئے ہیں ۔
 بیواؤں کی معاش چرخہ کاٹنے ، رتیاں بٹنے اور چکی پیسنے
 پر موقوف تھی ۔ اب رستی کی تجارت حکومت (کمپنی) نے
 اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہاتھ کی چکیوں کی جگہ
 پن چکیاں لگ گئی ہیں تو یہ ذریعہ معاش بھی جاتا رہا ۔
 عوام کی اس بے بضاعتی اور بے روزگاری کی وجہ سے
 اہل حرفہ اور ساہوکار بے روزگار اور رزق سے محروم
 ہو گئے ہیں ۔

ان سب پر مستزاد اب چارلس ٹمکاف نے یہ
 حکم دیا ہے کہ غریب زرچوکیداری ادا کیا کریں ۔ ٹیکس
 پہلے کبھی نہیں لیا جاتا تھا ۔

دوسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر گلی کے دروازے پر
 پھانک لگایا جائے جس کا کوئی فائدہ معلوم و متصور

علوہ چوکیدارہ ٹیکس کا قانون یوپی میں سنہ ۱۸۶۴ء میں نافذ ہوا تھا ۔
 ممکن ہے دہلی میں بھی اسی سال یا چند سال بعد یہ قانون نافذ ہوا ہو ۔ اس
 سے کبھی اس درخواست کے عہد کا تعین ہوتا ہے ۔

نہیں ہے۔

تیسرا حکم یہ ہوا ہے کہ ان پھاٹکوں کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر ہوں جس سے ہمیں مشکلات کا سامنا ہے۔

چوتھا حکم یہ ہوا ہے کہ ہر محلے میں ۵/۵ چوڑے مقرر کیے جائیں۔“

اس درخواست سے جہاں مولینا کی سیاسی بصیرت اور عوام کے مسائل اور شہری زندگی کی مشکلات پر ان کی گہری نگاہ کا ثبوت ملتا ہے وہاں یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ انھوں نے ان تمام مشکلات و مصائب کے سرچشمہ پر انگلی رکھ کر صحیح تشخیص کر لی تھی اور اسباب کا تجسس کر کے اس کا تعین فرما دیا تھا کہ یہ سارے مسائل غیر ملکی حکمرانوں کے پیدا کردہ ہیں۔ پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ درخواست دہلی کے ریزیدنٹ کے نام نہیں ہے جو شہر و ضلع کا حقیقی حاکم تھا، بلکہ حضور جہاں پناہ کے نام ہے یعنی ساکینان دہلی کے مس آئل لال قلعے کے بے اختیار و محروم اقتدار مغل ”شہنشاہ“ (اکبر شاہ ثانی) کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، حال آنکہ لال قلعہ ۱۸۰۳ء سے دیر لادھیا اور اکبر شاہ ثانی کے والد شاہ عالم کی حکومت دہلی سے پالم تک رہتی تھی۔ اکبر شاہ ثانی کی تو صرف لال قلعے تک محدود تھی۔ خود ”شہنشاہ“ نے کمپنی کی وظیفہ خواری پر قناعت فرمائی تھی اور عوام بھی اپنی تمام

ضروریات کے سلسلے میں نئے حکمرانوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ انہی کی عدالتوں میں انصاف کے لئے جاتے تھے اور انہی کو سلام کرنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ ان حالات میں برعظیم کا ایک عالم دین — جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سیاست نہیں جانتا — عوام کو دوبارہ لال قلعے کے پھانک کی طرف لے جا رہا ہے اور ان کی طرف سے درخواست لکھ کر اور ان کے حالات و خیالات کا ترجمان بن کر ان کو حضورؐ جہاں پناہ کے دیوان عام میں لاکھڑا کرتا ہے اور اس طرح ایک پیچیدہ نفسیاتی تحریک چلاتا ہے جس سے ایک طرف عوام کو دوبارہ اپنے جانے پہچانے مرکز حکومت سے گرہ کشائی اور حل مشکلات کی توقعات پیدا ہوں گی، دوسری طرف خود ان جہاں پناہ کی خودی بیدار ہونے کے امکانات ابھریں گے اور ان کی غیرت و حمیت بھی ممکن ہے انگڑائی لے کر جاگ اٹھے۔ تیسری طرف برطانوی حکومت کے کارکن چونکیں گے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ سمت قبلہ پھر تبدیل ہو رہی ہے اور چونک کر وہ ایک طرف تو ان مشکلات پر توجہ دیں گے دوسری طرف شاہ کے ساتھ اپنے رویے میں نرمی اختیار کریں گے اور ان گستاخیوں اور اہانت کو شیوں کو لگام دیں گے جن کا سلسلہ انھوں نے کئی سال سے شروع کر رکھا تھا۔

مولینا کے انگریزوں کے متعلق یہ جذبات صرف وطنیت پر مبنی نہیں تھے یعنی وہ برعظیم پر انگریزوں کے بڑھے ہوئے تسلط کے

اس لئے خلاف نہیں تھے کہ وہ ملکی نہیں تھے، غیر ملکی تھے، ان کا تعلق ایشیا ہے نہیں تھا یورپ سے تھا، بلکہ اس کی بنا مذہب پر تھی، اُن کو غم انگیزیوں کے قبضے کا نہیں، نصاریٰ کے قبضہ کا تھا اور نصاریٰ سے موالاة شرعاً ممنوع ہے اور قرآن کریم میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے ولا (دوستی) کی نہیں فرمائی گئی ہے۔ (المائدہ ۵۱) ایک قصیدے میں فرماتے ہیں :

لما اقترب ذبنا سوی ان لیس لی مع هؤلاء مودة وولاء
فولاءهم كفر بنص محکم ما فیه للمراء المعحق مراء
کیف الولاء وهم اعدای من له خلق السماء والارض والانشاء
میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں نے ان (نصاریٰ) سے محبت اور دوستی
نہیں کی کیونکہ ان کی دوستی بنص محکم کفر ہے، اس بات میں ایک حق
پرست آدمی کے لئے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بھلا ان سے
کیسی دوستی؟ جو اُس ذاتِ گرامی سے عداوت رکھتے ہیں جو وہ تخلیق
ارض و سما ہے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولینا ان ”النصارى البراطنة“ (برطانوی عیسائیوں) کے عزائم
اور اقدامات کا بغور مطالعہ کر رہے اور بڑے دکھ کے ساتھ محسوس
کر رہے تھے کہ

هؤلاء بان ينصوا كلاً من قطانها انگریزوں نے ملک کے تمام امیر و غریب

علہ قصائد فتنة الهند، قصيدة ہمزیه

وسكانہا و دُسر سہا و جو مہا و اھیا نہا
و نبالہا و نذل الہا و اجلتہا و ا
ذلتہا تنصیر اعلیٰ
چھوٹے بڑے، مقیم و مسافر، شہری
اور ذہباتی باشندوں کو نصرانی
بنانے کا منصوبہ بنایا ہے۔

وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز اب شعائر دین اور احکام شرع پر
عمل میں بھی مزاحم ہو رہے ہیں،

والی غیر ذلک مما فی قلوبہم المبین
اولاھو اوما تکن صد و رہم
ان (اقدامات) کے علاوہ ان کے دل
میں اور بہت سے مفسد چھپے ہوئے
ہیں، مثلاً خستہ کی مخالفت، شریف
مستورات میں بے پردگی کا رواج
اور تمام احکام دین متین کو
احکام الدین الحکم المیتین علیہ
مٹا ڈالنا۔

مولینا یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ انگریزوں کی نظر میں ملک پر
اُن کے ہمہ گیر تسلط اور ان کی حکومت کے استحکام کے لیے اس ملک کے
تمام باشندوں کا صرف ایک مذہب ”عیسائیت“ ہونا شدید
ضروری ہے اور اس مذہب مقصد کے حصول کے لئے وہ نظام تعلیم کو
تبدیل کر رہے ہیں اور جگہ جگہ اسکولوں کا جال بچھاتے چلے جا رہے ہیں۔
مولینا کی طرح ملک کے دوسرے گوشوں میں بہت سے دردمند
اور وطن دوست ہندو اور مسلمان، علما، زعماء اور فوجی بھی ان

علیہ رسالہ غدیری علیہ ایضاً علیہ رسالہ غدیری

حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور برطانوی سامراج کے امنڈتے ہوئے سیلاب کے خلاف جدوجہد کو تیاریاں کر رہے تھے۔ باہم ملاقاتیں ہو رہی تھیں، مشورے کیے جا رہے تھے اور پورے ملک میں بیک وقت ایک تحریک شروع کر دینے کا منصوبہ تیار ہو رہا تھا تا آنکہ اس کے لئے مئی ۱۸۵۷ء کا مہینہ طے کر لیا گیا اور بالآخر دہلی کے قریب ایک فوجی مرکز پر ٹھہریں ۱۶ رمضان / ۱۰ مئی کو انگریزوں کے خلاف جنگ، آزادی کا آغاز ہو گیا۔

مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں دہلی میں

جنگ آزادی کے آغاز کی خبر سنتے ہی مولینا معرکہ آزادی میں شریک ہو گئے اور مسلسل ڈیڑھ سال تک ملک کے مختلف اطراف میں انگریزوں سے سرگرم جہاد رہے (تا اُن کہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں گرفتار کر لئے گئے)۔

مولینا نے دہلی کے مرکز جہاد میں بھی حصہ لیا اور اودھ کے مرکز جہاد میں بھی۔ دونوں مراکز میں مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی تفصیل ذیل میں الگ الگ پیش کی جاتی ہیں :

مولینا سن ستاون سے تقریباً ایک سال پہلے سے ریاست الور میں مقیم تھے، جو دہلی سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ہی دہلی ۱۸۰۳ء سے مولینا کا وطن بن چکی تھی۔ ان کا گھر، اہل و عیال

اور کتب خانہ وغیرہ دہلی ہی میں تھے۔ آغازِ جہاد کے بعد مولینا نے قیام
 اور کو مستقل ترک کر دینے کا فیصلہ کیا اور دہلی ہی کو محور و مرکز قرار
 دیا۔ دہلی اور بہادر شاہ ظفر دونوں مولینا کے جانے پہچانے تھے لیکن
 اب نئے ماحول، موجودہ صورتِ حالات اور درپیش مسائل کے
 پیشِ نظر مولینا نے دہلی اور اہل دہلی کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ:
 ان مسلمان اور ہندو فوجیوں نے جو انگریزوں کی فوج میں
 ملازم تھے اور جنہوں نے میرٹھ میں علمِ بغاوت بلند کیا اور دہلی آگئے
 ہیں اور ان مجاہدین نے جو جہاد کے آغاز کی خبریں سن کر جہاد کی نیت
 سے اطرافِ ملک سے آکر دہلی میں جمع ہو گئے ہیں، ان سب نے ضرورتاً
 اور مجبوراً بہادر شاہ کو دوبارہ بادشاہ بنا دیا ہے اور انگریزوں کو
 دہلی سے باہر ڈھکیل دیا ہے اور اب لال قلعہ ۱۸۰۳ء کے بعد دوبارہ
 آباد اور زیرِ حکومت بن گیا ہے اور اب صورت یہ ہے کہ دہلی پر دہلی
 والوں کا قبضہ ہے اور انگریز دہلی سے باہر ہیں اور دہلی فتح کرنے کے
 علے آغازِ جہاد سے فوراً پہلے مولینا انور میں تھے یا دہلی میں؟ اسکی کوئی صراحت
 نظر سے نہیں گزری۔ ویسے آغازِ جہاد چونکہ وسطِ رمضان میں ہوا تھا اور روزہ دا
 عموماً اپنے اہل و عیال کے ساتھ رمضان گزارنا پسند کرتے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ
 مولینا آغازِ جہاد (۱۶ رمضان) سے پہلے ہی یعنی ابتداً رمضان یا آخر شعبان سے
 دہلی آئے ہوتے ہوں۔ بہر حال آغازِ جہاد کے فوراً بعد تو یہ طے ہے کہ مولینا دہلی
 میں تھے۔ ہم اس پر آئندہ صفحات میں مفصل کلام کریں گے۔

یہ جملے کر رہے ہیں اور مسلسل سامان جنگ اور سپاہ کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں، لیکن اس طرف مختلف طبقات کا جو رنگ مولینا نے دیکھا وہ یہ تھا: ^۱

بادشاہ

ضعیف الرائے، غم زدہ، نا آزمودہ کار، سال خوردہ، بڑے بھلے کی تمیز سے عاری، بے اختیار، اپنی رفیقہ حیات اور اپنے وزیر کا محکوم، وزیر نے اسے یہ یقین دلادیا تھا کہ نصاریٰ تمند ہونے کے بعد اس کے ساتھ حسن سلوک کریں گے اور اس کو ملک کا اقتدار منتقل کر دیں گے۔

وزیر

حکومت دراصل وزیر کے ہاتھ میں ہے بادشاہ کے نہیں۔ وزیر نصاریٰ کا دوست، ادران کے دشمنوں سے شدید عداوت رکھتا ہے۔

شاہ زادے

بادشاہ کے افرادِ خاندان خود راتے ہیں جو چاہتے ہیں دبی کرتے ہیں مگر بادشاہ کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں۔ انھیں نہ کبھی زندگی میں شمشیر و سناں سے واسطہ رہا، نہ میدان جنگ سے۔ بازاری لوگ ان کے ندیم و جلس ہیں اور عیش و راحت، اسراف و فسق و فجور میں مبتلا ہیں۔ یہ لوگ عمرت میں تھے۔ اس ہنگامے میں کشادہ دست ہو گئے ہیں۔ لشکر کے اخراجات کے نام پر بڑی بڑی رقمیں حاصل

کرتے ہیں اور خود ہضم کر جاتے ہیں۔ بادشاہ نے انہی میں سے ایک کو سپاہ سالار بنا دیا ہے حالاں آں کہ وہ ناعاقبت اندیش، بے عقل، خائن اور بُزدل ہے۔

فوج

میرٹھ سے آئی ہوئی باغی فوج مختلف ٹویوں، بیس بی جہتی ہو
(۱) بعض دستے تو ایسے ہیں کہ جن کا کوئی امان دار ہی نہیں ہے (۲)
کچھ لوگوں کو میدان جنگ کی مشقتوں نے پس ہمت کر دیا ہے۔ (۳)
کچھ لوگ قیام و طعام کی سہولتیں حاصل نہ ہونے سے ضعیف و لاغر
ہو گئے ہیں۔ (۴) ایک گروہ کو ابتدا ہی میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اسی کو
کافی سمجھ کر بیٹھ گئے (۵) صرف ایک حصہ فوج نصاریٰ کے سامنے صف
آرا ہو کر داؤ شجاعت دے رہا ہے۔

ہندو

شہریوں میں سے ہندوؤں کا یہ حال ہے کہ پنجاب کے ہندو سرگرم
سے اور افرادی طاقت سے انگریزوں کی اعانت کر رہے ہیں۔ دہلی کے
ہندو بارشندوں میں سے بیشتر انگریزوں کے حامی ہیں۔

مسلمان

دہلی کے مسلمانوں میں سے ایک گروہ انگریزوں کا مخالف اور
دشمن ہے، مگر دوسرا گروہ انگریزوں کی محبت میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ
وہ باغی لشکر کو نقصان دینے اور مجاہدین کو ذلیل و رسوا کرنے میں

کوئی کسر اٹھانے کے نہیں رکھتا اور ان میں باہم پھوٹ ڈالنے میں مصروف ہے۔

دہلی اور اہل دہلی کے متعلق مولینا کے یہ مشاہدات و تاثرات بڑے یاس انگیز اور ہمت شکن تھے، مگر مولینا نے ایک مخلص اور فاضل معالج کی طرح عوارض اور حالات کا تجزیہ ان کے اسباب و علل کی تعیین و تشخیص کے لئے کیا تھا تاکہ ازالہ مرض کی جدوجہد علی وجہ البصیرت کی جاسکے۔ چنانچہ مولینا نے فیصلہ کیا کہ :

(۱) شاہ ضعف رائے، شیخوخت، ناتجربہ کاری وغیرہ کی وجہ سے تحریک جہاد کی قیادت اور اگر اللہ نے اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائی تو بعد میں نظام حکومت چلانے کا اہل نہیں ہے، اس لئے اس کو اقتدار کی علامت (SYMBOL) کے طور پر باقی رکھ کر اختیارات ایک مجلس منتظمہ کے سپرد کر دیئے جائیں اور اس طرح اسکی بیگم اور وزیر کی غداریوں سے بھی نجات حاصل کی جائے۔

(۲) سرمایہ کی کمی تحریک جہاد کی کامیابی میں سدِ راہ ہے۔ سرمایہ کے حصول کی مساعی تنظیم اور باقاعدگی سے جاری کی جائیں۔

(۳) شاہ زادے صرف اس ”جرم“ کی سزائیں کہ وہ لال قلعے میں پیدا ہونے ہیں خواہ مخواہ نظام حکومت و سیاست میں دخیل ہیں، ان کو بے دخل اور معطل کیا جانا چاہیئے ویسے اصولاً و شرعاً ان سے بھی کلیتہً مایوس ہونے کا حق نہیں ہے اس لئے ان کو پرخطر صورت

حالات درپیش مسائل کی پیچیدگی مستقبل کے فرائض کی گراں باریوں کا احساس دلا کر جہاد کی ہم میں مخلصانہ شرکت کی دعوت دی جاتی رہنی چاہیے، خصوصاً اس لئے بھی کہ دہلی کے بھولے بھالے، کم علم اور قدامت پرست باشندوں نے اب تک ان ”سلاطین“ سے عقیدت ”فسح“ نہیں کی۔

(۴) فوج میں جہاد کا جذبہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اسے منظم کرنا ہے، نظم کا پابند بنانا ہے، اس کی ضرورتوں — راشن، اسلحہ، مناسب اور آرام دہ قیام گاہ وغیرہ کو پورا کرنے پر فوری توجہ ضروری ہے۔

(۵) تحریک کو برگیر بنانے اور پورے برعظیم کو اس ہم میں شریک کر لینے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے اطراف ملک میں برسر جہاد حلقوں سے روابط پیدا کرنا اور ملک کی ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں سے مراسلت کر کے ان کو اس جنگ میں شرکت کی دعوت دینا اور ان سے زراعت کا حصول ناگزیر ہے، خصوصاً دہلی کے قرب و جوار کی ریاستوں کی شرکت تو بہت ضروری ہے۔

(۶) ملک میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، ان کی متعدد ریاستیں بھی ہیں۔ باغی فوج میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔ دہلی میں شہری آبادی کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل ہے اور عام طور پر ہندوؤں کا اندازہ فکر یہ ہے کہ اس جنگ میں اگر فتح ہوئی تو پھر وہی مسلمانوں کی سلطنت آجائے گی، ہمیں کیا ملے گا، پھر انگریزوں کے ملازمین، فخر اور ہی خواہ

علہ دہلی میں شاہ زادوں کو ”سلاطین“ کہا جاتا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں میں افتراق انگیزی کے درپے ہیں اور کوئی نہ کوئی حیلہ ایسا ڈھونڈھ رہے ہیں کہ ہندو مسلم فساد ہو جائے تاکہ یہ تحریک ضعیف ہو جائے، اس لیے ہندو مسلم اتحاد کے جدوجہد کی ضرورت ہے اور ایسی مستقل بنیادیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے جن پر ہندو مسلم اتحاد استوار کیا جاسکے۔

(۷) مسلم عوام بھی اس تحریک سے بے تعلق سے ہیں پھر باہر سے مجاہدین کی آمد کی وجہ سے اور انگریزی فوجوں سے مقابلوں اور شہری نظام کی برہمی کی وجہ سے ان کو کچھ تکالیف اور شکایات بھی ہیں ضرورت ہے کہ ان کو شکر تہجد کی ترغیب دی جائے۔ اور ان کا تعاون حاصل کیا جائے۔

(۸) سب سے اہم مسئلہ رسد کا ہے۔ ہر قدم پر سرمائے کی ضرورت ہے اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ شاہ کا جو وظیفہ کمپنی کی طرف سے مقرر تھا وہ بھی بند ہو گیا ہے، اس لئے شاہ اور شاہ زادوں کو بھی پریشانی لاحق ہے اور وہ تحریک کو اس پریشانی کا سبب سمجھ رہے ہیں۔ مجاہدین بھی بے سروسامانی کے ہاتھوں انگریزوں سے کسی فیصلہ کن تصادم کے قابل نہیں ہیں۔

(۹) شہر میں قیام امن اور حسن انتظام کے لئے اہل کار، قابل اعتماد اور تحریک کے ساتھ مخلص حکام کے انتخاب اور تقرر کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے۔ شاہ کو تو تخت نشین ہونے کے بعد کبھی اقتدار اور اختیار

ملا ہی نہیں، اس لئے انھیں انتظام کا کوئی تجربہ ہی نہ تھا۔ چاہیے۔
شہر کا انتظام ریڈیڈنٹ کرتا تھا۔ اب پھر اقتدار شاہ کی طرف منتقل
ہو گیا ہے اور ان کی نا تجربہ کاری کی وجہ سے بد نظمی عام ہے۔

ان عزائم اور مقاصد کے ساتھ مولینا نے دہلی میں اپنی مجاہدانہ
سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ سب سے پہلے بہادر شاہ سے ملے۔ بہادر شاہ کے
ان کے دیرینہ مراسم تھے اور وہ اپنی ولی عہدی کے عہد سے مولینا کے
فضل و کمال اور ذاتی محاسن سے متاثر تھا۔ چنانچہ جب سنہ ۱۸۳۲ء
میں مولینا نے دہلی کی سررشتہ داری سے مستعفی ہو کر دہلی کا قیام ترک
کیا اور ریاست ہجرت شریف لے جانے لگے تو

ولی عہد سلطنت صاحب عالم مرزا ابو ظفر بہادر شاہ
نے اپنا دو سالہ علامہ کو اڑھایا اور بوقتِ رخصت
آبدیدہ ہو کر کہا، چونکہ آپ جانے کے لئے تیار ہیں میرے
لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں بھی اس کو منظور
کر لوں مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع زباں پر لانا دشوار ہے۔

مولینا بہادر شاہ سے مسلسل ملاقاتیں کرتے رہے اور ان کی توجہ سے
وقت کے اہم مسائل کی طرف دلاتے رہے اور ان کے حل کے سلسلے
میں اپنے مخلصانہ مشورہ بھی دیتے رہے اور بہادر شاہ اس اعتماد
کی بنا پر جو اسے مولینا کے اخلاص اور ان کی اصابت رائے پر تھا

ان مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے، مثلاً ایک ملاقات کی جو غالباً ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو ہوئی تفصیل حکیم احسن اللہ خاں نے اپنی یادداشتوں میں دی ہے، اس ملاقات میں جن مسائل پر گفتگو ہوئی وہ یہ ہیں:

(۱) مجاہدین کی اعانت، روپیہ اور سامان رسد سے

(۲) اہل کار حکام کا تقرر

(۳) مال گزاری کی تحصیل کا انتظام

(۴) ہمسایہ والیان ریاست کو جنگ میں اعانت و شرکت کی

دعوت چوں کہ مجاہدین کی مالو، اعانت، مال گزاری کی تحصیل اور والیان ریاست کی مالی اعانت پر موقوف تھی اس لئے حکیم صاحب کے بیان کے مطابق:-

”بادشاہ نے حکم دیا کہ مولوی صاحب کی تجویز کے مطابق

والیان ریاست کو پروانے لکھے جائیں اور بجلت روانہ

کر دیئے جائیں“

قابل اعتماد اور کاردار حکام کے تقرر کے سلسلے میں مولینا نے اپنے اعزہ

کی خدمات پیش کی تھیں چنانچہ دو اہم مناصب پر مولینا کے دو اعزہ مقرر کئے گئے:

میموئرس آف حکیم احسن اللہ خاں ۲۳-۲۴۔ مرتبہ ڈاکٹر

سید معین الحق، کراچی ۱۹۵۸ء

(۱) مولینا عبدالحق خیر آبادی، آپ مولینا فضل حق کے فرزند گرامی تھے اور غدر سے پہلے الور میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ مولینا عبدالحق گوڑگانوہ کے کلکٹر مقرر کئے گئے۔

(۲) میرنواب اسی روز (۲۱ مئی کو) دہلی کا گورنر مقرر کیا گیا۔ مولینا کو بہادر شاہ کی طرف سے جو اختیارات حاصل تھے اور انتظامی امور میں جو دخل تھا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ بہت سے حکام کا تقرر مولینا نے براہ راست بھی کیا تھا۔ حکیم حسن اللہ کا بیان ہے کہ ”مولوی فضل حق نے بھی کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا“

مولے جیون لال غدر کی صبح وشام ۲۲۵ غدر کے گرفتار شدہ خطوط ۱۳۱ ذکا اللہ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ۱۸۹۱ء مولے میرنواب مولینا کے داماد سید احمد حسین سوا والد مضطر خیر آبادی و سہل خیر آبادی کے حقیقی بھائی تھے۔ میرنواب اور سوادوں سید فضل حسین کے بیٹے تھے جو غالب اور مومن کے گہرے دوست تھے۔ سید صاحب کے نام غالب کے خطوط ہیں (سید باغ دودر) مومن سے سید صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے مومن کے بیٹے احمد نصیر کو متبئی کر لیا تھا۔ مومن کے کئی خطوط سید صاحب کے نام ہیں (انثار مومن) مومن نے مکان کی تعمیر، باغ کی تعمیر وغیرہ پر بھی قطعات تاریخ کہے تھے اور میرنواب کی شادی (۱۸۳۵ء) پر بھی قطعہ تاریخ کہا تھا (کلیات مومن ۱۸۹۰ء) مولے جیون لال ۱۲۰ مولے حکیم حسن اللہ خاں، بہادر شاہ کا مقدمہ ۲۵۶۔

اس طرح لال قلعہ کے دارالانشاء (سیکرٹریٹ) سے مولینا کے حکم سے پروانے جاری ہو کر تے تھے۔ چنانچہ بہادر شاہ کا پرائیویٹ سیکریٹری مکند لال اپنی ایک تحریر (مورخہ ۱۸ اگست ۱۸۵۷ء) میں لکھتا ہے کہ بہادر شاہ کے دربار عام سے اپنے کمرۂ خاص میں چلے جانے کے بعد مولینا نے حسب ذیل افراد کے نام پروانے جاری کرنے کا حکم دیا:

(۱) بنام حسن بخش عرض بیگی، ضلع علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے۔

(۲) بنام فیض محمد (غالباً مولینا فیض احمد بدایونی) اسے ضلع بلند شہر اور علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔

(۳) بنام ولی داد خاں مذکورہ بالا دونوں آدمیوں کو، آمدنی وصول کرنے میں مدد دینے کے لئے۔

(۴) بنام مولوی عبدالحی ضلع گورکھ پور کی مال گزاری وصول کرنے کا انتظام کیا جائے۔

مولینا نے دستور بنایا

دہلی پر انگریزوں کا کامل تسلط ۱۸۰۳ء میں شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا اور اب مغل بادشاہ برائے نام رہ گیا تھا۔ وہ خود انگریزوں کا وظیفہ خواہ تھا اور ہر قسم کے اختیارات سے قطعاً محروم، بے زور اور بے اثر۔ انگریز اس برائے نام شاہی کو بھی ختم کر دینا چاہتے

علی غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط ۱۲۹ و ما بعد

تھے اور وہ ایسا کر سکتے تھے، مگر خود اپنی ہی مصالحتوں کی خاطر انھوں نے ابھی تک یہ قدم نہیں اٹھایا تھا۔ اختیارات سلب کر لینے کے بعد وہ اعزازات بھی رفتہ رفتہ ختم کر دینا چاہتے تھے۔ مختصر یہ ہے کہ بہادر شاہ کی صرف یہ حیثیت رہ گئی تھی کہ وہ سابق فرمانرواؤں کی نسل کا ایک فرد اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا دست نگر ایک معزز شہری ہے مگر سن ستاون کی جنگ آزادی نے پھر اس کو اہمیت دے دی تھی اور تحریک مجاہدین کو چوں کہ ایک مرکزی شخصیت کی ضرورت تھی، اس لئے دہلی کی فوجی، سیاسی اور تاریخی اہمیت کی بنا پر دہلی ہی سے اس مرکزی شخصیت کا انتخاب مناسب سمجھا گیا اور اس طرح بہادر شاہ کو بادشاہ بنادیا گیا۔ ان کی حکومت کا ڈنکا پیٹ دیا گیا۔ ۱۸۰۳ء سے دہلی میں ڈنکائیوں پٹا جاتا تھا:

”خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا“

اب ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء سے ڈنکائیوں پٹا جانے لگا:

”خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم بادشاہ کا“

مگر یہ سب جوش اور جذبات کی باتیں تھیں۔ جوش میں افراد جماعتیں، طبقے اور قومیں بہت سی ایسی باتیں گزرتی ہیں جن پر بعد میں پچھتنا پڑتا ہے۔ نعروں اور جے کاروں سے جوش میں آکر جو قدم اٹھا جاتے ہیں وہ بالعموم واپس لینا پڑتے ہیں۔ میرٹھ سے جو فوج بغاوت کر کے دہلی آئی اُسے لال قلعہ میں ڈیرے ڈالنا پڑے اور اسی رواروی

میں بہادر شاہ بھی بادشاہ بن گئے، لیکن یہ بادشاہی ایک فاتح کی سی بادشاہی تو تھی نہیں جیسے بہادر شاہ کے بزرگوں نے ملک کو فتح کیا تھا، اس لئے وہ اس ملک کے بادشاہ تھے۔ اب اس صورتِ حالات میں بہادر شاہ کی بادشاہی کو ثباتِ دوام اُس وقت مل سکتا تھا جب کہ یہ تحریکِ جہاد فتحِ مندی پر منتج ہوا اور فتحِ مندی اس شرط کے ساتھ مشروط تھی کہ ملک کے تمام طبقے شہری اور فوجی، عوام اور خواص تمام قومیں ہندو اور مسلمان اس جنگ میں متحد و متفق ہو کر حصہ لیں، مگر حقیقت یہ تھی کہ ہندو ریاستیں، ہندو فوجی اور ہندو عوام یہ سوچتے تھے کہ اگر ہم اس جنگ میں جیت بھی گئے تو ہمیں کیا ملے گا؟ حکومت تو پھر مسلمانوں کی ہو جائے گی، پھر انگریزوں کے ہوا خواہ اور ہمنوا بھی ہندوؤں کو درغلز رہے تھے اور ان کے فرقہ وارانہ جذبات مشتعل کر رہے تھے۔

اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود ہوش مند مسلمانوں کے خیالات بھی بہادر شاہ کی حاکمانہ صلاحیتوں کے متعلق اچھے نہیں تھے۔ شاہ زادوں کی اخلاقی کمزوریوں کے چرچے عام تھے اور وہ ان تمام صفات و محاسن سے عاری سمجھے جاتے تھے جو ایک اچھے فرمانروا میں ہونے چاہیئے۔

اس حقیقت کو اس ہنگامی و وقتی جوش و خروش میں جس شخص نے سب سے پہلے محسوس کیا وہ مولینا فضل حق کی ذاتِ گرامی تھی۔

مولینا نے اس کا یہ حل تجویز کیا کہ آل تیمور اور خاندان گورگان کے بجائے کسی اور فرمانروا خاندان کا انتخاب کرنا اور بہادر شاہ کے بجائے کسی اور شخصیت کو مرکزیت دلانے کی کوشش کے بجائے تو بہتر یہ ہے کہ بہادر شاہ کی شاہنشاہی کو دستوری حکومت اور آئینی بادشاہت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے جس میں بادشاہ کے اختیارات کم سے کم ہوں اور ملک کے شہریوں کو بھی حکومت میں شرکت کا موقع ملے، اس مقصد کے لئے مولینا نے ایک

”دستور العمل سلطنت“

مرتب کیا۔ مولوی ذکاؒ اللہ نے اس دستور کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی کوئی تفصیل نہیں دی۔ ڈاکٹر جہدی حسین نے اسے ایک جمہوریت (A CONSTITUTION BASED ON PRINCIPLES OF DEMOCRACY) لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ غیر معمولی تاریخی اہمیت کا یہ دستور سن ستاون کے ہنگامے میں ناپید ہو گیا۔ بہر حال مولوی ذکاؒ اللہ نے اس کی جس واحد دفعہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ مولینا کے سیاسی تدبیر کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ مولوی ذکاؒ اللہ لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب عالم متبحر مشہور تھے۔ وہ الور سے

علم تاریخ و عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۷

علم بہادر شاہ دوم (انگریزی) ص ۱۸۲ و ۳۹۹

ترکِ ملازمت کر کے دہلی آئے تھے۔ انھوں نے بادشاہ کے لئے ایک دستورِ عمل سلطنت لکھا تھا جس کی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری میں ذبح نہ ہو۔“

معلوم ہوتا ہے کہ مولینا کا مرتب کردہ یہ دستور مکمل یا اس کے کچھ اجزاء نافذ بھی کر دئے گئے تھے۔ چنانچہ جیون لال کا بیان ہے کہ مذکورہ بالا دفعہ ۹ جولائی کو نافذ کر دی گئی تھی اور ”منادی کر دی گئی کہ جو شخص گائے ذبح کرے گا اُسے توپ کے منہ سے اڑا دیا جائے گا۔“

ہندو مسلم اتحاد کی مساعی

دستور کی یہ دفعہ ۹ جولائی کا یہ اعلان ہندو مسلم اتحاد برقرار رکھنے اور غیر ملکی غاصبوں کے خلاف اہل وطن کی متفقہ جدوجہد کے لئے کس قدر مفید اور ضروری تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کے ہوا خواہ اور آلہ کار حکیم حسن اللہ خاں نے اس فیصلے سے شدید اختلاف کیا اور یہ ارادہ ظاہر کیا کہ میں اس مسئلے میں علماء سے استفتا کروں گا کہ یہ حکم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جیون لال لکھتا ہے کہ علامہ ”بادشاہ اس مخالفت سے سخت ناراض ہوئے۔“

دربار بار بار خواست کر دیا اور حرم میں چلے گئے۔“

دیکھنا یہ سہ ہے کہ اس حکم پر کسی عالمِ دین نے کوئی اعتراض نہیں کیا
 اس لئے کہ علما دیکھ رہے تھے کہ مصالحتِ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس
 وقت مسلمان ہندوؤں کے ساتھ فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ
 کریں، اعتراض ہوا تو صرف اس ”حامیِ دینِ متین“ بزرگ کو مجبورِ قیمت
 ادا کر کے ملک میں برطانوی حکومت کو مستحکم کرنا چاہتے تھے۔ حکیم حسن اللہ
 خاں کا اس فیصلے سے اختلاف انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق تھا۔
 اس وقت انگریزوں کا فائدہ اسی میں تھا کہ ذبیحہ گادڑ کی مانعت نہ
 ہونے پائے۔ مسلمان گائے ذبح کریں اور انگریزوں اور لٹکے حامیوں
 کو ہندوؤں کو بھڑکانے کا موقع مل جائے اور ہندو مسلم فسادات آزادی
 کی اس جدوجہد کو کمزور کر دیں۔ مگر مولینا کی اصابت رائے اور
 سیاسی بصیرت کی جو دھاک بہادر شاہ پر بیٹھی ہوئی تھی اس کی وجہ سے
 یہ فیصلہ تبدیل نہیں کیا جاسکا۔ ذبیحہ گادڑ کی مخالفت کا حکم برقرار رہا
 اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بھی مسلمانوں نے گائے کی قربانی نہیں کی اور
 انگریزوں کی یہ حسرت پوری نہیں ہوئی کہ عید کے دن (یکم اگست) ہندو
 مسلم فساد ہو جائے۔ چنانچہ ایک انگریز نے بڑی مایوسی کے ساتھ اپنی
 بیوی کو خط میں لکھا۔

”بظاہر کل عید کے دن (زبردست فساد کے لئے ہماری
 امیدیں پوری نہ ہو سکیں.....“ بادشاہ نے نہ صرف

گائے بلکہ بکری تک کی قربانی کی شہر میں ممانعت کر دی ہے۔۔۔“ چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ لوگ آپس میں لڑتے وہ سب ہمارے خلاف ایک متحدہ اور بھرپور حملہ کرنے کے لئے ایک ہو گئے۔“

ایک اور انگریز رابرٹ لکھتا ہے علی

”اس خاص موقع (یکم اگست / عید الاضحیٰ) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور اس کی جگہ فرنگیوں کو ختم کرنے کے لئے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحدہ کوشش ہو رہی ہے۔“

ترغیب جہاد کے لئے وعظ

عامۃ مسالین اس جدوجہد کے سلسلے میں تذبذب کا شکار تھے۔ امت کا معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر علما کی طرف دیکھتی ہے اور ان کے فیصلے اور فتوے کی بنیاد پر اقدام کرتی ہے۔ چنانچہ مولینا اور دوسرے علمائے دہلی نے اپنے فرض کو پہچانا اور مسلمانوں کو اس صورت حال میں شریعت عزا کے احکام سے واقف کرانے سے غافل نہیں رہے اور مساجد میں جلسے کر کے اعلان کرتے رہے کہ کفار کے جلسے کی شکل میں دارالاسلام کو — چاہے وہ کسی پیمانے کا ہو۔ بچانے کی فکر و کوشش کرنا شرعاً واجب ہے چنانچہ دہلی کے اس

سے خورشید مصطفیٰ ص ۱۹۲

دور کا ایک اخبار نویس چنی لال ۱۹ مئی ۱۸۵۷ء کو یہ خبر دیتا ہے علہ
 ”علمائے دین نے تمام شہر کے مسلمان باشندوں کو جمع کر کے
 انگریزوں سے جہاد کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ کفار
 کو قتل کرنے سے اجر عظیم ملتا ہے۔ ہزاروں مسلمان ان
 کے علم کے نیچے جمع ہو گئے۔“

اس قسم کے متعدد جلسے ان علما نے مسجدوں خصوصاً جامع مسجد میں
 کیے اور ان میں مولینا فضل حق اپنی پُر جوش تقریروں سے مسلمانوں میں
 جوش جہاد پیدا کرتے رہے۔ چنانچہ یہی چنی لال لکھتا ہے:—
 ”مولوی فضل حق اپنے مواہظ سے عوام کو مسلسل
 بھڑکا رہے ہیں۔“

سپاہ کو ترغیب جہاد

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکا ہیں۔ مولینا کا تجزیہ تھا کہ فوجیوں میں
 سے صرف ایک گروہ ایسا ہے جو انگریزوں سے برد آزا ہے، اس لئے
 فوجیوں کے ان باقی گروہوں جو نیم دلی سے لڑ رہے تھے یا میدان جنگ
 سے لوٹ آئے تھے، ترغیب جہاد کی سخت ضرورت تھی، مولینا اس سے
 بھی غافل نہیں تھے اور فوجیوں میں بھی ان کی تبلیغی جدوجہد جاری تھی۔
 انگریزوں کے ایک خبر تراب علی نے رپورٹ دی کہ:—

علہ بہادر شاہ کا مقدمہ ۱۱ مئی اخبار دہلی از چنی لال ص ۲۷۳ فائل ۱۲۷
 علہ اخبار دہلی، رپورٹ تراب علی مورخہ ۲۸ اگست ۱۸۵۷ء

”مولوی فضل حق جب سے الور سے آئے ہیں وہ فوجیوں اور شہریوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں مسلسل مصروف ہیں“

مولوی فضل حق کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر ہو کر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں اور سبزی منڈی کے پُل والے محاذ پر صف آرا ہیں۔“
انگریزی پر توجہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غدر شروع ہوتے ہی انگریزوں نے بہادر شاہ کا وظیفہ بند کر دیا تھا۔ ایک تو اسی وظیفہ میں کام نہیں چلتا تھا اور بادشاہ اس میں اضافہ کے لئے مسلسل کوشاں تھے پھر یہ بھی بند ہو گیا تو اور بھی حالات خراب ہو گئے اور اطراف ملک سے ہزاروں مجاہدین اور فوجیوں کی آمد نے مصارف میں اضافہ کر دیا تھا۔ ادھر خزانہ بالکل خالی تھا۔ سپاہیوں کی تنخواہ دینے کے لئے بھی رقم نہیں رہتی۔ سپاہی اپنی ضرورتوں سے مجبور ہو کر تقاضا کرتے تھے اور تلخی پیدا ہوتی تھی۔ ایک بار فوج کے مختلف دستوں میں باہم جنگ مچتے ہوئے رہ گئی۔ ایک مرحلے پر بادشاہ نے اپنی بیویوں کا زیور پیش کیا کہ اس کو فروخت کر کے اخراجات پورے کئے جائیں۔

ان حالات میں تحریک کی کامیابی کے امکانات کا دھندلا جانا لازمی ہے۔ مولینا نے اس اہم مسئلے پر پہلے دن سے توجہ دی اور

بہادر شاہ سے اپنی پہلی ملاقات میں اس پر زور دیا کہ مجاہدین کی روپیہ اور سامانِ رسد سے مدد کرنا نہایت ضروری ہے۔ حکیم حسن اللہ خاں نے لکھا ہے کہ ۱۷۷۰ء

”مولوی صاحب جب بھی بادشاہ سے ملتے وہ بادشاہ کو مشورہ دیتے کہ جنگ کے سلسلے میں رعایا کی ہمت افزائی کریں اور ان کے باہر (مجاذپر) نکلیں اور دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ دیں“

اس سلسلے میں مولینا نے بہادر شاہ کے سامنے یہ دو تجویزیں رکھیں :
(۱) دُور اور قریب کے تمام والیان ریاست سے زراعت کا مطالبہ کیا جائے۔

(۲) زراعت گزاری کی تحصیل کے لئے موجودہ نااہل ملازمین کی جگہ موزوں اور کارواں افراد کا تقرر کیا جائے۔

بادشاہ نے پہلی تجویز کو منظور کر کے والیان ریاست کے نام خطوط روانہ کئے جاتے۔ چنانچہ جھڑ، بلب گٹھ، فرض نگر، بریلی، جے پور، الور، جودھپور، بیکانیر، گوالیار، جیسلمیر، پٹیالہ کے فرمانرواؤں کو خطوط لکھے گئے۔

دوسری تجویز کے سلسلے میں مولینا ہی کے نام زد کردہ چند قابل اعتماد افراد کا تقرر کیا گیا، مثلاً مولینا ہی کے فرزند گرامی مولینا عبدالحق

کاگوڑگانوہ کے کلکٹر کی حیثیت سے تقرر کیا گیا اور وہ ۱۹ اگست کو گوڑگانوہ روانہ ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے جو اختیارات حاصل تھے ان کی بنا پر مولینا نے اپنے قلم سے بھی چند تقرر کئے تھے اور ۱۹

”کئی تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر

کیا تھا“

حسن بخش عرض بیگی کو ضلع علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مقرر کیا۔ مولینا فیض احمد بدایونی کو ضلع بلند شہر کی آمدنی وصول کرنے کے لئے مقرر کیا۔

مولینا کے ایک عزیز میر نواب (جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں) میر فتح علی کے ساتھ گورنر گوڑگانوہ اور گڑھی پروسہ سے چالیس ہزار روپیہ لائے۔

مولینا نے فوجیں لڑائیں

مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں صرف مشوروں، ہدایات، منصوبہ بندی، فکری قیادت اور انتظامی امور و معاملات میں شرکت تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ اس جہاد میں عملی شرکت اور محاذ آرائی تک کا سراغ ملتا ہے۔ ڈاکٹر مہدی حسین لکھتے ہیں:۔

”اگر جیون لال کے بیان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے تو مولوی

۱۹۲۲ء جیون لال ۲۲ بجہاد رشاہ کا مقدمہ ۱۹۲۵ء، ۳۵ غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط ۱۲۹، ۱۲۹، ۱۲۹، نصرت نامہ گورنمنٹ ۲۲، ۱۲۹ بھادر شاہ دوم ۳۹

فضل حق نے شاہی فوج کی کمان بھی کی ہے؛
کننگ کونسل کی رکنیت

سید مبارک شاہ (جو دورانِ غدر دہلی کا کوتوال رہا تھا) کا بیان ہے کہ شاہ نے

(۱) جنرل بخت خاں

(۲) مولوی سرفراز علی اور

(۳) مولوی فضل حق

پر مشتمل ایک کننگ کونسل تشکیل دی تھی، مبارک شاہ ہی نے ایک جگہ اس کو پریوی کونسل بھی لکھا ہے علیہ
ایڈمنسٹریشن کورٹ

جیسا کہ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں مولینا نے حالات کی رو کو دیکھ کر اور غالباً دہلی میں رہنے کی وجہ سے یورپ میں ملوکیت کے بجائے جمہوریت کے رواج کی (مجملاً ہی سہی) اطلاعات سے متاثر ہو کر ملک کے نظامِ حکومت کے لئے ایک دستور ترتیب دیا تھا اور اس طرح بے آئین شاہی اور مطلق العنان ملوکیت کو دستور کا پابند کر کے جمہوری طرزِ حکومت کی طرف اقدام کیا تھا تاکہ شہریوں کو بھی حکومت میں شرکت کا موقع ملے اور صرف مسلمان ہی نہیں دوسری اقوام بھی اس شرکت سے مطمئن ہو کر استقلالِ وطن کی اس جدوجہد

علیٰ محمد اکٹر سید معین الحق دی گریٹ رورلیوشن آف ۱۸۵۷ء ۱۸۵۸ء و ۱۸۵۹ء

(غدر) میں کھٹے دل سے حصّہ لیں۔

۱۹ ویں صدی کے عین وسط میں ہمارے ملک میں لال قلعہ کی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر بہادر شاہ کی ناک کے نیچے آئینی حکومت کی بات کرنا، شاہ کو دستور کا پابند بنانا، عوام کو حکومت میں شریک کرنے کے لئے آواز اٹھانا جس روشن خیالی، دور اندیشی، انقلاباتِ عالم سے باخبری اور حُسنِ تدبیر کا آئینہ ہے اس کے پیشِ نظریہ کہنا پڑتا ہے کہ مولینا فضل حق صرف ایک یگانہ معصر مصنف و مدرس ہی نہیں تھے، بلکہ وہ سیاست مدنیہ اور تدبیرِ مملکت پر بھی اس درجے کا عبور رکھتے جس طرح دوسری انواعِ حکمت پر اور اس طرح وہ تاریخِ ملت میں نظامِ الملک طوسی اور شاہ ولی اللہ جیسے ماہرینِ سیاستِ مدنیّت کے ساتھ محسوبِ علمائے دین میں سے تھے اور ان کا یہ ”دستورِ العمل سلطنت“ ”سیاستِ نامہ“ اور ”البرور البازغہ“ کی سی اہمیت اور قدر و قیمت کا حامل تھا، افسوس یہ ہے کہ ہم اس دستورِ العمل کے تحفظ سے قاصر رہے اور غدر کا ہنگامہ عالمِ آشوب و دُسرے ہزاروں نواور کی طرح اس کو بھی بہالے گیا۔ اس کی صرف ایک دفعہ (امتناعِ ذبیحہ گاد) اور ۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو اس کے نفاذ کا ذکر اوراقِ تاریخ میں محفوظ ہے۔

اس دستور کی بنیاد پر جو ظاہر ہے اصولی اور اساسی احکام پر مشتمل ہو گا۔ ایک مجلسِ منتظمہ (جلسۂ انتظام) تشکیل دی گئی اور

بقول ہمدی حسینؒ اس کا ڈائریکٹر (نگراں) مولینا کو بنایا گیا۔ اس مجلس انتظامیہ کے قواعد و ضوابط (بائی لاز) کا مسودہ حسن اتفاق سے محفوظ رہ گیا ہے۔ بھارت کے نیشنل آرکائیوز میں وہ مسودہ محفوظ ہے اور اس کا عکس ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ تحریر اردو میں ہے اور اس نقطہ نظر سے بھی تاریخی اہمیت کی حامل ہے کہ اس نوع کے اجتماعی اور دستوری مسائل پر یہ بھی غالباً پہلی اردو تحریر ہے اور اس کے مطالعے سے سیاسی مسائل اور انجمنوں اور اداروں کے سلسلے میں اردو اصطلاحات میں عہد بہ عہد تغیرات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً اس میں مجلس کے بجائے جلسہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے اور ووٹ کے بجائے رائے، سیکریٹری کے بجائے سکرٹری وغیرہ۔

اس مجلس کا نام اس کے بانیوں نے ”ایڈمنسٹریشن کورٹ“ یعنی جلسہ انتظام ملکی و فوجی رکھا تھا، لیکن یہ صرف کورٹ COURT اور غدر کے نیم تعلیم یافتہ مخبروں کی املا میں KOTE لکھا گیا ہے۔ انگریز حکام اسے باغیوں کا کورٹ

لکھتے ہیں۔ مرزا مغل نے ”مجلس شوریٰ“ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ کورٹ غالباً اگست کے آخری ہفتے میں قائم کیا گیا تھا جیسا کہ جنرل نجت خاں

علہ بہادر شاہ دوم ۱۸۵۷ء

FOR POL. CONS. N.A. BOX 57 NO 539-541 ع

میوٹنی ریکارڈ جلد ۷۱۱ حصہ ۱۱ ص ۹ مطبوعہ ۱۹۱۱ء لاہور ع

کے مکتوبِ اہنام مرزا منگل مورخہ ۲ اگست، سے واضح ہوتا ہے۔
 مشہور محقق اور مورخ ڈاکٹر سید معین الحق نے یہ خیال ظاہر کیا
 ہے کہ یہی تحریر دراصل دستورِ عمل سلطنتِ مصنفہ مولینا فضل حق جو
 جس کا ذکر مولوی ذکار اللہ نے کیا ہے۔ مگر ہماری رائے میں ڈاکٹر صاحب
 کی یہ رائے حقیقت پر مبنی نہیں ہے اور دستور کی بنیاد پر جو کورٹ
 اور آجکل کی اصطلاح میں اسے آپ کا بینہ کہا جاسکتے ہیں، بنایا گیا اس
 کی کارروائی کے لیے جو قواعد و ضوابط مرتب کئے گئے تھے۔ یہ وہ ہیں،
 نہ کہ اصل دستور۔ آجکل کی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ملک کا جو
 دستور مرتب کیا گیا تھا اس دستور کی روشنی میں جو کا بینہ تشکیل پانا چاہی،
 یہ اس کا بینہ کے بانی لازماً ہیں کہ یہ کا بینہ کس طرح فیصلے کرے؟ اسکی ہیئت
 کیا ہو؟ وغیرہ۔ چنانچہ قواعد و ضوابط کے پہلے ہی جملے میں ہے:
 ”ازاں جاکہ واسطے رفع برہمی سرشتہ اور موقوفی بتظامی
 طریقہ فوجی و ملکی کے مقرر ہونا دستورِ عمل کا واجب اور
 مناسب اور واسطے عمل درآمد دستور کے اولاً معین
 ہونا کورٹ کا ضروری ہے اس لئے حسب ذیل قواعد لکھے
 جاتے ہیں۔“

یعنی قیامِ نظم و امن کے لئے دستور کا ہونا ضروری ہے اور دستور پر

ملہ خط نمبر ۳۱۔ گرفتار شدہ خطوط طبع دوم ۱۹۲۳ء دہلی ص ۱۰۵

ملہ دی گریٹ ریلیوشن آف دی ۱۸۵۷ء ص ۱۲۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء

عملدرآمد کورٹ ہی کر سکتا ہے اس لئے کورٹ کے قواعد منضبط کئے جاتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ دستور نہیں بلکہ دستور کو نادر و رول عمل کرنے والے کورٹ کے قواعد ہیں۔

یہ کورٹ دس ارکان پر مشتمل تھا جن میں ۶ فوج کے نمائندے تھے اور ۴ شہری۔ فوج کے نمائندے تین قسم کی فوجوں، پیادہ (الفنٹری)، سوار (کیہیلری) اور توپ خانہ (آرٹلری) میں سے دو دو منتخب ہوتے تھے۔ ۴ شہری ارکان کے لئے قواعد میں کوئی وضاحت نہیں ہے کہ ان کا معیار انتخاب کیا ہوگا۔ نہ مولینا کے سوا کسی اور شہری رکن کا نام کہیں نظر سے گزرا۔ انگریزوں کے خبر تراب علی نے یکم ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی کی خفیہ خبروں کے عنوان سے جو مراسلہ انگریز حکام کو بھیجا تھا اس میں اس کورٹ کی تشکیل کی خبر کے ساتھ کورٹ کے فوجی ارکان کی فہرست دی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

”مولوی فضل حق بھی اس کے ایک رکن ہیں“
ممکن ہے باقی ۳ شہری ارکان کی شمولیت مختلف مصالحت اور مجبور یوں کے پیش نظر معرض التوایں پڑ گئی ہو اور غیر فوجی رکن صرف مولینا فضل حق ہی رہے ہوں جو اس دستور کے مصنف اور مرتب تھے جس کی بنیاد پر یہ کورٹ تشکیل دیا گیا تھا۔

اس کورٹ کے ارکان کو جو حلف اٹھانا پڑتا تھا اس سے اس

کے دائرہ کار، اختیارات کی وسعت اور حدود و اختیارات کا بھی اندازہ ہوتا ہے، حلف یہ تھا:-

”کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا تردد و غایت کمال جانفشانی سے اور غور و فکر سے سر انجام کریں گے اور کوئی دقیقہ و قائل متعلقہ انتظام سے فریاد نہ کریں گے اور حیلہ و صراحتہ اخذ اجریا رعایت کسی طرح کسی لحاظ سے وقت بخیر امور انتظام کوٹ میں نہ کریں گے، بلکہ ہمیشہ ساعی اور سرگرم ایسے انتظام امور سلطنت میں مصروف رہیں گے کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاه اور آسائش رعیت ہو اور کسی امر مجوزہ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب عالم قبل اجرا اس کے صراحتاً یا کنایتاً کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

اس حلف سے اندازہ ہوتا ہے کہ

(۱) کورٹ کی مدت کار صرف ہنگامی حالات اور زمانہ جنگ تک محدود نہیں ہے بلکہ زمانہ مابعد جنگ (اغیار سے استخلاص وطن) کے مسائل بھی پیش نظر ہیں۔

(۲) صرف دہلی اور جنگ سے متاثرہ علاقے تک اس کورٹ کا دائرہ کار محدود نہیں ہے بلکہ سلطنت، ریاست (اسٹیٹ) جیسے

”باغی سپاہ نے ایک کورٹ قائم کیا تھا جہاں تمام معاملات
کے فیصلے ہوتے تھے اور جن معاملات کو وہاں طے کیا جاتا
تھا انھیں کو یہ کونسل اختیار کرتی تھی، لیکن میں نے ان
کی کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔“

ایک بار لال قلعہ کے ایک حصے میں مجاہدین کا قیام بہادر شاہ
کو گوارا اور مناسب معلوم نہ ہوا تو مرزا مغل کو لکھا کہ ع۔
”کورٹ کے ممبران سے انھیں ہٹانے کے لئے کہو۔“

شاہ زادگان عالی تبار کو بھی یہ دخل در معقولات بہت ناگوار تھا
چنانچہ ان کے بھی کئی شکایت نامے اور اقی تاریخ نے ”وقت ضرورت“
کام میں لانے کے لئے سینے سے لگا رکھے ہیں ع۔

ع۔ بہادر شاہ کا مقدمہ ص ۱۳۷

ع۔ گرفتار شدہ خطوط

ع۔ گرفتار شدہ خطوط ص ۸۲

اودھ میں مولینا کی مجاہدانہ سرگرمیاں

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء دہلی پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو گیا اور نہ صرف مولینا فضل حق بلکہ دوسرے ہزاروں محبانِ وطن اور حریت پسندوں کی سرفروشانہ جدوجہد ناکام ہو گئی اور اب ہر اُس فرد کے لئے جس نے کسی پیمانے پر بھی اس جدوجہد میں حصہ لیا تھا دہلی میں قیام دشوار بھی ہو گیا اور خطرناک بھی۔ مجاہدین نے یہ منصوبہ بنایا کہ بہادر شاہ کو لے کر دہلی سے نکل جائیں اور اب دہلی کے بجائے لکھنؤ کو میدانِ جنگ بنائیں اور وہاں انگریزوں سے مقابلہ کریں، مگر بہادر شاہ تو انگریزوں کے ہوا خواہ مشیروں کی رائے سے متاثر ہو کر اور اپنی پست ہمتی اور بدقسمتی کی وجہ سے مجاہدین کا مزید ساتھ دینے سے معذور رہے اور لال قلعہ خالی کر کے ہمایوں کے مقبرے چلے گئے۔ بہادر شاہ کے برخلاف مولینا فضل حق، جنرل نجات خاں وغیرہ باقی تمام مجاہدین نے ہمت نہیں ہاری۔ ان کے نزدیک محاذِ دہلی پر شکست، ہر محاذ پر شکست

کے مترادف نہیں تھی، اُن کے عزائم ابھی بلند تھے۔ چنانچہ ان حضرات نے دہلی سے نکل کر یوپی کا رخ کیا، جہاں ابھی میدان کارزار گرم تھا اور بریلی، مراد آباد، لکھنؤ وغیرہ متعدد محاذوں پر مجاہدین وطن فرنگی عساکر سے سرگرم جنگ اور مقابلہ آرا تھے۔

مولینا فضل حق ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بھرا پراگھر، بیش قیمت اسباب اور سب سے بڑھ کر لعل و گوہر سے سوا قیمتی نادر و نایاب کتابوں کا ذخیرہ چھوڑ کر صرف اپنی اور اہل و عیال کی جانیں لے کر نکل کھڑے ہوئے۔ راستے پر خطر تھے اور مواصلات کا نظم درہم و برہم تھا۔ بڑی دشواریوں کے بعد نومبر ۱۸۵۷ء میں وطن مالوف خیر آباد (ضلع سیتاپور) پہنچ سکے۔ وطن پہنچ کر یوپی میں برپا جنگ آزادی کے مختلف محاذوں کا جائزہ لیا اور بالآخر حضرت علی محل کے ساتھ تعاون کا فیصلہ کیا۔

علم غدر سے ایک سال پہلے ۱۸۵۶ء میں انگریزوں نے اودھ کے حکمران واجد علی شاہ کو معزول کر دیا تھا اور وہ اس وقت مٹیابرج (ملکٹہ) میں نظر بند تھے۔ سن ستاون کی جنگ آزادی برپا ہونے پر محبان وطن نے واجد علی شاہ کے کم سن صاحبزادے مرزا برجیس قدر کو واجد علی شاہ کا جانشین قرار دے کر تخت نشین کیا اور بہادر شاہ سے اس کی منظوری بھی حاصل کر لی اور پھر اُن کی قیادت میں انگریزوں سے مقابلہ کا اعلان و آغاز کر دیا۔ مرزا برجیس قدر کم سن تھے، اس لئے اصل قیادت انکی والدہ ملکہ عالیہ بیگم حضرت محل کریمہ اتھیں بیگم نے تقریباً ۱۱ سال انگریزوں سے مردانہ وار مقابلہ کیا اور دسمبر ۱۸۵۸ء میں ناکام ہو کر نیپال چلی گئیں، جہاں ۱۸۷۴ء میں وفات پائی۔

مولینا نے بیگم حضرت محل کے ساتھ تعاون کا آغاز غالباً مارچ ۱۵۸۰ء میں کیا۔ بیگم نے انگریزوں سے مقابلہ کا آغاز جن ہیٹ (لکھنؤ سے ۸ میل دور ایک مقام) سے ۳۰ جولائی ۱۸۵۷ء کو کیا تھا اور تقریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار انگریز فوج کے سپاہیوں سے جنگ کی۔ کئی۔ اس کے بعد سات ماہ تک لکھنؤ میں معرکہ گرم رہا اور جنرل بخت خان اور شاہ زادہ فیروز شاہ اور مولوی احمد اللہ شاہ بھی بیگم کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ مارچ ۸ ۱۸۵۷ء میں بیگم اور مجاہدین لکھنؤ خالی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بیگم لکھنؤ سے نکل کر سیتاپور پہنچیں اور یہیں غالباً مولینا فضل حق بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور یہ قافلہ سخت جان سیتاپور سے بوندی (ضلع بہراچ) پہنچا۔ اس عرصے میں انگریز روہیل کھنڈ کی ہم سے فارغ ہو چکے تھے اور خان بہاد خاں وغیرہ کی طرف سے مطمئن ایک سو ہو کر ایک بڑی — ایک لاکھ سے زیادہ فوج لے کر بوندی پہنچے اور یہاں مجاہدین وطن اور انگریزوں کے درمیان ایک فیصلہ کن اور آخری معرکہ ہوا۔

بیگم کی فوج مولینا کی مددبرانہ اور قائدانہ صلاحیتوں سے مسلسل مستفید ہوتی رہی اور مجاہدین کی مجلس شوریٰ کے جسے ”اریاب شوریٰ“ بھی کہا جاتا تھا اور ”پارلیمنٹ“ بھی، مولینا ایک ممتاز اور خصوصی رکن تھے۔ بیگم کے وزیر موخاں سے مولینا کا خصوصی ربط و قرب رہا اور مولینا کو موخاں کا مشیر سمجھا جاتا تھا۔ موخاں مولینا کے

ساتھ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر مولینا کی قیام گاہ پر آتے رہتے تھے۔

اس جنگ آزادی میں اہل وطن کی ناکامی مقدر ہو چکی تھی اور وہ تمام اسباب و عوامل مفقود تھے جو کامیابی کے لئے ناگزیر ہیں۔ مجاہدین میں باہم انتشار و تشتت، قائدین فوج میں باہم اعتماد کا فقدان اور مشترکہ دشمن کے خلاف اتحاد و اتفاق کے بجائے آپس ہی میں بار بار تفرقہ پیدا ہونا رہا۔ چنانچہ پہلے تو مولوی احمد اللہ شاہ اور بیگم کی فوج میں اختلافات پیدا ہوئے اور ان کے نتیجے میں مجاہدین کے ان دونوں گروپوں میں باہم جنگ ہو گئی اور بہت سے مجاہدین اس آپس کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ اسی طرح فیروز شاہ اور مولوی احمد اللہ شاہ میں بھی باہم اختلاف ہو گیا تھا اور دونوں اپنی اپنی فوجوں کو لے کر متفرق ہو گئے تھے۔ مولوی احمد اللہ شاہ نے محمدی پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی تھی اور فیروز شاہ دوسرے مقامات پر انگریزوں سے نبرد آزار رہا۔ دسمبر ۱۸۵۸ء کے ایک سرکاری مراسلے سے پتہ چلتا ہے کہ مولینا اس عرصے میں فیروز شاہ کے ساتھ تھے، بلکہ گرفتاری کے بعد مقدمہ میں جو فرد جرم مولینا پر عائد کی گئی تھی اس کی رُو سے تو ایک باغی فوج کی کمان خود مولینا کر رہے تھے۔

بہر حال اس وقت فتح و نصرت ہمارے لئے مقدر نہیں تھی۔

یہ جنگ ناکامی پر منتج ہوئی یکم ستمبر اور مرزا برجیس نے نیپال میں پناہ لی، فیروز شاہ اور ڈاکٹر دزیر خاں نے حجاز کی راہ لی۔ جنرل بخت خاں نے سرحد کا رخ کیا، مولوی احمد اللہ شہید کر دیتے گئے تھے اور جو مجاہدین بچ گئے تھے وہ متحیر تھے کہ کیا کریں؟

انگریز جب ہرمحاذ پر جیت چکے تو نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کا اعلان معافی شائع کیا گیا جس میں ۳۰ دسمبر ۱۸۵۸ء تک کی مہلت دی گئی تھی۔

مولینا رفقاء جہاد کے منتشر ہو جانے کے بعد استخلاص وطن سے ناپوس اور مستقبل کے سلسلے میں متحیر تھے کہ یہ اعلان معافی نظر سے گزرا اور وہ اس پر اعتماد کر کے اپنے گھر خیر آباد آ گئے۔

گرفتاری

خیر آباد پہنچ کر مولینا ۲۶ دسمبر کو کرنل کلارک سے ملے۔ کرنل نے انھیں ڈپٹی کمشنر کی تحویل میں دیتے جانے کا حکم دیا۔ ۳۰ دسمبر کو مولینا ڈپٹی کمشنر سے مل کر اپنے گھر میں مقیم اور گویا نظر بند رہے۔ ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو انھیں گرفتار کر کے لکھنؤ روانہ کر دیا گیا۔ ۲۲ فروری کو مقدمہ پیش ہوا اور ۲۸ فروری کو حسب ذیل فرد جرم عائد کی گئی :

● — ”وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا اور دہلی اور اردھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور

قتل کی ترغیب دی۔“

”اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۹۵۸ء میں باغی سرغنہ
مموخاں کی مجلس مشاورت میں نمایاں حصہ لیا۔“

مقدمے کی سماعت کے بعد ۳ مارچ ۱۹۵۹ء کو جس دوام
بعبور دریائے شور اور تمام جائداد کی ضبطی کا فیصلہ سنایا گیا۔ مولینا
نے وائسرائے کے یہاں اپیل کی، مگر وہ بھی مسترد ہو گئی اور مئی ۱۹۵۹ء
میں مولینا کو لکھنؤ سے کلکتہ روانہ کر دیا گیا اور وہاں سے ۸ اکتوبر
کو انڈمان لے جائے گئے۔ یہاں پہنچ کر انھوں نے ۹ جنوری ۱۹۶۰ء
کو ایک درخواست وزیر ہند کے نام روانہ کی۔ ادھر مولینا کے صاحبزادے
نے بھی اپنی طرف سے ایک اپیل کی جس کے جواب میں بقول ذکار اللہ
رہائی کا حکم ہوا، مگر رہائی کا حکم نافذ ہونے سے قبل ہی ۱۲ صفر ۱۳۷۲ھ
مطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۱ء کو اس امام معقول اور مجاہد حریت نے
انڈمان ہی میں وفات پائی۔

مولینا کی تمام جائداد بھی ضبط کر لی گئی، جس میں دیوان خانہ،
محل سرا اور کئی دیہات اور مجموعہ نوادر کتب خانہ بھی تھا۔

”چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا بیٹا عدالت میں اپیل کیا چاہتا ہے۔“
(کتوب، غالب بنام یوسف مرزا اردوئے معلیٰ) علیہ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ۲۸
۱۸۷۲ء ان میں سے دو کے نام موضع زین پورہ اور موضع نند پورہ
علیہ ”اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کیا

انڈمان ہی میں مولینا نے قصائد ^۵فتنہ الہند (ہمزہ و دالہ)
اور رسالہ غدریہ تالیف فرمائے۔

تجھا کلکتہ کالج میں موجود ہے۔ ”ولیم ہنٹر (ہمارے ہندوستانی مسلمان)
ان میں سے ہمزہ کے تین شعر پہلی بار ۱۹۰۷ء میں مولینا سید برکات احمد
نے ”حسرة العلماء“ میں نقل فرمائے تھے۔

اس رسالے کا ذکر پہلی بار ۱۸۷۳ء میں امیر مینائی نے انتخاب یادگار
میں کیا تھا اور رسالے کا نام تاریخ احوال غدر لکھا تھا۔ ظاہر ہے
کہ یہ نام انھیں مولینا بعد الحق خیر آبادی نے بتایا ہوگا۔ اس کا نام
”الثورة الهندیہ“ مولینا آزاد نے تجویز کیا تھا۔
(تقریظ باغی ہندوستان)

مولینا اور فتوائے جہاد

مولینا فضل حق نے ”اسٹھارہ سو ستاون“ کے جہاد حریت میں جس جس پہلو سے اور جتنا جھٹ لیا تھا، ہم اس کی تفصیل مثبت انداز میں آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم ان شبہات کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جو مولینا کی شہرکت جہاد پر کئے گئے ہیں۔ ہمارے پیش نظر مولینا امتیاز علی خاں عرشی (تحریک دہلی، اگست ۱۸۵۷ء) اور جناب مالک رام (تحریک دہلی جون ۱۹۶۰ء) کے مضامین ہیں۔ ان مضامین میں ان دونوں حضرات نے عہدِ ماضی و حال کے بعض مورخین تحریروں پر گرفت کرتے ہوئے کئی مسائل چھیڑے ہیں مگر خصوصیت سے جن دو سوالات سے مجھے اس وقت بحث کرنا ہے وہ یہ ہیں:-

(۱) مولینا نے اس معرکہ جہاد میں کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا؟

(۲) مولینا اگست میں دہلی پہنچے تھے؟

فتویٰ

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ مولینا نے دورانِ جہاد کوئی فتوے دیا تھا یا نہیں تو مولینا عرشی نے لکھا ہے کہ مولینا فضلِ حق خیر آبادی کا جہاد کے فتوے سے کوئی تعلق نہ تھا اور تاریخِ عروج سلطنتِ انگلشیہ مؤلف مولوی ذکار اللہ کا اقتباس نقل کر کے بتایا ہے کہ جنرل بخت خاں نے اپنے وردِ دہلی (۲ جولائی ۱۸۵۷ء) کے بعد علما سے جو فتویٰ حاصل کیا تھا اور جو پہلے اخبارِ الظفر دہلی اور پھر اس کے حوالے سے صادق الاخبار دہلی کی ۲۶ جولائی کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اس پر دستخط کرنے والے علما میں مولینا فضلِ حق نہیں ہیں۔ یہی بات مالک رام صاحب نے لکھی ہے کہ ”جس فتوے میں اُن کی شمولیت پر اصرار (؟) کیا جاتا ہے وہ ان کے آنے سے بہت پہلے جولائی ہی میں شائع ہو چکا تھا اس لئے اس پر اُن کے دستخط کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یقیناً انھوں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا جس میں جہاد کی ترغیب دے گئی ہو۔“ اس سلسلے میں پہلے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت ہو کہ صادق الاخبار میں جو فتویٰ شائع ہوا تھا کیا یہ وہی فتویٰ تھا جو بخت خاں نے حاصل کیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ وہ فتویٰ نہیں تھا کیوں کہ (۱) بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا ذکار اللہ ہی کے

مطابق اس میں لکھا تھا کہ ”مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہو گئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے“ (۶۷) اور صادق الاخبار کے فتوے میں جو صادق الاخبار کے عکس سے عرشی صاحب نے اپنے مضمون میں مکمل نقل کیا ہے یہ الفاظ ہیں نہ ان سے ملتے جلتے الفاظ اور نہ ان کا مفہوم اور یہ نکتہ :

(۲) ذکار اللہ نے لکھا ہے کہ ”مولوی محبوب علی اور خواجہ ضیاء الدین نے فتوے پر مہر نہیں کیں۔“ مگر اس فتوے پر پانچویں نمبر مولوی محبوب علی کے اور سولہویں نمبر پر خواجہ ضیاء الدین کے دستخط موجود ہیں۔

اس لیے ہم بجا طور پر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ نجات خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا وہ دوسرا تھا اور یہ دوسرا ہے۔ دراصل تحریک آزادی کے دوران ایک نہیں کئی فتوے حاصل کیے گئے تھے :

(۱) ایک تو وہ فتویٰ تھا جسے سرسید نے ”پہلا فتویٰ“ کہا ہے اور جس میں جہاد کے عدم وجوب کا حکم بیان کیا گیا تھا۔

(۲) دوسرے فتوے کا ذکر ذکار اللہ نے ہی کیا ہے :

”ایک شخص نے اپنا فرضی نام محمد صادق لکھ کے جامع مسجد کے اندر دیواروں پر ایک اشتہار چسپاں کیا جس کے اوپر تلوار اور سپر کی بھد سی تصویر بنی ہوئی تھی اور اس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ ایران کی سپاہ

انگریزوں کے پنجے سے ہندوستان کو چھٹانے آئی ہو۔
سبب مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ جہاد کے لئے مستعد
ہوں۔“ ص ۳۸۶ -

اس اشتہار کے اثرات کے متعلق بہادر شاہ کے مقدمے میں ایک
گواہ بتاتا ہے کہ

”اس اشتہار کو دیکھ کر دہلی کے پانچ سے زیادہ مسلمانوں

نے جہاد پر آمادگی ظاہر کی تھی اور یہ بھی بتایا ہے کہ ماہ

مئی میں غدر سے چند روز قبل یہ اشتہار چسپاں ہوا تھا۔

(۳) اس سلسلے میں ذکاؤ اللہ کے یہ الفاظ بھی توجہ کے مستحق ہیں۔

”جب تک تک دہلی میں بخت خاں نہیں آیا تھا۔ جہاد

کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا۔ اور مساجد میں

ممبروں (منبروں) پر جہاد کا وعظ کم تر ہوتا تھا“ ۶۷۵

گویا بخت خاں سے پہلے شہر میں جہاد کے فتوے کا چرچا تھا مگر

بہت کم تھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون سا فتویٰ تھا جس کا چرچا بہت

کم ہی سہی مگر تھا؟ جب لوگ جہاد جہاد پکارتے تھے، اور مساجد

میں منبروں پر جہاد کا وعظ (کم تر ہی سہی) ہوتا تھا تو اسی بنیاد پر ہوتا

ہو گا نا کہ جہاد کی فرضیت کا فتویٰ ہو چکا ہے؟

اب آپ بخت خاں والے فتوے کے الفاظ اور مولانا فضل حق

علہ بہادر شاہ کا مقدمہ (مرتبہ خواجہ حسن نظامی) ص ۷۵ دہلی ۱۹۲۳ء

کے اس ارشاد میں لفظی و معنوی قرب و تطابق ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے بہادر شاہ سے فرمائے تھے۔ بخت خاں نے جو فتویٰ حاصل کیا تھا اس کے الفاظ تھے :

”اگر کافروں کو فتح ہوئی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے“

اور مولینا فضل حق نے بہادر شاہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ
”اگر انگریز جیت گئے تو نہ صرف خاندان تیموریہ بلکہ سب مسلمان نیست و نابود کر دیتے جائیں گے۔“

مولینا کا ورود دہلی

اسی فتویٰ جہاد میں مولینا کی شرکت کے سلسلے میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا تھا کہ مولینا دہلی کب تشریف لائے؟ بات یوں نکلی کہ مولوی ذکار اللہ نے اپنی کتاب تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ میں لکھا تھا کہ ”جب تک بخت خاں دہلی میں نہیں آیا تھا جہاد کے فتوے کا چرچا شہر میں بہت کم تھا.... مگر جب بخت خاں دہلی میں آیا تھا تو اس نے یہ فتویٰ لکھا یا کہ مسلمانوں پر جہاد اس لئے فرض ہے کہ اگر کافروں کو فتح ہوگی تو وہ ان کے سب بیوی بچوں کو قتل کر ڈالیں گے“ (ط ۶۷)

علہ حکیم حسن اللہ خاں کی یادداشتیں (انگریزی) مرتبہ اطر معین الحق کراچی ۱۳۵۸ھ

اس کے بعد ایک کتاب ”سؤنتر دہلی“ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی جس میں صادق الاخبار دہلی کی ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں شائع شدہ ایک استفتا اور فتویٰ کا عکس طبع ہوا تھا، اس پر عرشی صاحب نے قیاس کر لیا ہے کہ دورانِ جہاد صرف ایک ہی فتویٰ جاری ہوا تھا اور یہ عکس اسی فتوے کا ہے حالاں کہ

- (۱) ذکارُ اللہ ہی کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بخت خاں کے دہلی آنے سے پہلے بھی دہلی میں فتوے کا چرچا تھا، اگرچہ بہت کم تھا۔
- (۲) ذکارُ اللہ نے بخت خاں کے حاصل کردہ فتوے کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس فتوے میں نہیں پائے جاتے۔

بہر حال عرشی صاحب نے یہ فرض کر لیا کہ ذکارُ اللہ نے جس فتوے کا ذکر کیا ہے وہ یہی فتویٰ تھا اور اس پر دستخط کرنے والے علما میں لینا فضل حق شامل نہیں ہیں، اس لئے مولینا خیر آبادی کا جہاد کے فتوے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

مولینا فضل حق کے فتوے میں شامل نہ ہونے کی دوسری دلیل عرشی صاحب نے یہ دی ہے کہ یہ فتویٰ ۲۶ جولائی سے پہلے مرتب ہوا تھا اور جیون لال کے بیان کے مطابق مولینا ۶ اگست ۱۹۵۷ء کو شریکِ دربار (بہادر شاہ) ہوئے تھے۔ گویا یہ فتویٰ مولینا کے ورودِ دہلی سے پہلے مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا، اس لئے

۱۔ غدر کے صبح و شام ۲۱ دہلی ۱۹۲۶ء۔ مرتبہ خواجہ حسن نظامی

اس پر مولینا خیر آبادی کے دستخط ہو ہی نہیں سکتے۔
 عرشی صاحب کی اس تحلیل کی تائید مالک رام صاحب نے فرمائی
 اور لکھا:

”جس فتوے میں اس شمولیت پر اصرار (؟) کیا جاتا ہے
 وہ آنے سے بہت پہلے جولائی ہی میں شائع ہو گیا تھا،
 اس لئے اس پر ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...
 یقیناً انھوں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا تھا جس میں
 جہاد کی ترغیب دی گئی ہو“

مختصر یہ کہ مولینا فضل حق کے فتوے جہاد میں عدم شرکت کے
 دو دلائل ان حضرات نے دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ صادق الاخبار میں
 شائع شدہ فتوے پر جسے ان حضرات نے نجات خاں والا فتویٰ فرض
 کیا ہے مولینا فضل حق کے دستخط نہیں ہیں۔ اس دلیل کے بارے
 میں ہم گزشتہ سطور میں وضاحت کر چکے ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے
 کہ یہی صادق الاخبار میں شائع شدہ فتویٰ ۲۶ جولائی سے پہلے حاصل
 کیا گیا تھا اور مولینا ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء کو دہلی پہنچے تھے۔ ۱۶ اگست
 کو دہلی پہنچنے کا ثبوت عرشی صاحب نے یہ دیا ہے کہ ”مولینا شروانی
 (عبدالشاہد خاں)، مصنف باغی ہندوستان، نے اپنی کتاب میں
 منشی جیون لال کے روزنامے سے نقل کیا ہے کہ ۱۶ اگست کو مولینا
 خیر آبادی شریک دربار ہوئے“

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ عرشی صاحب جیسے محقق سے یہ انداز استدلال ہمارے لئے غیر متوقع ہے۔ کسی بھی بات کی ایسی تحقیق کہ قائل دینی طب کی کسی کوتاہی، لغزش یا غلطی کو سند بنا کر بات کی تردید کر دی جائے ”تحقیق“ نہیں کہی جاسکتی۔ اس طرح قائل کی تردید تنقید کا حق چاہے ادا ہو جاتا ہو مگر نفس مسئلے کی تحقیق کا حق ادا نہیں ہو سکتا، قائل کے سہو و خطا کی نشان دہی چاہے ہو جائے مگر اس انداز استدلال سے تحقیق کا حق ادا اور مسئلے کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا۔ زیر نظر مسئلے کی تحقیق کی ایک صورت تو یہ تھی جو عرشی صاحب نے اختیار فرمائی کہ چونکہ مولانا شرف الدینی نے مولینا فضل حق کے درود دہلی کی تاریخ بحوالہ جیون لال ۱۶ اگست ۱۸۵۷ء متعین کی ہے اور فتوے اس سے پہلے مرتب ہو چکا تھا اس لئے مولینا فضل حق کی اس فتوے میں شمولیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری صورت یہ تھی اور ہم عرشی صاحب جیسے نامور محقق سے اس کے متوقع تھے کہ وہ نثر و ادبیات غدر کا مطالعہ کر کے یہ طے فرماتے کہ مولینا فضل حق کب دہلی تشریف لائے تھے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر عرشی صاحب اس طرح سنی فرباتے تو یقیناً وہ یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ مولینا اس سے قبل بھی دہلی میں تھے یا الور سے دہلی (جن میں صرف اسی میل کا فاصلہ ہے) آتے جاتے رہتے تھے۔

بہر حال اس سلسلے میں ہمارا حاصل فکر و مطالعہ یہ ہے کہ

کہ مولینا آغازِ جہاد دینی مئی ۱۸۵۷ء ہی سے دہلی میں تھے۔ دہلی ان کا وطن و مسکن تھا۔ ان کے خالقب، ان کے آزدہ اور ان کے اہل و عیال بھی یہیں تھے۔ پھر غدر کا آغاز بدرمضان میں ہوا تھا اور رمضان عموماً ہر روزہ دار اپنے اہل و عیال میں گزارتا ہے۔ ۲۵ مئی کو عید الفطر رکھی۔ عید پر مسافر ضرور اہل و عیال سے آملتا ہے۔ مختصر یہ کہ عقلاً ان کا اس زمانے میں دہلی میں ہونا مستبعد اور خلافِ قیاس نہیں، قرین قیاس ہے۔

جیون لال کے یہ لکھ دینے سے کہ وہ ۱۶ اگست کو بہادر شاہ سے ملے تھے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ اس تاریخ سے پہلے دہلی میں نہیں تھے؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ مولینا جب بھی دربار میں آئے ہوں جیون لال ضرور لکھے، مثلاً ۱۹ اگست کو بھی عبداللطیف کے بیان کے مطابق مولینا بادشاہ سے ملے تھے۔ (غدر کا تاریخی روزنامہ از خلیق احمد نظامی) مگر جیون لال کا روزنامہ خالی ہے۔ اگر جیون لال کے ان الفاظ سے کہ ”مولوی فضل حق شریک دربار ہوتے اور انھوں نے ایک اشرفی نذر کی“ یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ یہ پہلی بار شریک دربار ہونے کا ثبوت ہے تو جیون لال نے ۱۰ اگست کے روزنامے میں جو یہ لکھا ہے کہ حکیم احسن اللہ شریک دربار ہوئے اور ایک اشرفی پیش کی“ (ص ۲۱۳) تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کہ حکیم صاحب بھی پہلی بار کہیں سے دہلی ۱۰ اگست ۱۸۵۷ء کو

آئے تھے اور پہلی بار شریک دریا رہ گئے تھے؟

حکیم احسن اللہ خاں نے اپنے روزنامے میں لکھا ہے کہ مولینا نے بہادر شاہ سے کہا کہ مجاہدین کی مالی اعانت کیجیے۔ بادشاہ نے خزانہ خالی اور مال گزاری وصول نہ ہونے کا عذر کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ

”آپ کے تمام ملازمین نا اہل ہیں... کسی ہوشیار آدمی کو

رسد کی فراہمی پر مامور کیجیے۔ میرے لڑکے (مولینا

عبداللہ الحق) اور دوسرے اعزہ تحصیل داری کا کام انجام

دیں گے اور رسد بھی فراہم کریں گے۔“

مولوی ذکار اللہ لکھتے ہیں:

”جس تاریخ کو سپاہ آئی (۱۱ مئی) دوسرے روز (۱۲ مئی)

قلعے میں اکابر شہر کی ایک مجلس مقرر ہوئی کہ شہر کا اور

سپاہ کی رسد رسانی کا انتظام کیا جائے۔ اگر بندوبست

نہیں ہوگا تو وہ (سپاہی) سارے شہر کو لوٹ کر کھا

جائیں گے۔ اس کا اہتمام محبوب علی صاحب اور میر

نواب پسر تفضل حسین خاں وکیل کے سپرد ہوا۔“ ۱۷۹

حکیم احسن اللہ نے مولینا اور بہادر شاہ کی گفتگو کی تاریخ نہیں لکھی۔

مولوی ذکار اللہ نے تاریخ متعین کر دی ہے۔ مولینا کے مشورے کی بنا

پر ان کے ایک عزیز میر نواب کو رسد رسانی کی ذمہ داری سونپی گئی

بنا دیا گیا۔ میر نواب مولینا کے داماد سید احمد حسین رسوا خیر آبادی کے حقیقی

بھائی تھے! سید حسین اور میر نواب دونوں سید فضل حسین خاں کے بیٹے تھے جو غالب کے دوست تھے۔ ”سید باغ دودر“ میں سید صاحب کے نام غالب کے خطوط ہیں۔ مومن خاں سے سید فضل حسین خاں کے تعلقات اور بھی گہرے تھے۔ انھوں نے مومن کے بیٹے احمد نصیر کو متبنی کر لیا تھا۔ ”انشائے مومن“ میں کئی خطوط سید صاحب کے نام ہیں مومن سید صاحب کے مکان کی تعمیر، باغ کی تعمیر وغیرہ پر بھی قطعات تاریخ کہے تھے، اور میر نواب کی شادی پر بھی (۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) میں قطعہ تاریخ لکھا تھا۔ بہر حال میر نواب مولینا فضل حق کے قریبی عزیز اور معتمد تھے اور اُن کا دائرہ کئی سب کمیٹی میں ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو انتخاب مولینا فضل حق کی بہادر شاہ سے ارمی کی گفتگو کے نتیجے میں ہوا تھا۔

مولوی ذکار اللہ لکھتے ہیں:

”انھوں (مولینا فضل حق) نے بادشاہ (بہادر شاہ) کے لئے ایک دستورِ عمل سلطنت لکھا تھا جس کی ایک کاپی یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عملداری میں
ذبح نہ ہو“

مولوی ذکار اللہ ہی کا بیان ہے کہ:

”۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو اول حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا

سہ کلیات مومن ص ۱۸۹، عہ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۷،

عہ ایضاً ص ۶۶ نیز جیون لال غدر کے صبح و شام ص ۱۶۳

وہ یہ سمجھا کہ گائے کہیں ذبح نہیں کی جائے گی۔ ۹ جولائی کو
ڈھنڈورا بٹوایا کہ جو گائے ذبح کروائے گا وہ توپ کے
منہ سے اڑایا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ ۹ جولائی کو جس دستور کی پہلی دفعہ باقاعدہ نشر اور
نافذ کر دی گئی تھی وہ دستور اُسی دن تو بہادر شاہ کو پیش نہیں ہوا ہوگا
بہادر شاہ کے مطالعے، نقد و نظر، رد و کد، تذبذب و تامل اور اس کے
مشیروں کے مشوروں کی ہفت خواں طے ہونے کے بعد اس کی بعض
دفعات کے نشر و نفاذ کا فیصلہ ہوا ہوگا اور یہ بات تو بہادر شاہ سے
متعلق تھی جس شخص نے اسے مرتب کیا تھا تو یہ سلطنت کا دستور تھا
خطوط غالب نہیں تھے کہ بیٹھے اور لکھ مارا۔ مطالعہ فکر و مشورت کی
جانے کن کن جاں کا ہیوں کے بعد یہ تسوید و تبیض کی منزل سے
گزر رہوگا۔

بہر حال مولوی ذکاء اللہ کے دونوں مندرجہ بالا اقتباسات
سے مولینا فضل حق کا جولائی سے بہت پہلے دہلی میں ہونا ثابت ہوتا
ہے اور حکیم حسن اللہ خاں اور مولوی ذکاء اللہ کے سابقہ اقتباسات
سے مولینا کا ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر
مہدی حسن نے بھی ذکاء اللہ کے اس اقتباس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ
مولینا آغاز غدر کے فوراً بعد رشارٹ لی آفٹر دی آؤٹ بریک آف
میوٹنی، دہلی آگئے تھے۔ ۳۸۹

مولینا نے ۲۶ جولائی کو فارسی میں ایک خط بنام مرزا مغل لکھا ہے جس میں مطالبہ کیا ہے کہ ان کی جہزِ بختِ خاں سے ملاقات، میں جو گفتگو ہوئی ہے اس کی تفصیل سے مجھے (فضلِ حق) آگاہ کریں۔
 میوٹنی پیرس بکس نمبر ۹۶، ۲۶ جولائی، ڈاکٹر مہدی حسن ص ۳۹
 ان حقائق کے بعد اب آپ جناب مالک رام کا یہ فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

”غرض پورے حالات کو یہ نظرِ فائر مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مولینا فضلِ حق مرحوم نے ۱۸۵۶ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ انھوں نے اس سے پہلے لوگوں کو جو بھی تلقین کی ہو (اور اس کی طرف انھوں نے ایک جگہ اشارہ بھی کیا ہے) لیکن جب ہنگامہ شروع ہوا تو وہ عملاً اس سے الگ تھلک ہے نہ علمی پہلو سے اس میں شریک ہوئے نہ عملی لحاظ سے۔“
 انھوں نے نہ کوئی فتویٰ لکھا نہ تلوار اٹھائی۔“

سب سے پہلے تو آپ یہ سن لیں کہ مالک رام صاحب نے یہ قطعی فیصلہ اپنے اس مضمون (تحریکِ دہلی جون ۱۹۴۰ء) میں صادر کیا ہے جس میں انھوں نے مولینا فضلِ حق کے مقدمہ کی مسئلِ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا سے حاصل کردہ اس کے مشمولات کا اردو ترجمہ شائع کر دیا ہے۔ اس مسئل میں وہ فیصلہ بھی جو سپریم کورٹ نے مولینا کے

کے مقدمے کا دیا تھا۔ اس میں مولینا کی دہلی کی باغیانہ سرگرمیوں کا اس طرح ذکر کیا ہے :

”اس کی گرفتاری کے بعد دہلی سے اس کے پُرانے تعلقات کے باعث وہاں حکام سے بھی اس کے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو جوابات تحریر کئے ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں یعنی اسی قسم کی (باغیانہ) تھیں... وہ الوری میں ملازم تھا۔ یہاں سے وہ دیدہ و دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد وہ باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدام چلتا رہا“

سقوطِ دہلی کے بعد اودھ میں مولینا تحریکِ جہاد میں جو حصہ لیا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کمشنر لکھنا ہے :

”وہ ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران میں بغاوت کا ”سرغنہ“ رہا اور دہلی اور اودھ اور دوسرے مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی... اس نے بوندی کے مقام پر ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنہ نمونہاں کی مجلس مشاورت میں ”نمایاں حصہ“ لیا۔ اس نے بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں ایک سرکاری ملازم عبدالحکیم کو قتل کر کے بیکی ترغیب دی....“

اُس نے قرآن کی آیات پڑھیں اور اُن کے من مانے معنی کئے اور اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کا فرار مرتد ہیں اور اس لئے شریعت کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے وہ باغیوں کی مجلس شوریٰ (پریوی کونسل) کا اہم

”رکن“ تھا یہ بات ان ایام میں عام طور پر مشہور تھی کہ چند آدمی بیگم (حضرت محل) کے مشیران خاص ہیں۔ باغی فوج میں ان کی ”ارباب شوریٰ“ کے نام سے شہرت تھی، بلکہ کبھی کبھی انھیں ”کچھری پارلیمنٹ“ کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس شوریٰ میں ملزم (مولانا) بہت ممتاز تھا یہ تو ظاہر ہے کہ ملزم بہت قابل آدمی ہے، لیکن جس طرح اوپر بیان ہوا اس نے بے ایمانہ ہو س یا مذہبی تعصب کے باعث باغیوں سے اپنا رشتہ جوڑا اور ان کا مشیر بن گیا۔ وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی بے حد نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لیے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے ایسے شخص کو سخت ترین سزا ملنا چاہیے اور اسے خاص طور ہندوستان سے خارج کر دینا چاہیے“

مالک، رام صاحب جھنڈوں نے اپنے مضمون میں یہ فیصلہ عدالت

نقل کیا اور اس پر تنقید بھی نہیں کی، حیرت ہے کہ تحریکِ جہاد میں مولینا کی شرکت سے کلینٹہ انکار کس طرح کر رہے ہیں؟

عدالت کے اس فیصلے کے علاوہ ہم مولینا کی شرکت کے ثبوت میں پانچ معاصرین کی شہادت پیش کرتے ہیں :

(۱) جیون لال کاگزشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے جو ۶ اگست ۱۹۶۲ء / ستمبر کو لال قلعے میں مولینا کو موجود دیتا ہے۔ ایک دن مولینا نے بادشاہ سے صورتِ حالات کے متعلق گفتگو کی۔ ایک دن مولینا نے بادشاہ کو یوپی میں مجاہدین کی سرگرمیوں کے متعلق اطلاع فراہم کی۔ ایک دن بادشاہ کے دربار میں تمام امرا و رؤسا کے ساتھ مولینا بھی شریک ہوئے۔

(۲) ایک دوسرا معاصر عبداللطیف ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء کے روزنامے میں لکھتا ہے پلہ

”جب ہنگامہ برپا ہوا تو مولوی فضل حق آئے دربار میں حاضر ہوئے، نذر پیش کی، روپیہ صدقے اتارا۔ انھیں انتظام سنبھالنے کی خواہش تھی۔“

(۳) دورانِ غدر میں دہلی کے کو تو ال سید مبارک شاہ کا بیان ہے کہ نجات خان علی سن ۱۸۵۷ء تاریخی روزنامہ مرتبہ خلیق احمد نظامی دہلی ص ۹۶۔ علیہ اندیا فرس منو سکرپٹس آف آر ایم ایڈورڈس ٹرانسلیشن آف سید مبارک شاہ ہنزویہ سیراف دی دہلی۔ بحوالہ دی گریٹ روویوشن آف ۱۸۵۷ء از ڈاکٹر سید عین الحق ص ۸۶ اگرچی ۱۹۶۸ء قاضی فیض اللہ کو تو ال شہر کے مستعفی ہونے پر سید مبارک شاہ رامپوی کو تو ال شہر مقرر کیا گیا اور آخر غدر تک وہی رہا، عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸۸

مولوی سرفراز علی اور مولینا فضل حق پر مشتمل ایک کنگ کونسل تشکیل دی گئی :-

(۴) انگریزوں کا ایک مخبر تراب علی یکم ستمبر ۱۹۵۷ء کے خفیہ خبرنامے میں برطانوی حکام کو مطلع کرتا ہے سحر باغیوں نے ایک انتظامی مجلس تشکیل دی ہے جس کا نام انھوں نے کوٹ (KOTE) (کذا) رکھا ہے اس کے ارکان میں جنرل غوث محمد خاں، بریگیڈیر میر اسٹاکھ جنرل بخت خان، محمد شفیع رسالدار، حیات محمد رسالدار، قادر بخش صوبیدار سفرمینا، نتھو صوبیدار، ہر دت صوبیدار وغیرہ کے علاوہ ہر رجمنٹ کے ۵، ۵ سپاہی بھی شامل ہیں اور

”MOLVI FAZLHAQ IS ALSO A MEMBER“

(مولوی فضل حق بھی اس کو رٹ کے ایک رکن ہیں)

(۵) ایک اور نام درمعاصر حکیم حسن اللہ خاں اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں :

”دوسرے روز مولوی فضل حق آئے اور نذر پیش

کی۔ وہ باغی فوج کی بڑے زور شور سے تعریف کر رہے تھے۔

علہ موٹنی ریکارڈ کر اسپنڈنس، لاہور ۱۹۱۱ء ص ۷ (مراسلہ ۱۹۷۹ء)

از جی سی بارنس کمشنر کلکٹر سیس ستلج بنام سیکریٹری چیف کمشنر پنجاب

مورخہ ۳ ستمبر ۱۸۵۶ء

۱۹۷۹ء مرتبہ ڈاکٹر سید معین الحق ۱۹۵۸ء ص ۲۳

انھوں نے بادشاہ سے کہا اب وقت کا تقاضہ ہے کہ باغیوں کو رقم اور سامانِ رسد کی مدد پہنچائی جائے تاکہ انھیں کچھ سہارا ہو۔ بادشاہ نے کہا رقم کہاں ہے؟ رہا رسد کا تو وہ پہنچی تھی، مگر ناکافی تھی اور اس کی وجہ ان باغیوں کا عوام کے ساتھ غلط رویہ ہے۔ مولوی صاحب نے کہا حضور کے تمام ملازمین نا اہل ہیں۔ دُور اور قریب کے تمام حکمرانوں سے رقم کا مطالبہ کرنے کی اجازت دیجئے اور کسی ہوشیار آدمی کو رسد کی فراہمی پر مامور کرنے دیجئے۔ میرے لڑکے (مولینا عبدالحق) اور دیگر اعزہ تحصیل کا کام انجام دیں گے اور رسد بھی منسرا ہم کریں گے۔ بادشاہ نے جواب دیا، آپ تو یہیں ہیں، آپ انتظام سنبھالئے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا، میرے بھتیجے اور دوسروں کو گورگانوہ کی تحصیلداری اور کلکڑھی کا پروانہ تقرر جاری کیا جائے وہ سب انتظام کر لیں گے اور الور، جھجر، بلب گڑھ اور پٹیالہ کے راجاؤں کے نام بھی (رقم کے مطالبے کے) پروانے جاری کیجئے۔ پٹیالہ کا راجہ اگرچہ انگریزوں سے بلا ہوا ہے لیکن اگر دوستانہ مراسلت کی جائے تو وہ ساتھ آجیگا۔ بادشاہ نے بتایا کہ پیرزاہ ابوالسلام کی درخواست پر

پر بخت خاں نے راجہ پٹیلہ کو ایک پردانہ بھیج دیا ہے،
مگر ابھی تک اس کا جواب نہیں آیا۔ مولوی صاحب
نے کہا میں اپنے بھائی (فضل عظیم) کو جو راجہ کے یہاں
ملازم ہیں لکھوں گا کہ وہ جلد جواب بھجوائیں۔

مولوی صاحب جب بھی بادشاہ کے پاس آتے یا دشاہ کو
مشورہ دیتے کہ جہاد کی مہم میں اپنی رعایا کی ہمت افزائی
کریں اور ان کے ساتھ باہر (میدان میں) بھی نکلیں،
فوجی دستوں کو جس حد تک ممکن ہو بہتر معاوضہ
دیں ورنہ اگر انگریز جیت گئے صرف خاندان تیموریہ
بلکہ تمام مسلمان نیست و نابود ہو جائیں گے۔

تقریباً یہی بات حکیم حسن اللہ نے بہادر شاہ کے مقدمے کے دوران
عدالت میں شہادت دیتے ہوئے کہی تھی۔

”زمین داران کوڑکانوہ نے بادشاہ کو ایک درخواست
ارسال کی تھی جس میں نظمیں کا ذکر کر کے التجا کی تھی کہ کوئی
افسر نظم و نسق کے لئے مقرر کیا جائے۔ مولوی فضل
حق نے جو الور سے آئے تھے، اپنے بھانجے کا (جس کا
نام مجھے یاد نہیں رہا) کی سفارش کی کہ وہ وہاں مقرر
کر دیا جائے، کیوں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے درپر سکومت،

علہ بہادر شاہ کا مقدمہ ۲۵۶ء ۲۵۷ء مولوی فیض الحق لکھا ہے۔

میں بھی وہ اس ضلع میں مقرر تھا۔ چنانچہ شخص ضلع دار
مقرر کیا گیا، مگر میں آگاہ نہیں ہوں کہ وہ گوڑگانوہ گیا
یا نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ زوالِ ادہلی کے ۲۰/۱۵ روز
قبل یہ تقرر ہوا تھا۔ مولوی فضل حق نے بھی کئی
تحصیل داروں کو ضلع دار کی نیابت میں مقرر کیا گیا
تھا۔“

انگریزوں کے جاسوس جیون لال نے اپنے روزنامے میں اس تاریخ کا
تعیین کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”۱۹ اگست ۱۸۵۷ء.... عبدالحق خلف مولوی
فضل حق اور مولوی فیض احمد رگان وصول کرنے
کی غرض سے گوڑگانوہ گئے۔“

یہ پانچوں معاصر شہادتیں ان کی دہلی کی باغیانہ سرگرمیوں میں
شرکت سے متعلق تھیں۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں سقوطِ دہلی کے
بعد مولینا نے دہلی کو بادیدۃِ نم الوداع کہا اور اس کے بعد وہ
جنوری ۱۸۵۹ء تک مسلسل دوسرے مجاہدین کے ساتھ اودھ
میں بھرگرم جہاد رہے، اس لئے اودھ کے معاصر حکام کی
شہادت ملاحظہ ملا خطہ ہو:

”اودھ کے چیف کمشنر کا سیکرٹری ہمیر لور کے کلکٹر کے

علہ غدر کی صبح و شام دہلی ۶/۱۹/۱۸۵۷ء

نام ۸ دسمبر ۱۸۵۸ء کو اپنے سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے:
 ”باقی بسوا میں، جو کھنڈ سے شمال مغرب میں پچاس میل
 کے فاصلے پر ہے، شکست کھا کر ۵ دسمبر کو گنگا نرار
 ہو گئے۔ ۱۰۰۰ ان کی تعداد ۹۰۰ سوار جن میں ۳۰۰ پوری
 طرح مسلح ہیں اور باقی سپاہیوں کے پاس اسلحہ کافی نہیں
 ہے، ۳۰۰ پیدل وغیرہ تھے۔ ان میں سے ۱۰۰ عورتیں، ۶
 ہاتھی، ایک توپ جس کا نام گروہ ہے۔ اس جماعت
 کے لیڈر فیروز شاہ شہزادہ دہلی، لکڑ شاہ، گلاب شاہ
 عرف پیر جی، محسن علی خاں ساکن منٹو شمس آباد فرخ
 آباد (جو خود کو یورپین ظاہر کرتا ہے) اور مولوی فضل حق
 سابق سررشتہ دار کشنزدہلی جس کے بہت سے اعزہ
 اعلیٰ مناصب حکومت پر ہیں اور جس کا بھائی پٹیلہ
 میں راجہ ہری سنگھ کا ملازم ہے۔“

یہی سیکرٹری ۱۸ دسمبر ۱۸۵۸ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکرٹری
 کے نام اپنے ایک سرکاری مراسلے میں لکھتا ہے:

”مندرجہ ذیل لوگوں کے چلے جانے کے بعد حکومت
 کو قیام امن میں کافی سہولت ہو رہی ہے۔ فیروز شاہ

علہ فریڈم اسٹریگل ان اتر پردیش حصہ دوم ۱۹۵۷ء و ستمبر ۱۹۵۸ء لکھنؤ
 ۱۹۵۸ء (انگریزی) علہ فریڈم اسٹریگل ۵۹۵

نذر شاہ، مولوی فضل حق، جو ہماری حکومت کا دشمن
ہے، حالانکہ حکومت

جاں

نے اسے اور اس کے اعزہ کو اعلیٰ مناصب عطا کئے تھے۔

لکھنؤ چیف کورٹ میں غدر سے متعلق بستیہ (فائل) میں ٹھیکہ سی
دور کے ایک بہکم بہامراستہ ہے، جس میں محمدی (ضلع لکھنؤ پور کھیر کی)
کے قرب وجوار میں مولینا فضل حق اور ان کے رفقاء جہاد کی سرگرمیوں
کے تجسس کی جو کوشش برطانوی حکام کر رہے تھے اس کا ذکر ہے
اور لکھا ہے کہ:

”کچھ لوگ مولوی فضل حق کی صحیح خبر لانے کے لئے بھیجے
گئے ہیں جو اپنے متبعین کے ساتھ شاہ آباد کی طرف
روانہ ہوئے ہیں۔“

معاصرین کے بعد اب قریب تر عہد کے مورخین کے حوالے بھی ملاحظہ
ہوں۔ مولینا کی وفات کے صرف ۹ سال بعد مشہور انگریز مصنف
اپنی کتاب ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کا تذکرہ
کرتے ہوئے اس کے اس وقت کے صدر مدرس علامہ عبدالحق خیر آبادی
فرزند علامہ فضل حق خیر آبادی کے متعلق لکھتا ہے۔

”موجودہ ہیڈ مولوی اس عالم دین کے صاحبزادہ ہیں“

علامہ فریدم اسٹرگل ص ۱۵۷ ۲۷ ”ہمارے ہندوستانی مسلمان“

ص ۱۲ مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین طبع دوم ۱۹۵۵ء لاہور

جن کو ۱۸۵۸ء کے غدر نے ”نمایاں کر دیا تھا اور جنہوں نے اپنے جرموں کا خمیازہ اس طرح بھگتا تھا کہ بھر بند کے ایک جزیرے میں تمام عمر کے لئے جلا وطن کر دیئے جاتیں اس غدار عالم دین کا کتب خانہ جس کو حکومت نے ضبط کر لیا تھا اب کلکتہ کالج میں موجود ہے۔“

مولوی ذکار اللہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو سن ستاون میں ۲۵ سال کے تھے اور دہلی کی جنگ آزادی کے عینی شاہدوں میں سے تھے اور انہوں نے اس کے ۲۵/۲۰ سال بعد ہی اپنی تاریخ مرتب کی۔ ان کا بیان ہے کہ ^{علیہ}

”ان (مولینا) کو اس ”بغاوت“ کے سبب جلا وطنی کی سزا ملی تھی“

خود مولینا فضل حق نے اپنے عربی رسالے ”غدریہ“ میں جو واقعات غدر پر ایک مستند معتمد دستاویز بھی ہے۔ اگرچہ اپنی سرگرمیوں کے متعلق ازراہ انکسار اور مدح خود سے احتراز کے پیش نظر یا ممکن ہو اُس وقت کے مہیب دُپرِ خطر ماحول کے باعث بہت کم لکھا ہے، مگر پھر بھی اتنا ضرور لکھ گئے ہیں کہ دہلی پہنچ کر

اشرت الی الناس بد (تحریک آزادی کے سلسلے میں) میری جو
اقتضای سرائی و فضلی بہ (راتے تھے اور میری عقل کا جو فیصلہ تھا

ملہ تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۸

عقلی فلمریات مروا بما
 میں نے لوگوں کے سامنے رکھا گھر انھوں نے
 اشرا ت ولم یات مروا
 نے میری رائے اور میری ہدایت کو
 بما امرت
 نہ مانا۔

اسی طرح غدر ہی سے متعلق اپنے قصیدہ ہمزہ میں اندامان سے
 لکھتے ہیں :

قد قصتُ اسراج القاعدین
 میں (تھک کر) بیٹھ جانے والوں کو
 الی الوغی
 مسلسل ہمت دلاتا رہا۔

عرضی رقم زدہ مولوی فضل حق صاحب

انصاف

رعایائے شہر در باب امتناع ٹیکس وغیرہ

حضرت جہاں پناہ ! غلہ اللہ ملکہ و سلطنتہ بعرض اقدس د
اعلیٰ رمی رساندہ برائے جہاں آرائے اقدس روشن و مبینہ است کہ
رعایائے اس ملک چہ ہنود و چہ مسلمان بر خے ازاں یا مزارعاں و کشا
وزاں و اکثر روزگار پیشہ و بعض ازاں ہاتجار و اکثرے اہل حرفہ و
بعض لاخراج دار و روزینہ دار و بعض در یوزہ گر بودہ اند و اکثرے
از اہل اسلام و بعض ہنود اصل متوطن این جا نیستند بلکہ بھراہی
حکام و سلاطین ترک و اوطان خود ہا (کر دہ) دریں (با) توطن گزیدہ
اند تا وقتہ کہ مملکت ہندوستان بقبضہ و تصرف سلاطین راجگاں
بود و چہ معیشت سکان این دیار بیچ گوئہ تنگی نکر دہ بود کہ ہمگی وجہ
معاش کہ خدمات عمدہ و چہ روزگار سپاہ صرف بسکنہ این دیار اختصاص
داشت ہر کس از سکنہ ہمیں ملک بقدر حوصلہ و فراخور بیاقت خود
روزگارے در اہل مناصب یا در زمرہ سپاہ یا در پیشہ تجارت یا در
حرفہ میداشت از زمانہ کہ عملداری سمرکار انگریزی در مملکت ہندوستان

رسیده است بتدریج تنگی روزی و ضیق معاش رفته رفته الحال بحد
 رسیده است که نوبت بجان و کار و باستخوان رسیده زیرا در سرکار
 انگریزی تنگی وجود معاش مفقود و ابواب روزی مسدود شده اند
 بحر معاد دوسه چند یعنی چند کس در عملة عدالت دیوانی و کلکتری و
 قوجدارى و پرمٹ و تھانه و تحصیل بمشابهة قلیل ملازم اند و پس از
 تبدیل دفاتر و تغییر طرز نوشت و خواند کچھری ها چنان تخیل می گردد که در
 چندے این روزگار هم نصیب این بے چارگان نه خواهد ماند این است
 حال تنگی معاش روزگار سکان این دیار و حال تجاری است که سرکار
 انگریزی همه وجوه تجارت خود اختیار نموده و همگی اجناس از قسم پارچه و
 ریمان و ظروف و اسباب و غیره دو آب خود از ملک انگلستان و غیره بهم
 رسانیده، در این ملک برائے فروش علی التواتر در هر قریه و بلده از بلاد
 این ملک می آرد و منفعته برائے کس از سکنه این دیار نمی گذارد در این
 جهت همه تجار این دیار از پیشه خود دست بردار شدند و حال لاخراجی را
 اینست که همه لاخراجی با وجود این که در قوانین سنه ۸۰۳ و سنه ۸۰۵،
 سرکار انگریزی عهد و میثاق نوشته اند که هر اراضی لاخراجی که پیش از
 غرة جنوری سنه ۱۸۰۱ و غرة جنوری ۱۸۰۳ بقبض و تصرف لاخراجی دار
 خواهد بود، گوئند باشند یا نه یا و ارباب آن اختیار عطا داشته باشند یا نه گله
 بنبطی نه خواهد آمد الحال بلا هیچ که تحقیقات و بلا تا مل در هر یک منسلح
 ضبط شده می شود حالا از وجه معیشت لاخراجی داران بالمره مسروود شد

است در روزی که یک قلم در همه اضلاع موقوف شده است این
 وجه معیشت هم باقی نمانده و حال مزارعان و کشاورزان اینست که
 بران ها آن چنان جمع خراج مقرر شده است که دران حالتی و استطاعت
 باقی نمانده است و حال بے استطاعتی و بے مقدوری آنها خود از
 دفاتر کلکتری ظاہر و برکات ہے کہ برائے این سکان این دیار وجه معیشت
 باقی نہ ماند اہل حرفہ چه کار برائے کدام کس تواند کہ بدریو آں برائے خود کسب
 معیشت تواند نمودہ برکات ہے کہ ہمگی خلایق از معیشت خود تنگ باشند
 بدریوزہ گرہ کدام کس تواند داد؟ این ہمہ حالات اجمالی تنگی معاش
 جملہ رعایائے ہندوستان ست۔

و حال تنگی معاش رعایائے علاقہ شاہ جہاں آباد مجملًا اینست
 کہ در ابتدا یہ عمل سرکار انگریزی پر گنہ ہوڈل و پلول و بتین و نجف
 گڈھ و ساکھ و فیروز آباد و ڈیگ پونا مانہ و سانگرس و بجنور و سونی پت
 و گوہانہ و جرسٹھ و کھر کھودہ و روہنگ و مہم و ہانسی و حصار وغیرہ
 پر گنات در جاگیر بودند و در سرکارات جاگیر داران این ہمہ پر گنات
 ہزار ہا کسان در ہر کار و در فوج و شاگرد پیشہ ملازم بودند و اکثر
 دیہات در ولست و اراضیات لائخر ارجی متصرفہ در معافی بودند این ہمہ
 پر گنہ و دیہات و اراضیات بحیثہ ضبطی درآمدند و معیشت لکوک
 کسان بالمرہ موقوف شدہ حالاً در تمام عالم روزگار بچو عنقا نا پذیر
 است و بہرہا و بے چارگان از مسددی روزینہ و ضبطی الملک ملکہ

بر سر برداوقات خود یا بر چرخ زنی در بسمان فروشی و آسیا ساتی می داشتند
 بسبب این که سرکار تجارت رسیان اختیار کرده و آسیا های آبی نصب
 نموده است این وجه معیشت آنها بالمره مسدود گردید، و هم چنین این
 حرمزد و دکان داران و ساکنان را به بے بضاعتی خلائی از انتفاع بایس
 گشته سرمایه که داشتند بصرف خورد و نوش در آورده اند باین ممتنعی
 او نمیشد سرچار پس مشکاف صاحب بهادر مصادره ادا نئے ز چو کیداری
 بر ما بے چارگان چار دنا چار که حکم حاکم مرگ مفاعیات است دادن
 مصادره با وصف آن که گاهی از عهد سلاطین و حکام سلف غلت
 آن نداشتیم بزمه خود نهاده تا حال کرده اندیم حالا چند روز است که
 صاحب محسّر بیٹ حال درنگوچه و برزن و بازار به تعمیر بچاکس پائے
 قدیم و جدید که بیچ یک فائده بران مترتب نیست دگایه مترتب
 نه خواهد شد حکم دادند ما غریب را و کمر با تکالیف فاقه کشی و بیع و رهن
 اسباب خورد و نوش برداشته بصرف هزار بار و پیه تعمیل حکم نمودیم
 و تکالیف هر روز (که) از مسدود ماندن دروازه های تعمیر و
 غماض چو کیداران هر یک محله در بست و کشاد آن عائد حال مایان
 می شود بر خود گوارا می نمایم الحال علاوه از این خبر صاحب محسّر بیٹ حال
 حکم نقره پنج کس پنجاں در کوچه و محله ...

(نوائے ادب جولائی)

(سنہ ۱۹۶۲ ع)

قواعد و ضوابط کورٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

از آنجا کہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بد انتظامی طریقہ فوجی اور ملکی کے مقرر ہونا دستور العمل کا واجب اور مناسب اور واسطے عمل درآمد دستور العمل کے اولاً معین ہونا کورٹ کا ضروری ہے۔ اس لئے حسب ذیل قواعد لکھے جاتے ہیں :

- ۱۔ ایک کورٹ قائم کی جائے اور اس کا نام کورٹ ایڈمنسٹریشن بمعنی جلسہ انتظام فوجی و ملکی رکھا جائے۔
- ۲۔ اس جلسے میں دس آدمی مقرر کئے جائیں، اس تفصیل سے کہ چھ جنگی اور چار ملکی ہوں اور جنگیوں میں دو شخص ملٹن پیادگان سے اور دو شخص رسالہ ہائے سواراں سے اور دو سررشتہ توپ خانہ سے منتخب کئے جائیں اور ملکی چار شخص۔
- ۳۔ ان دس شخصوں سے ایک شخص بالفاق غلبہ آرائے پریسڈنٹ یعنی صدر جلسہ اور ایک شخص ویس پریسڈنٹ یعنی نائب

صدر جلسہ مقرر ہو اور رائی صدر جلسہ کی برابر دُورائے کے
قرار پاوے گی اور ہر ایک سررشتہ میں بقدر ضرورت
سکتر مقرر کئے جائیں اور پانچ گھنٹے ہر روز (۹) جلسہ کورٹ
کا....

۴۔ ان شخصوں کے مقرر ہونے کے وقت حلف ان باتوں کا کیا
جائے کہ کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا رُورعایت کمال
جانفشانی سے اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے اور کوئی
دقیقہ دقائق متعلقہ انتظام سے فرو گذاشت نہ کریں گے اور
جیلہ اور صراحتاً اخذ اجریا رعایت کسی طرح کی کسی لحاظ سے
وقت تجویز امور انتظام کورٹ میں نہ کریں گے بلکہ ہمیشہ سعی
اور سرگرم ایسے انتظام امورات سلطنت میں مصروف رہیں گے
کہ جس سے استحکام ریاست اور رفاد اور آسائش رعیت ہو
اور کسی امر مجوزہ کورٹ کو بے اجازت کورٹ اور صاحب عالم
قبل اجرائے اوس کے صراحتاً یا کنایتاً کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

۵۔ انتخاب اشخاص کورٹ کا اس طریقے سے کہ غلبہ آرائے سے دو

دو شخص پلٹن پیادگان اور رسالہ ہائے سواران سے اور
سررشتہ توپ خانہ جنگی سے جو قدیم الخدمت اور ہوشیار
اور واقف کار اور لائق و عقیل ہو کئے جاویں اور اگر کوئی
شخص ہوشیار، بہت عقیل و فہیم اور لائق انصرام کار

کورٹ ہو اور شرط قدیم الخدمتی اوس میں نہ پائی جائے تو یہ ایک امر خاص ان صورتوں میں مانع تقرر ایسے شخص کا نہ ہوگا اور اسی طرح تقرر چار شخص ملکی کا بھی عمل میں آوے گا، بعد قتر ہوئے دس شخصوں کے اگر کوئی شخص جلسہ انتظام کورٹ میں رائے اپنی کسی امر میں ایسی خلاف دیانت اور امانت اور معمول اور پر رعایت کسی کے ہووے گا تو.... کامل غلبہ رائے کورٹ سے وہ شخص موقوف کیا جاوے گا اور دوسرا شخص حسب قاعدہ پانچویں بلے۔ اوس کے انتخاب ہوگا۔

جو امورات انتظام کے پیش آویں اول تجویز ان کی کورٹ میں ہوگی۔۔۔۔۔ اور بعد منظوری صاحب عالم بہادر کے اطلاع رائے کورٹ سے حضور والا میں ہوتی رہے گی۔

۷۔ بعد مرتب ہونے رائے غلبہ آرائے جلسہ کورٹ سے واسطے منظوری کے پیش گاہ حضور صاحب عالم بہادر میں پیش ہونگے اور کورٹ ماتحت حکومت صاحب عالم بہادر مجددی کے رہے گی اور کوئی امر امور انتظامی جنگی و ملکی کے تجویز کورٹ اور بلا منظوری صاحب عالم محتشم الیہ اور بلا اطلاع حضور والا قابل اجرائی نہ ہوگا اور در صورت اختلاف رائے صاحب عالم بہادر بعد تجویز ثانی کورٹ وہ رائے بحالت

علیٰ بمقام

اختلاف بواسطت صاحب منظم ایہ پیش گاہ حضور ظل سبحانی میں پیش ہوا اور اس میں حکم حضور کا ناطق ہوگا۔

۸۔ کورٹ میں سوائے اشخاص مقررہ جلسہ کے بجز صاحب عالم بہادر اور حضرت ظل سبحانی کوئی شخص شریک جلسہ اور حاضر نہ ہوگا اور جب اشخاص معینہ کورٹ میں سے بعذر قوی لائق پذیرائی ایک شخص اپنے زمرہ مقرر سے حاضر جلسہ کورٹ نہ ہو سکے تو رائے غلبہ آرائے اشخاص مابقی حاضرین جلسہ کورٹ کے بمنزلہ رائے غلبہ رائے کل جلسہ کورٹ کے متصور ہوگی۔

۹۔ جب کوئی شخص کورٹ میں سے بنسبت کسی امر کے رائے اپنی پیش کرنی چاہے تو اولاً اتفاق ایک رائے دوسرے شخص کا پہلے کر کے اس وقت رائے اپنی متفق علیہ دو شخص کورٹ میں پیش کرے۔

۱۰۔ جس وقت کوئی امر کورٹ میں موافق قاعدہ نویں کے پیش ہو اول پیش کرنے والا تقریر اپنی کورٹ میں بیان کرے اور جب تک بیان اس کا تمام نہ ہو کوئی شخص اس میں دخل نہ کرے۔ اہل کورٹ میں سے اگر کسی کو کچھ اعتراض ہو تو وہ پہلے اپنا اعتراض ظاہر کرے تا تمام ہونے اوس کے بھی کوئی دخل نہ دے اگر معترض پر کوئی تیسرا شخص تقریر درباب اصلاح یا ترمیم

کسی طرح کی کمی بیشی کے ساتھ پیش لاوے اور مابقی اہل کورٹ کو سکوت ہو تو ہر ایک اہل کورٹ اپنی اپنی رائے علیحدہ لکھے، بعد ملاحظہ موافق قاعدہ آٹھویں کے غلبہ آراء پر عمل ہوگا اور بعد منظوری ہر ایک سررشتہ کے سکریٹر کے پاس بھیجی جائے۔

۱۱۔ ہر ایک سررشتہ فوج کے جو اشخاص حسب قاعدہ دوسرے کے منتخب کئے جاویں گے وہی اشخاص اس سررشتہ کے منتظم اور منصرم مقرر کئے جاویں اور ان کے تحت میں چار آدمی کی کمیٹی حسب طریقہ قاعدہ چوتھے کے قرار پاوے اور بقدر ضرورت اسے اس کمیٹی میں بھی سکریٹر مقرر ہوں اور جو رائے اس کمیٹی میں غلبہ آراء سے مرتب ہوئے وہ رائے بذریعہ ان شخصوں افسر کمیٹی کے کورٹ میں پیش کی جاوے اور کورٹ سے موافق قاعدہ ساتویں کے عمل میں آوے اور یہی طریقہ ہر ایک سررشتہ فوجی اور ملکی میں مرعی کیا جاوے۔

۱۲۔ ہر وقت بمقتضائے مصلحت کورٹ کو اصلاح اور مریم قواعد دستور العمل ہذا کا غلبہ آراء سے اختیار دیا جاوے۔“

مقول از عکس مطبوعہ مقابل ص ۱۸۲ ”بہادر شاہ دوم“ از ڈاکٹر مہدی حسین
(تیز ڈاکٹر سین کی ۱۸۵۷ء کے مقابل ص ۱ اور میوٹنی پیپر کے ص ۳۶)

ماخذ

اسر دؤ فاسر سی

- بہادر شاہ کا مقدمہ بار اول ۱۹۲۰ء دہلی
 غدر کی صبح و شام بار اول ۱۹۲۶ء دہلی
 غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط بار اول ۱۹۱۹ء
 غدر کا نتیجہ (نصرت نامہ گورنمنٹ) بار اول ۱۹۳۰ء
 ہندوستانی مسلمان، انہٹر صادق حسین بار سوم ۱۹۵۵ء لاہور
 غدر کا تاریخی روزنامہ (عبد اللطیف) مرتبہ خلیق احمد نظامی
 داستان غدر ظہیر دہلوی
 تاریخ عروج و عہد سلطنت انگلشیہ ذکار اللہ بار اول ۱۹۰۳ء
 جنگ آزادی از خورشید مصطفیٰ اول ۱۹۵۹ء دہلی (مکتبہ برہان)
 بیاض علامہ فضل حق خیر آبادی مملو کہ حکیم مولوی نصیر الدین ندوی
 رسالہ غدیریہ، علامہ فضل حق
 حسرة العلماء بوفات شمس العلماء مولینا سید برکات احمد
 حیات طیبہ، مرزا حیرت طبع ۱۹۵۸ء لاہور
 سبداغ دؤدر مرزا غالب
 کلیات مومن
 ماہنامہ تحریک دہلی اگست ۱۹۵۷ء و جون ۱۹۶۰ء
 کلیات نشر غالب

سہ ماہی نوائے ادب بمبئی جلد ۱۳ شمارہ ۳ جولائی ۱۹۶۲ء
 قیصر التواریخ جلد دوم از سید کمال الدین حیدر مطبوعہ نوکلشور کانپور ۱۹۶۱ء
 انگریزی

- * FREEDOM STRUGGLE IN UTTER PERDESH
ED. BY A. A. RIZVI, LUCKNOW. 1958-1959.
- * BAHADUR SHAH II. MEHDI HUSSAIN. DELHI.
1958.
- * HISTORY OF THE INDIAN MUTINY, SIR JOHN
KAVE MALLESON. LONDON. 1897-99.
- * THE SEPOY MUTINY AND REVOLT OF 1857.
R. C. MAJUMDAR, CALCUTTA, 1957.
- * MUTINY RECORDS CORRESPONDENCE.
LAHORE. 1911.
- * PRESS LIST OF MUTINY PAPERS 1857.
CALCUTTA. 1921.
- * PRESS LIST OF MUTINY PAPERS 1857-58.
LAHORE. 1925. (Correspondence and Reports)
- * TWILIGHT OF THE MUGHALS. P. SPAEAR.
LONDON.
- * THE GREAT REVOLUTION OF 1857.
S. MOINUL HUQ. KARACHI, 1968.
- * MEMOIRS OF HAKIM AHSANULLAH KHAN.
KARACHI. 1958.
- * THE DICTIONARY OF INDIAN BIOGRAPHIES.
1906.
"1857" by DR. SIN

مولینا خیر آبادی کی زندگی کے سلسلے میں چند اغلاط کی تصحیح

دوسرے اعظم رجال کی طرح مولینا فضل حق خیر آبادی بھی ابتدا ہی سے مختلف و متعدد ”اغلاط“ کا ہدف رہے ہیں اور ان اغلاط کی ایک خاص گروہ بڑے اہتمام سے بار بار دہراتا رہا۔ ہم مولینا فضل حق کے پرستار نہیں ہیں، ان کو خطا اور نسیان سے مبرا نہیں سمجھتے۔ ہو سکتا ہے کسی بڑے سے بڑے پاک باز میں کوئی اخلاقی کمزوری پائی جاتی ہو مگر ایک مورخ کی حیثیت سے ہمارا فرض یہ ہے کہ اُس کے محاسن اخلاق کے ساتھ معائب کا بھی ذکر ناگزیر سمجھتے ہیں تو سندا اور حوالے کے ساتھ کریں ہلے بنیاد بات، الزام، گپ اور افواہ کی قلعی بالآخر کھل کر رہتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص تو اپنی مظلومیت کی بنا پر ہمدردیوں کا مستحق بن جاتا ہے اور مورخ کی تحریر پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے

اور اس کا بھرم باقی نہیں رہتا۔

مولینا فضل حق کے متعلق غلط بیابیاں زیادہ تر ایک خاص گروہ کے حضرات نے کی ہیں جس نے بھی شاہ اسماعیل شہید کے سوانح کو موضوع بنایا اس نے شاہ صاحب کی مدح کے ساتھ مولینا کی قدح کو بھی لازمی قرار دیا۔ مولینا کا جرم صرف یہ تھا کہ جب شاہ اسماعیل نے ۱۸۱۸ء میں امام معین کی تقلید ترک کر کے ”تمسک بالکتاب والسنة“ کا (برزعم خود) پرچم بلند کیا اور تقویت الایمان کے نام سے اردو میں ایک رسالہ لکھا جس کا نہ صرف انداز بیان حسن ادب سے عاری تھا، بلکہ جمہور امت کے عقائد کے برعکس شفاعت کا انکار بھی کیا تھا اور نظیر نبی (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم) کے امتناع کا بھی انکار تھا تو دہلی کے دینی حلقوں میں لمچل مچ گئی اور وقت کے علما جن میں اکشریت ولی الہی علما کی بھی سخت برہم ہوئے، مگر چوں کہ شاہ اسماعیل مشاہد ولی اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے تھے، اس لئے کسی کو حرف اختلاف زبان پر لانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس نازک لمحہ میں مولینا فضل حق نے جرات سے کام لے کر امتناع النظر کے مسئلے پر شاہ اسماعیل کے جواب میں ایک رسالہ تالیف فرمایا اور پھر ”تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ“ کے نام سے ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جس پر علمائے عصر اور خان وادۃ ولی الہی سے وابستہ علما کے بھی دست خط تھے۔ مولینا کے اس اقدام نے دوسرے علما کی بھی

ہمت افزائی کی اور وہ میدان میں آگئے۔ ابتداً نجی گفتگوؤں تک
 بات محدود رہی، مگر شاہ عبدالعزیز کے وصال (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) کے
 فوراً دہلی کی جامع شاہ جہانی میں ایک تاریخی مجلس مناظرہ منعقد
 ہوئی جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل کے اعوان و انصار تھے دوسری
 طرف باقی علمائے حق پرست۔ شاہ اسماعیل تو دورانِ مناظرہ برہم
 ہو کر چل دیئے، مولوی عبدالحی بڈھانوی نے بھی اٹھنا چاہا، مگر نہ اٹھ
 سکے اور آخر میں انھیں کئی باتوں کو تسلیم کرنا پڑا اور لکھ کر دینا پڑا۔
 مولینا فضل حق کا یہ وہ جرم ہے جو آج تک معاف نہیں کیا
 گیا اور ان کی تخفیف شان، تفسیق و تضلیل کا کوئی موقع اب
 بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ اور صرف مولینا فضل حق ہی
 تک بات محدود نہیں رہی، مولینا کے تمام وابستگانِ داماں اور
 اصحابِ سلسلہ اس انتقام کا شکار ہیں۔ مولینا کے فرزند علامہ
 عبدالحق ان کے تلامذہ خصوصاً مولینا سید برکات احمد پر اتہامات
 ایسے ایسے ثقہ اور متدین اور داعی الی اللہ بزرگوں نے لگائے ہیں
 کہ انسان متحیر ہو رہو جاتا ہے میں ان اتہامات کا جائزہ حیاتِ عبدالحی
 پر ایک نظر کے عنوان سے ایک مضمون میں لے چکا ہوں (العلم کراچی
 اپریل۔ جون ۱۹۷۲ء) اس وقت صرف اُن کرم فرمایوں کا جائزہ
 لینا مقصود ہے جو مولینا فضل حق کی ذاتِ گرامی پر ردِ وار کھی گئیں۔
 اس سلسلے میں سب سے پہلا نام نواب صدیق حسن خاں

کا ہے۔ پہلے آپ مولینا صدیق حسن خاں کا ایک جملہ سُنیں۔ مولوی محسن ترہتی نے اپنی کتاب ”ایمان الجہنمی“ میں شاہ اسماعیل کی تقویت الایمان پر یہ تبصرہ کیا تھا کہ اس کے بعض حصّوں میں غسل و تہ کی سی حلاوت ہے اور بعض میں حنظل کی سی تہی۔ اس پر نواب صاحب فرماتے ہیں کہ مولوی محسن کے اس تبصرے کا راز یہ ہے کہ وہ مولینا فضل حق کے شاگرد ہیں اور

فائدہ اول من فام بصدہ مولینا فضل حق وہ پہلے آدمی ہیں،
 و تصدی لردہ فی رسائلہ جنھوں نے شاہ صاحب سے اختلاف کیا اور اپنے ان رسائل میں شاہ صاحب
 القی لیست علیہا اثا سرتہ کا رد کیا جس میں علم کتاب سنت کا
 من الکتاب والسنة ع کوئی اثر و نشان نہیں ہے۔

.....

نواب صاحب کے اس حجلے سے آپ کو ہماری اس بات کی تصدیق ہو گئی ہو گی کہ مولینا سے کہ صرف اس لئے ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کے رد میں پہل کی تھی۔ پھر آپ نے انداز فکر بھی دیکھ لیا کہ ایک انصاف پسند نے تقویت پر ایک درمیانی سی بات لکھ دی تھی کہ اس میں حلاوت بھی ہے اور تہی بھی تو یہ بھی گوارا نہ ہوا اور اس کو مولینا فضل حق کے تلمذ کے اثرات پر محمول کیا۔

نواب صاحب نے مولینا کے متعلق فرمایا ہے

علمہ اجد العلوم بحوالہ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ۵۹

کان خرابہ زی الامراء ان کی سچ دھج علما کی سی نہیں تھی
دون العلماء امرا کی سی تھی۔

ہم نے نواب صاحب کے اس جملے کو اس لئے اہمیت دی ہے کہ یہ حضرات اس بات کو بار بار دہراتے ہیں۔ مرزا حیرت نے بھی یہی لکھا ہے اور مولوی سید عبدالحمید نے بھی اس کی تکرار کی ہے۔ لطف یہ ہے کہ بات کسی نے بھی واضح نہیں کی کہ زئی علما اور زی امرا کا کیا مطلب ہے؟ اور ان دونوں میں بنیادی فرق کیا ہے؟ اگر ان حضرات کا یہ مطلب ہے کہ وہ غیر شرعی لباس پہنتے تھے تو صاف صاف لکھنا چاہیے تھا کہ ہم شرعی لباس کا مطلب پوچھتے کیونکہ شریعت نے تو کچھ اصول اور کچھ حدود مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے بعد آزادی دی ہے۔ ہاں قدامت پسند علمائے ہند بے شک اس باب میں متشدد رہے، مگر اُن کے بھی معیار بدلتے رہے۔ پوشش سر کے سلسلے میں صاف کو شرعی لباس سمجھا جاتا اور علما کے لئے لازمی تصور کیا جاتا تھا، مگر مولینا ابوالکلام نے کبھی صاف کا لکھف روا نہیں رکھا۔ وہ اپنی مضبوطی (غیر عالمانہ) ٹوپی پہنتے تھے اور بڑے بڑے علما اُن کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے اور پھر انقلاب آیا تو دیوبند کے مشاہیر علما کو ہم نے گاندھی کیپ برسر بھی دیکھا۔ یہی حال پاجامے کا ہے۔ ایک دور وہ بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایک خاص قسم کی شلوار کو

زئی = وضع قطع، سچ دھج

شرعی پاجامہ کہا جاتا تھا اور علی گڑھ کاٹ پاجامہ علما کے لئے معیوب و ممنوع تھا، لیکن بتدریج وہ بھی رائج ہو گیا۔ اسی صدی کے آغاز میں انگریزوں کی جگہ اچکن یا شیروانی پہننے والوں کو فیشن ایبل کہا جاتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ ہم تو زری امرا اور زری علما کے فرق سے واقف نہیں ہیں۔

اگر زری امرا سے ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دولتِ علم کے ساتھ دولتِ دنیا سے بھی بہرہ مند ہونے کی بنا پر توحیدِ نعت کرتا ہے اور شایانِ شان لباس پہنتا ہے تو یہ فرمایا جائے کہ یہ کس امام کے نزدیک حرام ہے؟ ہم نے امامِ ائمہ ابو حنیفہ، امام ابن تیمیہ، شہ ولی اللہ و غیرہ متعدد اکابر و ائمہ کے متعلق پڑھا ہے کہ وہ نہ صاف ستھرا بلکہ اعلیٰ درجے کا لباس پہنتے تھے۔ خود نواب صدیق حسن خاں کے متعلق متعدد ثقہ حضرات سے لباس کے اہتمام اور غیر شرعی اسبابِ زینت پر توجہ کے متعلق سنا ہے اور ان کی جو تصویر نظر سے گزری ہے اس میں وہ زری علما کے بجائے زری امرا میں نظر آتے ہیں۔۔۔

اور شاہ اسماعیل کے لباس کے متعلق تو جعفر تھا بیٹری نے لکھا ہے کہ وہ ہمہ سپاہیانہ وضع رکھتے تھے گلے میں الخالک اور حبت پاجامہ، سر پر پیچیدہ عمامہ اور گلے میں تلوار حائل کئے رہتے تھے۔

دوسری بات نواب صاحب نے یہ فرمائی ہے کہ

وكان بينه وبين استاذي العلامة
محمد صمد الدين خاں الدهلوی
بها مودة أكيدة ومحبة شديدة لا
فهما كانا شريكين في الاشغال على
استاد واحد وعلى ابیه الفاضل
فضل امام ومع ذلك سیحظ استاذی
علیه فی بعض امور منھار دہ
على الشیخ الحافظ الواعظ المحرث
الاصولی الحاج الغازی الشہید
محمد اسماعیل الدهلوی و
یقول الارضی منک و لیس هن ابغشک
مولینا فضل حق اور میرے استاد علامہ
محمد صدر الدین خاں دہلوی کے درمیان
بڑی دوستی اور محبت تھی، اس لئے
کہ دونوں ایک استاد کے شاگرد تھے
اور مولینا فضل حق کے فاضل والد
(مولینا، فضل امام کے بھی دونوں
شاگرد تھے، مگر اس کے باوجود میرے
استاد مولینا فضل حق کو انکے
بعض کاموں پر برا بھلا کہا کرتے تھے،
اُن میں سے ایک یہ تھا کہ مولینا فضل
حق نے حضرت حافظ واعظ محدث
اصولی حاجی غازی شہید محمد اسماعیل
دہلوی کا رد کیا تھا۔ استاد اُن سے فرمایا
کرتے تھے کہ میں تمہاری اس بات سے
خوش نہیں ہوں اور یہ تمہیں زیب
نہیں دیتی۔

ایک دوست کا دوسرے کو ٹوکنا تو کوئی نئی بات نہیں ہے،
لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ مولینا آزر دہ
تو مولینا فضل حق کو

اس بات پر برا بھلا کہیں کہ انھوں نے شاہ اسماعیل کا رد کیا تھا جب کہ
(۱) خود وہ شاہ اسماعیل کے خیالات سے متفق نہیں تھے اور بقول
مولینا فضل رسول انھوں نے شاہ صاحب کو سمجھا کر اس سے باز
رکھنا چاہا تھا۔

(۲) مولینا آزرہ یقین یوم میلاد کے قائل تھے۔

(۳) مولینا قیام فی المیلاد کو بھی مستحسن جانتے تھے۔

(۴) ”منتہی المقال“ میں بھی وہ وہابی نقطہ نظر کے خلاف گئے ہیں
اور جوش و خروش کے ساتھ وہابیہ کا رد کیا ہے۔

(۵) امتناع نظیر کے باب میں بھی ان کا ایک قلمی رسالہ میرے ہتھ خانہ
میں ہے وہ اس میں بھی شاہ صاحب سے کلیتہً متفق نہیں تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ نواب
صاحب کا اپنے اُستاد پر افترا ہے کہ وہ مولینا فضل حق سے اس لئے
ناراض تھے کہ انھوں نے شاہ صاحب کا رد کیا تھا اور مولینا فضل حق
کے سلسلے میں لوگوں کو بدگمان کرنے کی ناکام کوشش ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہی نواب صاحب جو رد وہابیت پر مولینا
فضل حق سے اس درجہ برہم تھے، خود وہابیہ خصوصاً وہابیہ ہند سے
مسلل اظہارِ برأت کرتے رہے اور بقول مولینا مسعود عالم ندوی
”اہل نجد کی بھی کوئی برائی نہیں ہے جو انھوں نے اپنی

کتابوں میں نہ کی ہو۔۔۔ کچھ یہی حال اہل صادق پور
 (شاہ اسماعیل کے متبعین و مقلدین) کے ساتھ ہے۔
 اور اس تہذیب کی توجیہ مولینا نے یہ کی ہے کہ وہ حکومتِ برطانیہ کے
 خوف سے خود کو وہابیہ ہند سے بے تعلق دکھانا چاہتے تھے در نہ دل
 سے نجد کی دعوت و توحید کے معترف و شناسا خواں تھے۔ مولینا ندوی نے
 توقع ظاہر کی ہے کہ
 ”جو لوگ ان کی زندگی کی الجھنوں سے واقف ہیں وہ

انہیں معذور رکھیں گے۔“

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ نواب صاحب نے اپنی منقولہ بالا
 عربی تحریر میں شاہ اسماعیل کو غازی و شہید لکھا ہے، مگر اپنی کتاب
 ترجمان وہابیہ میں شاہ اسماعیل کے دامن سے ترغیبِ جہاد کے داغ
 دور کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ”انہوں نے اپنی کسی کتاب میں مسئلہ جہاد
 کا نہیں لکھا۔“ اور شاہ اسماعیل سے عقیدت اور ان کی اتباع سے
 تبریٰ کی ہے اور پوری کتاب میں کسی ایک جگہ بھی شاہ اسماعیل کے
 نام کے ساتھ شہید کا لفظ نہیں لکھا اور بتکار لکھا ہے کہ غدر میں
 انگریزوں کے خلاف جو بھی ہنگامہ آرائی ہوئی اور فتوے لکھے گئے وہ
 سب مقلدین اور احناف کی شرارت تھی، وہابی اور اہل حدیث کا

علم معارف الاعظم گڑھ، جلد ۵، شمارہ ۳، مارچ ۱۹۴۳ء، ترجمان وہابیہ
 ص ۵۵، ۵۶، مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ ۳۵ ایضاً ص ۵۷

دامن اس بغاوت میں شرکت سے بالکل پاک ہے علیہ

(۳)

منشی محمد جعفر کھانا نیسری سوانح احمدی میں لکھتے ہیں :
 ”مولوی فضل حق معقولی خیر آبادی جو اس زمانے میں
 حاکم اعلیٰ شہر کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتے اور
 افلاطون و سقراط و بقراط کی غلطیوں کی تصحیح کر نیا لے
 تھے، مولینا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چنانچہ
 کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلے پر کہ ”اللہ رب العزت
 حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سا دوسرا پیدا کر دینے پر
 قادر ہے“ انھوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ ”اللہ
 رب العزت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا دوسرا پیدا
 کرنے پر ہرگز قادر نہیں“ اس کے جواب میں مولینا
 (اسماعیل) نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی و نقلی مدلل
 لکھا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
 کس خوبی سے آپ نے مخالفوں کا منہ بند کیا ہے“

مخالفین کا منہ تو بند نہیں ہوا، دین میں جو فتنہ پیدا ہو گیا
 اور قلب امت میں قادیانیت کا جو ناصور پیدا ہو گیا اس کا علاج منظر

علی ترجمان دہلیہ ۱۵ و ما بعد

طبع کراچی ۱۸۹۷ء ص ۳۰۳

نہیں آتا۔

شاہ اسماعیل کی اس تحریر پر مولینا فضل حق نے یہ اعتراض کیا تھا کہ نظیر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امکان تسلیم کر لینے سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے، مگر شاہ صاحب کو اپنی بات پر اصرار رہا اور پھر ان کی حمایت میں مولوی حیدر علی رام پوری نے ان سے بھی بڑھ کر بات کہی کہ حضور اکرم ^۲ ممکن ہے ان (ہمارے) ارض و سما کے خاتم النبیین ہوں اور وہ مفروضہ مثیل خاتم النبیین کسی دوسرے ارض و سما اور کسی اور دنیا کا خاتم النبیین ہو ^۳۔ ان حضرات نے اثر ابن عباس سے استدلال کیا جو ایک موضوع روایت اور از قبیل اسرائیلیات ہے۔ اس روایت میں سات زمینوں کے وجود اور ان ساتوں زمینوں میں ہماری زمین کے انبیا اور خاتم النبیین (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی طرح الگ الگ ہر زمین میں دوسرے انبیا اور خاتم النبیین کا ذکر ہے، گویا اس طرح یہ حضرات امکان نظیر کے اثبات کی دھن میں سات زمینوں کے سات خاتم النبیین ثابت کرنے پر متل گئے اور اس طرح نادانستہ ہی انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی اور مرزا غلام احمد قادیانی کو یہ جرات ہوئی کہ وہ نبوت کا ادعا کرے، چنانچہ مرزا کے خلیفہ مرزا بشیر احمد نے مولینا محمد قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی (جو اثر ابن عباس

علیہ صیانتہ الناس من وسوسۃ الخناس بحوالہ امتناع النظر ص ۱۵۶) - ۷

مولینا محمد قاسم نے ۱۸۷۳ء میں رسالہ تحذیر الناس لکھا اور ۱۸۸۰ء میں مرزا نے اپنے مہم اور مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

کی صحت کے حق میں ہے، ایک عبارت نقل کر کے لکھا ہے اہل
 ”اہل بصیرت کے نزدیک اس شہادت کو خاص وزن
 حاصل ہونا چاہیے۔ یہ شہادت مدرسۃ العلوم دیوبند
 کے نامور بانی حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی
 (ف ۱۸۸۹ء) کی ہے۔“

مختصر یہ ہے کہ شاہ اسماعیل کے غیر محتاط انداز بیان اور ایک
 خاص گروہ کے علما کی طرف سے ان کی بے جا اور ناحق حمایت نے ایک
 ایسے فتنے کو سراٹھانے اور پھیلنے کا موقع دیا جو ۵۵ سال سے امت
 کے لئے دردِ سر بلکہ دردِ جگر بنا ہوا ہے۔ مولینا فضل حق کی فراست نے
 بر محل اس فتنے کا سد باب کرنا چاہا تھا اور شاہ اسماعیل کی کتاب پر
 بروقت تنقید کی تھی۔

جعفر تھانیسری نے مولینا فضل حق پر ایک اور تہمت یہ تراشی ہے
 کہ مولینا نے جامع مسجد میں شاہ اسماعیل کا وعظ بند کر دیا تھا۔
 جعفر تھانیسری نے یہ بات بلا سند لکھی ہے، اس لئے قطعاً
 ناقابل اعتبار ہے۔ وہ شاہ اسماعیل کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے ایک
 سال بعد پیدا ہوئے تھے اور ۱۸۹۵ء میں یہ سوانح لکھ رہے ہیں۔ اس
 علمِ نعم نبوت کی حقیقت ص ۱۵۴ طبع کراچی ۱۳۵۰ سوانح احمدی
 (حیات سید احمد شہید) ص ۲۵۰ طبع کراچی ۱۳۵۰ یہ سال طباعت ہے۔
 تالیف دو ایک سال قبل کی ہوگی۔

لئے بغیر کسی سند کے اس کی بات کا اعتیار کیسے کیا جاسکتا ہے خصوصاً اس لئے کہ تحریک جہاد کے معاصر مورخین میں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ شاہ صاحب کے وعظ کی مخالفت میں مولینا فضل حق کا ہاتھ تھا۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جعفر تھا نیسری وہ بزرگ ہیں جو بغاوت اور تحریک مجاہدین میں شرکت کے جرم میں ماخوذ ہو کر انڈمان بھیج دیئے گئے تھے۔ ۱۸۸۳ء میں اس وقت رہا ہوئے جب وہابیوں کے متعلق انگریزوں کی پالیسی بدلی اور وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان مراسلات کے تبادلے اور معاہدے بھی ہوئے۔ منشی جعفر نے رہائی کے بعد سوانح احمدی کے نام سے سید احمد شہید اور ان کی تحریک پر جو کتاب تالیف فرمائی وہ تحریک کے لئے نہایت مضر اور بدگمانیوں کا باعث ہوئی۔ مولینا غلام رسول تھرنے ثابت کیا ہے کہ منشی جعفر نے سید صاحب کے مکاتیب میں عبارتوں میں ترمیم و تحریف کی اور جہاں جہاں انگریز لکھا تھا وہاں سکھ کر دیا۔ اس تحریف نے تحریک کو طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا کر دیا اور منشی جعفر نے وہ کارنامہ انجام دیا جو بدترین دشمن کے بس کا نہ تھا۔

مولینا فضل حق کے ایک اور کرم فرما مرزا حیرت دہلوی تھے۔ ان حضرت نے شاہ اسماعیل کے سوانح پر حیاتِ طیبہ کے نام سے جو کتاب بیسویں صدی کے آغاز میں تحریر کی تھی اس میں متعدد مقامات

علہ سید احمد شہید ۱۵۹

پر مولینا فضل حق کا ذکر خیر کیا ہے اور متعدد گھناؤنے اور بے بنیاد الزامات مولینا پر لگائے ہیں اور کئی غلط بیانیوں کی ہیں :

(۱) مولینا فضل حق ”زمرہ علمائے دینی کے پابند نہیں تھے“ اور انھوں نے اپنے کو دائرہ علمائے خارج کر لیا تھا۔ اس سلسلے میں ہم آپ کو نواب صدیق حسن خاں کا وہ قول یاد دلاتیں گے کہ مولینا فضل حق کی وضع قطع امر کی سی تھی علمائے دینی کی سی نہیں تھی اور ہمارا جواب یہاں بھی یہی ہو گا جو ہم نواب صاحب کی بات کا دے چکے ہیں۔ یہاں ہم آپ کو اپنی وہ بات بھی یاد دلاتیں گے کہ مولینا فضل حق کے متعلق ایسی شہادتیں زیادہ تراہل حدیث کے گروہ نے تراشی ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں نواب صدیق حسن خاں منشی جعفر تھانیسری اور مرزا حیرت کے انداز شہادت تراشی میں کس قدر کیسانی و یک رنگی ہے۔ مرزا حیرت بھی اہل حدیث اور عدم تقلید کے مبلغ تھے۔

(۲) مولینا فضل طوائفوں کے یہاں جایا کرتے تھے۔ مرزا حیرت مولینا کے معاصر نہیں تھے، اس لئے ان کو کسی معاصر کے تذکرے کا حوالہ دینا ضروری تھا، حوالے کے بغیر اتنے عرصے بعد کوئی نئی بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے !

(۳) منشی جعفر تھانیسری کا یہ الزام مرزا حیرت نے بھی دہرایا ہے کہ مولینا فضل حق نے شاہ اسماعیل کا وعظ بند کر دیا تھا بلکہ منشی جعفر علیہ حیات طیبہ ص ۱۱ طبع سوم ۱۹۵۸ء لاہور علیہ ایضاً ص ۱۱

کے اجمال کو تفصیل کا رنگ دے کر کئی صفحات سیاہ کئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مولینا نے پہلے تو ریزڈنٹ کے کان میں یہ بات ڈالی کہ شاہ صاحب کے مواعظ سے امن عام میں خلل کا اندیشہ ہے پھر ایک عرضی پندرہ سو مسلمانوں کے دستخط سے ریزڈنٹ کو شاہ صاحب کے خلاف دلوائی جس پر ریزڈنٹ نے حکم دے دیا کہ شاہ صاحب کا وعظ بند کر دیا جائے۔ شاہ صاحب تک یہ حکم پہنچا تو انھوں نے اس کے جواب میں ایک ایسی درخواست لکھی جس سے ریزڈنٹ کی رائے بدل گئی اور اس نے اجرائے مواعظ کا حکم دے دیا مگر مولینا نے یہ حکم شاہ صاحب کو نہیں پہنچایا۔ شاہ صاحب چند روز انتظار کے بعد خود ریزڈنٹ کے پاس پہنچ گئے اور اپنی درخواست کے جواب کا مطالبہ کیا۔ ریزڈنٹ کو یہ معلوم کر کے کہ اس کا حکم شاہ صاحب تک نہیں پہنچایا گیا بہت طیش آیا اور اس نے مولینا کو زبرد تو بیخ کی اور تین ماہ کے لئے معطل کر دیا۔ اس کے جواب میں اولاً تو ہم پھر اپنا وہی مطالبہ دہرائیں گے کہ آپ کا ماخذ کیا ہے؟ ثانیاً مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ جس سال یہ واقعہ پیش آیا مولینا کی عمر کا بتیس سال تھا (۱۳۴۰)۔ شاہ اسماعیل کا سال ولادت ۱۱۹۳ھ ہے اس لئے ۱۲۲۵ھ میں ۳۲ سال کے ہوتے ہیں اور مولینا فضل حق جن کا سال ولادت ۱۲۱۲ھ ہے اس وقت صرف ۳۱ سال

کے ہوں گے یا یوں سمجھئے کہ شاہ صاحب مولینا سے ۱۹ سال بڑے تھے اس لئے جب شاہ صاحب ۳۲ سال کے ہونگے اس وقت مولینا کی عمر ۱۸ سال ہوگی۔ اس عمر میں وہ زیر تعلیم تھے نہ کہ ریڈنٹ کے سرکاردار (۳۱) مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ مولینا فضل حق کی نظم و نثر پر مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے تیرہ سو اعتراض کئے تھے اور مولینا سید احمد رامپوری نے ان تیرہ سو اعتراضات کو ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام ”تیرہ صدی“ رکھا تھا (ض)

مرزا حیرت کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقت میں مباغی کا عنصر شامل کر دینے میں چابک دست واقع ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل حدیث عالم شمس العلماء مولوی امیر احمد سہسوانی نے مولینا فضل حق کی کتاب الہدیت السعیدیہ وغیرہ پر دس اعتراضات ”تلاک عشرہ کاملہ“ کے نام سے ایک رسالے میں لکھے تھے اور مولوی سید محمد نذیر نے رامپور میں یہ رسالہ طبع کروایا تھا۔ دس کو تیرہ سو لکھ کر مرزا حیرت نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریر میں صداقت کا عنصر جہم ہوتا ہے۔

دہلی کے نامور ثقہ بزرگ ملا واحدی تحریر فرماتے ہیں،
 ”مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت

علہ حیوۃ العلماء کے مؤلف مولینا عبد الباقی سہسوانی طبع ۱۹۲۲ء

عہ میرے زمانے کی دتی ۱۸۸۵ء طبع اول

امام حسینؑ کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور
انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔ کمال یہ تھا کہ جس زمانے
میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے،
اس زمانے میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کیا
کرتے تھے اور ایسی تقریریں کرتے تھے کہ سننے والوں کی
ہچکیاں بندھ جاتی تھیں،
خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

”وہ (مرزا حیرت) فرضی عبارتیں و فرضی حکایتیں اور
فرضی حوالہ جات تاریخ کی کتابوں میں درج کر دینے
میں مشہور ہیں اور ان کی دلیری اور جھوٹ بولنے اور
جھوٹ لکھنے کی بے باکی پر شمس العلماء علامہ شبلی
نعمانی تک حیرت زدہ رہتے تھے“

خواجہ صاحب کے اس بیان کا جتنا جاگتا ثبوت مرزا حیرت کی کتاب
حیاتِ طیبہ ہے۔ اس کتاب کے ماخذ کی اصلیت و واقعیت کا
یہ حال ہے کہ متعدد مقامات پر تو اس نوع کے مہمل و مجمل حوالے ہیں
”ایک کتاب“ (ص ۴۷)، ”ایک راوی“ (ص ۹)، ”ہمعصر مورخ“
ص ۱۸۸، ”ہم عصر سوانح نویس“ (ص ۷۷)، ”ایک ضعیف بوڑھا شخص
مرحوم“ (ص ۲۹)، ”ہمارا مورخ“ (ص ۷۱)۔ ایک اہم ماخذ منشی بہیرالال

علہ غدر دہلی کے اخبار (مرتبہ خواجہ حسن نظامی ص ۷ مطبوعہ ۱۹۲۳ء دہلی)

کے بیانات ہیں۔ ۵ اہم مواقع پر اس کے حوالے دیے ہیں اور اسے شاہ اسماعیل کا منشی بتایا ہے (ص ۱۲)۔ شاہ صاحب کے کئی صفحات پر محیط مواعظ و مکالمات اس کی روایت سے نقل کئے ہیں، حال آنکہ شاہ صاحب کے کسی تذکرے میں یہ نام ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ اسی طرح چند ایسی کتابوں کے حوالے بھی اس کتاب میں نظر سے گزرے جن کے نام بھی کہیں اور دیکھنے میں نہیں آئے مثلاً سیرِ دہلی (۵ مقامات پر)، تذکرہ مشاہیرِ دہلی (۳ مقامات پر)، تواریخِ علمائے دہلی (۳ مقامات پر)، مجموعہ واقعات (۶ مقامات پر)، تحفہٴ عزیزی (۳ مقامات پر)۔ بجز انکشافات بھی کئے ہیں مثلاً یہ کہ شاہ اسماعیل نے تحقیقتِ تصوف کے نام

سے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی جو مرزا صاحب نے کشمیر میں دیکھی بھی تھی (ص ۶۷) شاہ اسماعیل کے معاصر مورخ کتنے بے خبر تھے کہ انھوں نے شاہ صاحب کی ایک ضخیم کتاب کی زیارت نہیں کی۔

کتاب کا موضوع شاہ اسماعیل اور تحریکِ جہاد ہے اور بظاہر بڑی عقیدت سے لکھی گئی ہے مگر درحقیقت مرزا حیرت نے منشی جعفر سے زیادہ تحریکِ جہاد کے ساتھ جہاد کیا ہے اور ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ فرطِ عقیدت کا مظاہرہ کر کے بہت سی بے سرو پا، بے اصل اور خلافِ واقعہ باتیں لکھ دی ہیں اور شاہ اسماعیل اور سید احمد شہید سے ایسے ایسے اقوال و افعال منسوب کر دیئے ہیں جو گمراہ کن اور شدید سوِ نظر کا منشا ثابت ہوئے ہیں اور سوانح نگار کے

عقیدت مندانہ انداز نگارش کی موجودگی میں ان کی تردید بھی قابل قبول نہیں ہوتی۔ تحریک کا ہدف انگریز نہیں سمجھتے (۵۲۲) غلام علی رئیس الدہلوی کا واقعہ (۵۲۳) اور اسی قسم کے دوسرے افسانے تحریک سے بدظن کرنے کے لئے کافی ہیں اور منشی جعفر سے زیادہ موثر انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور مجھے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ انگریزوں نے تحریک مجاہدین کو بدنام کرنے کے لئے ظالم کا یہ نیا اسلوب اختیار کیا تھا کہ منشی جعفر اور مرزا حیرت سے عقیدت مندانہ سوانح عمریاں لکھوائیں اور ان میں جی بھر کر بدنام کیا گیا اور مولینا فضل رسول بدایونی کی تنقیدیں وہ کام نہ کر سکیں جو منشی جعفر اور مرزا حیرت کے قصائد مدحیہ نے کیا۔

سید صاحب کے متعلق دعویٰ کیا ہے کہ امیر خاں کی انگریزوں سے صلح سید صاحب نے کروائی تھی (۵۱۳-۵۱۴) اپنی باتوں کو موثر بنانے کے لئے خود کو بھی غیر مقلد، شاہ صاحب کا ہم مسلک ظاہر کیا ہے۔ عدم تقلید کی تبلیغ زور شور سے کی ہے۔ غیر مقلدین کو بھی محمدی لکھا ہے اور محمد بن عبدالوہاب کے متبعین کو بھی محمدی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں :

”جس پیرائے میں محمدیوں کو جھپیں سخت غلطی سے وہابی کہا جاتا ہے، انگریز مصنفوں نے گورنمنٹ کو دکھایا ہے سخت حیرت انگیز کارروائی ہے۔ گورنمنٹ خود

جانتی ہے کہ اس کی سلطنت کے قانون کو فرقہ اہل
حدیث نے کس قدر تسلیم کیا ہے اور اس (گورنمنٹ)
کے فرماں بردار اور مطیع اس گروہ (اہل حدیث)
کے لوگ ہیں ص ۳۹۳۔

شاہ اسماعیل کے لئے لکھا ہے کہ ”انھوں نے امام ابو حنیفہ سے
نہ زیادہ دین کی خدمت کی“ (۵۲۵) یہ مدح و سپاس کا وہ انداز ہے
جو ممدوح کو مبغوض بنا دیتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ کمرون گزٹ کے اس مدیر شہیر اور برطانوی حکومت
کے اس ”ملک الشعراء“ نے برطانوی حکومت کی مدحت کا یہ اسلوب
بدیع اختیار کر لیا تھا اور تحریک مجاہدین پر تنقید کا ایک نیا طرز اختیار
کیا تھا اور اس میں انھیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ آج تحریک مجاہدین
کے نقادوں اور نقاصوں کے لئے یہ کتاب بڑا سہل ماخذ ہے۔

مولینا سید عبداللہ الحی حسنی (صاحب نزہۃ الخواطر) نے ۱۸۹۴ء
میں سرگروہ اہل حدیث میاں سید نذیر حسین کی زبانی ایک روایت
سن کر اپنے سفر نامے (دہلی اور اس کے اطراف) میں من وعن بے نقد
بحر جرح کر دی تھی۔ یہ روایت بھی اسی ہم کا ایک حصہ ہے جس کے
ذریعے مولینا فضل حق کے دامن کردار پر معائب کی افشاں چھڑکی جا
رہی ہے پہلے آپ روایت سن لیں۔ میاں سید نذیر حسین نے مولینا
سید عبداللہ الحی سے فرمایا علہ :

علہ دہلی اور اس کے اطراف ملے

”مولوی فضل حق، صاحب ایک شادی میں شریک تھے، گرمیوں کے دن تھے۔ پلاؤ کھایا ہوگا؟) ناچ رنگ ہوتا رہا۔ جس مکان کے بالا خانے پر یہ جلسہ تھا وہاں جتنے ظرف پانی کے تھے سب میں کسی نے جمال گوطہ ملا دیا اور آمد و شد کا راستہ بند کر دیا یعنی زینے کے دروازے میں باہر سے قفل لگا دیا۔ وہاں پلاؤ کھانے کی وجہ سے پیاس کی شدت سے لوگ خوب پانی پیتے رہے اور دست آنے شروع ہوتے۔ حاضرین و ارباب نشاط سب اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ راستہ بند ہونے سے اور پریشانی پھیلی۔ وہیں سب اپنی اپنی حالت میں تھے اور شدت گرمی سے پانی پیتے جاتے تھے۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ اس پانی میں زہر گھلا ہوا ہے۔ رات کو جو پولیس کے جوان روند میں ادھر آنکھے تو شور و غل سن کر اوپر چڑھے، دروازہ توڑا تو لوگوں کی یہ حالت دیکھی۔ ان میں مولوی (فضل حق) صاحب بھی تھے جیسی کچھ خفت ان کو ہوئی وہ ظاہر ہے۔“

میار، نذیر حسین کہتے ہی ثقہ راوی کیوں نہ ہوں، عقل اسے باور کرنے پر آمادہ نہیں ہے اور درایت کا فیصلہ یہ ہے کہ ایک ان ہوئی

بات ہے، کہانی ہے، فسانہ ہے، حقیقت نہیں ہے۔ اگر ہم روایت کو
 حقیقت پر مبنی فرض کریں گے تو اس کے ساتھ متعدد مفروضات کو بھی
 تسلیم کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے تو ہمیں اکبر شاہ ثانی کی دہلی میں شاہ
 عبدالعزیز کے دور کی دہلی میں اور غدر سے ۳۰ سال پہلے کی دہلی میں ایک
 ایسا شریف النفس اور باہوش میزبان فرض کرنا ہوگا جو اپنی اولاد کی
 شادی میں مدعو معززین کے ساتھ ایسا گھناؤنا، پرخطر اور ناشائستہ
 مذاق کر سکتا ہو یا دوسرے مذاق کرنے والے شرفاء کے ساتھ اس حد تک
 اغماض کر سکتا ہو کہ وہ اس کے معزز مدعوین کے ساتھ جو چاہیں
 معاملہ کریں اور خود جا کر بستر پر دراز ہو جائے، پھر ایک ایسا بالاخانہ
 فرض کرنا ہوگا جو اولاً تو اتنا وسیع ہو کہ اس میں سرود و غنا کی محفل
 برپا کی جاسکے۔ ثانیاً موسم گرما میں ایسی محفل کے لئے بھی موزوں ہو،
 ہوادار ہو، مثلاً اس میں آمد و رفت کا صرف ایک راستہ ہو، جسے
 مقفل کر دیا جائے تو وہ بالاخانہ دنیا سے منقطع ہو جائے۔ رابعاً وہ کسی
 دوسری عمارت سے متصل نہ ہو، تاکہ اس میں مجوس و محصور حضرات
 کی آواز بھی برابر والے سن نہ سکیں۔ خامساً اس میں کوئی درجہ اور
 روشن دان تک نہ ہو کہ اس کے ذریعے محلے والوں سے رابطہ قائم کیا
 جاسکے اور استعانت کی جاسکے، پھر یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ ان شرکاء
 بنرم نشاط میں سے ہر فرد بلا استثنا اتنا قوی الاعضا بلکہ سخت جان
 تھا کہ شدید موسم میں پلاؤ کھانے کے بعد جمال گولے کا محلول گھنٹیل

مسلسل پتہ رہے اور مبتلائے اسہال رہے، مگر ان میں سے ایک فرد کے بھی جان و تن کا رشتہ منقطع نہیں ہوا بس صرف مولوی فضل حق صاحب کو سخت ہونے لگا۔

مولانا سید عبدالحی نے نزہۃ الخواطر کے جز ۷۷ سابع میں بھی مولانا فضل حق کے ساتھ اپنے تعلق خاطر کا ثبوت دیا ہے اور نواب صدیق حسن خاں کے تنقیصی کلمات نقل کرنے کے ساتھ خود بھی لکھا ہے کہ ”ان کی وضع قطع علما کی سی نہیں تھی، امر کی سی تھی شطرنج

کھیلنے اور مزامیر سننے اور مجالس رقص میں شرکت اور دوسری ممنوع باتوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔“

آپ کو یاد ہو گا کہ وضع قطع کی بات نواب صدیق حسن سے منقول ہے اور سماع و مزامیر اور مجالس رقص میں شرکت کا اتہام میاں ندیر حسین کے معمل میں ڈھالا گیا ہے اور ہم ان کا جواب دے چکے ہیں اور یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ باتیں حقیقت نہیں تھمت ہیں، اس کے برعکس اُن کے تلمیذ مولانا عبد اللہ بلگرامی کا بیان یہ ہے کہ علی

”ہر سہنئے قرآن کریم کا ختم فرماتے، تہجد کی نماز پابندی سے پڑھتے اور جو نوافل کا اتنا اہتمام کرتا ہوا اس کے ادائے فرائض کا خود اندازہ کر لو“

مولینا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

”مولوی فضل حق صاحب مرزا (غالب) کے بڑے دوست تھے۔ ایک دن مرزا ان کی ملاقات کو گئے۔ ان (مولینا) کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھا کرتے تھے: بیا برادر آورے بھائی۔ چناں چہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہی مصرع کہہ کر بٹھایا ابھی بیٹھے ہی تھے کہ مولوی فضل حق صاحب کی رنڈی بھی دوسرے دالان سے اٹھ کر پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا: ہاں صاحب اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجیے، بنشیں مادر بیٹھ ری مائی!“ اس لطیفے کا صحیح واقعہ مرزا غالب کی بہن کے پوتے نواب سرور جنگ نے اپنی خود نوشت میں اس طرح درج کیا ہے: ”مرزا غالب کی مولینا فضل حق سے کمال دوستی تھی۔ ہر شب کو معمولاً مرزا مولینا کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک شب کو مولینا جو سر رشتہ دار ریزیدنٹ تھے، باہر صحن میں بیٹھے ہوئے کچھ مثلیس دیکھ رہے تھے، ایک

علم آب حیات ص ۲۲ علم کار نامہ سروری ص ۳۳ بحوالہ غالب نام آورم از جناب نادم سیتا پوری، مولینا آزاد کی اس تہمت کا جواب نادم صاحب کے محققانہ مقالے سے ماخوذ ہے۔

رٹدی بھی اس امر کی منتظر کہ مولینا دیکھ لیں تو سلام
کر کے بیٹھ جاؤں۔ کھڑی ہوتی تھی، اس عرصے میں
مرزا بھی لالٹین لئے آگے آگے پہنچے۔ مولینا نے سر اٹھا
کہ کہا کہ بیا برادر آڈرے بھائی۔

مذا۔ نہ کہا، دوسرا مصرع بھی پڑھ دیجئے کہ دیر سے منتظر
کھڑی ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے ”بنشیں مادر بیٹھری مائی“

ہنومان گڑھی (اجودھیا) کی مسجد بابر کی بے حرمتی کے سلسلے میں
۱۵۵۸ء میں مولوی امیر علی امیٹھوی کی قیادت میں مسلمانوں نے جو
جہاد کیا تھا بعض مورخین کا بیان ہے کہ مولینا فضل حق اس جہاد
کے عدم وجوب کا فتویٰ دینے والے علما میں شامل تھے، لیکن یہ واقعہ
نہیں ہے۔ یہ الزام صرف سید کمال الدین حیدر نے عائد کیا ہے، جو
انگریزوں کے خاص آدمی تھے اور جنھوں نے مسٹر الیٹ (مشہور
مؤرخ) کی فرمائش پر اودھ کی تاریخ قیصر التواریخ مرتب کی تھی اور
اسی تاریخ کی بنیاد پر وہ واجد علی شاہ کے معتب اور ملازمت سے برطرف
ہوئے تھے اور اسی الزام کو مولوی نجم الغنی خاں نے برسوں بعد اپنی
تاریخ اودھ (مطبوعہ ۱۹۱۹ء) میں من وعن نقل کر دیا۔

علہ پورے پیرا گراف میں صرف یہ فرق ہے کہ ”صاحبان عالی شان یا اہل
اسلام“ کے بجائے نجم الغنی خاں نے ”انگریز یا مسلمان“ کر دیا ہے (ملاحظہ ہو
مقالہ پروفیسر محمد ایوب قادری اخبار انجام کراچی ۸ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء)۔

مسجد پر ہندوؤں کے قبضے اور قرآن کریم کی بے حرمتی کے خلاف، جب جہاد کی تحریک شروع ہوئی اودھ کی حکومت نے اس کی مزاحمت کے لئے علما کی خدمات حاصل کیں اور ایک مستفتا مرتب ہوا جس کے جواب میں علما نے مجاہدین کے مقابلے میں حکومت کے نقطہ نظر کی تائید کی۔ اس فتوے پر دستخط کرنے والے علما میں سید کمال الدین نے مولینا فضل حق کا بھی نام لیا ہے (۱۵۱ قیصر التواریخ جلد دوم طبع ۱۹۰۷ء)، مگر لطف یہ ہے کہ اسی کتاب میں ضلّہ پر جہاں وہ فتوے نقل کیا ہے اس پر مولوی محمد یوسف، مولوی احمد اللہ، مولوی خادم احمد، مولوی محمد سعد اللہ، مولوی تراب علی کے دستخط ہیں، مولینا فضل حق کے نہیں ہیں۔ مولوی نجم الغنی خاں نے بھی تاریخ اودھ میں یہ فتویٰ نقل کیا ہے، مگر یہاں بھی مولینا کے دستخط نہیں ہیں۔ حدیقتہ الشہداء میں بھی جو مولوی امیر علی امیر المجاہدین کے ایک رفیق کی تالیف ہے اور اسی سال شائع ہوئی تھی، علما کے فتوے درج ہیں لیکن مولینا فضل حق کا نہ فتویٰ ہے نہ دستخط، پھر آخر صاحب قیصر التواریخ کا کیلئے اصل بیان کیسے تسلیم کر لیا جائے، خصوصاً جب کہ انہی کی اسی کتاب میں فتوے پر مولینا کے دستخط نظر نہیں آتے۔

ایک اور معاصر مورخ مولوی سید فخر الدین نے ہر جہاں تاب

علیہ بنایا ب کتاب رئیس احمد جعفری نے اپنی کتاب ”داجد علی شاہ اور ان کا عہد“ میں کلاماً نقل کر دی ہے (لاہور ۱۹۷۷ء) علیہ منقولہ در نزہۃ النواظر الجزء

میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، مگر انھوں نے بھی مولینا فضل حق کا نام نہیں لیا۔

حدیقۃ الشہداء میں یہ ضرور درج ہے کہ حکومت نے اس سلسلے میں ایک پنچایت بنائی تھی جس کے چار ثالث مقرر کئے تھے، ان میں سے ایک مولینا فضل حق بھی تھے، مگر حکومت نے اس پنچایت کی کوئی میٹنگ ہی نہیں بلاتی، اس لئے اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مولینا فضل حق کا اس سلسلے میں کس طرف رجحان تھا؟

مولانا فضل حق خیر آبادی اور معرکہ ہنومان گڑھی

حکیم سید محمد محمود احمد برکاتی

مولانا فضل حق خیر آبادی برّ عظیم پاک و ہند کی ایک عظیم و جلیل اور جامع کمالات شخصیت تھے۔ وہ ایک طرف عقیدات کے امام وقت تھے تو دوسری طرف ایک مدبر سیاس اور مجاہد حریت تھے۔

ان کے کردار سیاسی کے سلسلے میں جو غلط بیانیوں کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے جہاد ہنومان گڑھی میں مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ مگر یہ خلاف واقع ہے۔ جہاد ہنومان گڑھی کی داستان یوں بیان کی گئی ہے۔

یہ واقعہ، سنہ گامٹھ سن ساڈن سے ۱۸ سال پہلے (نومبر ۱۸۵۵ء) کا ہے۔ اودھ پر راجہ شاہ حکمران ہیں۔ مگر بے اختیار و بے اقتدار، اصل اقتدار برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہے، دار الحکومت لکھنؤ کے قریب ہی ہندوؤں کا ایک مقدس تاریخی مقام ابودھیہا ہے اور اسی لیے یہاں ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کی اقلیت ہے۔ مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے ۱۵۱۶ء میں یہاں رام چندر کے محل اور ستیا کی رونی (مطبخ) کو منہدم کر کے ایک مسجد بنادی تھی۔ مگر اس کے بعد ابودھیہا میں مسلمانوں کی قلت تعداد اور مسجد کی حفاظت و آبادی کی طرف سے ان کی غفلت کے نتیجے میں رفتہ رفتہ یہ مسجد خستہ و شکستہ ہوتے ہوتے بے نشان سی ہو گئی تھی۔ پھر ہندو اس کے آثار مٹاتے چلے گئے اور یہاں تک کہ صفحہ جنگ

والی اودھ (ف ۵۴، ۱۷) کے عہد میں اس سے متصل انہوں نے ایک مندر ("ہنومان کی بیٹھک") تعمیر کر لیا پھر ایک چار دیواری بنا کر اس کو ہنومان گرٹھی کہنے لگے، اب بیشتر مسلمانوں کو بھی یہ بات یاد نہ رہی کہ یہاں ایک مسجد تھی، اس حالت پر کئی برس بیت چکے تھے کہ غلام حسین نامی ایک صاحب کو اس مسجد کے احیاء کا خیال پیدا ہوا اور وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر ہنومان گرٹھی پہنچے اور آذان دینی چاہی لیکن بستی کے ہندو اور مندر کے پجاری مزاحم ہوئے اور غلام حسین اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا اور ان کے گلوں میں جو مصاحف آویزاں تھے۔ ان کی بے حرمتی کی یہ خبر لکھنؤ پہنچی تو مولوی امیر الدین علی مسلمانوں کے غم و غصہ کے ترجمان بن کر اٹھے اور مسجد کی باز آبادی کے لیے جہاد کا نعرہ بلند کیا۔ مولوی صاحب کے مریدین اور دوسرے سادہ لوح اور دین دار مسلمان بھی ساتھ ہو گئے اور جہاد کی تیاریاں ہونے لگیں، ایوان حکومت ایک اس حادثے اور مسلمانوں کے غم کی اطلاع پہنچی تو ایک تحقیقاتی وفد اجودھیا بھیجا گیا۔ جس نے آکر رپورٹ دی کہ مندر کے پاس ایک مسجد کا ماضی میں وجود دستاویزات سے ثابت ہے، ساتھ ہی اجودھیا مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک مشترکہ اقرارنامہ بھی لکھنؤ پہنچا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں میں نا اتفاقی اور کسی مسئلے پر اختلاف نہیں ہے واجد علی شاہ نے ایک مجلس مصالحت تشکیل دی جو مندر کے مہنتوں، مولوی صاحب کے نمائندوں اور حکومت کے مقرر کردہ چار نائبانوں پر مشتمل تھی ساتھ ہی مولوی صاحب کے دہوب جہاد کے نعروں اور مسلمانوں کے اشتعال کے پیش نظر علماء وقت سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ علماء نے فتویٰ دیا کہ موجودہ حالت

میں جہاد و قتال جائز نہیں ہے، خود کو تھکے میں ڈالنا ممنوع ہے اور جو لوگ اس میں شریک ہوں گے۔ ان کو ثواب نہیں ہوگا۔ ان فتوؤں کی اشاعت کے بعد مسلمانوں کی ایک تعداد نے تو مولوی صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا مگر ایک تعداد نے ساتھ نہیں چھوڑا اور مولوی صاحب انہیں لے کر اودھیا کی طرف چل کھڑے ہوئے، مجبوراً سرکاری فوج جس کی کمان ایک فرنگی کے ہاتھ میں تھی مزاحم ہوئی میدان گرم ہوا اور مولوی صاحب اور ان کے بہت سے رفقاء شہید کر دیئے گئے (۷ نومبر ۱۸۵۵ء) اس حادثے کے تقریباً تین مہینے بعد واجد علی شاہ کو معزول کر دیا گیا اور اودھ کا اکثاق کمپنی سے کر لیا گیا (۴ فروری ۱۸۵۶ء)

اس داستان کو پڑھ کر لازماً یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں۔
 باری مسجد تقریباً سو سال سے تدریجاً ہندوؤں کے تسلط میں جا رہی تھی۔ اذان و نماز برسوں سے موقوف تھی، مسجد علماء مندرا کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ مگر ۱۸۵۵ء سے پہلے اس طرف کسی نے توجہ کیوں نہیں کی؟
 مسلم حکمران کی موجودگی میں (وہ کتنا ہی نااہل کیوں نہ ہو) مسلم رعایا کو بطور خود جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہونا شرعاً جائز ہے؟
 ۱۸۵۵ء کے محرم جہاد اور ۱۸۵۶ء کے عزل و اسکان کے بعد بھی مسجد پر ہندوؤں کا ہی قبضہ رہا مگر مولوی امیر الدین علی کی شہادت کے بعد فریضہ جہاد ساقط ہو گیا تھا؟

مولوی امیر الدین علی اور مجاہدین کو واجد علی شاہ کے عہد میں کوئی اور منکر اور خلاف شرع کام نظر نہیں آیا جس کے خلاف جہاد واجب ہوتا؟
 سوالات بڑے معقول ہیں، آئیے صحیح صورت حال اور اس کے اصل

اسباب پر ایک نظر ڈالیں۔

ادود پھر واجد علی شاہ مکران تھے مگر ان کا یہ اقتدار محض برائے نام تھا مگر انگریز اپنے مذموم استعمالی مقاصد کی خاطر یہ رہا سہا اقتدار بھی ختم کر دینا چاہتے تھے۔ اور وہ اس کے لیے جواز پیدا کرنے کی فکر و سعی میں تھے اور وہ ان کے ہندو تو پہلے ہی انگریزوں کے ہواہ خواہ اور سراپا تعاون تھے مسلمانوں میں سے بھی بہت سے زمانہ شناس اور دُور بین "اور ذہین حضرات، واجد علی شاہ کے دربار سے وابستہ اور مستفید ہونے کے باوجود کمپنی کے ساتھ انخلاص و اعانت کا رشتہ استوار کر چکے تھے۔ واجد علی شاہ کے بیشتر حکام اور مجاہدین درپردہ کمپنی کے وفادار اور اس کے تمام اقدامات میں اُن کا ساتھ تھے، یہ گور اور کالے انگریزوں کی ایسے حالات پیدا کر دینا چاہتے تھے کہ حدود سلطنت میں بد نظمی ہو، عوام میں بے اطمینانی پھیلے، مختلف طبقات باہم دست و گریباں ہوں اور اس طرح انگریزوں کو واجد علی شاہ کے معزول کر دینے اور ادودہ کا احقاق کمپنی سے کر لینے کا جواز پیدا ہو، چنانچہ اس مذموم مقصد کے لیے بہت سی موثر "تدبیریں مختلف اوقات میں اختیار کی جاتی رہیں انہی میں سے ایک تدبیر یہ تھی کہ عدالتی کے سادہ دل مسلمانوں کو یہ یاد دلایا جائے کہ یہاں ایک مسجد تھی جو بابر نے راجہ رام چندر کے محل کو ڈھاکر بنائی تھی اور اب وہ غیر آباد ہے اور انہیں اس پر برا بیگنہ کیا گیا کہ اس مسجد کو دوبارہ آباد کیا جانا چاہیے، مسجد کی بازیابی کے لغزے میں بڑی کشش تھی، پہلے غلام حسین اور پھر مولوی امیر الدین علی نے جہاد کا اعلان فرمایا۔

جہاد کا لغزہ سن کر مسلمان بہت کم ہوش میں رہتے ہیں اور حصول

شہادت کے لئے تابانہ دوڑ پڑتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے سرفروش اور نیک نیت مسلمان جمع ہو گئے، واجد علی شاہ کو علم ہوا۔ اس نے ایک مجلس مشاورت تشکیل دی مگر اس مجلس کا ایک بھی اجلاس منعقد نہیں ہونے دیا گیا۔ ایک تحقیقاتی وفد بھیجا گیا جسے واپسی پر جو رپورٹ دی اس کا ماحصل یہ تھا کہ بالفعل تو کوئی مسجد وہاں نہیں ہے۔

البتہ دستاویزوں سے ماضی میں اس کا وجود ضرور ثابت ہوتا ہے۔ ایک اور وفد گیا جس نے اجودھیا کے غافل مسلمانوں کو سمجھا بھجھا کر ایک اقرار نامے پر ان کے دستخط کرائے کہ انہیں مقامی ہندوؤں سے کوئی شکایت نہیں ہے اور کوئی مسئلہ باہم وجہ اختلاف نہیں ہے، مختصر یہ کہ تحریک کی مزاحمت نیم دلانہ کی گئی اور درپردہ آگ کو بجھانے کی کوششیں کی گئی۔ اس لیے کہ کہنی کا مفاد، مسئلہ حل ہونے میں نہیں تھا، مزید اُکھ جانے اور بات کے بڑھ جانے میں تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ اگر واجد علی شاہ مسلمانوں کے مطالبے کو تسلیم کر کے مسجد کی تعمیر نو کا حکم دیتا ہے تو سلطنت کے عام ہندو ناخوش اور آمادہ فساد ہو کر کہنی کے پاس فریادی ہو کر رہ جائیں گے اور اگر مطالبے کو مسترد کر دیتا ہے تو مسلمان مشتعل ہوں گے، بد امنی پھیلے گی، کشت و خون کا بازار گرم ہوگا، دونوں شکلوں میں واجد علی شاہ کی نااہلی و ناگہمی تحقیق ہوگی اور اس کو معزول کر کے احقاق اودھ کی آرزو پوری کی جائے گی۔ چنانچہ کہنی کا ریزرٹ ٹیڈنٹ مقیم لکھنؤ بار بار بادشاہ کو مراسلت بھیج رہا تھا کہ مولوی صاحب کے فتنے کو فرو نہ کیا گیا تو سلطنت کی خیر نہیں، چنانچہ اس تحریک کی سربراہی کے لئے ایک ایسے

بزرگ کو آگے لایا گیا۔ جو مرشد طریقت ہونے کی بنا پر مریدین کا ایک حلقہ رکھتے تھے دوسری طرف ایسے پڑجوش اور جذباتی تھے کہ ہر قدم پر فضل ادا کرتے ہوئے حج کے لیے چل کھڑے ہوتے تھے اور ان کے مرشد کو حکماً ان کو اس ارادے سے باز رکھنا پڑا تھا۔ تیسری طرف واجد علی شاہ کے ایک درباری امیر حیدر امیٹھوی کے ہم وطن اور عزیز بھی تھے، چنانچہ مولوی صاحب جو شجہاد سے ایسے سرشار اور مرتبہ شہادت کے حصول کے لئے اتنے بے تاب کہ دیئے گئے کہ مسئلے کے حل کی مہلت دینے اور انتظار کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوئے اور مقتل کی طرف سربکف چل کھڑے ہوئے اور

دی سادگی سے جاں پڑوں کوہ کن کے پاؤں
اور اپنے ساتھ بہت سے سادہ دل مسلمانوں کو بھی مرتبہ شہادت پر فائز کر دیا، اگرچہ مسئلہ جوں کا توں رہا۔

یہ سچی اصل صورت حال اور اس کے حقیقی محرکات و اسباب اب دیکھنا یہ ہے کہ اس داستان میں مولانا فضل حق کا کردار کیا رہا؟ اس پورے قضیے میں مولانا کا نام دو جگہ لیا گیا ہے۔

۱۔ واجد علی شاہ کی طرف سے جو مجلس مشاورت تشکیل دی گئی تھی اس میں شاہ کی طرف سے چار ثالث مقرر کئے گئے تھے، ان میں سے ایک نام مولانا فضل حق کا بھی تھا، حدیقتہً ائمہ میں جو اس معرکے کے سلسلے میں سب سے پہلی تحریر ہے لکھا ہے۔

”۲۷، محرم الحرام ۱۲۷۲ھ (۸، اکتوبر ۱۸۵۵ء) کو دکلانے لشکر اسلام مقام کھنؤ میں داخل ہوئے دو ایک مہنت (مندرجہ کے نمائندے)

بھی حب الطلب آئے اور نواب احمد علی خان اور مولوی غلام جید فی
اور مولوی غلام امام شہید اور مولوی فضل حق خیر آبادی چار ثالث مقرر
ہوئے لیکن عجیب یہ ہے کہ ایک دن بھی دکلانے اسلام اور مہنتوں
کاروباری پر مراجعہ نہ ہوا، ص ۳ حقیقۃ الشہداء (بحوالہ بہادر شاہ ظفر
اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری) لاہور ۱۹۵۷ء
جب اس مجلس مصالحت کا کوئی اجلاس ہی نہیں ہوا تو مولانا
کی شرکت اور کسی فریق کی حمایت یا مخالفت میں بیان یا فتوے
دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا موقع جہاں مولانا کا نام لیا گیا ہے وہ ہے جب
علماء وقت سے استفادہ کیا گیا تھا۔ جب حکومت وقت نے دیکھا
کہ یہ تحریک مذہبی لغووں کے سہارے اٹھ رہی اور ابھر رہی ہے
اور جہاد کے نام پر عوام کو درغلیا جا رہا ہے۔ تو علماء سے کہا
گیا کہ وہ راہنمائی کریں اور ہمیں اور عوام کو بتائیں کہ کیا حکم ہے؟
جن علماء سے پوچھا گیا ان کی فہرست میں مولانا فضل حق کا نام
صرف ایک مؤرخ نے لیا ہے اور وہ ہے صاحب قیصر التواریخ
”سید کمال الدین حیدر عرف سید محمد زائر“ مگر اولاً تو زائر اس
باب میں منفرد ہے کوئی دوسرا مؤرخ ان کا ہم زبان اور
موید نہیں ہے۔ اس حادثے کا ذکر حسب ذیل کتب و رسائل

میں ہے۔
۱۔ حقیقۃ الشہداء از مرزا جان طیش شاگرد میر درد

مؤلف ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء

۲- قیصر التواریخ جلد دوم مطبوعہ ۱۹۰۷ء نول کشور پریس

۳- غدر کی صبح و شام میں معین الدین حسن کا بیان ۱۸۵۷ء

۴- ضیاء اختر از محمد حسن نہیں بخجور تالیف ۱۲۹۲ھ
۱۸۷۳ء مطبوعہ ۱۸۷۸ء

۵- بوستان اودھ از درگا پرشاد سندیلہ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ

۶- افضل التواریخ از رام سہاٹے تمنا لکھنوی مطبوعہ ۱۸۷۹ء

۷- مہر جہاں تاب از سید فخر الدین بجوالہ نرہتہ الخواطر
انجز اسالچ

۸- تاریخ اودھ از نجم الغنی خاں ۱۹۱۹ء

یہ سب کتابیں ہمارے ہمیش نظر میں، ان میں سے
ہر ایک کو اس واقع کا معاصر مآخذ بھی کہا جاسکتا ہے، صرف
آخری کتاب (تاریخ اودھ) معاصر مآخذ نہیں ہے۔ بلکہ اس
کا مآخذ قیصر التواریخ ہے۔

زائر کا اصل نام سید کمال الدین حیدر اور عرف سید محمد زائر ہے
یہ نصیر الدین حیدر ف ۱۸۳۷ء کے عہد میں ۱۸۳۵ء میں
مرشد (جنتر منتر) سے وابستہ ہوئے تھے اور اس عہد کے دوسرے
انشاء و ترجمہ کتب ہیئت میں سائنسی کتب کے اردو تراجم پر مامور
ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعدد کتب کے ترجمے کئے تھے،
زائر نے ڈاکٹر اسپرنگر اور مسٹر ایلپیٹ کی فرمائش پر ۱۸۴۷ء میں
اودھ کی تاریخ لکھنا شروع کی تھی اور اس کی پہلی جلد مکمل ہو کر

واجد علی شاہ کی نظر سے گزری اس نے ناپسند کیا اور اسے
جرم میں زائر کو ملازمت سے الگ کر دیا گیا تھا، ملازمت سے
برطرف ہو کر زائر نے دوبارہ اس کتاب کی تکمیل کی طرف توجہ کی اور
کتاب میں مزید مواد کا اضافہ کر کے اس کی ضخامت کو سہ چند
دیا اور اس طرح ۱۸۷۸ء میں کتاب کی تکمیل ہوئی پھر دو انگریز
نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ ظاہر ہے کہ کتاب
میں شاہ کے خلاف اور انگریزوں کی حمایت میں مواد ہو
گا۔ جب ہی شاہ نے ناپسند اور انگریزوں نے پسند
کیا اور اس کا انگریزی ترجمہ کیا۔

کتاب کی طباعت کا قصہ بھی پیچیدہ ہے۔ کتاب کی تالیف
کا آغاز ۱۸۷۷ء میں اور تکمیل ۳۰ سال بعد ۱۸۷۸ء میں ہوئی
مگر اس کی طباعت ۱۹۰۷ء میں ہوئی ہمارے پیش نظر جو طباعت
ہے۔ اس کو تیسری طباعت ظاہر کیا گیا ہے اور اس کی تکمیل طباعت
۱۹۰۷ء ہے۔ کتاب کے خاتمے میں لکھا ہے۔

”اس سے پہلے یہ کتاب دوبارہ مطبع منشی نزل کشور
لکھنؤ میں طبع ہوئی تھی اور اب حسب اصرار شائقین مطبع منشی
نزل کشور واقع کان پور میں بار سوم کہ حقیقت میں بار اول ہے
ماہ نومبر ۱۹۰۷ء حیطہ طبع سے آراستہ ہوئی“ دوسری جلد کے سر
ورق پر سال طباعت ماہ ستمبر ۱۸۹۶ء درج ہے مگر آخر
صفحہ (۴۷۰) پر لکھا ہے کہ پہلی طباعت کے ٹائٹیل زیادہ طبع
گئے تھے۔ (۱۸۹۶ء) اس اشاعت (سوم) میں بھی وہی ٹائٹل

بج لگا دیئے گئے، اس جلد کے خاتمے میں لکھا ہے کہ پہلے
 دوبارہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ اب بار سوم کہ حقیقت
 میں بار اول۔ ماہ نومبر ۱۹۰۷ء طبع ہوئی، جو دو قطعات
 تاریخ طباعت درج کئے گئے ہیں۔ ان میں پہلے قطعے سے
 ۱۹۰۷ء اور دوسرے سے ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ء) برآمد

ہوتے ہیں۔ پہلی جلد امجد علی شاہ کے انتقال تک کے حالات
 پر مشتمل ہے اور دوسری جلد واجد علی شاہ کی تحت نشینی سے
 ہنگامہ سن ستاون (۷ - ۱۸۵۸ء) تک کے حالات
 پر پہلی جلد کے سرورق پر "سوانح سلاطین اودھ" کتاب
 کا نام درج ہے اور دوسری جلد کے سرورق قیصر التواریخ،
 ورنہ دونوں جلد کے ہر ہر ورق "تواریخ اودھ" خود مؤلف نے
 کتاب میں کئی جگہ "تواریخ مملکت اودھ"، نام لکھا ہے
 ملاحظہ ہو صفحات ۱۶، ۱۷، ۱۸ جلد اول، ۳۲، ۳۳، ۴۲ جلد دوم
 زائر، واجد علی شاہ سے ناخوش، واجد علی شاہ، زائر سے
 ناخوش، وہ انگریزوں کا مدح سرا، انگریز اس کے قدرداں،
 ظاہر ہے کہ وہ اسحاق اودھ کی کاروائی کو حق بجانب
 ثابت کرنے کے درپے ہو گا اور واجد علی شاہ کو نااہل
 ثابت کر کے ہی اس کا مدعا پورا ہو گا۔ علماء دین
 کو متہم کرنے سے بھی وہ نہیں چو کے گا چنانچہ
 معرکہ ہنومان گڑھی کی داستاں بیاں کرتے ہوئے جب

وہ اس مرحلے پر آیا ہے کہ حکومت وقت نے علماء دین سے استفتاء کیا تو لکھتا ہے -

(علماء ظاہر؟) اہل سنت، مثل مولوی حسین احمد، غلام جیلانی وکیل، عدالت انگریزی مولوی محمد یوسف، مولوی فضل حق خیر آبادی مولوی سعد اللہ جو جج خانہ کعبہ سے مشرف ہو آئے تھے اور بعض علماء وگنہام نے بھی محض بطبع دنیا و نجوف حکم فتوے قتل عبارات مختلفہ سے زنجیس کر کے دیا اور بعض علماء شاہ جہاں آباد نے بھی ایسی حجت و برہان سے لکھا یعنی جب اہل اسلام قلیل ہوں اور غلبہ کفار ہو اس وقت، خلاف حکم ادلی الامر یعنی صاحبان عالی شان یا اہل اسلام جو ان کے اختیار میں ہوں - جہاد حرام ہے - پس جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو وہ باغی و طاعنی ۱۱۵

لیکن یہی مولف (زار) جس مقام پر (ص ۱۱ جلد دوم) علماء کے وہ فتاویٰ نقل کرتا ہے وہاں فتوے پر حسب ذیل علماء کے دستخط ہیں (۱)، مولوی محمد یوسف (۲)، مولوی سعد اللہ (۳)، مولوی رحمت اللہ (۴)، مولوی خادم احمد (۵)، مولوی تراب علی، یعنی مولانا فضل حق جن کے مندرجہ بالا فہرست میں فتوای دینے والے علماء میں شمار کیا تھا نہ ان کا فتوای نقل کیا ہے نہ ان کے دستخط ہیں - مولانا فضل حق نے فتوای ہی نہیں دیا، فتوای دیا ہوتا تو نقل بھی کیا جاتا بہر حال فتوے دیتے

و اے علماء میں چونکہ کسی مورخ نے مولانا فضل حق کا نام شامل نہیں کیا صرف زائر نے شامل کیا ہے۔ مگر اس نے بھی سب کے فتوے نقل کیے ہیں۔ مولانا فضل حق کا یہی فتویٰ نقل نہیں کیا اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مولانا فضل حق ان علماء میں شامل نہیں تھے اور زائر نے ان کا نام بدینستی کی بنا پر شامل کیا ہے۔

زائر کی غلط بیانی اور افتراء و اتہام خود اس کی تحریر سے آشکار ہے، اس نے لکھا تھا کہ علماء نے بطح دنیا و نجوتِ حاکمِ فتوے قتل (مجاہدین) دیا اور یہ کہ موجودہ حالات میں جہاد حرام ہے۔ پس جو شخص مرتکب ایسے امر کا ہو وہ باغی و طاعی ہے۔ مگر خود اس نے جو فتاویٰ نقل کئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں ایسے الفاظ تک نہیں ہیں۔ جن سے یہ مفہوم نکلتا ہو۔ مفتی سعد اللہ لکھتے ہیں۔

”دریں حال جماعت مولوی امیر الدین علی راقل روانیت، بلکہ در نہی قولہ تعالیٰ ”وَلَا تَقْوَابَا یَدِیْمَ اِلٰی التَّهْلُکَةِ“ داخل شدہ ست کذافی العالمگیریہ دہر مرتکب مہنی عنہ خواہ شدہ اصلاً مثاب نخواہ شدہ“ ص ۱۱ جلد دوم

ان مذکورہ حالات میں مولوی امیر الدین علی کی عجت کے قتل (جہاد) جائز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی نہی میں خود کو ڈالنا ہے۔ ”وَلَا تَقْوَابَا یَدِیْمَ اِلٰی التَّهْلُکَةِ“ (خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو) جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں مذکور

ہے اور جو شخص امر نہی کا ارتکاب کرے گا وہ ہرگز مستحق ثواب نہیں ہوگا۔

مولوی محمد یوسف کا فتویٰ :- فی الواقع فتح عزیمت

باید کرد اور شہادت و غد غدت منہ
باقی علماء نے انہی فتوؤں پر تصدیقی دستخط کئے ہیں۔
خود کوئی عبارت نہیں لکھی، ان میں نہ تو ہمیں ”فتوے قتل“
نظر آیا نہ باغی و طاعنی کے الفاظ ہماری رائے میں زائر
نے ایسی غلط بیانی اور تضادات سے اپنے سارے
بیان کو محل اشتباہ اور ناقابل اعتبار بنا دیا
ہے۔

ان تضادات پر مستزاد، زائر کا انفراد ہے کوئی
مؤرخ مولانا فضل حق کے فتوے کا ذکر نہیں
کرتا، حدیقۃ الشہداء جو اسی سال لکھی گئی۔ جس
سال یہ حادثہ ہوا اور جو مولوی امیر الدین علی کی
حمایت میں ہے۔ اس میں تمام فتوے نقل کئے
گئے ہیں۔ مگر مولانا فضل حق کا نام نہیں ہے
صاحب نزہتہ الخواطر مولوی سید عبدالحی کے
والد مولوی سید فخر الدین جو اس واقعہ کے معاصر
تھے اپنی کتاب مہر جہاں تاب میں اس واقعے
کا ذکر کیا ہے اور مولوی سید عبدالحی نے
نزہتہ الخواطر (الجزء السابع ص ۸۱ - ۸۲) میں

یہ عبارت نقل کر دی ہے مگر اس میں بھی مولانا فضل حق کا نام نہیں ہے۔ حال آں کہ اگر مولانا کا نام ہو تا تو مولوی سید عبدالحیٰ ضرور نقل کرتے کیونکہ انہیں مولانا فضل حق اور ان کے اخلاف و تلامذہ کی قدح کا خاص ذوق تھا۔

زائر کے بعد تاریخ اودھ کے مؤلف نجم الغنی خاں نے بھی مولانا فضل حق کا مضیقوں میں شمار کیا ہے مگر

۱۔ اولاً تو وہ معاصر مورخ نہیں ہیں، اور وہ اس حادثے کے تین سال بعد پیدا ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں ان کا انتقال ہوا، تاریخ اودھ انہوں نے ۱۳۔ ۱۹۱۰ء میں تالیف کی۔ جس کی دوسری اشاعت ۱۹۱۹ء میں ہوئی اور ہمارے پیش نظر ہے۔

۲۔ ثانیاً اس موضوع پر اس کا واحد ماخذ قیصر التواریخ ہے۔ چنانچہ انہوں نے قیصر التواریخ کی عبارت (جو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں) بغیر خفیف تغیر کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

”بعض دنیا پرست علماء اہل سنت نے جیسے مولوی حسین احمد ملیح آبادی

مولوی غلام جیلانی وکیل عدالت
 انگریزی ، مولوی محمد یوسف فرنگی محلی
 اور مولوی فضل حق خیسر آبادی اور مولوی
 سعد اللہ مراد آبادی اور دوسرے
 علماء گم نام نے محض بطمع دینا مولوی امیر علی
 کے قتل کا فتویٰ عبارات مختلفہ
 سے رنگین کر کے دیا۔ دلی کے بعض
 علماء نے بھی اسی برہان و حجت کے ساتھ
 لکھا کہ جب اہل اسلام قلیل ہوں اور
 کفار کا غلبہ ہو اس وقت خلافت حاکم
 اولی الامر یعنی حاکم وقت کے جن کے اختیار
 میں ہوں خواہ انگریز یا مسلمان جہاد حرام
 ہے پس جو شخص ایسے امر کا مرتکب ہوگا
 وہ باغی و طاعنی ہے۔“

لطف یہ ہے کہ نجم الغنی کے یہاں بھی زائر کے
 اتباع کے نتیجے میں وہی تضاد پایا جاتا ہے
 کہ فہرست میں مولانا فضل حق کا نام ہے مگر سب
 علماء کے فتوے میں نہیں ہے تو مولانا فضل حق
 کا فتویٰ اور یہ بھی کہ ”مولوی امیر علی کے قتل“ اور
 ”باغی و طاعنی“ کا خود اپنی کے نقل کردہ فتوؤں میں
 کہیں ذکر نہیں ہے۔

مختصر یہ ہے کہ زائر کا انفراد برقرار ہے، بخم الغنی
 مان نہ صرف یہ کہ معاصر مؤرخ ہیں بلکہ زائر کی قیصر
 متاریخ کے ناقل محض ہیں، اس لئے مولانا فضل حق
 ، طسوف مجاہدین کے خلاف فتویٰ دینے کی بات
 رف زائر نے لکھی ہے اور اس کا قول بے اصل اور نا
 بایل اعتبار ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی لطیفہ ہے کہ مولانا فضل حق
 آبادی نے ۱۸۵۵ء میں فتویٰ نہیں دیا مگر ان پر فتوے
 دینے کی ہمت لگائی گئی اور ۱۸۵۷ء میں فتویٰ دیا مگر
 ن کے فتوے کا انکار کیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور عقائد اہلسنت

کرامات اولیاء

قبر پر اذان دینا

فاتحہ و سونم و چالیسواں

حضور ﷺ علم غیب جانتے ہیں

یا رسول اللہ مدد کہنا

اولیاء کا عرس منانا

میلا و النبی اور قیام و سلام

تعویذ گنڈے کرنا

مزارات پر اولیاء کی حاضری کا ثبوت

بنا ہشتنام

محمد قاسم عطاری قادری پزاروی

تصنیف

علامہ مولانا محمد نجیب الرحمن

مکتبہ غوثیہ ہول سیل

ناشر

سوی سٹریٹ، نزد پولیس چوکی، مظفر چوک، لاہور۔ فون: 4926110

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

سن ولادت : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں اور آپ کا نام آپ کے والد نے عبدالعزیز رکھا اور آپ کا تاریخی نام غلام حلیم تھا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہنوز طفل شیر خوار تھے آپ کی فراخ و کشادہ پیشانی تھی عالمانہ شان و شوکت بھی نمایاں تھی بصیرت افروز نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آج کا یہ ہلال کھل بدر کامل بن کر تمام دنیا کو منور کر دے گا۔

تعلیم و تربیت

شاہ صاحب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو قرآن مجید پڑھنا شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں قرآن اور اسلام کے ابتدائی مسائل و احکام کی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی آپ نہایت ذہین اور سلیم الطبع تھے تحصیل علم کی طرف آپ کی طبیعت ابتداء ہی سے راغب تھی شاہ ولی اللہ نے اپنے خلیفہ مولانا شاہ محمد عاشق اور دوسرے خلیفہ خواجہ امین اللہ کو آپ کی تعلیم و تربیت کیلئے مقرر فرمایا۔ تقریباً دو سال کے عرصے میں عربی کے مختلف فنون میں حیرت انگیز ترقی حاصل کی اس وقت طبیعت میں ایسی جولانی اور تیزی پیدا ہوئی جس کی نظیر سے بڑے بڑے بحر معانی کے حلقے خالی تھے۔ ۱۳ برس کی عمر میں کتب درسیات صرف و نحو، فقہ، اصول فقہ، منطق، علم کلام، عقائد، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ میں خاصی مہارت حاصل کر لی تھی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب صرف علوم نقلیہ ہی کے عالم نہ تھے بلکہ فنون عقلیہ میں بھی آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ منقولات کے ساتھ ساتھ آپ نے معقولات کی بھی مشہور کتابیں پڑھیں تھیں ان میں بھی آپ دوسرے طلباء سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے اور ان کے علاوہ تصوف و سلوک میں آپ نے عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ تصنیف فرمائیں۔ درسی کتابوں میں بھی آپ کو بڑی مہارت تامہ حاصل تھی اور اس کے علاوہ آپ کو بہت ساری زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔

قرآن و حدیث کی تعلیم میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے آپ کے حافظہ اور یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ہر قسم کی بات اور ہر قسم کا مسئلہ آپ کے ذہن میں فی الوقت موجود ہوتا تھا درس و تدریس میں بڑے مددگار حیثیت سے درس دیتے تھے اور تدریس میں طلباء کیلئے ایسے شفیق استاد کی حیثیت رکھتے تھے کہ طلباء کو پڑھانے کے علاوہ کھانا بھی کھلاتے تھے آپ کے اخلاق و عادت بھی بڑے احسن تھے اور جہاد کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا اور ہر وقت یہی فرماتے تھے کہ کاش میرے پاس وسائل ہوتے تو میں کافروں سے جہاد کرتا اور جہاں تک ہو سکتا کافروں سے ملکوں کو آزاد کرتا۔

آپ کی وفات

آپ ماہِ شوال ۱۲۳۹ھ میں اسی سال عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے آیت قرآنی پڑھنے کے بعد یہ وصیت فرمائی کہ مجھے غسلِ اہتمام سے دیا جائے کفن کا کپڑا معمولی ہو جس کو میں استعمال کرتا ہوں جنگل میں میرا جنازہ رکھا جائے اور جب میرا جنازہ اٹھایا جائے تو اس کے ساتھ عربی اور فارسی کے اشعار پڑھے جائیں۔ (نعت خوانی) اور یہ شعر پڑھا جائے:

یا صاحب الجمال ویا سید البشر من و جہک المنیر لقد نور القمر
(ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

بابُ التصوف

ایک دن پیر و مرشد کی حضوری میں چند مقامات کی تحقیق ارشاد فرمانے کیلئے میں نے عرض کیا کہ وہ مقامات مشہور و معروف ہیں ان کی حقیقت سے جیسا چاہئے کوئی آگاہ نہیں ان مقامات میں سے یہ ہیں۔

حضرت انسان

حضرت نے انسان کے وجود کی طرف اشارہ فرمایا پھر میں نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ کیلئے مکان نہیں ہے بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کیلئے مکان ہے۔ تو حضرت نے اس بارے میں بھی انسان کی طرف ارشاد فرمایا پھر یہ حدیث ارشاد فرمائی: **لَا يَسْعُنِي الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ وَلَكِنْ يَسْعُنِي قُلُوبُ الْمُؤْمِنِينَ** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری گنجائش نہ زمین رکھتی ہے اور نہ آسمان لیکن میرے لئے مومنین کے قلوب گنجائش رکھتے ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ عبادت کسے کہتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا عبادت یہ ہے جس کا تعلق بدن سے ہو اور دوسری وہ عبادت ہے جس کا تعلق دل سے ہو تیسری وہ عبادت ہے جس کا تعلق جان سے ہو۔ ان تینوں مقامات کو شریعت و طریقت و حقیقت کہتے ہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ امیر و فقیر اور دوسرے لوگ سب عبادت کرتے ہیں کیا ان کی عبادت یکساں ہے ارشاد فرمایا کہ ان کی عبادتیں بہت مختلف ہیں اس لئے جو عبادت فقیر کرتا ہے اگر وہ عبادت امیر کرے تو وہ عبادت ان کے حق میں کفر و ضلالت کا باعث ہوگی اور اس امر کی تعلیم کرنے کیلئے مرشد کامل چاہئے پھر میں نے سوال کیا فقیروں کی بھی قسمیں ہوتی ہیں تو ارشاد فرمایا کہ فقیروں کی دو قسمیں ہیں: (۱) فقیر ظاہری (۲) فقیر باطنی۔ یہ دونوں مقام بھی بلا توجہ کامل مرشد کے منکشف نہیں ہوتے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ خاکی دل کس راستے سے آتا ہے اور کس راستے سے جاتا ہے ارشاد فرمایا کہ یہ ایک ایسا رمز ہے کہ دونوں مقامات شریعت طریقت اور حقیقت معرفت میں معلوم کرنا ہر انسان پر فرض واجب ہے اور جو آدمی ان مقاموں کو نہیں جانتا وہ حیوانِ مطلق ہے

اس کو زندہ کہنے کے بجائے مردہ کہنا چاہئے۔ پھر میں نے سوال کیا کہ علم جاننے کی کوئی حد ہے ارشاد فرمایا علم وہ ہے جو رب کریم کو ہر نام سے پہچانتا ہو۔ پھر شاہ صاحب نے نفس کی قسمیں بیان کی پہلی قسم نفس ناطقہ، یہ وہ نفس ہے جس سے انسان کو فصیح زبان پر پاکیزہ قسم کی گفتگو جو ہر انسان کے دل پر چسپاں ہو۔ دوسری قسم نفس امارہ، جسے بے فائدہ گفتگو کہتے ہیں اور عمدہ کھانا ہر اس چیز کی طرف خواہش کم ہو جس میں آخرت کا نفع ہو یہ سب اسی نفس سے حاصل ہوتے ہیں۔ تیسری قسم نفس مطمئن، جس سے کبھی تو اچھی گفتگو اور نیک فعل صادر ہوں اور کبھی بدگوئی ہو اور کبھی اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کے موافق عمل ہو اور کبھی شرع کے خلاف ہوتا ہے۔ چوتھی قسم نفس لوامہ، جس سے ہر وقت شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے موافق اس کا عمل ہوتا ہو ان چار طریقوں کے خلاف آدم کی جامع حقیقت ہے۔

روح کی تین قسمیں ہیں

پہلی قسم وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **قوله تعالى قل الروح من امر ربي** یعنی کہہ دے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔ دوسری قسم روح وجودی ہے جس کو انسان کی ہر گ میں فرشتہ پیوستہ کر دیتا ہے۔ تیسری قسم روح نوری ہے جو ہر عضو میں طرح طرح کی تجلی مرحمت فرماتا ہے۔

توجہ کی چار قسمیں ہیں

پہلی قسم التواء یعنی جس کے معنی ڈالنا پنچورہ کی طرح جب پانی سے خالی ہوتا ہے تو اس کو پھر بھر دیتے ہیں اس سے مراد ہے کہ ہر روز توجہ قدرے قدرے دیا کرتے ہیں۔ دوسری قسم اخذ ہے، اخذ سے مراد وہ پھول جو تل کی مانند ہے اوپر اور نیچے پھول رکھتے ہیں اور درمیان میں تل ہوتا ہے چند روز کے بعد تل کو پھول کی خوشبو حاصل ہو جاتی ہے۔ تیسری قسم انعکاس ہے، چشتیہ طریقے کے لوگ اس قسم کی توجہ میں زیادہ مشغول ہوتے ہیں۔ یہ چشتیہ طریقے میں صحبت کہلاتی ہے معنی اس کے یہ ہوئے کہ ہر روز مطلوب کا عکس ڈالتے ہیں جس طرح آفتاب کا عکس پڑتا ہے اور ان تین طریقوں کا چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ میں بہت زیادہ معمول ہے۔ چوتھی قسم توجہ اتحاد ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ دو جنسیں مل کر ظاہر باطن میں ایک ہو جائیں اس سے مراد یہ ہے کہ مرشد مرید کو ظاہر و باطن میں اپنے جیسا کر دے۔ (فتاویٰ عزیزی)

مزارات اولیاء پر حاضری کا ثبوت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے بزرگ کے مزار پر جائے تو بزرگ کی قبر کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف بیٹھ کر کے کھڑا ہوا اور فاتحہ پڑھے اور پھر سینے کی طرف بیٹھ کر استالیس مرتبہ یہ دعا پڑھے: **سُبُوْحِ قُدْسِ رَبِّنا وَرَبِّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوحِ** یا اسم ذات کا ذکر کرے اور اسکے بعد خاموش مراقبہ میں بیٹھے اور جب رخصت ہو تو السلام علیک یاذا الروح اور جب عام آدمی کی قبر پر جائے تو فاتحہ پڑھے اور سینے کی طرف مراقبہ میں بیٹھے اور جب اٹھے تو السلام علیکم کہے۔

ایک اور مقام پر شاہ صاحب سے سوال کیا کہ زیارت قبور کا طریقہ کیا ہے تو آپ نے یہی مذکورہ طریقہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ سورہ **اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ** تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کر کے اور دل کو اس بزرگ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچیں گی۔ (فتاویٰ عزیزی)

کیا اولیاء اللہ کی قبر سے استمداد جائز ہے یا نہیں؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اولیاء کرام کے کمال مشہور ہیں اور تو اتار سے ثابت ہیں تو اگر کسی ولی کی قبر سے استمداد حاصل کرنا چاہے تو اس ولی کی قبر کے سربانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورہ بقرہ سے مفلحون تک پڑھے پھر ولی کے پاؤں کی جانب آمن الرسول آخر سورت تک پڑھے پھر کہے اے میرے فلاں حضرت میں فلاں کام کیلئے بارگاہ الہی میں دعا اور التجا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں سفارش کے ذریعے سے میری مدد کریں پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کیلئے دعا کرے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ استمداد اُن اولیاء کرام سے مانگنی چاہئے جن کا کمال مشہور ہو اس کے بعد فرماتے ہیں اہل قبور سے استمداد کے بارے میں فقہاء میں باہمی اختلاف ہے ان فقہاء نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے سوا دوسرے اہل قبور سے استمداد حاصل کرنے سے انکار کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ زیارت سے شرع میں صرف یہ مقصود ہے کہ اموات کے حق میں دعا اور استغفار کیا جائے اس کے ذریعے سے بعض فقہاء کرام اس امر کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا دوسرے اہل قبور سے بھی استمداد کرنا جائز ہے ظاہر ہے کہ یہ فقہاء مہیت کے منع اور اذراک کے قائل ہیں اس لئے وہ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ اولیاء کرام سے استمداد کرنا جائز ہے جن فقہاء کو مہیت کے منع اور اذراک سے انکار ہے ان کو استمداد کے جواز سے بھی انکار ہے اہل قبور سے استمداد کرنا ایک ایسا امر ہے کہ وہ مشائخ جو اہل کشف اور کمال ہیں ان کے نزدیک یہ کامل طور پر ثابت ہے حتیٰ کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو ارواح سے فیض حاصل ہوا ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجرب تریاق ہے دعا قبول ہونے کیلئے اور حجت الاسلام نے فرمایا ہے کہ جس سے حیات کی حالت میں استمداد کی جاتی ہے اس سے موت کے بعد بھی استمداد کی جاتی ہے ایسا ہی صلہ میں اموات کے نفس سے بھی استعانت کرنے میں بھی نفع پایا جاتا ہے اس واسطے کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی نفس کا تعلق بدن کیساتھ باقی رہتا ہے۔

میت کے نفس کا تعلق اس تربیت کے ساتھ بھی رہتا ہے جس میں وہ دفن کیا جاتا ہے جب وہ اس تربیت کی زیارت کرتا ہے اور میت کے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دونوں نفوس میں تلاقی حاصل ہوتی ہے اور استفادہ ہوتا ہے اس بارے میں اختلاف ہے کہ استمداد زعمہ کی زیادہ قوی ہے یا میت کی بعض محققین کے نزدیک میت سے استمداد قوی ہے اس بارے میں بعض روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جب تم متخیر ہو جاؤ اور امور میں یعنی کوئی کام انجام کرنے میں متخیر ہو جاؤ تو چاہئے کہ صحابہ کرام کی قبروں سے مدد چاہو۔ شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ اجل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ نہیں پائی جاتی ہے کتب وسنت سلف صالحین کے اقوال میں کوئی ایسی چیز کہ مخالف اور منافی اس استمداد کے ہو۔ اس کو رد کرے تو حاصل کلام یہ ہوا کہ روح باقی رہتی ہے اسی وجہ سے جب کوئی قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتا ہے تو روح ان کے احوال سے خبردار ہوتی ہے اور کاملین کی ارواح کو بحالت حیات اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب کا درجہ حاصل رہتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی روح کرامات پر تصرف اور استمداد میں موثر ہوتی ہے اور موت کے بعد بھی قرب کا وہ درجہ باقی رہتا ہے اسی وجہ سے تصرفات کی قوت بھی باقی رہتی ہے جس طرح حیات میں یہ قوت باقی رہتی ہے کیونکہ اس وقت روح کا تعلق کلی بدن کے ساتھ رہتا ہے پھر موت کے بعد بھی تصرفات کی وہ قوت زیادہ ہو جاتی ہے تو اسی حالت میں استمداد سے انکار کرنے کیلئے کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ اول امر سے منکر ہو جائیں یعنی یہ کہیں کہ موت کے بعد روح بدن سے جدا ہو جاتی ہے اور حیات کا علاقہ زائل ہو جاتا ہے تو اس حالت میں روح کا بدن سے کچھ بھی تعلق باقی نہیں رہتا تو یہ نص کے خلاف ہے تو اس صورت میں قبر کی زیارت کرنا اور قبر کے پاس جانا یہ سب لغو ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ عامہ اخبار و آثار سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے اور استمداد ادکی کوئی صورت نہیں بلکہ صرف یہ صورت ہے کہ محتاج اپنی حاجت طلب کرے جناب باری سے اس بندے کے روحانی توسل کے ذریعے سے وہ بندہ اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہو تو یہ کہے اے خداوند تعالیٰ اس بندے کی برکت سے کہ تو نے رحمت اس پر فرمائی ہے اور اسکو بزرگی دی ہے میری حاجت پوری فرما، یا اس ولی کی طرف متوجہ ہو کر کہے کہ اے خدا کے بندے اور ولی میرے حق میں سفارش کر اور میری مراد خدا تعالیٰ سے طلب کرتا کہ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری فرمادے کیونکہ بندے کے درمیان صرف وسیلہ ہے کہ یہ اللہ کا ولی ہے اس میں شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں منکرین کو صرف وہم ہوا ہے حالانکہ یہ مسئلہ بالاتفاق جائز ہے کہ صالحین اور دوستان خدا سے انکی حالت حیات میں توسل طلب کیا جائے اور ان سے دعا کرنے کیلئے کہا جائے تو یہ کیونکر ناجائز ہے ان کی وفات کے بعد ان سے استمداد کیا جائے اور کاملین کی ارواح میں صحت حیات بعد الممات حالتوں میں کچھ فرق نہیں سوا اس کے بعد موت کے ان کے کمال میں ترقی ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

ایک اور مقام پر آپ اصلاح کی قسمیں بیان کر کے چوتھی قسم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انبیاء اور اولیاء ائمہ اور اہل بیت عظام کی روح سے توسل حاصل کرنا ہے کیونکہ یہ بزرگ اس باب میں بڑی توفیق رکھتے ہیں اور دائرہ مستمرہ لازمہ قوت کا فائدہ حاصل کرنا ہے جس سے عالم میں تصرف کیا جاسکتا ہے جبکہ امراض کا سلب کرنا، درد کو تسکین، جمادات اور حیوانات کو مضر کرنا اور اس باب میں امداد حاصل کرنا ان بزرگوں کی ارواح طیبہ سے اور فاتحہ پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی ارواح کو بخشا خاص کر رات کے آخری حصے میں محبوب ہے اور کبھی یہ استفادہ زندہ آدمی سے بھی کیا جاتا ہے اور وہ ارواح جن سے فی زمانہ اس قوت کا اکتساب کیا جاسکتا ہے اور اس میں مجرب وہ معمول ہیں وہ پانچ روہیں ہیں: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدسہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مبارک، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت بہاؤ الدین نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خواجہ معین الدین سنہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

آپ نے ولی کے مزار پر جانے کی ترغیب دی

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خود بھی مزار پر حاضری دیتے تھے اور وہاں سے فیوض و برکات حاصل کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے، ولی اللہ کی قبر پر حاضری اسلام میں نجات کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ ایک روز شاہ صاحب نے اپنے ایک طالب علم سے ارشاد فرمایا کہ تم شاہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار پر جاؤ، تازہ وضو کر کے اول نماز مغرب ادا کرو اور بعد دو رکعت نماز ادا کرو اور اس میں مختلف سورتیں پڑھو، ایک بلی آئے گی تم اپنی نماز پوری کر لینا، سلام پھیرنے کے بعد اس بلی کو پکڑ کر ذبح کر کے کپڑے میں لپیٹ کر ہمارے پاس لے آنا۔ چنانچہ طالب علم نے بموجب ارشاد آپ کے عمل کیا جب بلی کو حضرت کے دربر و کھولا کپڑا ہٹا کر دیکھا کہ وہ تمام طلا ہے دوسرے روز طالب علم نے پھر ایسا کیا اس روز کچھ نہ ہوا تو یہ امتحان تھا اس طالب علم پر کہ اس کو ولی کے مزار پر حاضری دینے کی ترغیب دینا تھی کیونکہ یہ طالب علم کشف قبور اولیاء کا منکر تھا۔

شاہ صاحب نے اپنی کتب میں مختلف مقام پر قبور اولیاء پر حاضری کی ترغیب دی اور قبروں پر حاضری کے بعد قبروں کا طواف اور قبروں پر سجدہ کرنے سے منع فرمایا اور یہی عقیدہ علماء اہلسنت و اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا ہے۔

یوسدینے کے بارے میں شاہ صاحب نے اجازت دی ہے اور قبروں پر چار خلاف وغیرہ چڑھانا اور اُس پر اسلامی شعائر وغیرہ لکھنا اور کلمہ طیبہ کا نقش بھی جائز ہے اور قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے استدلال کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ مشہور عمل جو کہ حدیث مبارک میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ دو قبروں سے گزرے تو دونوں قبروں کی میتوں پر عذاب ہو رہا تھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو سبز شاخیں کھجور کی لیں اور ایک ایک دونوں قبروں پر لگا دیں تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج آپ نے قبر والوں سے جو یہ عمل کیا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ان میں سے ایک پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا تو اسلئے ان پر عذاب ہو رہا تھا جب میں نے یہ سب سنا تو ان کی قبروں پر لگا گئیں تو ان شاخوں کی تسبیح کی برکت سے ان سے عذاب دور ہو گیا۔ اس مسئلے میں شاہ صاحب محدثین کے باہمی اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ امر وقت کے تعین کیلئے وقوع میں آیا ہے کہ اس وقت عذاب میں تخفیف کی جائے گی یعنی یہ حکم ان دونوں میتوں کے حق میں خاص تھا عام نہیں اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حکم ہر میت کیلئے عام ہے جب کوئی شخص ایسا کرے گا تو جب تک شامیں خشک نہ ہوں گی عذاب میں تخفیف ہوگی اس واسطے کہ سبز شاخ تسبیح کرتی ہے تسبیح کی مقدار بت تخفیف عذاب کا باعث بنتی ہے چنانچہ کانٹا اور گھاس وغیرہ جو قبر پر جم جائے اگر وہ سبز ہو تو اس کو وہاں سے نکالنا ممنوع ہے اس واسطے کہ یہ چیز جب تک سبز رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اس تسبیح سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یعنی سبز چیزوں سے چاہے وہ پھول کی صورت میں ہو یا چادر کی صورت میں اس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اگر اس پھول کی قیمت بطور صدقہ دیں تو اس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے اور جب پھول وغیرہ قبر پر خشک ہو جائیں تو ان کو نکال دینا مکروہ نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی قبر کے اندر شجرہ وغیرہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے کفنی لکھنے کو بھی جائز قرار دیا ہے یہی نظریہ علماء اہلسنت کا رہا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

قبر پر پانی چھڑکنا، خوشبو لگانا، پھول ڈالنا

ان کے بارے میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ قبر پر پانی چھڑکنا بعد دفن کے ثابت ہے لیکن کچھ دن گزرنے کے بعد پانی چھڑکنا شرع سے ثابت نہیں۔ لیکن اگر کام ہو تو اس کے استحکام کیلئے پانی چھڑکا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ایسا ہی اگر پانی چھڑکنے سے یہ منظور ہو کہ جانور اور پرندوں اور حیوانوں کی نجاست قبر کے اوپر سے دُور کی جائے اور قبر پاک کی جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اسی لئے عوام اہلسنت اولیاء اللہ کی قبروں کو غسل دیتے ہیں۔

جب ایک مسئلے کی اصل ثابت ہو جائے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو وہ مسئلہ جائز ہوتا ہے نہ کہ ناجائز اگر کہیں پر ان نجاستوں کا حکم نہ پایا جائے تو وہاں پر بھی اگر برکت کیلئے یا مزار کی صفائی وغیرہ کیلئے مزار کو غسل دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے پھول اور خوشبو وغیرہ قبر پر رکھنا اس سے ماخوذ ہے کہ میت کے کفن میں کافور وغیرہ، خوشبو کی چیزیں شرعاً ثابت ہے اور دفن کے بعد میت قبر کے اندر رہتی ہے البتہ یہ چیزیں قبر پر رکھنے سے اس میت کی مشابہت جدید میت کی ساتھ ہوتی ہے تو احتمال یہ ہے کہ خوشبو کی چیزیں قبر پر رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے اس واسطے کہ اس حالت میں روح کو خوشبو سے لذت حاصل ہوتی ہے اور روح تو باقی رہتی ہے اگرچہ وہ خاصہ جس کے ذریعے سے خوشبو روح کی زندگی میں پہنچتی ہے اور موت کے بعد حالت حیات کے مانند باقی نہیں رہتی لیکن یہ امر اس کا قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً ثابت ہے کہ میت کو بعد موت کے لذت اور خوشی معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ **فیما تیہی من روحها و طیبھا** میت کو سرور ہوا بہشت کی پہنچتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں شہداء کے بارے میں آیا ہے یعنی شہداء کو روزی دی جاتی ہے اور خوش ہوتے ہیں تو اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ قبر پر خوشبو کی چیزیں رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی)

قبر پر اذان دینا اور تلقین کرنا

قبر پر اذان دینا اور تلقین کرنا جائز ہے۔ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ قبر پر مراقبہ کرنا دفن کے بعد تلقین کرنا فقہاء احناف کے نزدیک جائز ہے اور اس عمل سے میت کو فائدہ ہوتا ہے اور قبر پر اذان کے بارے میں آپ فرماتے ہیں مشائخ عظام میت کو دفن کرنے کے بعد اور مٹی کو برابر کرنے کے بعد فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام عرض کر کے وہاں سے زخست ہوتے ہیں اور یہی عقیدہ علماء اہلسنت کا رہا ہے آج عوام اہلسنت اس پر عمل پیرا ہیں۔ دیوبندی وہابی یعنی نجدی ذہنیت رکھنے والے لوگ ان امور کو شرک و بدعت کہتے ہیں حالانکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک یہ امور شرعاً ثابت ہیں ان میں شرک و بدعت کا کوئی شائبہ نہیں۔ (ملفوظات عزیزی، ص ۱۶۱)

مزارات اولیاء سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دینے کے بعد دل میں یہ یقین ہو کہ شفاء اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن اپنے نیک بندوں کے وسیلے سے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود مشاہدہ فرمایا کہ حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ہمیشہ ایسا جم غفیر ہوتا تھا کہ لوگ ہر قسم کی بیماری میں مبتلا ہو کر جب مزار پر آتے تو اللہ کے فضل سے صحت یاب ہو کر واپس جاتے۔ اسی طرح اصحاب کہف کی قبروں سے یا ان کے نام مبارک کے وظیفے سے یا ان کی قبروں کے پاس جو مسجد ہے اُس میں نفل پڑھنے سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ہے اور متعدد اولیاء کرام کے مزاروں سے بیماروں کو شفاء حاصل ہوتی ہے۔

جس جگہ کسی اللہ کے ولی کی قبر ہوتی ہے تو وہاں سے اللہ تعالیٰ وباء اور بیماریوں کو دور کر دیتا ہے اور اللہ کے ولی کے لکھنے یعنی تحریر سے بھی اللہ تعالیٰ عذاب اور بیماریوں کو دور فرما دیتا ہے جس طرح کہ شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی میں مقیم تھے کھیاں نہایت ہی کثرت سے پیدا ہو گئیں اور لوگ ان سے تنگ آ گئے۔ سب نے شیخ کی طرف رجوع کیا زیادہ اصرار کے بعد آپ نے کھیاؤں کے نام ایک خط لکھا اور شہر کے دروازے پر اس کو آویزاں کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ کھیاں جوق در جوق جانے لگیں کھیاؤں کے جانے کے بعد شہر میں وباء پھیل گئی اس لئے ولی اللہ نے شہر کے باہر جانا پسند فرمایا کہ وہاں کے لوگ شریعت کے بالکل خلاف عمل کرتے تھے اور دلی کے حکم میں ہر چیز تابع ہوا کرتی ہے۔ (ملفوظات عزیزی، ص ۱۴۳)

شاہ صاحب کے نزدیک اولیاء کا عرس منانا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں، ایک مہینے کو خاص کر کے اس مہینے میں لوگ اولیاء کرام کے بہت عرس مناتے ہیں کہ اس مہینے کی تیسری تاریخ کو لوگ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عرس مناتے ہیں اور اسی مہینے کی سولہویں تاریخ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عرس مناتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انیس تاریخ کو زخمی ہوئے تھے اور اکیس تاریخ کی رات کو آپ نے رحلت فرمائی تھی ان تاریخوں کے درمیان لوگ آپ کا عرس مناتے ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا عرس اسی مہینے میں ہوتا ہے۔

ایک دن شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ایک عرس کی تقریب میں شریک ہوئے وہ عرس کی تقریب عبدالعزیز شکر باری تھی اور شاہ غلام سادات بھی وہاں موجود تھے تو شاہ صاحب اس محفل میں تھے کہ شاہ غلام سادات نے قوالوں کو طلب کیا انہوں نے قوالی پڑھی تو دونوں پر وجد طاری ہو گیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کے بعد ولی کے تمکرات پر حاضری دی یہ تمکرات حضرت شاہ محی الدین کی خانقاہ میں تھے ابھی تمکرات کی زیارت ہی کر رہے تھے اتنے میں بیت اللہ شریف سے ایک بزرگ تشریف لائے ان کے پاس آب زم زم تھا اور پیش کیا آپ نے کھڑے ہو کر احترام سے پیا آپ نے کھڑے کھڑے دعا پڑھی اور اس کے بعد تھوڑا پانی باقی رہا وہ اپنے مرید کو دیا اور آپ نے فرمایا یہ ولی کا تمکرات ہے اس کو تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم کر دو۔ سب حاضرین نے اس پانی کو تمکرات سمجھ کر بیا سب نے پینے کے بعد کہا کہ آب زم زم منہا تو نہیں ہوتا حالانکہ یہ پانی بالکل میٹھا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا ایک بات عام ہے جو اس کو نسبت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی مبارک سے ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو ایک ولی سے نسبت ہے اور تیسری اس کو اولیاء کی محفل سے نسبت ہے۔ اولیاء کی محفل سے اس میں منہاس زیادہ ہوگی پھر آپ نے فرمایا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ آب زم زم کو تمکرات جس نیت سے پیا جائے مطلب حاصل ہوتا ہے جو آدمی آب زم زم کو شکم سیر ہو کر پئے گا اس پر جہنم کی آگ اتر نہیں کرے گی پھر آپ نے فرمایا اس پر اکثر لوگوں نے تجربہ کیا ہے پھر فرمایا کہ آب زم زم شب برأت کو کنارے کے قریب آجاتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ عرس کرنے سے اپنے پیر کی تعظیم ہوتی ہے پھر آپ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر تجلی الہی جلوہ فگن ہوتی ہے یہ وہ اولیاء کرام ہیں جنہیں تجلی الہی سے سب کچھ نظر آتا ہے اور بعض اوقات ان کی نظر صرف اپنے اوپر ہوتی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو ٹھہرایا تھا اور میں ہی قیامت کا باعث ہوں میں زندہ رہوں گا اور مجھے موت نہیں آئے گی یا دوسرے بزرگ جو اپنے اندر تجلی پاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(ملفوظات عزیزی، ص ۱۱۱)

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس یعنی گیارہویں شریف

گیارہ تاریخ کو لوگ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں۔ بادشاہ، اکابرین شہر مزار مبارک پر جمع ہوتے ہیں بعد نماز عصر کلام پاک کی تلاوت پھر نعت خوانی ہوتی ہے آپ کے فضائل اور کرامات بیان کئے جاتے ہیں اور یہ سب کچھ بتلا مزامیر ہوتے ہیں اور مغرب تک یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اسکے بعد سجادہ نشین اور مریدین اور اہل مجلس حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے ہیں ذکر بالجہر کرتے ہیں پھر معاملات سے فارغ ہو کر لشکر شیرینی جو کچھ موجود ہوتا ہے اس پر نیاز کر کے تقسیم کرتے ہیں۔

(ملفوظات عزیزی، ص ۱۷۷)

اولیاء اللہ کے نام پر جانور نذر کرنا

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں، کسی نے سوال کیا کہ کسی شخص نے یہ نیت کی کہ اگر فلاں کام میرا ہو جائے تو سید احمد کبیر کی گائے یا شمسہ و کاکرا میں دوں گا۔ جب اس کی مراد حاصل ہوئی تو اس نے نام خدا لے کر ذبح کیا مگر اس نے دل میں سید احمد اور شمسہ و کے ساتھ گائے کی نسبت کی اور یہ حدیث میں ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور یہ بھی حدیث میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کی صورت کی طرف نظر نہیں کرتا بلکہ تم لوگوں کے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیت کا ضرور دخل ہے اور اس صورت میں مذکورہ گائے کا گوشت کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا، جائز ہے کیونکہ اس کا دار و مدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے اگر اس کی نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نزدیکی حاصل ہو یا اس کا گوشت خود کھانا یا گوشت فروخت کرنا مقصود ہو یا اس سے کوئی بھی جائز کام مقصود ہو ان میں ذبح کرنا حلال ہے۔ پھر آپ نے مفسرین اور فقہاء کرام کی عبارتوں سے دلیل دی اس بات کی کہ وہ جانور حرام ہوتا ہے جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے جس طرح قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **وَمَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ** اس آیت کریمہ

کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم بالکل واضح ہے کہ وہ جانور حرام ہے کہ جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں ہدایہ شریف کہ اس مشہور مسئلہ میں یہ حکم بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ فی زمانہ جو لوگ اولیاء اللہ کے نام پر جانور نذر کرتے ہیں وہ صرف تقرب حاصل کرتے ہیں۔ جاہل سے جاہل آدمی کسی اللہ کے ولی کے نام پر یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر جانور خریدتے ہیں اور منت مانتے ہیں ذبح کے وقت وہ بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتا ہے تو یہ جانور اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب قربانی فرمائی تو اس پر دعا پڑھی یعنی اے اللہ تو قبول فرما اس ذبیحہ کو اُمّت محمدیہ کی طرف سے جو تیری توحید اور میری رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔

تو پتا چلا کہ جانور جو گیارہویں شریف میں ذبح کئے جاتے ہیں بالکل شریعت کے مطابق جائز ہیں۔ اگر کوئی شخص ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارے یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے یہ شرک ہے اور اس سے جانور حرام ہو جاتا ہے لیکن جانور کو کسی اللہ کے بندے کی طرف منسوب کرے اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو یہ امر بالکل جائز اور عین شرع ہے۔

شاہ صاحب اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ عرس کی ناجائز صورت میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، **لا تجعلو قبری عیدا** کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت کہاں ہوتی ہے کہ عرس میں عید جیسا سماں ہوتا ہے حالانکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور نوحی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف اور اس صاحب عرس کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہیں اس حدیث سے اور اس کے منع پر دلیل پکڑنا یا دلیل لینا نہایت ہی جہالت ہے جو لوگ کسی حلال امر کو حرام قرار دیتے ہیں شاہ صاحب کے نزدیک دین اسلام سے خارج ہیں اب عرس کی محفل کو حرام کہنے والا شاہ صاحب کے نزدیک دین اسلام سے خارج ہے اسلئے عرس میں سب امور حلال ہیں۔ ولی عرس کی محفل میں حاضر ہوتا ہے اس لئے کہ اولیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں اپنی قبروں میں اور دنیا میں گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اہلسنت کے نزدیک۔ اس لئے شاہ صاحب نے اس مسئلے کی وضاحت اس مشہور حدیث سے کی ہے کہ ولی دنیا سے مرنا نہیں بلکہ پردہ فرماتا ہے اس لئے کہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں نفس کے ساتھ جہاد کر کے اپنی قبر میں جاتے ہیں تو ان کو وہاں وہ مقام دیا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا نیک بندہ تینوں سوالات قبر سے کامیاب ہو جاتا ہے تو فرشتے اس سے فرماتے ہیں کہ تو ایسے سو جا جیسے لہن سوئی ہے کہ اس کے محبوب کے علاوہ اُسے کوئی نہیں جگاتا۔ جب ولیوں کو ماننے والے ان کی یاد میں محفل منعقد کرتے ہیں جب ولی کو کسی مشکل میں پکارتے ہیں تو وہ ہر قسم کی دہنگیری کرتا ہے اپنے ماننے والوں کی۔ لہذا اہلسنت و جماعت کے نزدیک عرس کا یہی مفہوم ہے جس کو شاہ صاحب نے اپنی مختلف تصانیف میں ذکر کیا لہذا عرس منانا تمام علماء کرام و محدثین کرام کے نزدیک جائز امر ہے۔ (ملفوظات شاہ عبدالعزیز، ص ۷۵)

شاہ صاحب کے نزدیک کرامات اولیاء حق ہیں

شاہ صاحب سے ایک مرید نے عرض کیا کہ اولیاء سلف کے خرق عادت اور کرامتیں جو بیان کرتے ہیں مثلاً اینٹ کو سونا کر دینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، یہ سچ ہے یا زمانے کی وجہ سے اختلاف ہوا ہے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان روایات میں بہت مبالغہ ہے لیکن بعض اولیاء اللہ کی کرامتیں جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں تو اتر کی حد تک پہنچ گئیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ پہلے زمانے میں کرامتیں بہت وقوع میں آتی تھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاضت شاقہ کو خرق عادت میں بڑا دخل ہے لہذا مشہور اولیاء کرام کی کرامتیں ایسی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی خاطر کبھی کبھی آسمان پر بھی ان کے تصرفات ہوتے ہیں جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورج غروب ہونے کے بعد واپس لوٹایا تو اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو بھی یہ مقام عنایت فرماتا ہے آپ نے فرمایا کہ خرق عادت کی چھ قسمیں ہیں: اول معجزہ: وہ جو کفار کے مقابلے میں نبی سے ظاہر ہو، جیسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات ظاہر ہوئے۔ دوسری قسم کرامات: جو اولیاء سے صادر ہو، جیسے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے صادر ہوئیں۔ تیسری قسم ارہاس: جو نبوت سے پہلے ظاہر ہوں۔ چوتھی قسم عام مومنین کے حق میں دعا کی قبولیت اور اجابت وہ مومن خواہ عابد ہو زاہد ہو یا فاسق ہو یا فاجر ہو۔ پانچویں قسم استدراج: جو کفار کی طرف سے مقابلے اور دعوے کے طور پر واقع ہوں یعنی درجہ بدرجہ اس کو اور اس کے ماننے والوں کو گمراہی کی طرف کھینچنا۔ (ملفوظات عزیزی، ص ۹۷)

اولیاء اللہ کی ایک وقت میں مختلف مقامات پر حاضری

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میر علی ہمدانی کی چالیس غزلوں پر ثبوت باہم پہنچنا اس میں کوئی شبہ نہیں یعنی آپ کو چالیس مہمانوں نے مدعو کیا تھا ہر ایک کے پاس پہنچے اور ہر ایک کو ایک غزل لکھ کر دی اور آپ وہاں سے چلے آئے اب لوگوں میں باہم نزاع پیدا ہوا ہر ایک کہا تھا کہ میر علی ہمدانی اس وقت میرے پاس موجود تھے تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میر علی ہمدانی کا چالیس آدمیوں کے پاس بیک وقت حاضری دینا درست ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ ولی ایک وقت میں ہر مقام پر حاضر ہو سکتا ہے اپنے ماننے والوں کی مشکل کو حل فرماتا ہے ولی اپنی قبر میں زندہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے ایک مرتبہ ایک واقعہ سنا کہ محمد علی نامی ایک بزرگ نے اپنا چشم دید واقعہ بیان فرمایا کہ گجرات میں شاہ دولہا سے لاہور کی طرف تین دن کی مسافت کے فاصلے پر دریاے چناب کے کنارے دو قبریں تھیں لوگوں نے دریا کی طغیانی کے خطرے کی وجہ سے ان دونوں قبروں کو کھود کر دوسری جگہ منتقل کر دیا ان میں سے ایک شخص کا کفن ذرا میلا ہو گیا تھا اور دوسرے کا کفن ایسا ہی تھا جیسا کفن دیا تھا لیکن لاشیں دونوں کی صحیح سالم حالت میں تھیں تو یہ دونوں اللہ کے نیک بندوں کی قبریں تھیں جس کا کفن میلا ہو گیا تھا وہ وضو میں زیادہ اہتمام نہیں کرتا تھا اور جس کا کفن بالکل ٹھیک تھا وہ بڑے اہتمام کے ساتھ وضو کرتا تھا۔ (ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

کسی اللہ کے ولی سے بیٹا مانگنا

چنانچہ ایک شخص کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو اس نے آکر شاہ صاحب سے فرمایا کہ میرے اولاد نہیں ہوتی آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بیٹا عطا فرمائے تو آپ نے دعا فرمانے کے بعد کہا! جاتیرے ہاں بیٹا ہوگا اور اس کا نام یوسف رکھنا تو جب اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام جوزف رکھا تو شاہ صاحب نے جب بچہ کا نام سنا تو اس شخص سے پوچھا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کیلئے میں نے دعا کی تھی لیکن تم نے اس کا نام جوزف رکھا ہے لیکن میں نے تم کو کہا تھا کہ اس کا نام یوسف رکھنا تو اسی شخص نے کہا کیا ان کے درمیان کوئی فرق ہے تو آپ نے فرمایا کہ فرق تو کچھ نہیں صرف زبان کا فرق ہے آپ نے آگے چل کر فرمایا کہ میں اللہ کے ولیوں سے تعلق رکھتا ہوں اور تم بھی ولیوں سے تعلق رکھا کرو تا کہ اللہ آپ کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کے بعد آپ سے کسی انگریز نے سوال کیا کہ آپ لوگ جو کہتے ہیں کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو ہمارے قرآن میں نہ ہو کیا یہ بات سچ ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ بات سچ ہے۔ انگریز نے کہا بھلا کیا نسخہ کیا ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا، تانبہ لاؤ تو تانبہ کا ایک ٹکڑا لایا گیا تو آپ نے اس پر پڑھ کر دم کیا قرآن پاک کی آیت پڑھنے کے بعد وہ تانبہ سونا بن گیا اور انگریز نے کہا کہ کوئی اور شخص آیت قرآن پڑھ کر تانبے پر دم کرے تو کیا سونا بن سکتا ہے؟ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ قرآن پاک کی تاثیر میں تو کوئی شک نہیں لیکن زبانوں کا فرق ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نیک بندے سب کچھ کر سکتے ہیں، اللہ کی عطا ہے۔

(ملفوظاتِ عزیزی، ص ۹۷)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رجب کی چوتھی تاریخ کے بارے میں کہ حضرت امیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ جس دن یہ تاریخ ہوگی تو اسی دن رمضان کی یکم ہوگی اور عید الاضحیٰ اسی دن ہوگی تو آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہمیشہ ایسا ہی پایا۔ اس سال جنتری کے حساب سے چاند تحت الشعاع میں ہے اور ایک حصہ رات گزرنے کے بعد نکلے گا اور ہندسوں کے دوج کا اعتبار کبھی نہیں کیا گیا جب تک چاند کو نہ دیکھا حکم نہیں فرمایا۔

شاہ صاحب ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت قطب صاحب کے مینار کے اوپر سے جس کی پہلے سات منزلیں تھیں اب چھ رہ گئی ہیں۔ ایک فقیر وہاں حساب کیا کرتا تھا اور عجیب عجیب کرتب دکھایا کرتا تھا اس کے کپڑے ڈھیلے ڈھالے اور گہرے ہوتے تھے کرتے میں ان کے کپڑوں کی وجہ سے ہوا میں معلق ہو جاتا تھا اور نہایت ہوشیاری سے تمام مجمع میں سے اس شخص کو پکڑ لیتا تھا جو نیچے سے اس کو روپیہ دیتا تھا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خود اس شخص کو یہ کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ایک اور مقام پر شاہ صاحب نے دیوان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جٹوں کی بہت قسمیں ہیں جبکہ عربی کے محاورے میں ہے، **الجنون فنون**۔ کشمیر میں ایک دیوانہ تھا جس کسی کو دیکھتا تھا اور قابل سمجھتا تھا کہتا تھا بیٹھو حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ برسر پیکار میں مدد کرتا ہوں ایک دوسرا دیوانہ آیا اور کہا حضرت اللہ حویلی دیوانے آدمیوں نے کہ اس کو جھڑک دیں تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حویلی شامی قول کے ساتھ ہے جب تو قلعہ حاصل کرے گا تو حویلی تجھے اس وقت دوں گا تو اس دیوانے نے کہا کہ قلعہ آئندہ سال لوں گا شاہ صاحب فرماتے ہیں، اس نے کہا کہ ایک سال تک کہاں رہوں، تو فرمایا جامع مسجد کے مینار پر یہ بہت بلند مقام ہے۔

معجزہ اور کرامت دونوں نبی اور ولی سے ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اکثر معجزے مشہور ہیں۔ معجزہ وہ ہے جو بر بنائے تحدی واقع ہو ورنہ کرامت ہے چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اکثر کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جو حد تو اتر تک پہنچی ہیں ان میں سے ایک واقعہ مشہور ہے جو جوگی جے پال نامی کا ہے۔ اس واقعہ کی وجہ سے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو الہند کہا جاتا تھا بہت سے ہندو آپ سے عقیدت رکھتے تھے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامتوں کی مشہوری عام مسلمانوں میں تھی چنانچہ یہ واقعہ صاحب اور ادسبع عشر مشہور ہے۔ پھر شاہ صاحب نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی شان لامتناہی ہے حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض مومن دعا کرتے ہیں اور فرشتے سفارش کرتے ہیں حکم ہوتا ہے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ اس کا مدعا حاصل ہو جائے چنانچہ مولانا رومی ایک شعر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ورکنند رد لطف او شد بیشتر بہر تقریب سخن باب دگر

پھر شاہ صاحب ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک تاج کہتے ہیں کہ ایک جاندار کے بدن سے دوسرے جاندار کے بدن میں چلے جاتے ہیں (یعنی روح) یہ نہیں کہتا کہ سبزہ بن گئے۔ پس تم اپنی اصلی حقیقت پر نظر کرو نطفہ اور حلقہ سے بتدریج مدارج طے کر کے کہاں سے کہاں پہنچا پھر فرمایا، پہلی غذا کیا چیز تھی چاول یا گندم اس طرح گوشت وغیرہ پھر غذا میں کیا تبدیلی ہوئیں۔ پھر فرمایا کہ گندم سبزہ میں بدل گیا اور سبزہ گندم بن جاتا ہے پھر فرمایا کہ تمام اولیاء کرام کو اللہ کی طرف سے یہ تصرف اور دسترس حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں پس اس بنا پر ان حالات کا معائنہ کرنے کے بعد وہ بلکہ ان کی حالت خود بہ زبان حال کہتی ہے اور آپ نے فرمایا کہ ایک بار ایک بات یہ ہے کہ صوفی کی ایک ایسی حالت ہوتی ہے جس کو انقطاع انانیت یعنی اپنی فانییت کو قطعاً فراموش کر دیتے ہیں پس وہ حالت یعنی وہ ذات بے مثال خود گویا ہوتی ہے میں وہ ہوں جو اس حال کو پہنچ گئی ہوں اور مختلف مظاہر رکھتی ہوں۔ (ملفوظات عزیزی، ص ۹۷)

شاہ صاحب کے نزدیک مسئلہ شفاعت

شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر عمل بندے کی شفاعت کرے گا آپ ہر چیز میں جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کا نیک عمل اس کا نگہبان ہوتا ہے اللہ کی بارگاہ میں وہ عمل جو اس نے کیا عرض کرتا ہے کہ اے مولا تو نے مجھے پیدا کیا تھا اس بندے کے کرنے کیلئے آج اس بندے نے دنیا میں مجھ سے محبت رکھی آج تو میری وجہ سے اس کو معاف کر دے اور میری شفاعت کو اس کے حق میں قبول کر لے تو اللہ تعالیٰ نیک عمل کی شفاعت قبول کر کے اس کو معاف کر دیتا ہے۔

یہ تو ہے ہر وہ نیک عمل جس طرح نماز، روزہ، قرآن مجید اور ہر وہ صدقہ اس کی شفاعت کرے گا انبیاء، اولیاء، شہید، علماء شفاعت کریں گے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں اور ہر دروازے کیلئے جدا گانہ حصہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ سات دروازے کس کیلئے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کی امت سے جو لوگ گناہ کبیرہ کریں گے اور بغیر توبہ کئے ہوئے مرجائیں گے انہیں لوگوں کیلئے یہ سات دروازے ہیں اور ان لوگوں کے گناہ کے موافق اللہ تعالیٰ ان پر عذاب کرے گا۔ پھر ان لوگوں کو آپ شفاعت سے دوزخ سے نکالیں گے۔ تو یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روئے اور اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور تین دن تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف نہ لائے اور نہ کسی سے کلام فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا وعدہ فرمایا پھر قبروں اور حشرات الارض ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن لوگوں پر مہربانی کی ہوگی اور ان کو کھلایا پلایا ہوگا اور اسے صدقات اور ہر طرح کی اطاعت ان لوگوں کی شفاعت کرے گی جن لوگوں نے صدقات دیئے ہوں گے اور اطاعت کی ہوگی حتیٰ کہ جن لوگوں نے مسجد بنائی ہوگی ان لوگوں کی شفاعت وہ مسجد کرے گی جن لوگوں نے جائے نماز دی ہوگی وہ ان لوگوں کی شفاعت کرے گی اور جن لوگوں نے مسجد کو صاف کیا ہوگا وہ کوڑا ان لوگوں کی شفاعت کرے گا۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۳۲۹)

شفاعت کے بارے میں شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں کہ امور دنیا اور آخرت میں شفاعت سے یہ مراد ہے کہ گناہوں سے معافی کا سوال کیا جائے۔

از روئے لغت شفاعت کا لفظ عام ہے شفاعت جُری اور شفاعت ذنوبی دونوں کو شامل ہے شفاعت جُری ایک شخص دوسرے کے بارے میں طالع مطبوع کے حق میں کر سکتا ہے شفاعت ذنوبی بواسطہ کسی وسیلے کے اور بلا واسطہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمائیں گے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کیلئے مرید کے واسطے مرشد واسطہ ہوگا اور متعلم کیلئے استاذ شفاعت کا واسطہ ہوگا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان بھی شفاعت کریں گے اس لئے یہ مسئلہ نص قرآن سے ثابت ہے اور سنت رسول سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تابعداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور تابعداری کرو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور ان لوگوں کی تابعداری کرو جو تم میں سے صاحبان امر ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کی پیروی تم لوگ کرو گے سیدھی راہ پاؤ گے۔ جن لوگوں نے صحابہ کرام کی تابعداری کی صحابہ کرام ان کی شفاعت کریں گے۔ شاہ صاحب اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، **ملکوت کل شئی** سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا فرمایا اور وہ اللہ کی ہر وقت تسبیح کرتی ہے اور حقیقت میں وہ جسم لطیف ایک ایسا جزو ہے نورانی کہ جو ہر اور عرض سے تعلق رکھتا ہے اور ایسی جو ہر روحانی کے سبب سے قرآن کی سورتیں نیک عمل جیسے نماز، روزہ، کعبہ معظمہ، عالم برزخ میں اور قیامت میں شفاعت کریں گے اور گواہی دیں گے اور آسمان اور زمین دن اور رات گواہ ہوں گے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ مؤذن کے واسطے ہر پتھر، ڈھیلا اور درخت کی لکڑی جہاں تک اذان کی آواز پہنچے گی قیامت کے دن گواہی دیں گے اور اسی دن وہ جو ہر نورانی اپنی اپنی مناسب شکلیں پکڑ کے حشر کے میدان میں کھڑے ہوں گے اور گواہی دینے میں اور شفاعت کرنے میں مشغول ہوں گے اور فرق آدمی اور جاندار کی روح کے تعلق میں اور دوسری مخلوق کے روحوں کے تعلق میں یہ ہے کہ وسیلہ دائمی ہے دوسرا حلول سریانی سے مشابہت رکھتا ہے جس نے سب قوائے طبعیہ، نباتیہ اور حیوانیہ میں درد کے آگے اپنے حکم کے تابع کیا ہے اور دوسرا تعلق دائمی نہیں اور حلول طریانی سے مشابہ ہے اس واسطے دنیا میں بعض وقت ارتعلق کا ظاہر ہوتا ہے اور درخت اور پتھر نیوں سے کلام کرتے ہیں اور ان کے حکم پر کام کرتے ہیں اور ان کو سلام کرتے ہیں اور قیامت کے نزدیک ان کا تعلق ہمیشہ ہوگا شہر پانی کا ہو جائے گا اسی سبب سے جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے نزدیک ایسے ایسے عجائبات بہت پائے جائیں گے اسی وجہ سے انبیاء، اولیاء، شہداء، صدقات، اعمال صالحہ شفاعت فرمائیں گے۔ شاہ صاحب نے قرآن و حدیث سے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ شفاعت کا اذن فرمائے گا اُن میں سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے اُس کے بعد انبیاء و اولیاء اور شہداء اپنے اپنے مقام میں شفاعت فرمائیں گے۔ شاہ صاحب نے شفاعت انبیاء کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ (فتاویٰ عزیزی، ص ۳۲۹)

شاہ صاحب کے نزدیک وسیلہ کا مقام

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا اسلام میں ایک مقام ہے۔ بندہ اللہ کے کسی نیک بندے کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ میں غنودہ درگزر طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کی وجہ سے معاف فرما دیتا ہے اس عمل پر بزرگانِ دین کا قیام ہے اور تفسیر میں سینے کا طع ہے اس کے سچ ہونے میں کچھ شک و شبہ نہیں اسی لئے اولیاء کرام دُرود پاک اور نماز اور قرآنی آیتوں سے وسیلہ طلب کرتے تھے اللہ کی بارگاہ میں بڑی سے بڑی مشکل آجاتی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک سے مدد مانگتے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کا وسیلہ جو طلب کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہر قسم کی مشکلات کو دور فرما دیتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سخت حاجت پیش آئے تو حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کو بارہ دن اور دن میں بارہ ہزار مرتبہ پڑھے، اول و آخر دُرود شریف پڑھے دس مرتبہ اور یہ دُرود شریف پڑھنا ضروری ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ بارہ اشعار ایک مجلس میں پڑھیں یا ایک شخص اکیلا پڑھے مذکورہ دعا کو تین سو بار پڑھے بعد نمازِ عشاء ایک الگ جگہ بیٹھ کر جہاں تاریکی ہو اور اپنے پاس پانی کا پیالہ بھی رکھے اور لمحہ بہ لمحہ اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر منہ پر پھیرے تین روز سات روز چالیس روز تک پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے وسیلہ سے اسکی مشکل کو حل فرما دیگا یا ایک لاکھ پچیس مرتبہ چند آدمی مل کر یا صرف اکیلے بیٹھ کر تین سو مرتبہ اول و آخر دس مرتبہ دُرود شریف پڑھے، وہ وظیفہ یہ ہے **فسهل يا الله كل صعب بحرمه سيد** **الابرار سهل** پھر عاجزی کے ساتھ دعا کرے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جب جنت میں داخل فرمایا تو آپ کو درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا لیکن آپ درخت کے پاس گئے اور کچھ کھایا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت سے نکالا اور اس کے بعد جب آپ کو معلوم ہوا کہ مجھ سے خطا سرزد ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے تو اس پر آپ بہت روئے اور آپ نے بہت دعائیں کی لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قبولیت کا جواب نہیں آیا ایک روز آپ نے عرش کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو عرش کی بلند یوں پر کلمہ طیبہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** لکھا ہوا دیکھا تو آپ نے یہ سوچا کہ یہ جو نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ کسی بڑی کامل ہستی کا نام ہے تو آپ نے سوچا کہ میں اسی کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کروں تو اللہ تعالیٰ میری اس خطا کو معاف فرما دے گا تو آپ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی اور آخر میں یہ الفاظ پڑھے: **اسئلك بحق محمد ان تغفر لي** آپ نے جب ان الفاظ کیساتھ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف فرمایا اے آدم تو نے اس نام کو کس سے سنا اور کس طرح آپ نے سمجھا کہ یہ نام مبارک میرا وسیلہ بنے گا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے مولا جب میں نے عرش پر دیکھا تو تیرے نام کے ساتھ یہ نام بالکل ملا ہوا تھا تو اسلئے میں نے اسی نام مبارک کے وسیلے سے تیری بارگاہ میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم یہ میرے اس نبی کا نام ہے

اگر مجھے یہ پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا بلکہ میں اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا اس پیارے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو میں نے پیدا فرمایا اور اُس کے بعد ہر چیز کو پیدا کیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ شان ہے اور اللہ کی بارگاہ میں اتنا بڑا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے انبیاء علیہم السلام کو عفو و درگزر فرماتا ہے اس لئے آج بھی کوئی شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرمائے گا بلکہ قبول فرما کر اس کی حاجت کو پورا فرمایگا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ نماز حاجت پڑھنے سے بندے کی مشکل حل ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نماز کے اندر جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ایک نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابی اگر تو یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ میرے وسیلے سے تیری آنکھوں کی روشنی دوبارہ لوٹا دے گا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دعا خاص نہیں بلکہ عام ہے جب بھی کوئی اللہ کا بندہ کسی پریشانی میں پھنس جائے تو اللہ تعالیٰ اس دعا کے پڑھنے سے اس کی پریشانی کو دور فرما دیگا کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے نام سے وسیلہ طلب کیا جاتا ہے یہ عقیدہ علماء اہلسنت کا ہے اور شاہ صاحب نے جس طرح عقیدہ اہل سنت کا دفاع کیا ہے اور اس کو دلائل کیساتھ ثابت کیا ہے کاش کہ آج کے بدعقیدہ دیوبندی وہابی، غیر مقلد مان لیں اور مسلمان ہو جائیں۔ (کلمات عزیز، ص ۹۴)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علم غیب جانتے ہیں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک عطائی اور ایک ذاتی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی دونوں کا ذکر کیا ہے علم غیب ذاتی کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اور علم غیب عطائی کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن پاک کی سورہ بقرہ کی تفصیل میں ان آیات کریمہ کی تفصیل کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب عطائی ثابت کیا ہے اور شاہ صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم ماکان و مایکون عطا فرمایا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دل کی کیفیت کو بھی جانتے تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انبیاء، صدیقین اور اولیاء کرام کو بھی علم غیب حاصل ہے۔ شاہ صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر اور اپنی مختلف تصانیف میں یہ امر ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا جن آیات کریمہ اور جن احادیث مبارکہ میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ذاتی علم غیب کی نفی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور مافیہا کا علم غیب عنایت فرمایا ہے، جن آیات کریمہ سے علماء اہلسنت نے استدلال کیا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب پر بیہتم شاہ صاحب نے بھی استدلال فرمایا ہے۔ (فتاویٰ عزیز، ص ۱۲۱)

اختیار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے خزانوں کا مختار بنایا ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ صحاح ستہ کی مشہور حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی ہیں ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر خزانے کی چابیاں عطا فرمائیں اور یہ چابیاں جبرئیل امین (علیہ السلام) نے اہلق گھوڑے پر سوار ہو کر مجھ تک پہنچائیں ہیں۔ تو پتا چلا کہ جو عقیدہ اہلسنت کا ہے اختیار مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں وہی عقیدہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔

معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شق صدر

شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روحانی و جسمانی معراجیں ہوئیں جسمانی معراج جس کا ذکر قرآن پاک اور مشہور حدیث مبارک میں ہے یہ معراج جسمانی تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو متعدد بار روحانی معراج ہوئیں اور چار مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا جس طرح علماء اہلسنت کا عقیدہ ہے معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں یہی عقیدہ شاہ صاحب کا ہے اور اسی معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو تمام علوم عطا فرمائے اور یہی عقیدہ اہلسنت کا ہے۔

میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قیام و سلام

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ربیع الاول شریف کا مہینہ لیلۃ القدر سے افضل ہے اسی مہینہ میں ولادت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کرنے اور فیوض برکات حاصل کرنے میں بہت اہم مہینہ ہے اسلئے فقیر بھی خصوصاً اپنے گھر پر دو مجلسیں منعقد کرتا ہے ایک شہادت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، دوسری میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہی طریقہ عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کا ہمارے سلف اور خلف میں رہا ہے اسلئے میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانا اور اس سے فیض حاصل کرنے سے ایمان میں ایک قوی طاقت ہوتی ہے اور پھر آخر میں شاہ صاحب کچھ اشعار صلوٰۃ و سلام کے پڑھ کر فارغ ہوتے اور یہی عقیدہ اہلسنت کا میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں ہے۔

فاتحہ، سوئم، چالیسواں، سالانہ منانا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ امور جائز اور مستحب ہیں ان امور سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور یہ امور قرآن پاک و حدیث کی نظر میں بالکل جائز ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردے کی مثال ڈوبنے والے جیسی ہے تم اپنے مردوں کو صدقات کے ذریعے سے بچاؤ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ متعدد احادیث مبارکہ سے ان امور کے جائز ہونے کی مثالیں ملتی ہیں اور یہ جو عقیدہ اہلسنت کا ہے کہ زندوں کے عمل سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اسلئے ہم یہ امور کرتے ہیں تو یہ زندوں کا عمل ہے اور اس سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اور ان امور کی اصل ایصال ثواب ہے اور یہ امور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں یہی عقیدہ اہلسنت کا ہے۔

تبرکات کی زیارت کرنا جائز ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تبرکات ایسے ہوں کہ جن کے بارے میں صحیح طریقے پر معلومات ہوں کہ واقعی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک یا کچھ ان کے کپڑوں کا حصہ جن کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ واقعی یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے تبرکات ہیں اس طریقے میں اولیاء عظام کے تبرکات یا کسی ولی کے مزار کی چادر یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک یا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کا نقشہ یا پاؤں مبارک کا نقشہ اسی طرح عصا مبارک کا نقشہ یا عمامہ شریف کا نقشہ اور اہل بیت کے تبرکات، ان کی زیارت کرنے میں کوئی فتنہ امر نہیں ہے بلکہ ان کی زیارت کرنا جائز ہے اور نجات کا سبب ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انسان کو پختہ یقین ہو کہ واقعی یہ تبرکات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا تبرکات صحابہ کرام ہیں یا اولیاء کے تبرکات ہیں پھر ان کی زیارت کرے جو نیت زیارت کی ہوگی اللہ تعالیٰ اس امر میں کامیاب کرے گا۔ قرآن و حدیث کی نظر میں اور سلف اور خلف کے طریقوں میں بالکل جائز ہے۔

تو پتا چلا کہ شاہ صاحب کا جو نظریہ ہے وہ مسلک حق اہلسنت کی تائید کرتا ہے کہ اہلسنت تبرکات کو بالکل جائز اور مستحسن سمجھتے ہیں اس میں کوئی بدعت اور شرک نہیں ہوتا۔ اہلسنت کے نزدیک تبرکات کا احترام اور تبرکات سے فتح و نصرت زمانہ قدیم میں تھا شریعت مطہرہ میں بھی جائز ہے اس لئے تبرکات کی زیارت کا طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے تبرکات کی نظیر ملتی ہے یہی عقیدہ اہلسنت کا ہے۔

تعویذات اور گنڈے کرنا جائز ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں، تعویذ کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ حقیقی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن تعویذات میں اللہ تعالیٰ نے شفاء ڈالی ہے اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعویذ لکھا کرتے تھے اور لوگوں کو دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سے ایک روایت کو نقل فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر تعویذ لکھ کر بچوں کیلئے دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اس کو بچے کے گلے میں ڈالو۔ بازو پر باندھنے کا تعویذ بھی دیا کرتے تھے تو صحابہ کرام کی نیت ٹھہری تعویذات لکھنا۔ تعویذات دینا جگہ کا تعین کرنا جہاں باندھنا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعویذ دیتے اور دم بھی فرماتے تھے۔ شاہ صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ اکثر بزرگان دین و مشائخ عملیات اور تعویذات کا کام کرتے تھے جو شریعت کے موافق ہے اس کو موجب حسنات و سبب کمال برکات و ذریعہ حصول جملہ مطالبات و حاجات کا سمجھنا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت ولی نعمت، مولانا شاہ ولی اللہ اور دیگر بزرگان دین نے جو اعمال وغیرہ تحریر فرمائے ہیں وہ شریعت کے مطابق ہیں۔

آپ سے سوال ہوا کہ جو نقشہ جات ہندسوں میں لکھے جاتے ہیں فرمایا کہ جو لوگ ادب کریں تعویذ کا تو اس کو اللہ تعالیٰ کا نام یا قرآن مجید کی آیتیں لکھ کر دی جائیں۔ اسم ذات اور آیات معوذات کو تعویذ کہ ہندسوں کے بطور چال شطرنج کے لکھ کر دینا جائز ہے اور اسی سے نفع حاصل ہوتا ہے۔ توقع اجر و ثواب کا موجب ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، **خیر الناس من ینفع الناس** شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی بیماری کیلئے دم کرنا اور کسی چیز کو دم کر کے دینا جائز ہے جبکہ خود شاہ صاحب نفاس کی مریضہ عورت کو رومال دم کر کے دیتے تھے جب وہ عورت رومال کو باندھتی تو اس سے نفاس کا خون آنا بند ہو جاتا اسی طرح شاہ صاحب کے عملیات مؤثر اور مجرب ہوتے تھے اس پر شاہ صاحب نے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تعویذات سے دل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

تو پتا چلا کہ اہل سنت و جماعت میں جو طریقہ رائج ہے تعویذات دینا اور دم وغیرہ کرنا، تو یہی طریقہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بھی رہا ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی تصانیف میں قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت بھی کی ہے کہ تعویذات لکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی سنت ہے اور سلف و خلف کا بھی یہی طریقہ رہا ہے اہلسنت و جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو شافی بنایا ہے۔ قرآن پاک میں سے تعویذات بنائے جاتے ہیں لہذا مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہوئی اور تعویذات کے اور اللہ نے تاثیر ڈالی ہے لہذا جو طریقہ شاہ صاحب کا ہے آج ان کے ماننے والوں کا طریقہ نہیں وہ صرف برائے نام شاہ صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدد کھنا جائز ہے

شاہ صاحب نے ان اشعار کو پسند فرمایا جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی جاتی ہے شاہ صاحب نے اپنی تصانیف کے اندر بھی اُن اشعار کو شامل فرمایا اور اپنے جنازے میں پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

تو ثابت ہوا کہ استعانت بالرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جائز ہے شاہ صاحب نے استعانت بالاولیاء کو بھی جائز فرمایا ہے بلکہ شاہ صاحب کا نظریہ عام مومنین کیلئے یہ ہے کہ ان سے بھی استعانت طلب کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہوئی استعانت لغیرہ جائز ہے برعقیدہ اہلسنت۔

شاہ صاحب کے عقیدے کو دیکھتے ہوئے انسان بخوبی یہ جان لیتا ہے کہ اتنے بڑے محدث نے اُن عقیدوں کو دلائل اور براہین سے ثابت کیا ہے جو اس وقت دورِ حاضر میں مختلف ہیں تمام فرقے جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں وہ ان تمام عقیدوں کو رد کرتے ہیں واحد اہلسنت و جماعت ہے جو ان پر عمل پیرا ہے۔

حالانکہ ان تمام فرقوں کے علماء حدیث کی سند میں آپ یعنی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو اپنا استاد مانتے ہیں آپ شیخ کے نظریہ کو دیکھتے ہیں اور جو ان کو شیخ تک پہنچائے اس کا عقیدہ اور ہو تو اس سے سند حدیث کا ضعف لاحق ہوتا ہے۔

آج ان تمام باطل فرقوں نے شاہ صاحب کی کتابوں کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا اور یہ کوشش کی کہ شاہ صاحب کے عقیدے کو اپنے عقیدے کے مطابق کیا جائے لیکن اتنی کوشش کے باوجود تحریف نہ کر سکے۔

اختلافی مسائل پر

تاریخی فتویٰ

سیف اللہ المسلمول معین الحق مولانا شاہ
فضل رسول قادری
بدایونی

ترجمہ، ترتیب، تخریج

مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سلسلہ مطبوعات (۴۴)

Tarekhi Fatwa

By : Maulana Shah Fazle Rasool Qadri Budauni

عنوان کتاب : اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ
مصنف : سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
ترجمہ، ترتیب، تخریج : مولانا اسید الحق قادری
طبع اول (فارسی) : مطبع مفید الخلاق دہلی، جمادی الثانی ۱۴۶۸ھ
طبع جدید : ستمبر ۲۰۰۹ء / رمضان ۱۴۳۰ھ
قیمت :
رابطے کے لیے

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mohalla,
Budaun-243601 (U.P.) India
Phone : 0091-9358563720

<i>Distributor</i> Maktaba Jam-e-Noor 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6	<i>Publisher</i> Tajul Fahool Academy Budaun
--	---

انتساب

مصنف کے جد محترم
حضرت مولانا شاہ عبدالحمید قادری بدایونی
(ولادت ۱۱۵۲ھ وفات ۱۲۳۳ھ)
کے نام

اسید الحق قادری

جشن زریں

رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے
مارچ ۲۰۱۰ء میں تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ
بدایوں شریف) کے عہد سجادگی کو پچاس سال مکمل ہونے جارہے ہیں، ان پچاس برسوں میں اپنے اکابر
کے مسلک پر مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے رشد و ہدایت، اصلاح و ارشاد، وابستگیان کی دینی اور روحانی
تربیت اور سلسلہ قادریہ کے فروغ کے لیے آپ کی جدوجہد اور خدمات محتاج بیان نہیں، آپ کے عہد
سجادگی میں خانقاہ قادریہ نے تبلیغی، اشاعتی اور تعمیری میدانوں میں نمایاں ترقی کی، مدرسہ قادریہ کی نشاۃ
ثانیہ، کتب خانہ قادریہ کی جدید کاری، مدرسہ قادریہ اور خانقاہ قادریہ میں جدید عمارتوں کی تعمیر، یہ سب
ایسی نمایاں خدمات ہیں جو خانقاہ قادریہ کی تاریخ کا ایک روشن اور تابناک باب ہیں۔

بعض وابستگیان سلسلہ قادریہ نے خواہش ظاہر کی کہ اس موقع پر نہایت تزک و احتشام سے ”پچاس
سالہ جشن“ منایا جائے، لیکن صاحبزادہ گرامی قدر مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری (ولی عہد خانقاہ قادریہ
بدایوں) نے فرمایا کہ ”اس جشن کو ہم ’جشن اشاعت‘ کے طور پر منائیں گے۔ اس موقع پر اکابر خانوادہ
قادریہ اور علماء مدرسہ قادریہ کی پچاس کتابیں جدید آب و تاب اور موجودہ تحقیقی و اشاعتی معیار کے مطابق
شائع کی جائیں گی، تاکہ یہ پچاس سالہ جشن یادگار بن جائے اور آستانہ قادریہ کی اشاعتی خدمات کی تاریخ
میں یہ جشن ایک سنگ میل ثابت ہو۔ لہذا حضور صاحب سجادہ کی اجازت و سرپرستی اور صاحبزادہ گرامی کی
نگرانی میں تاریخ ساز اشاعتی منصوبہ ترتیب دیا گیا اور اللہ کے بھروسے پر کام کا آغاز کر دیا گیا، اس اشاعتی
منصوبے کے تحت گزشتہ ۲ سال کے عرصہ میں ۲۷ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اب تاج الفحول اکیڈمی
مزید ۸ کتابیں منظر عام پر لا رہی ہے، زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

رب قدیر و مقتدر سے دعا ہے کہ حضرت صاحب سجادہ (آستانہ قادریہ بدایوں) کی عمر میں برکتیں عطا
فرمائے، آپ کا سایہ ہم وابستگیان کے سر پر تادیر قائم رکھے۔ تاج الفحول اکیڈمی کے اس اشاعتی منصوبے کو
بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچائے اور ہمیں خدمت دین کا مزید حوصلہ اور توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالقیوم قادری

جنرل سکریٹری تاج الفحول اکیڈمی

خادم خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

حرفِ آغاز

تاج الفحول اکیڈمی اپنے اشاعتی منصوبے کے تیسرے مرحلہ میں سیف اللہ المسلمول کا یہ تاریخی فتویٰ پیش کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہی ہے۔ اکابرینِ بدایوں کا وہ علمی سرمایہ جو گزشتہ ایک صدی سے بعض مخصوص کتب خانوں کی زینت تھا اب ایک جامع منصوبے کے تحت جامع شریعت و طریقت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں) مدظلہ العالی کی فعال قیادت، معارف پروری اور مخصوص دعاؤں کے نتیجہ میں رفتہ رفتہ جدید آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آ رہا ہے۔ تاج الفحول اکیڈمی کا کارواں سبک خرامی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، رب قدر اس کے تمام منصوبوں کو بحسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچائے (آمین)۔

زیر نظر رسالہ سیف اللہ المسلمول کا وہ تاریخی فتویٰ ہے جسے آپ نے ہندستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استفتا کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ فتوے میں موجود علمی مباحث کی اہمیت اپنی جگہ مگر تاریخی حیثیت سے بھی یہ فتویٰ اس لیے اہم ہے کہ یہ ایک فرماں روا کے استفتا کے جواب میں تحریر کیا گیا اور یہ اس وقت کے اکابر اور جدید علما کی تصدیق و تائید سے مزین ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کے غیر منقسم ہندستان کا تصور کریں معقول و منقول، تصوف و روحانیت اور علم ظاہر و باطن کے ایسے ایسے اساطین نظر آئیں گے کہ رہتی دنیا تک زمانہ ان پر ناز کرے گا۔ برصغیر کے علمی مرکز فرنگی محل کا شمس فضل و کمال دائرۃ نصف النہار پر تھا، خیر آبادی درساگاہ اپنے عہد شباب میں تھی، دار الخلافہ دہلی میں تو اہل فضل و کمال کی ایسی انجمن آباد تھی کہ

پھر چشم فلک نے اس کے بعد اہل علم و فن کا ایسا اجتماع کبھی نہ دیکھا۔ مولانا عبدالوالی فرنگی محلی، مفتی نعمت اللہ فرنگی محلی، مولانا ولی اللہ فرنگی محلی اور مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی خانوادہ فرنگی محل کی علمی وراثت کی نمائندگی کر رہے تھے، استاذ مطلق علامہ فضل حق خیر آبادی اپنے پورے علمی جاہ جلال کے ساتھ رونق افروز تھے۔ مولانا حیدر علی فیض آبادی (مصنف منتهی الکلام) مفتی عنایت احمد کا کوروی اور حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی اپنے علمی فیضان سے زمانے کو سیراب کر رہے تھے، دہلی میں مفتی صدر الدین آزر دہ صدر الصدور دہلی انجمن علم و ادب کی شمع فروزاں تھے اور خود شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ مخصوص اللہ دہلوی مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے اور علم و فن کے دریا بہا رہے تھے۔ خدا نخواستہ ان اساطین علم و فن کی تنقیص یا تخفیف مقصود نہیں ہے مگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ مختلف فیہ اور متنازع مسائل میں جب حکم شرعی معلوم کرنا ہوا تو بادشاہ وقت کی نگاہ نے کسی ایسی شخصیت کی تلاش کی ہوگی جو علم و تحقیق کی گہرائی کے ساتھ ساتھ علما اور عوام دونوں میں یکساں طور پر پایہ اعتبار و استناد رکھتی ہو تاکہ اس کی رائے اس سلسلے میں قول فیصل قرار پائے، اس کے لیے پورے ہندوستان میں طواف کرنے کے بعد بادشاہ وقت کی نگاہ انتخاب ایک ایسی شخصیت پر جا کر ٹھہرتی ہے جو مسند درس اور بور یہ فقرہ دونوں کو بیک وقت زینت بخش رہی تھی، یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اگر بادشاہ اس ذات میں اپنے مطلوبہ تمام اوصاف نہ دیکھ لیتا تو نواب استقامت جنگ کو ہرگز آپ کی بارگاہ میں استفتا لے کر نہ بھیجتا۔ اس پہلو سے اگر اس فتوے کو دیکھا جائے تو اس حقیقت کا ادراک زیادہ مشکل نہیں کہ اپنے معاصر علما میں سیف اللہ المسلمول کس بلند رتبہ اور ممتاز مقام کے حامل تھے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اس فتوے کے سلسلہ میں حضرت کے سوانح نگار مولانا ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

حضرت اقدس کی تصانیف مطبوعہ مشہورہ اور غیر مطبوعہ کے علاوہ ایک فتویٰ ہے جس کو ہندوستان کے آخری اسلامی تاجدار، خاتم السلاطین ہند

حضرت ظل سبحانی، سلالہ دودمان تیموریہ، خلاصہ خاندان مغلیہ، سلطان ابن السلطان خاقان ابن خاقان ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی جنت آشیانی نے دہلی سے بہ کمال حسن عقیدت آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ یہ استغنا بارگاہ سلطانی سے نواب معلی القاب علاء الدولہ یحییٰ الملک سید محی الدین خان بہادر استقامت جنگ خلف الصدق جناب اعظم الدولہ معین الملک محمد منیر خان بہادر بدایوں لے کر آئے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں شاہانہ آداب کے ساتھ خریطہ سلطانی پیش کیا آپ نے شاہی مہمان کو درویشانہ میزبانی کے ساتھ ٹھہرایا اور فوراً جواب استغنا مرتب فرمایا۔ دہلی کے تمام اکابر علمائے اعلام نے تصحیح و تصدیق کی مہریں کر دیں فرمان سلطانی سے یہ فتویٰ ماہ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں دار الخلافہ شاہجہان آباد محلہ زینب باڑی مطبع مفید الخلائق میں مطبوع ہوا۔ (اکمل التاریخ، ج ۲/ص ۱۵۳)

جیسا کہ مذکور ہوا کہ یہ فتویٰ سب سے پہلے مطبع مفید الخلائق دہلی سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا۔ مولانا ضیاء القادری کی کتاب اکمل التاریخ ۱۳۳۴ھ میں طبع ہوئی اس میں انھوں نے پورا فتویٰ نقل کر کے اس کو محفوظ کر دیا۔

۱۹۷۰ء-۱۹۸۰ء کے درمیانی برسوں میں حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی کے دامن سے وابستہ اور ان کے خاص مرید و خادم ڈاکٹر شیخ علیم الدین قادری قدیری نے اس فتوے کا اردو ترجمہ کر کے اپنے قائم کردہ ادارہ مدینۃ العلم کلکتہ سے شائع کیا اور بعد میں یہی ترجمہ ماہنامہ مظہر حق بدایوں اور پاکستان کے کچھ رسائل میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ترجمہ سلیس اور عمدہ تھا مگر اس کو اب ۳۰/۴۰ برس گزر گئے، لہذا بعض وجوہات کی بنیاد پر از سر نو ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، راقم الحروف نے اپنی کم علمی کے باوجود فارسی کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے، ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ مصنف رسالہ نے جہاں علما کی عربی

عبارات لکھنے کے بجائے صرف فارسی ترجمہ لکھنے پر اکتفا کیا تھا، اب اصل کتابوں کی طرف رجوع کر کے ساتھ میں عربی عبارات بھی شامل کر دی گئی ہیں۔ اور حتی الامکان آیات، احادیث اور عبارتوں کی تخریج بھی کر دی گئی ہے، اب جدید آب و تاب کے ساتھ ۱۶۲ سال پرانا یہ فتویٰ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

بت سازی - یہاں ایک غلط فہمی کی وضاحت بھی ضروری ہے، جو اس فتوے کے ایک جملے کی وجہ سے بعض اذہان میں پیدا ہو گئی ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے استفتا میں دو سوال یہ بھی تھے کہ ایک شخص کہتا ہے ”تعزیه کو قصد ایا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کا کفر ہو جاتا ہے اگرچہ بغیر ارادے کے ہو، ایسے قائل کا کیا حکم ہے؟“

سوال کو دوبارہ غور سے پڑھیں قائل یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ تعزیه دیکھنا اور دسہرے میں جانا حرام ہے بلکہ وہ اس کو کفر کہہ رہا ہے، اہل علم تو اہل علم ایک عام آدمی بھی حرام اور کفر کے درمیان فرق کو خوب سمجھتا ہے۔ اس فرق کو نگاہ میں رکھ کر اب حضرت کا جواب ملاحظہ کریں:

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان و کفر تصدیق و تکذیب کا نام ہے جو دل کا فعل ہے اور زبان سے اقرار کرنا ایک زائد رکن ہے یا زبان سے اقرار کرنا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے اور باطل فرقوں میں سے خوارج کے نزدیک تصدیق مع الطاعت کا نام ایمان ہے لہذا ہر گناہ کو وہ کفر بتاتے ہیں اور ہر معصیت ان کے نزدیک شرک ہے خوارج کا یہ گمراہ عقیدہ چونکہ حد شہرت کو پہنچ چکا ہے لہذا اس کی سند کی حاجت نہیں ہے۔

قائل نے فقط آنکھ کے فعل یعنی دیکھنے پر کفر کا حکم لگا دیا خواہ دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو، قائل کا یہ قول اس کے اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ تعزیه کے بارے میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قوم اس کی عبادت کرتی ہے اس لیے اس کے دیکھنے سے کفر لازم آئے گا، تو قائل کا یہ حکم لگانا بھی باطل ہے ورنہ اس سے تو یہ لازم

آئے گا کہ چاند سورج دیکھنا، گنگا جمنہ کو دیکھنا اور اس کا پانی پینا بھی کفر ہو۔
 اس کے بعد سوال میں موجود دسہرہ کے تعلق سے یہ وضاحت کرتے ہیں کہ غیر مسلموں کے
 تیوہاروں میں شرکت اگر تعظیماً ہو اور ان کے کفریہ اعمال میں موافقت کرے تو کفر ہوگا ورنہ کفر نہیں
 ہے۔ اس کے لیے آپ نے طحاوی اور عالمگیری کا حوالہ دیا ہے۔
 فرماتے ہیں:

ہاں البتہ فقہ کی کتابوں میں مشرکین کی عیدوں میں بقصد تعظیم جانے اور ان
 کے افعال میں موافقت کرنے کو کفر لکھا ہے، طحاوی میں ہے کہ ”آدمی کا
 مشرکین کی عید میں تعظیماً جانا کفر ہے“۔ عالمگیری میں ہے کہ ”اس شخص کی
 تکفیر کی جائے گی جو مجوسیوں کے جشن نیروز میں جائے ان کی ان کاموں
 میں موافقت کی غرض سے جو وہ اس دن کرتے ہیں اور نیروز کی تعظیم کے
 قصد سے کوئی ایسی چیز خریدے جو اس نے اس سے پہلے نہیں خریدی نہ کہ
 اس چیز کو کھانے پینے کے لیے، اسی طرح اس دن مشرکوں کو اس دن کی
 عظمت کی وجہ سے کوئی ہدیہ وغیرہ دینے سے بھی کفر ہو جائے گا اگرچہ تحفہ
 میں ایک انڈا ہی دیا ہو، مجوسی کی دعوت جو وہ اپنے لڑکے کے سر منڈانے
 میں کرے تو اس دعوت میں جانے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی“۔

اس کے بعد آپ نے صحیح بخاری اور فتح الباری سے اس بات کو مزید مدلل کیا ہے۔ اس ضمن میں
 فتاویٰ عالمگیری سے یہ جزیہ نقل کیا کہ مسلمان کو مجوسی سے اس کی آگ روشن کرنے کے عوض
 مزدوری لینے میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب محیط سے یہ جزیہ نقل کیا کہ کسی
 مسلمان کا کسی ذمی کے یہاں عبادت خانہ اور کلیسہ بنانے کے لیے مزدوری کرنا جائز ہے۔ اس
 کے بعد بتوں کی خرید و فروخت کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر کی فتح الباری سے ایک عبارت نقل کی
 جس کے آخر میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ”بت اور صلیب بنانا حرام ہے“۔ اس سے صاف
 ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل کفر نہیں ہے، چونکہ استفتا میں تعزیہ دیکھنے اور دسہرے میں جانے

کو حرام نہیں بلکہ کفر کہا گیا تھا اس لیے پوری بحث کرنے کے بعد اب اس قائل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہ بیند کہ ساختن بت کفر نیست و در جواز بیع آن تفصیل علی اختلاف و
مزدوری ساختن بت خانہ و برافروختن نارِ معبد مجوس جائز و دیدن تعزیہ
بالقصد یا بلا قصد کفر؟

دیکھنا چاہیے کہ بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید و فروخت کے جواز
میں اختلاف موجود ہے، بت خانہ بنانے کی مزدوری اور مجوسیوں کے
عبادت خانے کی آگ روشن کرنا تو جائز ہو اور تعزیہ کو قصداً یا بلا قصد دیکھنا
کفر ہو؟

یہ اتنی صاف شفاف بحث ہے کہ اس میں کسی ذی شعور انصاف پسند کو اشکال نہیں ہوگا اور پھر
اس میں مصنف نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کہا بلکہ معتبر کتب کے حوالے سے کہا
ہے مگر براہِ تعصب و تنگ نظری کا کہ بعض نام نہاد محققین نے اس پر حاشیہ آرائی کر کے کیا سے کیا بنا
دیا۔

دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ معاصر قلم کار ڈاکٹر خالد محمود صاحب نے ”مطالعہ بریلویت“
کے نام سے سات جلدوں میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے، اس میں موصوف نے کئی جگہ مولانا فضل
رسول بدایونی اور ان کے خلاف پر بھی کرم فرمائی کی ہے۔ ان کے ایک بے بنیاد الزام کا تنقیدی
اور تحقیقی جائزہ ہم اپنی کتاب ”تذکرہ ماجد“ میں پیش کر چکے ہیں۔ ان کی باقی مہربانیوں کا حساب
بے باق کرنا بھی ہمارے اوپر قرض ہے۔ سردست ہم ڈاکٹر صاحب کی اس خامہ فرسائی پر کچھ
عرض کرنا چاہتے ہیں جس کا تعلق زیر نظر فتوے سے ہے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

ہندو بت پرست تھے اور ابھی پنڈت دیانند نے آریہ سماج کی تحریک شروع
نہ کی تھی اور مسلمانوں کو بتوں سے بہت نفرت تھی اور وہ کبھی بتوں اور
مندروں کے قریب نہ پھٹکتے تھے، ہندو چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں

کے ذہنوں سے بتوں کی نفرت اتاری جائے، اچانک یہ مسئلہ کھڑا کر دیا کہ بت بنانا کفر ہے یا نہیں؟ اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ (رحیمیہ) کی طرف رخ نہ کیا گیا، ان علما کی تلاش کی گئی جو ان محدثین دہلی کے خلاف مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی مسند سنبھالے ہوئے تھے۔ مولانا فضل رسول بدایونی ان کے سرخیل تھے اور حضرت اسماعیل شہید کے خلاف متعدد کتابیں ”سیف الجبار“ وغیرہ لکھ چکے تھے، آپ نے فتویٰ دیا جسے مفید الخلاق پریس شاہ جہاں آباد نے ۱۲۲۸ھ میں بڑی آب و تاب سے شائع کیا: ”عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں“ دیکھئے مولانا نے ہندو ازم کو کس گھناؤنے انداز میں سہارا دیا، مسلمانوں کو بتوں کے نام سے نفرت تھی وہ اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کرتے تھے، چہ جائے کہ بنانا، مگر مولانا نے مسلمانوں کے ذہن سے بتوں کی نفرت کو کم کرنے کے لیے ایک عجیب فقہی سہارا لیا۔

(مطالعہ بریلویت ج ۳/ص ۱۱۵، ۱۱۶، حافظی بک ڈپو دیوبند)

اس اقتباس میں جس طرح تاریخی حقائق کو مسخ کیا گیا ہے وہ مسلکی زعم تعصب کی ایک عبرت انگیز مثال ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ سوال ہندوؤں نے کیا تھا جب کہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ استغنا مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا تھا، پھر یہ کہ بت بنانے کے سلسلہ میں کوئی سوال کیا ہی نہیں گیا تھا، آپ دیکھ چکے کہ یہ بات ضمناً آگئی ہے، اصل استغنا میں اس تعلق سے کوئی سوال نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فتوے سے جو ایک جملہ نقل کیا ہے کہ ”عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں؟“ اس میں لفظ ”عبادت کے لیے“ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اصل فتوے میں اس لفظ کا وجود ہی نہیں ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ ”اس فتوے کے لیے دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ کی طرف رخ نہ کیا گیا بلکہ محدثین دہلی کے مخالف علما کو تلاش کیا گیا“ تاریخ کی اس ستم ظریفی کو کیا کہا جائے کہ (بقول ڈاکٹر صاحب) ”ہندو ازم کو گھناؤنے

انداز میں سہارا دینے والے، اس فتوے کی تائید و تصدیق کرنے والے علما میں آدھے سے زیادہ علما ”دہلی کے پرانے علمی مرکز مدرسہ رحیمہ“ کے فارغ التحصیل اور ”محدثین دہلی“ کی درس گاہ کے فیض یافتہ ہیں، مثال کے طور پر (۱) مفتی صدر الدین آزدہ تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۲) مولانا حیدر علی فیض آبادی تلمیذ شاہ رفیع الدین دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۳) مولانا احمد سعید نقشبندی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۴) مولانا کریم اللہ دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۵) مولانا حکیم امام الدین تلمیذ مولانا فضل حق خیر آبادی تلمیذ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی و شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۶) مولانا فرید الدین دہلوی تلمیذ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ (دیکھیے: نزہۃ الخواطر و تذکرہ علما ۷ ہند از رحمان علی)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

ولا یجر منکم شأن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ
کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تم نا انصافی کرو،
(بلکہ) ہمیشہ عدل کرو کہ وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور کرم فرما ڈاکٹر ابو عدنان سہیل صاحب نے اپنی کتاب ”بریلویت طلسم، فریب یا حقیقت“ میں داد تحقیق دی ہے، پہلے انھوں نے الفاظ کی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ بلا حوالہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس بت کدہ ہند میں سیکڑوں سال تک شان سے حکومت کرنے والے مسلمانوں کو روزی روٹی حاصل کرنے کے بہانے بت خانے بنانے کی ترغیب دینے کا یہ فتویٰ کہ ”عبادت کے لیے بت بنانا کفر نہیں“ جہاں ان کی دینی غیرت کے لیے ایک تازیانہ ہے اور عقیدہ توحید کے ساتھ ایک سنگین مذاق، وہاں ہندومت کی تائید و توثیق اور اس کے احیاء نو کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کی فکر اور درپردہ اسلام کے خلاف ان کے

پوشیدہ عزائم کی بھی صاف نشان دہی کرتا ہے۔
 (بریلویت طلسم فریب یا حقیقت، ص: ۳۶۰، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند ۱۹۹۹ء)
 ڈاکٹر سہیل صاحب نے ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی تحقیق پر اپنی طرف سے اتنا اضافہ اور کیا
 ہے کہ:

”اس کے لیے محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ کی طرف
 رجوع کرنے کی بجائے خاندان ولی اللہ کے کٹر دشمن اور ابوالفضل فیضی
 کے مداح مولانا فضل رسول بدایونی کو تلاش کیا گیا اور انھوں نے ہندوازم
 کی تائید میں یہ فتویٰ دے ڈالا۔“

(مرجع سابق ص ۳۵۹)

مولانا فضل رسول بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح ثابت کرنے کے لیے ڈاکٹر سہیل
 نے یہ دلیل دی کہ:

”مولانا فضل رسول بدایونی کے بیٹے عبدالقادر بدایونی کے بارے میں یہ
 تاریخی شہادت ملتی ہے کہ انھوں نے اپنی دینی تعلیم آگرہ میں ابوالفضل اور
 فیضی کے قائم کردہ انھیں اداروں میں حاصل کی تھی، چنانچہ واحد یار خاں
 اپنی کتاب ”ارض تاج“ میں آگرہ کی مشہور شخصیات کے بارے میں لکھتا
 ہے: ابوالفضل اور فیضی اسی اجڑے دیار کے باشندے تھے، عبدالقادر
 بدایونی نے آگرہ ہی میں تحصیل علم کیا۔“

(مرجع سابق ص ۳۵۹)

ڈاکٹر سہیل صاحب کی اس عجوبہ روزگار ”تاریخی شہادت“ پر کچھ عرض کرنے سے پہلے ہم
 ڈاکٹر سہیل صاحب اور ان کی اس کتاب کے بارے میں کتاب کے مقدمہ نگار اور دارالعلوم
 دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمن صاحب کی رائے پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں، مولانا
 مرغوب الرحمن صاحب لکھتے ہیں:

یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ کسی مولوی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ایک دانشور کی محنت ہے، جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہے۔
(مرجع سابق، ص: ۱۴)

ہمیں افسوس ہے کہ ایک ”دانشور“ نے ”کوہ کنی“ کر کے جو تاریخی گوہر برآمد کیا ہے اس پر تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی تعجب کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ یہ بات تاریخی طور پر بالکل بے بنیاد ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو آگرہ تحصیل علم کے لیے بھیجا۔ اپنے تعلیمی مراحل کے کسی بھی دور میں مولانا عبدالقادر بدایونی کا آگرہ سے کوئی تعلق نہیں رہا، بلکہ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ مولانا فضل رسول بدایونی نے اپنے صاحبزادے مولانا عبدالقادر بدایونی کو ”محدثین دہلی کے پرانے مدرسے مدرسہ رحیمیہ“ کے سند یافتہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے خاص شاگرد استاذ مطلق مولانا فضل حق خیر آبادی کی بارگاہ میں تحصیل علم کے لیے بھیجا تھا۔ واحد یا رخاں نے جن عبدالقادر بدایونی کا ذکر کیا ہے وہ مولانا فضل رسول بدایونی کے صاحبزادے نہیں بلکہ مشہور مؤرخ اور اکبر کے فتنہ دین الہی کے خلاف احقاق حق کرنے والے عظیم مجاہد مولانا عبدالقادر بدایونی ہیں، جن کی وفات کے ۲۳۲ برس بعد مولانا فضل رسول بدایونی اس دنیا میں تشریف لائے۔ ملا عبدالقادر کی پیدائش ۱۵۴۷ھ/۱۵۴۰ء اور وفات ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء میں ہوئی۔ ملا عبدالقادر کے تمام سوانح نگار یہ بات لکھتے ہیں کہ انھوں نے آگرہ میں تحصیل علم کی تھی، مگر ملا عبدالقادر بدایونی کو ابوالفضل اور فیضی کا مداح یا ان کے افکار و خیالات سے متاثر وہی شخص قرار دے سکتا ہے جو علم و تاریخ سے بالکل نا بلند ہو، اگر کوئی ایسا دانشور جس نے تلاش حق میں کوہ کنی کی ہو یہ بات لکھے تو تاریخ اور علم تاریخ کی مظلومیت پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی مشہور زمانہ کتاب ”منتخب التواریخ“ عہد اکبری کے سلسلہ میں ایک بنیادی اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ کس طرح ملا عبدالقادر بدایونی نے ابوالفضل اور فیضی کی حقیقت عالم آشکارا کی ہے، نیز ملا عبدالقادر وہ

مرد مجاہد ہے جس نے برسرِ دربار بادشاہ جلال الدین اکبر کے روبرو اس کے دین الہی کی مذمت کر کے اس حدیث پاک کا عملی نمونہ پیش کر دیا کہ ”ظالم بادشاہ کے روبرو کلمہ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے“، مگر یہ سب تاریخی حقائق اہل علم و انصاف کے لیے ہیں اگر کوئی دانشور قسم کھالے کہ میں تمام تاریخی تحقیقات سے منھ موڑ کر خود ہی تلاش حق میں کوہ کنی کروں گا تو اس کے لیے سوائے دعاے صحت کے اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

اس کتاب میں ڈاکٹر سہیل صاحب نے مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب البوارق الحمد یہ اور تصحیح المسائل کے دو حوالے دیے ہیں، ان میں بھی صورت حال زیادہ مختلف نہیں ہے، ان دونوں عبارتوں کی وضاحت اور ڈاکٹر صاحب کی تحقیق پر تنقید و تبصرہ ہم کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

رب قدیر و مقتدر ہمیں ہر حال میں حق بولنے، حق سمجھنے اور حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسید الحق قادری

۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

مدرسہ قادریہ بدایوں

۷/ ستمبر ۲۰۰۹ء



تعارف مصنف

از: علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
لاہور پاکستان

آپ معقول و منقول کے جامع اور شریعت و طریقت کے شیخ کامل تھے۔ عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ خلق خدا کے جسمانی و روحانی امراض کے علاج میں صرف کیا۔ ان گنت افراد آپ سے فیضیاب ہوئے، اس کے علاوہ تحریر و تقریر کے ذریعے مسلک اہل سنت و جماعت کے تحفظ کے لیے قابل قدر کوششیں کیں۔

اس دور میں کچھ لوگ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی ”کتاب التوحید“ سے بری طرح متاثر ہو گئے اور شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہم کے مسلک سے منحرف ہو کر فتنہ نجدیت کو پھیلانے میں بڑے زور و شور سے مصروف ہو گئے۔ اس فتنے کے سد باب کے لیے علمائے اہل سنت نے اپنی اپنی جگہ قابل قدر کوششیں کیں، جن میں استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بھتیجے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے صاحبزادے مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ دہلوی، مولانا منور الدین دہلوی (مولانا ابوالکلام آزاد کے والد کے نانا) اور معین الحق شاہ فضل رسول القادری وغیرہم نے نمایاں طور پر احقاق حق کا فریضہ ادا کیا۔ بے شمار سادہ لوح

مکتبہ رضویہ لاہور نے ۱۹۷۲ء میں سیف الجبار شائع کی تھی، علامہ شرف صاحب نے یہ تعارف بطور مقدمہ اس کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ تعارف بہت جامع ہے، اس لیے نیا تعارفی مضمون لکھنے کے بجائے میں نے اسی کو شامل کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ (اسید الحق)

مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ فرمایا اور لاتعداد افراد کو راہ راست دکھائی۔ مولوی محمد رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں:

”بالخصوص ہنگام اقامت ملک دکن میں وہابیہ و شیعہ بکثرت آپ کے دست مبارک پر تائب ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور نیز جماعت کثیر مشرکین کو آپ کی ہدایت و برکت سے شرف اسلام حاصل ہوا تمام مشائخ کرام و علمائے عظام بلاد اسلام کے آپ کو آپ کے عصر میں شریعت و طریقت کا امام مانتے ہیں۔“ (۱)

آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے جامع القرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہنچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید قدس سرہ العزیز (م: ۱۲۶۳ھ) کے ہاں متواتر صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، لہذا آپ کی والدہ ماجدہ بہ کمال اصرار کہا کرتی تھیں کہ ”مرشد برحق شاہ آل احمد اچھے میاں مار ہر وی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں نرینہ اولاد کی دعاء کے لیے گزارش کریں“، لیکن شاہ عین الحق پاس ادب کی بنا پر ذکر نہ کرتے۔ جب حضرت شاہ فضل رسول کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ (۲)

چنانچہ ماہ صفر المظفر ۱۲۱۳ھ/ ۹۹-۱۰۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ (۳) حضرت اچھے میاں کے ارشاد کے مطابق آپ کا نام فضل رسول رکھا گیا اور تاریخی نام ظہور محمدی منتخب ہوا۔ (۴) صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم جد امجد مولانا عبد الحمید سے اور کچھ والد ماجد مولانا شاہ عبدالمجید سے حاصل کی۔ بارہ برس کی عمر میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے پایادہ لکھنؤ کا سفر کیا اور فرنگی

۱۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، حصہ اول، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء/ص: ۲۵۵

۲۔ ایضاً: ص: ۲۵۰

۳۔ رحمن علی، تذکرہ علماء ہند: (اردو) مطبوعہ کراچی، ص: ۲۸۰

۴۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۰ (نوٹ) تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی میں تاریخی نام ظہور محمد غلط لکھا ہے کیونکہ اس کے مطابق سن ولادت ۱۲۰۳ھ ہونا چاہیے، تاریخی نام ظہور محمدی ۱۲۱۳ھ ہے۔

محل لکھنؤ میں ملک العلماء بحر العلوم قدس سرہ کے جلیل القدر شاگرد مولانا نورالحق قدس سرہ (م: ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا نے خاندانی عزت و عظمت اور ذہانت کے پیش نظر اپنی اولاد سے زیادہ توجہ مبذول فرمائی، حتیٰ کہ آپ چار سال میں تمام علوم و فنون سے فارغ ہو گئے۔ (۵)

جمادی الاخریٰ ۱۲۲۸ھ کو حضرت مخدوم شاہ عبدالحق ردو لوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار کے سامنے عرس کے موقع پر مولانا عبد الواسع لکھنوی، مولانا ظہور اللہ فرنگی محلی اور دیگر اجلہ علماء کی موجودگی میں رسم دستار بندی ادا کی اور وطن جانے کی اجازت دی۔ (۶) وطن آ کر ماہرہ شریف حاضر ہوئے۔ حضور اچھے میاں آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعائیں دے کر فرمایا: ”اب فن طب کی تکمیل کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری ذات سے ہر طرح کا دینی و دنیاوی فیض جاری کرنا منظور ہے۔“ چنانچہ آپ نے دھولپور میں حکیم بر علی موہانی سے طب کی تکمیل کی۔

ابھی آپ دھول پور ہی تھے کہ حضور اچھے میاں قدس سرہ کے انتقال پر ملال کا سانحہ پیش آ گیا۔ وصال سے قبل تنہائی میں شاہ عین الحق عبد المجید قدس سرہ کو طلب فرما کر طرح طرح کی بشارتوں سے نوازا اور شاہ فضل رسول قادری کے دست شفا کی مبارک باد دی (۷)۔

والد ماجد کے بلانے پر دھول پور سے واپس وطن پہنچے اور مدرسہ قادریہ کی بنیاد رکھی، جہاں سے اہل شہر کے علاوہ دیگر بلاد کے لوگوں نے بھی فیض حاصل کیا، پھر صلہ رحمی کے خیال سے ملازمت کا ارادہ کیا۔ ریاست بنارس وغیرہ میں قیام کیا، لیکن درس و تدریس کا سلسلہ کہیں منقطع نہ ہوا۔

اس عرصے میں کئی بار والد ماجد کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی، ہر دفعہ معاملہ دوسرے وقت پر ٹال دیا جاتا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ مقصد یہ ہے کہ جب تک دنیاوی تعلق ختم نہیں کیا جاتا، حصول مقصد میں تاخیر رہے گی، چنانچہ تعلقات دنیاویہ ختم کر کے حاضر ہوئے اور حصول مدعا

۵۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۱

۶۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد امام احمد رضا نمبر (مارچ و اپریل ۱۹۶۲ء، ص: ۲۸)

۷۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۱

کی درخواست کی والد ماجد نے قبول فرما کر ”فصوص الحکم شریف“ اور ”مثنوی مولانا روم“ کا بالاستیعاب درس دیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اکثر اوقات ہولناک جنگلوں میں گزرتے کئی سال تک یہ حالت رہی پھر جا کر سلوک کی طرف رجوع ہوا (۸)۔

آپ کو والد گرامی کی طرف سے سلسلہ عالیہ قادریہ کے علاوہ سلسلہ چشتیہ، نقشبندیہ، ابوالعلائیہ اور سلسلہ سہروردیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار اقدس پر معتکف تھے کہ اچانک مدینہ طیبہ کی زیارت کا شوق ایسا غالب ہوا کہ سفر کے خرچ کی فکر کیے بغیر پیادہ پا بمبئی روانہ ہو گئے۔ دو ماہ کا سفر تائید ایزدی سے اس قدر جلد طے ہوا کہ آپ ساتویں دن بمبئی پہنچ گئے حالانکہ زخموں کی وجہ سے کچھ وقت راستے میں قیام بھی کرنا پڑا۔

بمبئی سے سفر مبارک کی اجازت حاصل کرنے کے لیے والد ماجد کی خدمت میں عریضہ لکھا انھوں نے بہ کمال خوشی اجازت مرحمت فرمائی۔ حرمین شریفین پہنچنے کے بعد عبادت و ریاضت کے شوق کو اور جلا ملی۔ شب و روز یاد الہی میں بسر کیے اور خلق خدا کی خدمت کے لیے پوری طرح کمر بستہ رہے۔

مولوی رضی الدین بدایونی لکھتے ہیں:

”جو کچھ ریاضتیں آپ نے ان اماکن متبرکہ میں ادا فرمائیں بجز قدما و اولیاء کرام کے دوسرے سے مسموع نہ ہوئیں۔ حرمین شریفین کی راہ میں پیادہ پا سفر فرمایا اور یتیموں مسکینوں کے آرام پہنچانے میں اپنے اوپر ہر قسم کی تکلیف گوارا کی“ (۹)۔

اسی مبارک سفر میں حضرت شیخ مکہ عبداللہ سراج اور حضرت شیخ مدینہ عابد مدنی سے علم تفسیر و حدیث میں استفادہ کیا، اسی سال کامل جذب و ارادت سے بغداد شریف حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ مبارکہ پر حاضر ہوئے اور بے شمار فیوض و برکات حاصل کیے۔

۸۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۲

۹۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۳

درگاہ غوثیہ کے سجادہ نشین نقیب الاشراف حضرت سید علی گیلانی نے آپ کو از خود اجازت و خلافت مرحمت فرمائی (۱۰) اور ان کے بڑے صاحبزادے حضرت سید سلمان نے آپ کے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور اجازت حاصل کی (۱۱)۔

جب آپ واپس وطن پہنچے تو والد ماجد ۸۰ سال کی عمر میں حرمین شریفین کی زیارت کا قصد فرما کر بمقام بڑودہ پہنچ چکے تھے، حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس عمر میں آپ نے اس قدر طویل سفر کا ارادہ فرمایا ہے۔ لہذا میں مفارقت گوارا نہیں کر سکتا۔ وہیں سے والدہ ماجدہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اجازت طلب کی اور والد ماجد کے ساتھ پھر سوئے حرمین شریفین روانہ ہو گئے اس سفر میں عبادات و ریاضات کے علاوہ والد مکرم کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور ان کی دعاؤں سے پوری طرح بہرہ ور ہوئے۔ (۱۲)

مولانا کی ذات والا صفات مرجع انام تھی ان کے پاس کوئی علاج معالجے کے لیے آتا اور کوئی مسائل شریعت دریافت کرنے حاضر ہوتا، کوئی ظاہری علوم کی گھتیاں سلجھانے کے لیے شرف باریابی حاصل کرتا تو کوئی باطنی علوم کے عقدے حل کرانے کی غرض سے دامن عقیدت و کرتا۔ غرض وہ علم و فضل کے نیر اعظم اور شریعت و طریقت کے سنگم تھے، جہاں سے علم و عرفان کے چشمے پھوٹتے تھے، وہ ایک شمع انجمن تھے جن سے ہر شخص اپنے ظرف اور ضرورت کے مطابق کسب ضیا کرتا تھا۔

ذیل میں وہ استفتاء نقل کیا جاتا ہے جو ہند کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دربار سے بعض اختلافی مسائل کی تحقیق کے لیے مولانا شاہ فضل رسول قادری کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا، اصل استفتاء طویل اور فارسی میں ہے، لہذا اختصار کے ساتھ اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۰۔ رحمن علی، تذکرہ علمائے ہند: مطبوعہ کراچی، ص: ۳۸۰

۱۱۔ محمد رضی الدین بدایونی، تذکرہ الاولیاء ص: ۲۵۳

۱۲۔ ایضاً

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو یہ کہتا ہے کہ دن متعین کر کے محفل میلاد شریف منعقد کرنا گناہ کبیرہ ہے اور محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے اور فاتحہ کرنا طعام و شیرینی پر حرام ہے اور اولیاء اللہ سے مراد چاہنا شرک ہے اور حسب قدیم ختم میں پانچ آیتوں کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے اور حضرت نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے اور کہتا ہے کہ تعزیہ کا بالقصد یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے اور ہولی دیکھنا اور دسہرے میں سیر کرنا اگرچہ بلا ارادہ ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی عورت پر طلاق ہو جائے گی اور کعبہ شریف و مدینہ منورہ کے خطہ میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس زمین میں ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے باشندگان ظالم ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظمہ میں عبداللہ بن زبیر کو قتل کیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ سے باہر کیا۔

پس ایسی صورت میں ان لوگوں کی اقتدا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا مسلمانوں کو ان سے بیعت ہونا درست ہے یا نہیں؟ اور شرع شریف کا ایسے لوگوں پر کیا حکم ہے؟ و نیز ان کے تبعین پر کیا حکم ہے؟ فقط۔

نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ وفقہ اللہ لما سجبہ و یرضاه۔
محمد بہادر شاہ، بادشاہ غازی، ابو ظفر سراج الدین

حضرت سیف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری نے پندرہ صفحات میں تفصیل سے جواب لکھا اور مسلک اہل سنت و جماعت کو دلائل سے بیان کیا اس فتویٰ پر اجلہ علمائے تصدیق دستخط فرمائے۔

آپ نے خدمت خلق، عبادت و ریاضت، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ کے مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ سفر و حضر میں آپ کا دریاۓ فیض کمال کے استحضار

کے ساتھ جاری رہتا۔ آپ نے اعتقادیات، درسیات، طب اور فقہ و تصوف میں قابل قدر کتابیں لکھی ہیں۔ مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

- ۱۔ سیف الجبار
- ۲۔ بوارق محمدیہ
- ۳۔ تصحیح المسائل
- ۴۔ المعتقد المنتقد
- ۵۔ فوز المؤمنین
- ۶۔ تلخیص الحق
- ۷۔ احقاق الحق
- ۸۔ شرح فصوص الحکم
- ۹۔ رسالہ طریقت
- ۱۰۔ حاشیہ میرزا ہدیر رسالہ قطبیہ
- ۱۱۔ حاشیہ میرزا ہدیل جلال
- ۱۲۔ طب الغریب
- ۱۳۔ تثبیت القدیمین
- ۱۴۔ شرح احادیث ملتقطہ ابواب صحیح مسلم
- ۱۵۔ فصل الخطاب
- ۱۶۔ حرز معظم

چند کتب کا قدرے تفصیلی تعارف -

۱۔ المعتقد المنتقد - (عربی) عقائد اہل سنت پر نہایت اہم کتاب ہے اس میں بعض نئے اٹھنے والے فتنوں کی بھی سرکوبی کی گئی ہے۔ مکہ معظمہ میں ایک بزرگ کی فرمائش پر لکھی اس پر بڑے بڑے نامور علما مثلاً مجاہد آزادی استاذ مطلق مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مفتی محمد

صدر الدین خاں آزرده صدر الصدور دہلی، شیخ المشائخ مولانا شاہ احمد سعید نقشبندی اور مولانا حیدر علی فیض آبادی مؤلف منتہی الکلام وغیرہم نے گراں قدر تقریریں لکھیں اور نہایت پسندیدگی کا اظہار کیا۔

مولانا حکیم محمد سراج الحق خلف الرشید مجاہد عظیم مولانا فیض احمد بدایونی نے اس پر حاشیہ لکھا اور جب یہ کتاب پٹنہ سے شائع ہوئی تو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے ”المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد“ کے نام سے قلم برداشتہ نہایت وقیع حاشیہ تحریر کیا۔
 المعتقد المنتقد اس لائق ہے کہ اسے درسیات میں شامل کیا جائے۔

۲۔ بوارق محمدیہ المعروف بہ سوط الرحمن علی قرن الشیطان (فارسی)۔ مولوی محمد رضی الدین اس کی تصنیف کا باعث یوں بیان کرتے ہیں:

”بالخصوص رد وہابیہ میں جس قدر بلیغ کوشش بحکم اولیا کرام آپ نے فرمائی وہ مخفی نہیں ہے، چنانچہ جب آپ بمقام دہلی حضرت خواجہ خواجگاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر مراقب تھے، عین مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دست مبارک پر اس قدر کتابوں کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آتی ہے، آپ نے عرض کیا کہ اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی ہے۔ ارشاد ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمہ لے کر شیاطین وہابیہ کا قلع قمع کرو۔ بہ مجرد اس ارشاد مبارک کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشاد والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ میں کتاب مستطاب بوارق محمدیہ تالیف فرمائی۔“ (۱۳)

اس کتاب کو علماء و مشائخ نے نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مولانا غلام قادر بھیروی (۱۳۲۶ھ) نے ”الشوارق الصمدیہ“ کے نام سے خلاصہ و ترجمہ کیا جو عرصہ ہوا شائع ہو

۱۳۔ محمد رضی الدین بدایونی تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۴

چکا ہے، اس کی وقعت اور مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی (م ۱۳۵۶ھ) نے بھی اسے بطور حوالہ ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”صاحب بوارق محمدیہ صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے ہیں“ (۱۴)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”در بوارق می نویسد امام احمد وغیرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہم آن حدیث روایت کردہ اند“۔ (۱۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”این جابر ذکر چند از انفاست متبرکہ حضرت خاتم المحدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ نقل نموده است آنہارا مولانا فضل رسول قادری حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکتفا نموده می آید“۔ (۱۶)

حضور اعلیٰ گولڑوی قدس سرہ نے جابجا بوارق محمدیہ کے حوالہ جات نقل کر کے اور ان پر اعتماد کا اظہار کر کے اس کی قبولیت و صداقت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں بیان توحید کے لیے بہت سخت زبان استعمال کی ہے جس کا خود انھوں نے ایک موقع پر اعتراف بھی کیا تھا۔ عقیدہ توحید کی بنیادی حیثیت سے انکار کر کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا لیکن ایسا انداز بیان یقیناً قابل تردید ہوگا جس میں شان الوہیت کی عظمت کے اظہار کے لیے شان رسالت کو نظر انداز کر دیا جائے اور تنقیص شان کا ارتکاب کیا جائے۔ بتوں کے حق میں وارد ہونے والی آیات کو انبیاء و اولیاء کی ذوات مقدسہ پر چسپاں کیا جائے وہ توحید ہرگز قابل قبول نہیں جو شان رسالت کی تنقیص پر مشتمل ہو۔

۱۴۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ، اعلا کلمۃ اللہ: طبع چہارم، ص: ۱۳۹۔

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۶۳۔

۱۶۔ ایضاً، ص: ۱۹۵۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ نے اس حقیقت کو بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

”الحاصل ما بین اصنام و ارواح مکمل فرقی ست بین امتیازی ست باہر پس آیات وارده فی حق الاصنام را بر انبیا و اولیا صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین حمل نمودن کمافی ”تقویۃ الایمان“ تحریفی است قبیح و تخریبی است شنیع“۔ (۱۷)

ترجمہ: الحاصل بتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق ظاہر و باہر ہے، لہذا ان آیات کو انبیا و اولیا پر چسپاں کرنا جو بتوں کے حق میں وارد ہیں، جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے قبیح تحریف اور بدترین تخریب ہے۔

دیگر علما اسلام کی طرح مولانا شاہ فضل رسول قادری نے بوارق محمدیہ اور سیف الجبار وغیرہ کتب میں تقویۃ الایمان کی اسی قسم کی عبارات پر محض جذبہ دینی کے تحت عالمانہ تنقید کی ہے۔

۳۔ سیف الجبار (اردو) - متعدد دفعہ مختلف مطابع سے شائع ہو چکی ہے، ہماری معلومات کے مطابق آخری دفعہ دارالعلوم منظر اسلام بریلی کے شعبہ تبلیغ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔ (۱۸) اس کا تاریخی نام سیف الجبار المسلمول علی الاعداء لہا برار ۱۲۶۵ھ ہے۔ اس میں فتنہ نجدیت کی ابتدا اس کے پھیلاؤ، حرمین شریفین اور دیگر مقامات کے مسلمانوں پر نجدیوں کے لڑزہ خیز مظالم کا تفصیلی نقشہ پیش کیا گیا ہے، تاریخی اعتبار سے یہ کتاب بہت اہمیت رکھتی ہے، کیونکہ مصنف نے نجدی مظالم کے اثرات پچشم خود ملاحظہ کیے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

”زید یہ مذہب سیدوں ساکن نواح مخا و حدیدہ نے مذہب نجدیہ اختیار کر کے مکان کو فوج سے خالی دیکھ کر پھر تاخت و تاراج کیا اور ہر ایک مکان

۱۷۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ، اعلاء کلمۃ اللہ: طبع چہارم، ص: ۱۷۱

۱۸۔ ادارہ مظہر حق بدایوں نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی اور اب عنقریب تاج الفحول اکیڈمی بدایوں جدید آب و تاب اور ضروری تحقیق و تنسیہ کے ساتھ شائع کرنے جارہی ہے۔ (اسید الحق قادری)

میں ایک ایک امیر المؤمنین ہو گیا، عجب ظلم برپا کیا۔ راقم نے ۱۲۵۷ھ میں
اسی حال پر چھوڑا۔“ (۱۹)

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں مولوی حسین احمد مدنی کی رائے قابل ملاحظہ ہے،
لکھتے ہیں:

”صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدائے تیرھویں صدی میں نجد عرب
سے ظاہر ہوا اور چونکہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس
نے اہل سنت و جماعت سے قتل و قتال کیا اور ان کو بالجبر اپنے خیالات کی
تکلیف دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا کیا۔ ان کے قتل
کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا، اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً
اس نے تکالیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں
نہایت گستاخی و بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ
اس کی تکالیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں
آدمی اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی
خونخوار اور فاسق شخص تھا۔“ (۲۰)

شاہ فضل رسول قادری نے مولوی اسماعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کو قریب سے دیکھا ان
کے عقائد اور عزائم کا بنظر غائر جائزہ لیا، ان کے طور و طریق کو بخوبی جانچا اور پھر ضمیر کی آواز کو بلا کم
وکاست تحریر کر دیا۔ فرماتے ہیں:

”فاحشہ رنڈیوں کی بھی پیش کش (نذر) لینے میں تامل نہ تھا، یہاں تک کہ
جو فرنگیوں کے گھروں میں تھیں، چنانچہ بنارس کاریزیڈنٹ اگتسن بروگ
نام اس کے گھر میں فاحشہ تھی بڑی اختیار والی اور صاحب مقدر و مرید ہوئی

۱۹۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص: ۴۷

۲۰۔ مولوی حسین احمد مدنی، الشہاب الثاقب، ص: ۵۰

اور دس ہزار روپے نذر کیے اور اس کے مرید ہونے سے ریڈیٹ نے
بہت خاطر داری کی کہ سید صاحب نے اس کو اپنی بیٹی فرمایا تھا، راقم بھی
وہاں موجود تھا۔“ (۲۱)

سیف الجبار میں تقلید کی حقیقت اور امام الائمہ سراج الامۃ امام ابوحنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
مناقب بڑے دل نشیں پیرائے میں ذکر کیے گئے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید (صغیر) ۷/محرّم بروز جمعہ ۱۲۲۱ھ کی صبح علمائے مکہ
مکرمہ کے سامنے پیش ہوئی اس وقت نجدی لشکر طائف میں قتل و غارت گری اور مسجد ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما منہدم کر کے مکہ مکرمہ جانے کا قصد کر رہا تھا۔ علمائے مکہ مکرمہ نماز جمعہ کے بعد جمع
ہوئے اور کتاب التوحید کا مطالعہ کر کے اس کا رد کیا۔ مولانا احمد بن یونس باعلوی اس تردید کو ضبط
تحریر میں لائے۔ نماز عصر تک اس کے ایک باب کا رد مکمل ہوا تھا کہ طائف کے مظلوموں کا ایک
گروہ مسجد حرام میں پہنچ گیا اور مشہور ہو گیا کہ نجدیہ کا لشکر حرم شریف میں پہنچ کر قتل و غارت کرنے
والا ہے۔ اس عام اضطراب کی وجہ سے دوسرے باب پر نظر نہ جاسکی۔

مولانا شاہ فضل رسول قادری نے سیف الجبار کے آخر میں کتاب التوحید کا پہلا باب اور
اس پر علمائے مکہ مکرمہ کا رد مع ترجمہ نقل کر دیا ہے۔ جا بجا تقویۃ الایمان کی عبارتیں نقل کی ہیں جن
سے یہ عجیب و غریب حقیقت سامنے آتی ہے کہ تقویۃ الایمان اسی کتاب التوحید کا ترجمہ اور شرح
ہے، علمائے مکہ مکرمہ کی تقریرات کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی اور مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی کی عبارات نقل
کی ہیں جن سے یہ امر کھل کر سامنے آ جاتا ہے کہ یہ حضرات نہ تو کتاب التوحید کے معتقد ہیں اور نہ
تقویۃ الایمان کے مندرجات سے متفق، ان کے عقائد وہی ہیں جو اس وقت کے علمائے مکہ مکرمہ
اور علمائے اہل سنت و جماعت کے ہیں۔

شاہ فضل رسول قادری پر عام طور پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے انگریز کی حکومت کے

۲۱۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص ۷۲، ۷۳

دور میں منصب افتا قضا اور صدر الصدوری کے ذریعہ اقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط تر کیا۔ (۲۲)

تجربہ ہے کہ جب علمائے دیوبند میں سے مولوی محمد احسن نانوتوی، مولوی محمد مظہر، مولوی محمد منیر، مولوی ذوالفقار علی، مولوی فضل الرحمن، مولوی مملوک علی اور مولوی محمد یعقوب نانوتوی وغیرہم بھی ”سرکار انگریز“ کے ملازم تھے (۲۳)، تو فرنگی حکومت کے اقتدار کو مضبوط تر کرنے کا الزام علمائے اہل سنت پر ہی کیوں عائد کیا جاتا ہے؟

پھر یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اگر علماء منصب افتا و قضا اور صدر الصدوری کو قبول نہ کرتے تو ان مناصب پر فائز ہو کر فیصلہ کرنے والے ہندو ہوتے یا انگریز۔ کیا یہ اچھا ہوتا کہ علماء ان مناصب کو قبول نہ کرتے اور مسلمان اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لیے ہندو یا انگریز کی کچھریوں میں مارے مارے پھرتے۔

اسی سلسلے میں ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک اور بات کہی ہے:

”مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کے سلسلے میں ایک بات ہم نے خاص طور پر نوٹ کی ہے کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں“ (۲۴)

بر تقدیر تسلیم ہمارے نزدیک مولانا پر یہ کوئی اعتراض نہیں کہ ان کی اکثر کتابیں کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں کیوں کہ انگریز دوستی یا انگریز سے ساز باز بیشک جرم اور قابل اعتراض امر ہے فقط سرکاری ملازم ہونا کوئی جرم کی بات نہیں ہے، بشرطیکہ کسی خلاف اسلام امر میں ان کا تعاون نہ کیا جائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مولوی عبدالحی کو ملازمت کی اجازت دے کر اس قسم کے شبہات کو ختم کر دیا تھا، سرکاری ملازمت سے ہر شخص کے بارے میں یہ رائے قائم کر لینا کہ یہ انگریز کا خیر خواہ و وفادار اور محبت ہے، کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کیوں کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اکثر و بیشتر انہی علمائے کھل کر حصہ لیا جو انگریز کے دور

۲۲۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۸

۲۳۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مولانا محمد احسن نانوتوی، ص: ۲۶

۲۴۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۸

اقتدار میں صدر الصدور اور افتاء وغیرہ کے مناصب پر فائز تھے۔

پھر یہ بھی ایک فکر انگیز حقیقت ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان پہلے پہل رائل ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہوئی، اگر کسی کتاب کو سرکاری ملازم شائع کرے تو ضروری نہیں کہ اس میں حکومت کا ایما شامل ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ کتاب سرکاری پالیسی کے مطابق ہو، لیکن جب کسی کتاب کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی ایسا سرکاری ادارہ شائع کرے تو معمولی سی سمجھ بوجھ والا آدمی بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ وہ کتاب یقیناً سرکاری پالیسی کے مطابق ہوگی مخالف ہرگز نہیں ہو سکتی۔

یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اگر مولانا فضل رسول قادری کی تصانیف کو کسی ذریعہ سے بھی سرکاری حمایت حاصل ہوتی تو بعض دیگر مصنفین کی طرح ان کی تصانیف بھی کثرت سے طبع ہوتیں، حالانکہ تقویۃ الایمان وغیرہ کتابیں جس کثرت سے اشاعت پذیر ہوئیں، مولانا فضل رسول قادری کی کتابیں اس کثرت سے شائع نہیں ہوئیں۔

مولانا شاہ فضل رسول قادری نے کتنے واضح الفاظ میں انگریزی اقتدار سے نفرت و استحقار کا اظہار کیا ہے اور انگریز کے اقتدار کو دین میں فتنہ و فساد کے پیدا ہونے کا سبب قرار دیا ہے درج ذیل اقتباس سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ ہندوستان میں بسبب ہو جانے کفر کی حکومت (انگریزی

اقتدار) اور نہ رہنے اسلام کی سلطنت کے دین اسلام میں فتنے اور شرع

کے احکام میں رخنے پڑ گئے۔ (۲۵)

دوسری جانب مولوی اسماعیل دہلوی کا بیان ملاحظہ ہوتا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ مولانا فضل رسول قادری اور دیگر علما اہل سنت پر انگریز دوستی کے الزام میں کتنی سچائی ہے۔ مولوی اسماعیل دہلوی نے ایک موقع پر کہا:

”انگریزی سرکار کو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم و تعدی نہیں کرتی، نہ

ان کو فرائض مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے، ہم ان کے ملک میں

۲۵۔ مولانا فضل رسول قادری، سیف الجبار، ص: ۲۷

اعلانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع و مزاحم نہیں ہوتی، بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت تو حید الہی اور احیائے سنن سید المرسلین ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصول مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون گرا دیں۔“ (۲۶)

مولانا شاہ فضل رسول قادری کے بارے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے:

”مولانا حیدر علی ٹوکنی نے اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ مولوی فضل رسول بدایونی نے مولانا اسماعیل شہید دہلوی کی شہادت (۱۸۳۱ء) کے بیس سال بعد وہابیوں کے رد میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ ظاہر ہے پنجاب کے انگریزوں کے قبضہ میں آ جانے کے بعد مجاہدین کا مقابلہ براہ راست انگریز سے تھا۔“ (۲۷)

مولوی اسماعیل دہلوی نے جب تقویۃ الایمان لکھ کر مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف عقائد و افکار کا اظہار کیا تو اکثر و بیشتر علما تحفظ دین و مسلک کی خاطر میدان میں اتر آئے، بعض نے ان سے اور ان کے ہم خیال علما سے مناظرہ کیا۔ مثلاً مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا محمد موسیٰ (صاحبزادگان مولانا محمد رفیع الدین محدث دہلوی) منطق و کلام کے مسلم الثبوت استاذ مولانا محمد فضل حق خیر آبادی، مولانا رشید الدین خاں اور علمائے پشاور وغیرہم بے شمار علماء نے تصنیف و تالیف کے ذریعہ تردید کی۔ بعض نے تقریری طور پر رد و ابطال پر اکتفا کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر حضرات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے صاحب علم و فضل شاگرد تھے بلکہ خود حضرت شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان پر اظہار ناراضگی فرمایا:

”حضرت مولانا شاہ محمد فاخر صاحب الہ آبادی قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان لکھی اور سارے جہان کو مشرک و

۲۶۔ منشی محمد جعفر تھانیسری، حیات سید احمد شہید

۲۷۔ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ حیات سید احمد شہید، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۸ء، ص: ۲۴

کافر بنانا شروع کیا اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے۔ افسوس کے ساتھ فرمایا کہ میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں، آنکھوں سے بھی معذور ہوں ورنہ اس کتاب اور اس عقیدہ فاسد کار بھی تحفہ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا کہ لوگ دیکھتے۔“ (۲۸)

مولانا شاہ فضل رسول قادری ان علما میں سے تھے جنہوں نے اس نئے فتنے کی تردید کے لیے بھرپور تقریری کام کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ایسی کتابیں لکھیں جنہیں اہل علم سر آنکھوں پر جگہ دیتے ہیں۔ مولانا کی ساری زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی کوششوں میں حفاظت دین کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آئے گا۔ کیا اس بات کا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں تقریر کے ذریعے عقائد باطلہ کی تردید نہیں کی، حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۳۹ تالیف ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری کے مطالعہ سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مولانا طالب علمی کے زمانہ ہی سے رد و ہابیت کی ابتدا کر چکے تھے۔ یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مولانا اسماعیل دہلوی، سید صاحب اور ان کے رفقا کو انگریزوں سے کوئی مخالفت نہ تھی اور نہ وہ انگریزوں سے جہاد کا ارادہ ہی رکھتے تھے۔ (۲۹)

آپ کے تلامذہ کا سلسلہ بہت وسیع ہے، جس شخصیت نے طویل مدت تک سفر و حضر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا ہو اس کے شاگردوں کا شمار لازماً دشوار ہوگا، چند فضلا کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، جنہوں نے آپ کے بحر علم سے استفادہ کیا:

۱۔ مولانا شاہ محی الدین ابن شاہ فضل رسول قادری (م: ۱۲۷۰ھ)

۲۔ تاج الفحول مولانا شاہ محمد عبدالقادر محبت رسول بدایونی ابن مولانا شاہ

فضل رسول قادری (م: ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء)

۳۔ مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی

۲۸۔ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص: ۲۰، ۱۹۔
۲۹۔ اس سلسلے میں مقالات سرسید حصہ شانزدہم مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے حاشیہ پر شیخ اسماعیل پانی پتی کا نوٹ ص: ۲۳۸ تا ۲۵۲ اور ص: ۳۱۸ تا ۳۱۹ قابل ملاحظہ ہے۔ نیز سید صاحب کی تحریک کی صحیح پوزیشن سمجھنے کے لئے جناب وحید احمد مسعود بدایونی کی تحقیقی کتاب ”سید احمد شہید کی صحیح تصویر“ مطبوعہ لاہور ملاحظہ کی جائے۔

- ۴۔ قاضی القضاۃ مولانا مفتی اسد اللہ خاں الہ آبادی (م: ۱۳۰۰ھ)
 - استاد مولوی رحمن علی مولف تذکرہ علمائے ہند
 - ۵۔ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی (۳۰)
 - ۶۔ مولانا شاہ احمد سعید دہلوی (م: ۱۳۷۷ھ)
 - ۷۔ مولانا کرامت علی جوہری (م: ۱۲۹۰ھ) مرید سید احمد بریلوی
 - ۸۔ مولانا سید عبدالفتاح گلشن آبادی
 - ۹۔ مولانا عبدالقادر حیدر آبادی (م: ۱۳۲۹ھ)
 - ۱۰۔ مولانا سید اشفاق حسین (م: ۱۳۲۸ھ)
 - ۱۱۔ مولانا خرم علی بلہوری (م: ۱۲۷۳ھ)
 - ۱۲۔ مولانا حکیم محمد ابراہیم سہارنپوری
 - ۱۳۔ سید بنیاد شاہ سنبھلی
 - ۱۴۔ مولانا سید خادم علی
 - ۱۵۔ مولانا سید ارجمند علی
 - ۱۶۔ مولانا سید اولاد حسن خلف سید آل حسین
 - ۱۷۔ مولانا غلام حیدر
 - ۱۸۔ مولانا جلال الدین رئیس سوتھہ محلہ
 - ۱۹۔ مولانا فصاحت اللہ متولی
 - ۲۰۔ مولانا امانت حسین دانش مند
 - ۲۱۔ مولانا بہادر شاہ دانش مند وغیرہ وغیرہ
- آپ کے مریدین کا سلسلہ عرب و عجم میں پھیلا ہوا تھا، بے شمار لوگ مذاہب باطلہ اور عقائد فاسدہ سے تائب ہو کر آپ کے دست حق پر بیعت ہوئے۔
- آپ کے چند مریدین کے نام یہ ہیں:

۳۰۔ نامور فاضل مولانا محمد فاروق چریا کوٹی استاذ شبلی نعمانی، مولانا عنایت رسول کے چھوٹے بھائی اور شاگرد تھے۔

تاج الفحول مولانا شاہ محمد عبدالقادر محبت رسول بدایونی خلف رشید شاہ فضل رسول قادری،
 مولانا حکیم سراج الحق ابن مولانا فیض احمد بدایونی (م: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء)، مولانا سید نبی حسنی حسینی
 شاہجہاں پوری (م: ۱۲۷۸ھ)، مولانا حکیم عبدالعزیز، مولانا عبید اللہ بدایونی مدرس مدرسہ محمدیہ
 بمبئی (م: ۱۳۱۵ھ)، ملا اکبر شاہ افغانی، مولانا عون الحق، حافظ محمد ضیاء الدین حیدر آباد دکن، قاضی
 حمید الدین خاں مچھلی بندر، شیخ محمد صدیق متوطن بریلی، شیخ عبدالرحیم رئیس بدایوں، شیخ عبداللہادی
 ملقب بہ شاہ سالار وغیرہ وغیرہ۔

جب آپ کی عمر شریف ۷۷ برس کی ہوئی تو آپ کے شانوں کے درمیان پشت پر زخم
 نمودار ہوا ایک دن قاضی شمس الاسلام عباسی جو آپ کے والد ماجد کے مرید تھے، سے آپ
 نے فرمایا:

”قاضی صاحب بمقتضائے ’واما بنعمة ربك فحدث‘ آج آپ
 سے کہتا ہوں کہ دربار نبوت سے استیصال فرقہ وہابیہ کے لیے مامور کیا گیا
 تھا۔ الحمد للہ! کہ فرقہ باطلہ اسماعیلیہ و اسحاقیہ کا رد پورے طور ہو چکا، دربار
 نبوت میں میری یہ سعی قبول ہو چکی، میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہ
 رہی میں اس دار فانی سے جانے والا ہوں۔“۔ (۳۱)

آخری دنوں میں کمزوری بہت زیادہ ہو گئی تھی مگر عبادت، ریاضت اور تہجد کے لیے شب بیداری
 میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء بروز جمعرات خلف رشید مولانا
 شاہ محمد عبدالقادر قادری بدایونی کو بلا کر نماز جنازہ کی وصیت کی، ظہر کے وقت اسم ذات کے ذکر خفی
 میں مصروف تھے کہ اچانک دو دفعہ بلند آواز سے اللہ اللہ کہا ایک نور دہن مبارک سے چکا اور بلند
 ہو کر غائب ہو گیا اور ساتھ ہی روح قفس عنصری سے اعلیٰ علین کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا
 الیہ راجعون۔

رحلت کے وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی پھر بھی ہزار ہا افراد نے جنازہ میں شرکت کی۔
 مغرب کے بعد عید گاہ شمسی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور شب جمعہ والد ماجد کے روضہ میں مدفون

ہوئے (۳۲)۔ مولوی عبدالسلام سنبھلی نے یہ قطعہ تاریخ کہا ہے۔

معدن فضل الہی حضرت فضل رسول	پیشوائے اہل عرفاں سرور اہل قبول
واقف اسرار شرع و کاشف استار دیں	ماہر کامل بہر فن از فرو عیش تا اصول
سطوت تقریر او بگداخت جان منکراں	ہیبت تحریر او انداخت در کج خمول
جامع علم و ولایت دافع آثار جہل	قاصد بنیاد کفر و رافع اوج قبول
رفت از دنیا و دنیا از غم او تیرہ شد	کرد روشن منزل اول بانوار نزول
ایں جہاں را سنگ ماتم برجین مدعاست	آنجماں را گوہر مقصود در دست وصول
خاتم تاریخ وصل وے نویسم ناگہاں	شد بمن الہام از روحش ”انا فضل الرسول“

(۱۲۸۹ھ (۳۳)

مولانا معین الدین نے درج ذیل تاریخ وصال کہی ہے:

حضرت فضل رسول نامدار	با فضیلت با کرم با افتخار
کان فی عز و فضل کاملاً	فضله كالشمس فی نصف النهار
واقف اسرار علم و معرفت	مرشد دیں سر حق را رازدار
دوئم از ماہ جمادی الآخرہ	راہ دار آخرت کرد اختیار
وقت رحلت داشت شغل ذکر حق	بود از دم ضرب اذکار آشکار
ناگہاں آورد با جہر تمام	اسم ذات پاک حق بر لب دو بار
اللہ اللہ گفت و جاں دادہ بحق	کرد برنام خدا جاں را نثار
گشت مفہوم آں زماں از شش جہت	لفظ اللہ از در و دیوار و دار



۳۲۔ محمد رضی الدین بدایونی تذکرۃ الواصلین، ص: ۲۵۴

۳۳۔ ایضاً

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس شخص کے متعلق جو مندرجہ ذیل باتیں کہتا ہے:

- ۱۔ دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا گناہ کبیرہ ہے۔
- ۲۔ محفل مولود شریف میں قیام کرنا شرک ہے۔
- ۳۔ کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے۔
- ۴۔ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔
- ۵۔ قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے۔
- ۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے قدم مبارک کا معجزہ حق نہیں ہے۔
- ۷۔ قصداً تعزیہ کو دیکھنا یا بلا ارادہ دیکھنا کفر ہے۔
- ۸۔ ہولی کو دیکھنے اور دسہرہ کو جانے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اگرچہ بغیر ارادے کے ہو اور اس سے اس کی بیوی پر طلاق ہو جاتی ہے۔
- ۹۔ کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطہ کو کوئی بزرگی حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سرزمین پر ظلم ہوا ہے اور سننے میں آیا ہے کہ وہاں کے رہنے والے ظالم ہیں اس لیے کہ انھوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا اور مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا اور حضرت امام حسین کو مکہ شریف سے نکال دیا، اس وقت دین محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے علمائے جو حقیقتاً مہاجرین تھے انھیں نکال کر ہندوستان بھیج دیا حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کو قتل کرنے والے نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو جلاوطن کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں۔

لہذا ایسی صورت میں قاتل مذکور کی اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں؟
مسلمانوں کا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شریعت مطہرہ ایسے شخص
کا کیا حکم ہے نیز اس کے تبعین کا کیا حکم ہے بینوا توجروا
نقل مہر حضرت ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی بادشاہ دیں پناہ
وفقه اللہ لما یحبہ ویرضاه

المستفتی

ابوظفر سراج الدین

محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی

الـجـواب

اولاً اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل امور میں سے ہر امر کے متعلق کیا فرماتے ہیں تاکہ قائل کے حق میں حکم شرعی کا جاننا آسان و سہل ہو جائے۔

(۱) دن مقرر کر کے محفل میلاد شریف کرنا -

علامہ احمد بن محمد قسطلانی علامہ ابن جزری کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

قال ابن الجزري فاذا كان هذا ابو لهب الكافر نزل القرآن
بذمه جوزى في النار بفرحه ليلة مولد النبي ﷺ به فما حال
المسلم الموحّد من امته عليه السلام الذي يسر بمولده
ويبذل ما تصل اليه قدرته في محبته ﷺ لعمري انما يكون
جزاؤه من الله الكريم أن يدخله بفضل العيم جنات
النعيم. (۱)

ترجمہ: جب ابولہب جیسے کافر کو جس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہوئی ہے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی رات میں خوش ہونے کے باعث جہنم میں اس کے عذاب میں تخفیف کے ذریعہ بدلہ دیا جائے تو حضور علیہ السلام کے اس موحّد و مسلم امتی کا کیا عالم ہوگا جو آپ کی ولادت پر خوش ہوتا ہے اور اپنی طاقت کے بقدر نبی ﷺ کی محبت میں خرچ کرتا ہے، بخدا اللہ رب العزت کی جانب سے ایسے شخص کی جزا یہی ہے کہ خداوند قدوس اسے اپنے فضل عام سے جنت نعیم میں داخل فرمائے۔

(۱) المواهب اللدنیة بالمنح المحمدية ج: ۱/ ص: ۱۲۷، پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء

علامہ قسطلانی آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولا يزال اهل الاسلام يحتفلون بشهر مولده عليه السلام
ويعملون الولائم ويتصدقون في ليلته بانواع الصدقات و
يظهرون السرور ويزيدون في المبرات ويعتنون بقرأة مولده
الكریم و يظهر عليهم من بركاته كل فضل عمیم ومما جرب
من خواصه انه امان في ذلك العام وبشرى عاجلة بنيل
البغية والمرام فرحم الله امرء اتخذ ليلالي شهر مولده
المبارك اعيادا ليكون اشد علة على من في قلبه مرض
واعياداء. (۲)

ترجمہ: اہل اسلام حضور علیہ السلام کی ولادت کے مبارک مہینہ میں محفلیں
قائم کرتے ہیں اور دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور ماہ مبارک کی راتوں
میں صدقات و خیرات کرتے ہیں خوشی و مسرت کا اظہار اور نیکیوں میں
اضافہ کرتے ہیں نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مولود شریف پڑھنے کا
اہتمام کرتے ہیں اور اس مولود شریف سے ان پر فضل عظیم کا ظہور ہوتا ہے،
محفل میلاد شریف کے خواص میں یہ بات بھی مجرب ہے کہ اس سال امن
وامان رہتا ہے اور جلد آرزوں و تمناؤں کے حصول کی خوشخبری ہوتی ہے اللہ
تعالیٰ اس شخص پر رحم و کرم فرمائے جو اس ماہ مبارک کی راتوں میں عید و خوشی
مناتا ہے تاکہ یہ خوشی و مسرت اس شخص پر سخت گراں گزرے جس کے دل
میں (بدبختی کی) بیماری ہے۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی (م: ۹۴۲ھ) اپنی کتاب ”سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد“ میں
حافظ ابوالخیر سخاوی کا قول نقل فرماتے ہیں:

(۲) مرجع سابق

عمل المولد الشريف لم ينقل عن احد من السلف الصالح
 فى القرون الثلاثة الفاضلة وانما حدث بعد ثم لازال اهل
 الاسلام فى سائر الاقطار والمدن الكبار يحتفلون فى شهر
 مولده ﷺ بعمل الولا ئم البديعة المشتملة على الامور البهجة
 الرفيعة ويتصدقون فى لياليه بانواع الصدقات ويظهرون
 السرور ويزيدون فى المبرات ويعتنون بقرأة مولده الكريم
 ويظهر عليهم من بركاته كل فضل عظيم (۳)

ترجمہ: مولود شریف کا عمل قرون ثلاثہ میں سلف صالحین سے منقول نہیں
 ہے یہ عمل قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہوا پھر اہل اسلام آنحضرت ﷺ کے
 ولادت کے مہینہ میں ہر جانب بڑے بڑے شہروں میں محفلیں قائم کرنے
 لگے اور پر تکلف دعوتیں کرتے ہیں جو مسرت آمیز اور بلند امور پر مشتمل
 ہوتی ہیں اور اہل اسلام اس ماہ مبارک کی راتوں میں صدقہ کرتے ہیں
 بہجت و سرور کا اظہار کرتے ہیں نیکیوں میں زیادتی کرتے ہیں اور مولود
 شریف پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں اس مولود شریف کی برکت سے ان پر
 فضل عظیم کا ظہور ہوتا ہے۔

پھر صاحب سبل الہدی حافظ ابن الجزری کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

من خواصه انه امان فى ذلك العام و بشرى عاجلة بنيل
 البغية والمرام. (۴)

ترجمہ: میلاد شریف کے خواص میں سے یہ ہے کہ اس سال امن و امان قائم
 رہتا ہے اور جلد تر حاصل ہونے والی مراد کی خوشخبری ہوتی ہے۔

(۳) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد: ج: ۱/ ص: ۴۳۹، الباب الثالث عشر فی اقوال العلماء فی

عمل المولد الشريف واجتماع الناس له وما يحمد من ذلك وما يذم، مطابع الاهرام القاہرہ ۱۴۱۸ھ

(۴) مرجع سابق، نفس الصفحة

آگے چل کر علامہ ابن کثیر کا قول نقل فرماتے ہیں کہ:

قال الحافظ عماد الدین بن کثیر . رحمہ اللہ تعالیٰ فی تاریخہ کان یعمل المولد الشریف فی ربیع الاول ویحتفل بہ احتفالاً ہائلاً و کان شہما شجاعاً بطلاً عاقلاً عادلاً رحمہ اللہ تعالیٰ و اکرم مثواہ و قد صنف الشیخ ابو الخطاب بن دحیة رحمہ اللہ تعالیٰ کتابالہ فی المولد سمّاه ”التنویر فی مولد البشیر النذیر“ فجازہ بالف دینار . (۵)

ترجمہ: حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب تاریخ میں فرماتے ہیں کہ (صاحب اربل ملک مظفر) ماہ ربیع الاول شریف میں مولود شریف کرتا تھا اور اس ماہ میں وہ پر تکلف محفل میلاد کرتا تھا وہ جری بہادر، ذہین عدل و انصاف کرنے والا شخص تھا شیخ ابوالخطاب بن دحیہ نے اس کے لیے مولود شریف کی کتاب لکھی جس کا نام ”التنویر فی مولد البشیر النذیر“ رکھا تو صاحب اربل نے انہیں ہزار دینار انعام میں دیئے۔

صاحب سبل الہدی والرشاد تحریر فرماتے ہیں:

وقد اثنی علیہ الائمة، منهم الحافظ ابو شامہ شیخ النووی فی کتابہ ”الباعث علی انکار البدع والحوادث“ و قال مثل هذا الحسن یندب الیہ ویشکر فاعلہ ویثنی علیہ قال ابن الجوزی لو لم یکن فی ذلک إلا ارغام الشیطان وادعام اهل الایمان وقال العلامة ابن مظفر رحمہ اللہ تعالیٰ: بل فی الدر المنتظم وقد عمل المحبون للنبی ﷺ فرحاً بمولده الولائم فمن ذلک ما عملہ بالقاهرة المعزیزة من الولائم

(۵) مرجع سابق، نفس الصفحة

الکبار الشیخ ابوالحسن المعروف بابن قفل قدس اللہ تعالیٰ سرہ شیخ شیخنا ابی عبداللہ محمد بن النعمان و عمل ذلك قبل جمال الدین العجمی الهمذانی و ممن عمل ذلك علی قدر وسعہ یوسف الحجار بمصر و قدرأی النبی ﷺ و هو یحرض یوسف المذكور علی عمل ذلك. (۶)

ترجمہ: اس عمل پر (یعنی مولود شریف کرنے پر) ائمہ کرام نے تعریف فرمائی ان میں امام نووی کے شیخ حافظ ابو شامہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ”الباعث علی انکار البدع والحوادث“ میں فرمایا کہ اس طرح عمل کرنا مستحب ہے اس کے کرنے والے کو اجر دیا جائے گا اور وہ قابل تعریف ہوگا، ابن جوزی نے فرمایا اس محفل میلاد سے شیطان کو ذلت و خواری اور اہل ایمان میں مضبوطی و پختگی پیدا ہوتی ہے، علامہ ابن مظفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”الدر المنظم“ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے محبت والفت کرنے والوں نے آپ کے میلاد شریف کی خوشی میں بڑی بڑی دعوتوں کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے وہ دعوتیں ہیں جو شیخ ابوالحسن معروف بہ ابن قفل کرتے ہیں، جو ہمارے شیخ ابو عبداللہ محمد بن النعمان کے شیخ ہیں، ان سے پہلے یہ عمل (عمل مولود) جمال الدین ہمدانی بھی کرتے تھے وہ لوگ جو اپنی وسعت کے بقدر یہ عمل کرتے تھے ان میں یوسف الحجار مصری بھی ہیں انہوں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا حضور علیہ السلام نے یوسف الحجار کو اس عمل پر ابھارا۔

صاحب سبل الہدی والرشاد نے ان اکابرین امت کے واقعات بیان کیے ہیں نیز نبی کریم ﷺ

(۶) مرجع سابق، ج: ۱/ ص: ۴۴۰

نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا اور خواب میں ایسا کرنے پر تاکید فرمائی ہے (۷)۔

صاحب سبل الہدی والرشاد اپنی تالیف میں فرماتے ہیں:

وقال الشيخ الامام العلامة نصير الدين المبارك الشهير
بابن الطباخ في فتوى بخطه اذا انفق تلك الليلة و جمع
جمعا اطعمهم ما يجوز اطعامه واسمعهم ما يجوز سماعه و
دفع للمسح المشوق للآخرة ملبوسا كل ذلك سرورا
بمولده ﷺ فجمع ذلك جائز ويناب فاعله اذا احسن
القصد ولا يختص ذلك بالفقراء دون الاغنياء إلا ان يقصد
موا ساة الاحوج فالفقراء اكثر ثوابا. (۸)

ترجمہ: شیخ امام علامہ نصیر الدین مبارک المعروف ابن الطباخ اپنے فتویٰ
میں لکھتے ہیں شب ولادت جب کوئی شخص خرچ کرے لوگوں کو جمع کر کے
انہیں جائز کھانے کھلائے اور جائز چیزیں انہیں سنائے نیز سننے والے
آخرت کے مشتاق کو کپڑے وغیرہ دے اور یہ سارا عمل اس نے حضور علیہ
الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کی خوشی میں کیا ہو تو یہ سب جائز ہے اور اس کے
کرنے والے کو اجر و ثواب دیا جائے گا جبکہ اس کی نیک نیتی اس میں شامل
ہو اور یہ (عمل) فقرا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے الا یہ کہ وہ زیادہ ضرورت
مند سے ہمدردی کا ارادہ کرتا ہو تو فقرا و مساکین میں زیادہ ثواب ہے۔
جمال الدین بن عبد الرحمن المعروف بہ المخلص فرماتے ہیں:

مولد رسول اللہ ﷺ مبجل مکرم قدس يوم ولادته وشرف
وعظم وکان وجوده ﷺ مبدأ سبب النجاة لمن اتبعه و

(۷) مرجع سابق ج ۱/ص: ۴۴۱

(۸) مرجع سابق، نفس الصفحہ

تقليل حظ جهنم لمن اعد لها لفرحه بولادته ﷺ و تمت
بركاته على من اهتدى به فشابه هذا اليوم يوم الجمعة من
حيث ان يوم الجمعة لا تسع فيه جهنم هكذا ورد عنه ﷺ
فمن المناسب اظهار السرور وانفاق الميسور واجابة من
دعاه رب الوليمة للحضور. (٩)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا میلاد شریف مکرم و معظم ہے اللہ نے اپنے حبیب
کے یوم ولادت کو مقدس و معظم بنایا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مسعود
اس شخص کے لیے نجات کا سبب ہے جس نے آپ کی پیروی و اتباع کی
اور جہنم کے عذاب میں کمی ہے، اس شخص کے لیے جس نے حضور کی ولادت پر
خوشی منا کر اس کے لیے تیاری کی، اللہ کے رسول علیہ السلام کی برکات اس پر
مکمل ہو گئیں جس نے آپ سے رہنمائی حاصل کی، لہذا یوم مولود یوم الجمعہ
سے مشابہ ہو گیا کیونکہ جمعہ کے دن جہنم نہیں بھڑکائی جاتی ہے ایسا ہی حضور
علیہ السلام سے منقول ہے تو (یوم مولود میں) خوشی و مسرت کا اظہار کرنا بقدر
وسعت خرچ کرنا اور کسی داعی کی دعوت قبول کرنا مناسب ہے۔
علامہ ظہیر الدین جعفر فرماتے ہیں:

هذا الفعل لم يقع في الصدر الاول من السلف الصالح مع
تعظيمهم وحبهم له اعظاما ومحبة لا يبلغ جمعنا الواحد
منهم ولا ذرة منه وهي بدعة حسنة اذا قصد فاعلها جمع
الصالحين والصلوة على النبي ﷺ واطعام الطعام للفقراء
والمساكين وهذا القدر يثاب. (١٠)

(٩) مرجع سابق ج ١ ص ٢٢٢

(١٠) مرجع سابق، نفس الصفحة

ترجمہ: یہ فعل (یعنی مولود شریف منانا) سلف صالحین سے قرن اول میں واقع نہیں ہوا حالانکہ وہ حضرات حضور علیہ السلام سے اس قدر محبت و تعظیم فرمایا کرتے تھے کہ ہماری پوری جماعت (محبت و تعظیم میں) ان میں کسی ایک کے مرتبہ کو نہیں پہنچتی۔ یہ عمل (محفل مولود) بدعت حسنہ ہے جبکہ اس کا کرنے والا نیک لوگوں کو جمع کرنے کا قصد کرے، حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجے، فقرا و مساکین کو کھانا کھلائے اتنی بات پر یقیناً ثواب دیا جائے گا۔

شیخ نصیر الدین (محفل میلاد شریف کے متعلق) فرماتے ہیں:

ليس هذا من السنن ولكن اذا انفق في هذا اليوم واطهر السرور
فرحا بدخول النبي ﷺ في الوجود واتخذ السماع الخالي عن
اجتماع المردان وانشاد ما يثير نار الشهوة من العشقيات
والمشوقات للشهوات الدنيوية كاللقد والخذ والعين والحاجب
وانشاد ما يشوق الى الآخرة ويزهد في الدنيا فهذا اجتماع
حسن يثاب قاصد ذلك وفاعله عليه. (۱۱)

ترجمہ: یہ عمل (محفل میلاد شریف) سنت نہیں ہے لیکن کوئی شخص اس دن خرچ کرے اور نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرے اور (نعت و مناقب کی) محفل سماع قائم کرے جس میں امر و جمع نہ ہوں اور اس محفل میں عشقیہ اشعار نہ پڑھے جائیں جو شہوت کی آگ کو بھڑکاتے ہوں اور دنیوی خواہشات کا شوق دلاتے ہیں جیسے خدو خال، اور چشم و ابرو کی باتیں (بلکہ) وہ اشعار ہوں جو آخرت کا شوق پیدا کریں دنیا سے بے رغبتی ہو تو ایسا اجتماع و محفل بہتر و مستحسن ہے اس کے کرنے والے کو اس پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا۔

حضرت ابو شامہ فرماتے ہیں:

(۱۱) مرجع سابق، نفس الصنف

فالبدعة الحسنة متفق على جواز فعلها والاستحباب لها و رجاء الثواب لمن حسنت نيته عليها وهي كل مبتدع موافق لقواعد الشريعة غير مخالف لشيء منها ولا يلزم من فعله محذور شرعي وذلك نحو بناء المنابر والربط والمدارس و خانات السبيل وغير ذلك من انواع البر التي لم تعهد في الصدر الاول فانه موافق لما جاءت به الشريعة من اصطناع المعروف والمعونة على البر والتقوى ومن احسن ما ابتدع في زماننا هذا من هذا القبيل ما كان يفعل بمدينة ”اربل“ جبرها الله تعالى كل عام في اليوم الموافق ليوم مولد النبي ﷺ من الصدقات والمعروف و اظهار الزينة والسرور فان ذلك مع مافيه من الاحسان الى الفقراء مشعر بمحبة النبي ﷺ و تعظيمه وجلالته في قلب فاعله. (۱۲)

ترجمہ: بدعت حسنہ کے جواز اور اس کے استحباب پر اتفاق ہے اور حسن نیت پر ثواب کی امید ہے (بدعت حسنہ) ہر وہ بدعت ہے جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو اور کسی بھی اصول شرعی کے مخالف نہ ہو اور اس کے کرنے سے کوئی بھی شرعی محذور لازم نہ آتا ہو جیسے منبر، سرائیں، مدارس، مسافر خانے وغیرہ کی تعمیر جیسے نیک کام کرنا جو عہد نبوی میں نہیں تھے کیونکہ یہ جملہ کام شریعت مطہرہ کے موافق ہیں اس لیے کہ یہ نیکی اور تقویٰ پر معاونت کرنا ہے اور سب سے اچھی بدعت جو ہمارے زمانے میں اس قبیل (بدعت حسنہ کی قبیل سے) سے ایجاد ہوئی وہ وہ ہے جو شہر اربل میں ہر سال میلاد النبی ﷺ کے دن ہوتا ہے جیسے صدقات و خیرات کرنا زینت اور خوشی و

مسرت کا اظہار کرنا، یہ امور فقرا و مساکین کے واسطے احسان پر مشتمل ہونے کے ساتھ ہی محبت نبی ﷺ اور فاعل کے دل میں آپ کی تعظیم و تکریم کی دلیل ہے۔

صاحب سبل الہدی والرشاد رقم طراز ہیں کہ:

وكان اول من فعل ذلك بالموصل الشيخ عمر بن محمد الملا احد الصالحين المشهورين وبه اقتدى في ذلك صاحب إربل وغيرهم رحمهم الله تعالى. (۱۳)

ترجمہ: سب سے پہلے یہ عمل (محفل مولود شریف) شہر موصل میں شیخ عمر بن محمد نے کیا جو مشہور صالحین میں سے تھے پھر ان کی اقتداء اس عمل میں صاحب اربل وغیرہم نے کی (اللہ ان پر رحم فرمائے)۔

امام صدر الدین فرماتے ہیں کہ:

ويشأب الانسان بحسب قصده في اظهار السرور والفرح بمولد النبي ﷺ. (۱۴)

ترجمہ: انسان کو اس کی نیت و ارادے کے مطابق میلاد نبی ﷺ کے موقع پر مسرت و خوشی کا اظہار کرنے پر اجر و ثواب دیا جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

اصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن احد من السلف الصالح من القرون الثلاثة ولكنها مع ذلك قد اشتملت على محاسن وضدها فمن تحرى في عمله المحاسن وتجنب ضدها كان بدعة حسنة ومن لا فلا قال وقد ظهر لي

(۱۳) مرجع سابق، نفس الصفحة

(۱۴) مرجع سابق، نفس الصفحة

تخريجها على اصل ثابت في الصحيحين من ان رسول الله ﷺ قدم المدينة فوجد اليهود يصومون عاشوراء فسألهم فقالوا هذا يوم اغرق الله تعالى فيه فرعون وانجى فيه موسى فنحن نصومه شكرا لله تعالى فقال انا احق بموسى منكم فصامه وامر بصيامه فيستفاد من فعل ذلك شكر الله تعالى على ما من به في يوم معين من اسداء نعمة أو دفع نقمة ويعاد ذلك في نظير ذلك اليوم من كل سنة والشكر لله تعالى يحصل بانواع العبادات والسجود والصيام والصدقة والتلاوة وای نعمة اعظم من النعمة ببروز هذا النبی الکریم نبی الرحمة في ذلك اليوم. (۱۵)

ترجمہ: عمل مولود شریف بدعت ہے جو قرون ثلاثہ کے سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں لیکن اس کے باوجود وہ اچھائی اور بعض خرابیوں پر مشتمل ہے لہذا جس شخص نے عمل مولود میں خوبیوں کو اختیار کیا اور خرابیوں سے پرہیز کیا تو یہ بدعت حسنہ ہے اور جس نے ایسا نہیں کیا (خرابیوں سے اجتناب کرنے کے بجائے اس کا ارتکاب کیا) تو اس کے لئے یہ بدعت سیئہ ہے میرے نزدیک اس کی (محفل مولود شریف کی) اصل بخاری و مسلم سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی یوم عاشوراکا روزہ رکھتے ہیں آپ نے (اس کا سبب) ان سے دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ اس دن اللہ نے فرعون کو غرق کیا اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو نجات دی اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے زیادہ موسیٰ

کا حق دار ہوں آپ ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا حضور کے اس فعل سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ جس پر اللہ نے کسی معین دن کوئی نعمت عطا فرما کر یا ضرر رساں چیز کو دفع فرما کر احسان کیا تو وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور ہر سال اس معین دن اس شکر کا اعادہ کرے اور اللہ کا شکر کا عبادت، سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوت قرآن وغیرہ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، اور اس سے بڑی اور کون سی نعمت ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن نبی کریم ﷺ کو پیدا فرمایا۔

سبل الہدیٰ کے مصنف حافظ ابن جزری اور حافظ دمشقی سے پیر کے دن ابو لہب کے عذاب میں تخفیف والے واقعہ سے دلیل نقل کر کے علامہ جلال الدین سیوطی کا قول نقل فرماتے ہیں:

عندی أن أصل المولد الذي هو اجتماع الناس وقرأة ما تيسر من القرآن ورواية الاخبار الواردة في مبدأ أمر النبي ﷺ وما وقع في مولده من الآيات ثم يمدلهم سباط ياكلونه وينصرفون من غير زيادة على ذلك من البدع الحسنة التي يثاب عليها صاحبها لما فيه من تعظيم قدر النبي ﷺ وإظهار الفرح والاستبشار بمولده الشريف. (۱۶)

ترجمہ: میرے نزدیک اصل مولود شریف بدعت حسنہ ہے، جو اس قدر ہے کہ لوگوں کا جمع ہونا اور بقدر وسعت قرآن کی تلاوت کرنا، نیز ان اخبار و آثار کا بیان کرنا جو نبی اکرم ﷺ کی ولادت کے سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں اور ان نشانیوں کو بیان کرنا جو آپ کے مولود شریف میں واقع ہوئیں ہیں پھر لوگوں کے واسطے دسترخوان آراستہ کرنا کہ لوگ کھائیں اور ان امور کے علاوہ اور کام کیے بغیر واپس چلے جائیں (یہ امور) بدعت حسنہ ہیں اس پر اس کے

کرنے والے کو ثواب دیا جائے گا کیونکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے مرتبہ کی تعظیم و تکریم ہے اور حضور کے میلاد پر خوشی و مسرت کا اظہار کرنا ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ اس عمل کی جو اصل حافظ ابن حجر نے بیان فرمائی اس کے علاوہ ایک اور دلیل مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد خود اپنا عقیدہ فرمایا، پھر امام سیوطی سنن ابن ماجہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

الصواب انه من البدع الحسنة المندوبة اذا خلا عن المنكرات شرعاً. (۱۷)

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ (مولود شریف) بدعت حسنہ مستحبہ ہے جبکہ شرعاً منکرات سے خالی ہو۔

پھر اس کے بعد سبل الہدیٰ میں چند شعر ذکر کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے

يا مولداً فاق الموالد كلها - شرفاً وساد بسيد الأسياد (۱۸)

ترجمہ: اے مولود جس نے تمام مولودوں پر فوقیت و شرف پایا اور سید السادات (حضور) کے سبب تو بھی صاحب سیادت ہو گیا۔

حافظ جلال الدین سیوطی علامہ فاکہانی (جنہوں نے میلاد کو بدعت سیدہ کہا ہے) کے کلام پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما احثه ملك عادل عالم وقصد به التقرب الى الله تعالى
وحضر عنده فيه العلماء والصلحاء من غير تكبر منهم وارتضاه
ابن دحية رحمه الله تعالى وصنف له من أجله كتاباً فهو لاء
علماء متدينون رضوه واقروه ولم ينكروه. (۱۹)

(۱۷) مرجع سابق ج ۱/ص: ۴۴۵

(۱۸) مرجع سابق ج ۱/ص: ۴۴۷

(۱۹) مرجع سابق ج ۱/ص: ۴۴۹

ترجمہ: میلاد شریف منانے کو ایک عالم عادل بادشاہ نے ایجاد کیا اور اس نے اس سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اس کے دربار میں علما و صلحا موجود تھے ان میں سے کس نے اس کا انکار نہیں فرمایا اور اس (مولود مبارک منانے) کو ابن دحیہ رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور اس کے واسطے انھوں نے ایک کتاب تصنیف فرمائی تو یہ سب دیندار علمائے کرام ہیں جنہوں نے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کو برقرار رکھا اور اس کا انکار نہیں فرمایا۔

یہ سبیل الہدی والرشاد سے ہم نے اختصاراً نقل کیا ہے اور جو سبیل الہدی والرشاد میں (میلاد مبارک کے متعلق) ذکر ہے وہ سمندر کا ایک قطرہ ہے اس کے مقابلے میں جو دوسرے اکابر نے ذکر کیا ہے، ہم نے اسی قدر پر اکتفا کیا جتنا اس کے اثبات کے لیے کافی ہے۔ (۲۰)

(۲۰) مصنف کے صاحبزادے تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی نے محفل میلاد کے سلسلہ میں ایک ضخیم کتاب ”سیف الاسلام المسلول علی المناع لعمیل المولود والقیام“ فارسی زبان میں تالیف فرمائی ہے، اس میں آپ نے بعض علما اور ان کی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے جو محفل میلاد کے جواز و استحسان کے قائل ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ حرمین شریفین اور دیگر بلاد اسلامیہ کے اکابر علما اور کبار ائمہ نے محفل میلاد شریف کے جائز و مستحسن ہونے کا حکم دیا ہے، ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں: (۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲) ملا علی قاری (۳) صاحب مجمع البحار (۴) علامہ ابن حجر مکی (۵) حافظ جلال الدین سیوطی (۶) امام جزری صاحب حصن حصین (۷) علامہ سلیمان برسوی (۸) شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعفی (۹) امام حمد اللہ بن شیخ شمس الدین (۱۰) مولانا حسن بکری (۱۱) شیخ برہان ناصحی (۱۲) شیخ شمس الدین احمد بن محمد سیواسی (۱۳) حافظ زین الدین عراقی (۱۴) امام ابو زرعة (۱۵) سید عقیف الدین شیرازی (۱۶) علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس (۱۷) شیخ محمد بن حمزہ الواعظ (۱۸) حافظ ابن ناصر الدین دمشقی (۱۹) علامہ شمس الدین دمیاطی (۲۰) امام برہان الدین ابوالصفا (۲۱) علامہ فخر الدین ابوبکر النقی (۲۲) علامہ شیخ محمد بن عثمان (۲۳) حافظ ابو شامہ (۲۴) حابن حجر عسقلانی (۲۵) صاحب سیرت شامیہ (۲۶) صاحب سیرت حلبیہ (۲۷) علامہ ابوالقاسم محمد بن عثمان اللؤلؤ (۲۸) علامہ ابوالحسن احمد بن عبداللہ الکبری (۲۹) حافظ ابن رجب حنبلی (۳۰) علامہ ابوالطیب مالکی وغیرہ۔

پھر آپ نے کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے جو یا تو خاص میلاد شریف کے موضوع پر لکھیں گئی ہیں یا پھر ان میں ضمناً میلاد شریف کے جواز و استحسان کا حکم ہے، مثلاً (۱) انسان العیون فی سیرت الامین المامون (۲) التعریف فی المولد الشریف (۳) حسن المقصد فی عمل المولد (۴) موعود الکرام لمولد النبی علیہ السلام (۵) جامع الآثار فی مولد النبی المختار (۶) المورد الصادی فی مولد الہادی (۷) اللفظ الرائق فی مولد خیر الخلائق (۸) عرف التعریف فی المولد الشریف (۹) الدر المنظم فی المولد الاعظم (۱۰) اللفظ الجمیل بمولد النبی الجمیل (۱۱) فتح اللہ حسبی و کفی فی مولد المصطفیٰ (۱۲) النفعۃ العنبریۃ فی مولد خیر البریۃ

خلاصہ کلام یہ کہ ائمہ کرام کا جم غفیر اور امور مسلمین کے اہل حل و عقد کی بڑی جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ مولود شریف کرنا مستحب و مستحسن ہے، لہذا قائل کا یہ کہنا کہ مولود کرنا گناہ کبیرہ ہے یہ قول باطل جہالت پر مبنی ہے، اور سواد اعظم کے مخالف ہے، اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے عوام و خواص کو فاسق و کافر کہنا ہے کیونکہ یہ حضرات میلاد شریف کو مستحب و مستحسن سمجھتے ہیں۔

اگر یہ قائل دین کا ذرا بھی علم رکھتا ہے، تو یقیناً اس نے یہ علم دین عادل اور ثقہ علما سے حاصل کیا ہوگا، اور ضرور اس نے اپنے اساتذہ سے لے کر آخر تک سلسلہ سند کی تحقیق کی ہوگی، اب (ہمارا مطالبہ ہے کہ) اپنی سند سے صحاح کی کوئی بھی ایک ایسی حدیث پیش کر دے جس کے سلسلہ سند میں اس ”گناہ کبیرہ“ کا مرتکب، اور اس کو ”مستحسن“ قرار دینے والا کوئی شخص نہ ہو، بفضلہ تعالیٰ اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے، اور اگر دعویٰ رکھتا ہو تو پیش کرے ”ہمیں میدان ہی گئے“ (ہاتھ ننگن کو آری کیا) شاخ پر بیٹھ کر جڑ کاٹنا کسی عقل مند کا کام نہیں ہے۔

(۲) محفل میلاد شریف میں قیام کرنا -

محفل مولود شریف میں قیام کے متعلق امام برزنجی فرماتے ہیں:

قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف ائمة ذورواية

ورؤية و طوبى لمن كان تعظيمه ﷺ مرامه و مرماه. (۲۱)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کے مولود مبارک کے ذکر پر قیام کرنا صاحب الروایہ

اور صاحب الرویہ دونوں قسم کے اماموں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ خوشخبری

ہے اس شخص کو جس نے حضور ﷺ کی تعظیم کو اپنا مقصد و غایت بنالیا۔

گزشتہ صفحہ کا بقیہ:-

(۱۳) مفتاح السور والافکار فی مولد النبی المختار (۱۴) سیرت شامیہ (۱۵) الضوء اللامع (۱۶) المورد

الروی فی المولد النبوی (۱۷) مائتہ بالسنة (۱۸) المواہب اللدنیة (۱۹) مدارج النبوة وغیرہ

دیکھیے: سیف الاسلام المسلول علی المناع لعمل المولد والقیام: ص ۶۵ مطبع الہی دہلی

(۲۱) مولود برزنجی ص: ۵۳ مطبع محمد رضا استنبول ۱۲۹۴ھ

مولانا حسن دمیاطی (مدرس مسجد الحرام) اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

اہل سنت و جماعت کا قیام مذکور کے مستحب و مستحسن ہونے پر اتفاق ہے
 رسول انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی علامہ
 مدائنی فرماتے ہیں کہ ذکر ولادت کے وقت قیام کی عادت جاری ہے اور یہ
 قیام بدعت مستحبہ ہے جس میں خوشی و مسرت اور تعظیم کا اظہار ہے۔

اس فتویٰ پر چاروں مذاہب کے مفتیان کرام کے دستخط اور مہر ثبت ہیں سب نے کثیر علمائے
 کرام اور دین اسلام کے پیشواؤں سے قیام کا مستحسن ہونا نقل فرمایا ہے۔

مولانا عبداللہ سراج لکھتے ہیں:

ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا جلیل المرتبت ائمہ کرام سے توارثاً ثابت
 ہے، (۲۲) حکام اسلام نے اسے بغیر کسی نکیر کے برقرار رکھا ہے لہذا یہ عمل
 مستحسن (بہتر) ہے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ما راہ
 المومنون حسنا فهو عند الله حسن جس کو مومن اچھا سمجھیں وہ چیز
 اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

صاحب سیرت شامیہ نے قیام میلاد کو جو بدعت فرمایا ہے صاحب حلبي اس کی تشریح کرتے
 ہوئے فرماتے ہیں کہ ”یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ ہر بدعت مذموم نہیں“۔ پھر صاحب حلبيہ بدعت
 محمودہ کی تحقیق کے بعد لکھتے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ کے ذکر ولادت کے وقت قیام کو امت
 اسلامی کے عالم جلیل قدوة العلماء امام تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ نے پسند فرمایا ہے اور اس زمانے
 کے مشائخ کرام نے اس عمل میں آپ کی متابعت کی“ پھر امام سبکی کا واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں
 کہ متابعت و اقتداء کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔“

لہذا قائل کا اس قیام کو شرک کہنا سوائے جنون کے اور کچھ نہیں۔

اہل سنت و جماعت کے نزدیک از روئے شرع نفس الوہیت میں کسی کو شریک کرنے کا نام

(۲۲) بحر الرائق میں ہے کہ تعامل ناس اجماع کے تابع ہے۔ (مصنف)

شرک ہے جیسا کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اس کی صراحت فرمائی ہے (۲۳)۔ قیام و قعود کو شرک سے کوئی تعلق نہیں قیام تو عبادت کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے برخلاف سجود کے، اس کی صراحت آیت کریمہ والرکع السجود کے تحت تفسیر عزیزی میں موجود ہے۔

سجدہ عبادت کے ساتھ خاص ہونے کے باوجود عبادت کی نیت سے کرنا شرک ہے تعظیماً سجدہ کرنا شرک نہیں یہ سابقہ شریعتوں میں جائز تھا مگر سجدہ تعظیماً اس شریعت میں حرام قرار دے دیا گیا، اس بات کی صراحت بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں فرمادی ہے۔

تمام باتوں سے قطع نظر منکرین قیام کو ساکت کرنے کے لیے ان کے متقدا کی کتاب مائة المسائل (۲۴) کا ذکر کرنا کافی ہوگا اس میں بھی سجدہ عبادت اور سجدہ تہیت کے فرق کو

(۲۳) شرح عقائد میں ہے: الاشرک هو اثبات الشریک فی الالوهیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی العبادة کما لعبدة الاصنام. (شرح عقائد: علامہ سعد الدین تفتازانی، ج: ۶۱، کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے یعنی کسی کو واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا مذہب ہے یا عبادت میں کسی کو شریک کرنا جیسا کہ بتوں کی پرستش کرنے والے کرتے ہیں۔

علامہ محمد عبدالعزیز فرہاری اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاشرک هو اثبات الشریک فی الالوهیة بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس فانهم يعتقدون الهین یزدان خالق الخیر واهر من خالق الشر او بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام فانهم يعتقدون ان الواجب واحد و یزعمون الاصنام مستحقة للعبادة لرجاء الشفاعة منها. (نبراس)

ترجمہ: شرک یہ ہے کہ کسی کو الوہیت میں شریک مانا جائے یعنی کسی کو واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسی کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ دو خالق ہیں خیر کا خالق یزدان ہے اور شر کا خالق اہرمن ہے، یا کسی کو عبادت کا مستحق جاننا جیسا کہ بت پرست، کیونکہ وہ واجب الوجود کو ایک کو جانتے ہیں مگر یہ گمان کرتے ہیں کہ بت عبادت کے مستحق ہیں اس لیے کہ ان کی جانب سے شفاعت کی امید ہے۔

(۲۴) یہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نواسے شاہ اسحاق دہلوی کی کتاب ہے، اس کے رد میں مصنف نے ”تصحیح المسائل“ تالیف کی، جس کے جواب میں مولانا بشیر الدین قنوجی نے ”تفہیم المسائل“، لکھی، تفہیم المسائل کا جواب مصنف کے بھانجے مجاہد آزادی مولانا فیض احمد بدایونی نے ”تعلیم الجاہل“ کے نام سے دیا۔

تسلیم کیا گیا ہے۔ (۲۵)

جب سجدہ کا یہ حال ہے (یعنی سجدہ تعظیمی حرام ہے شرک نہیں) تو محفل میلاد میں قیام کو شرک ٹھہرانے دین کی اختراع کے سوا اور کیا تصور کیا جاسکتا ہے۔

(۳) کھانے اور شیرینی پر فاتحہ کرنا -

(۵) دائمی قدیم رواج کے مطابق پنج آیات ختم کرنا -

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان دونوں امر کے متعلق اپنے مشہور فتاویٰ میں تحریر

فرماتے ہیں کہ:

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است اول آنکہ یک روز معین نموده یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر محض بنا بر زیارت واستغفار بروند ایں قدر از روئے روایات ثابت است و در تفسیر ”در منثور“ نقل نموده کہ سر ہر سال آنحضرت ﷺ بر مقابر می رفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور می نمودند ایں قدر ثابت و مستحب است دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی یا طعام نموده تقسیم در میان حاضران نمایند ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ احیاء و اموات را حاصل می شود سوم طور جمع شدن بر قبور ایں است کہ مردمان یک روز معین نموده و لباس ہائے فاخرہ مثل روز عید پوشیدہ مثل

(۲۵) مآۃ المسائل میں ہے کہ:

۳۳واں سوال: صاحب قبر کی تعظیم کے لیے قبر کو سجدہ کرنا شریعت میں حرام ہے یا کفر و شرک ہے یا گناہ کبیرہ؟
جواب: غیر اللہ کو سجدہ کرنا خواہ قبر ہو یا غیر قبر حرام گناہ کبیرہ ہے اگر کوئی غیر اللہ کو سجدہ عبادت کی غرض سے کرتا ہے تو یہ موجب کفر و شرک ہے اگر کوئی غیر اللہ کو خواہ قبر ہو یا غیر قبر، ایسی حالت میں کرتا ہے کہ وہ (جسے وہ سجدہ کر رہا ہے) سامنے نہیں ہے تو یہ بھی موجب کفر ہے جیسا کہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے اور سجدہ تعظیمی جو زمانہ سابق میں تھا شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں منسوخ ہو گیا اور اس پر تفسیر و حدیث اور کتب فقہ دلالت کر رہی ہیں۔ (ترجمہ ملخصاً) مآۃ المسائل: شاہ اسحاق صاحب دہلوی، ص: ۵۹، سید الاخیار ۱۲۶۲ھ

روز عید شاد ماں شاد ماں بر قبر ہا جمع می شوند رقص مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ
مثل سجدہ برائے قبور و طواف کردن قبر می نمایند این قسم حرام و ممنوع
است۔ (۲۶)

ترجمہ: سال میں کسی معین دن قبور پر جانے کی تین صورتیں ہیں:
(۱) کسی معین روز ایک شخص یا دو شخص بغیر کثیر لوگوں کے اجتماع کے زیارت اور
استغفار کی غرض سے قبور پر جائیں تو یہ احادیث سے ثابت شدہ ہے تفسیر
در منشور میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال قبروں پر تشریف لے جاتے
اور اہل قبور کے لیے دعا و استغفار فرماتے تھے بات ثابت ہے اور مستحب ہے۔

(۲) اجتماعی طور پر کثیر لوگ جمع ہوں اور قرآن کریم کا ختم کریں اور شیرینی
یا کھانے پر فاتحہ دے کر حاضرین میں تقسیم کریں تو اگرچہ یہ قسم رسول اکرم
ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ مبارک میں موجود نہ تھی، اگر کوئی ایسا
کرتا ہے (یعنی مزارات پر جمع ہو کر شیرینی یا کھانے پر فاتحہ دے کر
حاضرین میں تقسیم کرتا ہے) تو اس میں (از روئے شرع) کوئی قباحت
نہیں کیونکہ یہ طریقہ برا نہیں ہے بلکہ زندوں اور مردوں کو اس سے فائدہ
حاصل ہوتا ہے۔

(۳) کسی معین روز لوگ روز عید کی طرح مسرور و شاد ماں بہترین لباس
زیب تن کر کے جمع ہوں اور مزامیر کے ساتھ رقص کریں اور دیگر ممنوع
بدعتوں کا ارتکاب کریں جیسے قبروں پر سجدے کرنا ان کا طواف کرنا تو یہ
طریقہ حرام و ممنوع ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب علی محمد خاں صاحب مرحوم رئیس مراد آباد کے جواب میں رقم فرماتے ہیں کہ:
کہ در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد می شود مجلس ذکر وفات شریف و

(۲۶) فتاویٰ عزیزی: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ۴۰، مطبوعہ مجتہائی دہلی ۱۳۱۱ھ

ترجمہ: پورے سال میں فقیر (شاہ عبدالعزیز صاحب) کے گھر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک ذکروفات شریف کی مجلس، دوسری ذکر شہادت حسنین کریمین کی مجلس۔ عاشورا سے ایک دو دن پہلے چار پانچ سو لوگ بلکہ کبھی ایک ہزار لوگ جمع ہو کر درود پاک کا ورد کرتے ہیں اس کے بعد فقیر (گھر کے کمرے سے) باہر نکلتا ہے اور فضائل حسنین کریمین کے ذکر کے واسطے بیٹھتا ہے اور جو کچھ احادیث مبارکہ میں ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق خبریں وارد ہوئیں لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور بعض دیگر احوال کی تفصیل کے ساتھ ان حضرات کے قاتلین کا جو برا انجام (روایات میں) وارد ہوا ہے، بیان کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد ختم قرآن اور پنج آیات پڑھی جاتی ہیں پھر کھانے پر فاتحہ ہوتی ہے، لہذا یہ چیزیں جس طریقہ پر ذکر کی گئیں ہیں اگر فقیر کے نزدیک جائز نہیں ہوتیں تو فقیر اس پر عمل ہرگز نہیں کرتا اور جو چیزیں ناجائز ہیں (وہ ایسی مشہور و معروف ہیں) ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

56

صاحب لکھتے ہیں:

اِس طعن مبنی است بر جہل باحوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض مقررہ را
ہیچ کس فرض نمی داند آری زیارت و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان بامداد
ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب
است باجماع علما و تعیین روز برائے آنست کہ آن روز مذکر انتقال ایشان می
باشد از دارالعمل بدارالثواب۔

ترجمہ: یہ طعن مطعون علیہ (جس پر طعن کیا گیا) کے احوال سے جاہل
ہونے پر مبنی ہے کیونکہ کوئی شخص سوائے فرائض مقررہ کے کسی کو فرض نہیں
سمجھتا، صالحین کی قبور کی زیارت کرنا، ایصالِ ثواب، تلاوت قرآن اور
دعائے خیر کے ذریعہ ان کی امداد کرنا اور کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا ایک
امر مستحسن ہے اس پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔

دن کو متعین کرنا اس لیے ہے کہ یہ دن ان کے دارالعمل سے دارالثواب کی
جانب منتقل ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

آخر میں ہر سال کے شروع میں قبور شہدا پر حضور ﷺ کے تشریف لے جانے والی روایت نقل کی
ہے، اور ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس میں ہے کہ چاروں خلفا کا بھی یہی معمول رہا۔
مولوی رفیع الدین صاحب (۲۷) اپنے مشہور فتویٰ میں عرس کی صحت حضرت بلال رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے پیر کے دن روزہ رکھنے کی دلیل سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”حضرت
بلال اس لیے روزہ رکھتے تھے کیونکہ اس روز ولادت رسول، ہجرت اور وحی کا نزول نیز حضور علیہ
السلام کا وصال مبارک ہوا۔ وہی دن (وصال کا دن) اہل اللہ کے انتظار کے ختم ہونے کا دن ہے

(۲۷) شاہ رفیع الدین دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند گرامی ہیں، ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء میں ولادت ہوئی، اپنے بھائی
شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ماموں شاہ محمد عاشق پھلتی وغیرہ سے تحصیل علم کی، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ضعیف ہونے کے
بعد مدرسہ رحیمیہ کی مسند درس کو زینت بخشی، خلق کثیر نے آپ سے استفادہ کیا، عربی، فارسی، اردو میں ۳۰ سے زیادہ
کتبیں یادگار چھوڑیں، ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: حکیم محمود احمد برکاتی
ص ۱۰۵ تا ۱۰۸، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۹۲

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی روز اللہ والوں کی ارواح کا اجتماع ہوتا ہے اور عالم برزخ کے معاملات منکشف ہوتے ہیں، پھر یہ تمام تفصیلات ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ ”دعا، ختم قرآن اور کھانے کے ذریعہ ان کی امداد کرنا بدعت مباح ہے اور ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

یہیں سے مشائخ کرام کے عرسوں کی محاظمت، ان کی قبور کی پابندی سے زیارت، فاتحہ خوانی اور صدقہ کا التزام، ان کے آثار، اولاد اور منتسبین کی تعظیم کی طرف متوجہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

شاہ صاحب انفاس العارفین میں اپنے والد گرامی کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”حضور رسالت مآب ﷺ کے یوم وفات میں حضور کی نیاز کے واسطے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی جس سے کھانا پکایا جاسکے صرف بھنے ہوئے چنے اور کالے گڑ پر میں نے نیاز کر دی، رات کو خواب میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے ہیں اور ان ہی کھانوں میں چنے اور گڑ بھی ہیں۔ حضور نے انتہائی خوشی و مسرت کے ساتھ اسے قبول فرما کر اس میں سے کچھ تناول بھی فرمایا اور باقی کو اپنے اصحاب میں تقسیم فرما دیا۔ (۲۸)

ان اکابرین امت کے کلام نے جن کا ہم نے ذکر کیا ہمارے مدعا کو ظاہر کر دیا لہذا اس جاہل کا قول بھی باطل و مردود ہو گیا جو ان مستحسن امور کو حرام اور بدعت سیئہ کہتا ہے۔ ان شہروں میں اکثر اہل علم کے علوم کی اسناد کی انتہا ان ہی بزرگان دین کی جانب ہوتی ہے (یعنی شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ) پھر ان اکابرین کی طرف اس بات کا منسوب کرنا کہ انہوں نے حرام کو حلال قرار دے دیا تھا، اپنے دینی سلسلے کی جڑ کاٹنا ہے۔

(۴) کیا اولیائے کرام سے مدد طلب کرنا شرک ہے؟

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ آیت مقدسہ ”اماتہ فاقبرہ“ (۲۹) کی تفسیر میں

(۲۸) انفاس العارفین: ترجمہ سید فاروق احمد قادری، ص ۱۰۶/۱۰۷، مکتبہ الفلاح دیوبند

(۲۹) عبس آیت ۲۱، ترجمہ: پھر اسے (انسان کو) موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا

فرماتے ہیں:

توجہ روح بزازرین و مستفیدین بسہولت می شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چوں در اں بقعہ کہ مدفون بدن اوست واقع شود بسہولت نافع می شود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن بنا بر ایں است کہ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہارا افادہ و اعانت نیز متصور (۳۰)

ترجمہ: روح کی توجہ بزازرین، مستفید ہونے والوں کی جانب بآسانی ہو جاتی ہے بدن کی جگہ کے تعین کے سبب گویا روح کا مکان بھی متعین ہو گیا اور اس عالم کے آثار جیسے صدقات، فاتحہ خوانی، تلاوت کلام مجید کا ثواب جب زمین کے اس ٹکڑے کے پاس کیا جاتا ہے جس میں بدن مدفون ہے تو بآسانی نفع بخش ہوتا ہے لہذا بدن کو جلانا گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور بدن کو دفن کرنا گویا روح کے واسطے ایک مسکن بنانا ہے اسی بنا پر اولیائے کرام اور دیگر صلحائے مومنین جن کو دفن کیا جاتا ہے ان سے انتفاع و استفادہ جاری ہے اور ان کو بھی فائدہ پہنچنا اور ان کی اعانت کرنا متصور ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سورۃ انشقت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال و سعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد و او بیان تحصیل کمالات باطنی از آنہا می نمایند و از باب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آنہا می طلبند و

(۳۰) تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ۶۱، پارہ عم مطبع العلوم دہلی ۱۳۶۷ھ

می یا بند و زبان حال آنہا در اں وقت ہم مترنم بایں مقالات است۔ (۳۱)

مصرع۔ من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

ترجمہ: بعض خواص اولیا جو اپنے جوارح کو بنی نوع انسان کی تکمیل اور ارشاد میں لگا چکے ہیں اس حالت میں بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں، جہت کمال کی طرف ان کا استغراق اس جانب توجہ کرنے میں مانع نہیں ہوتا ہے، اور ایسی حضرات اپنے کمالات باطنی کی تحصیل انہیں حضرات سے کرتے ہیں، اور حاجت مند اپنی مشکلوں کا حل انہیں سے طلب کرتے ہیں، اور ان سے پاتے ہیں اور زبان حال سے گویا وہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے بدن کے ساتھ آئے ہو تو میں ش اپنی روح کے ساتھ حاضر ہوں

اس مسئلہ میں وہابیہ پر رد کرتے ہوئے مولوی محمد موسیٰ صاحب (۳۲) خلف الصدق حضرت مولوی رفیع الدین صاحب قدس سرہ رسالہ ”حجۃ العمل“ میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے نقل فرماتے ہیں کہ:

دریں جا سنخے است واجب التنبیہ کہ استعانت از غیر خدا بوجہی کہ اور
خالق عون و مستقل در تصرف داند حرام است و اگر اور مظہر عون الہی دانستہ
استعانت نماید جائز است و این نوع استعانت از صحابہ تا حضرت مولوی
شاہ عبدالعزیز صاحب و مولوی رفیع الدین صاحب در تصحیح المسائل وغیرہ

(۳۱) تفسیر فتح العزیز: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص: ۱۳۹، تحت سورۃ انشقت، مطبع العلوم دہلی، ۱۲۶ھ

(۳۲) آپ کی ولادت ۱۱۹۳ھ سے قبل ہوئی، اپنے اسلاف کی شہرہ آفاق درسگاہ مدرسہ رحیمیہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، اپنے چچا زاد بھائی شاہ اسماعیل دہلوی کے افکار و نظریات کے رد میں دور سارے تالیف فرمائے، حجۃ العمل فی ابطال الجہل، اور رسالہ در تحقیق استعانت، جامع مسجد دہلی کے مشہور تاریخی مناظرے میں مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا عبدالحی بدھانوی کے مقابلے میں علمائے اہل سنت کے ساتھ آپ نے بھی سرگرمی سے حصہ لیا، علامہ فضل حق خیر آبادی نے جب شاہ اسماعیل دہلوی کے رد میں تحقیق الفتویٰ لکھی تو اس پر دیگر علمائے دہلی کے ساتھ آپ نے بھی تائیدی دستخط فرمائے، ۱۲۵۹/۱۸۳۳ء میں وفات پائی۔ دیکھیے: شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: حکیم محمود احمد برکاتی ص ۱۸۳ تا ۱۸۶، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی ۱۹۹۲

بخوبی ثابت کر دیدہ است پس مقصود قائل اگر معنی اول است در اس کلام نیست و نہ کسے مدعی آن و اگر معنی دوم ارادہ کردہ است شک نیست در خروج او از اہل حق و دخول در مذہب نجدیہ کہ کافہ علمائے عرب و عجم خصوص دریں مسئلہ ضلال او بادلہ قطعیہ ثابت کردہ اند۔

ترجمہ: اس جگہ ایک قابل تنبیہ بات یہ ہے کہ غیر خدا سے استعانت اس طریقہ پر کرنا کہ اس کو خالق عون اور تصرف میں مستقل بالذات ماننا تو یہ حرام ہے اور اگر اسے عون الہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کی تو یہ جائز ہے اور اس قسم کی استعانت صحابہ کرام کے مقدس گروہ سے لے کر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب تک تصحیح المسائل وغیرہ کتب میں بہت اچھی طرح ثابت کی جا چکی ہے۔ لہذا اگر (منکر استعانت) قائل کا مقصد پہلے والے معنی ہیں تو اس (پہلے والے معنی کے حرام و کفر ہونے) میں کوئی کلام نہیں اور اس معنی کا کوئی مدعی بھی نہیں اور اگر قائل نے دوسرے معنی کا ارادہ کیا ہے (یعنی غیر اللہ کو عون الہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کو حرام و کفر کہا ہے) تو اس قائل کے اہل حق کی جماعت سے نکلنے اور نجدی فرقہ کے اندر داخل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں کیوں کہ تمام عرب و عجم کے علمائے کرام نے خاص طور سے اسی مسئلہ میں قطعی دلائل کے ساتھ اس کی گمراہی ثابت کر دی ہے۔ (۳۳)

(۶) حضور انور ﷺ کے نقش پا کا معجزہ -

علامہ احمد بن محمد القسطلانی علیہ الرحمہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ”المواہب اللدنیہ“ میں حضور علیہ السلام کے نقش پا کے معجزہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

(۳۳) مسئلہ توسل و استعانت پر تحقیقی اور تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب ”احقاق حق“، ترجمہ و تحقیق از راقم الحروف، تاج النحل اکیڈمی بدایوں۔

أنه صلى الله عليه وسلم كان إذا مشى في الصخر غاصت
قدماه فيه كما هو مشهور قديماً و حديثاً على الألسنة. (۳۴)
ترجمہ: حضور انور ﷺ جب پتھر پر چلتے تھے تو آپ کے دونوں قدم
مبارک اس پتھر میں اثر فرماتے جیسا کہ زمانہ قدیم اور موجودہ عہد میں
زبانوں پر مشہور ہے۔

حضور کے نقش پا کے معجزہ کا ذکر علامہ محمد رباوی نے کتاب المعجزات میں اور قاضی دیار بکری نے
تاریخ خمیس میں علامہ فخر الدین الرازی سے نقل کیا ہے اور امام جلال الدین سیوطی نے انموذج
اللیب، امام رزین العبدی صاحب صحاح نے خصائص میں، اور علامہ حلبی نے ”انسان العیون“
میں امام سبکی کے استشہاد کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس معجزہ کا ذکر امام زبیری و تلمسانی نے فتح المتعال
میں حافظ متولی، ابن سبع اور نیشاپوری کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے
مدارج النبوة اور امام بوسیری نے قصیدہ ہمزیہ وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ البتہ کتب صحاح ستہ میں حضور
کے نقش پا کا معجزہ مذکور نہیں ہے مگر ان میں اور بعض دیگر کتب میں اس کے نہ ہونے اور بعض لوگوں
کے اس پر مطلع نہ ہونے کی بنیاد پر اس کا انکار کرنا درست نہیں، جبکہ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے
اس معجزہ کو وصف شہرت کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اسے قبول کر کے اس کے منکر پر تکبر قائم فرمائی ہے۔
اس معجزے کے انکار کی بنا فقط (۳۵) اس پر ہے کہ یہ معجزہ مواہب لدنیہ وغیرہ کتب سیر
سے ثابت نہیں ہے اسی وجہ سے صاحب سیرت شامیہ نے لکھ دیا ہے کہ ”اس معجزہ کا وجود حدیث
اور کتب تواریخ میں نہیں“ اور جب اہل ایمان نے خود مواہب لدنیہ اور دیگر معتبر کتب سے اس

(۳۴) المواہب اللدنیۃ ۲/ص: ۶۳۰ پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء

(۳۵) اس معجزے کے رد میں یہ اور اس کے بعد والی دلیل میاں سید نذیر حسین دہلوی صاحب نے دی تھی، انہوں نے
اس کے رد میں ایک فارسی رسالہ ”الدلیل الحکم فی نفی اثر القدم“ تصنیف کیا، یہ رسالہ ذی الحجۃ ۱۲۶۶ھ میں تالیف کیا گیا اور
ربیع الاول ۱۲۶۷ھ میں فخر المطالع دہلی سے شائع ہوا، اس کے رد میں مولانا محمد کریم اللہ شاہ جہان آبادی (م: ۱۲۹۱) نے
”برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم“ (مطبع دار السلام دہلی رجب ۱۲۶۷ھ) اور مولانا محمد فرید الدین دہلوی
(م: ۱۲۷۳) نے ”السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول“ (مطبع اردو اخبار دہلی ۱۲۶۷ھ) تالیف کی۔

معجزہ کو ثابت کر دیا تو منکر کے دعویٰ کی بنیاد جڑ سے اکھڑ گئی۔ صاحب سیرت شامیہ کا اس معجزہ کو کتب حدیث و تاریخ میں نہ پانا ہمارے مطلوب کے لیے ضرر رساں نہیں کیونکہ ان کے استاذ امام جلال الدین سیوطی نے اسے صاحب صحاح امام رزین کی خصائص میں پایا اور اپنی کتاب ”انموذج“ میں ذکر کیا، اور علامہ حلبی و تلمسانی نے حلبی پر تعریض کی اور اس کو حلبی کے معتبر اور مستند (امام سیوطی) ہی سے ثابت کر دیا۔

منکر کی دوسری دلیل یہ کہ امام قاضی بیضاوی، امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر، صاحب مدارک، نیشاپوری، حسینی و جواہر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا پتھر پر اثر اور اس کا زمانہ دراز تک قائم و باقی رہنا حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کا خاصہ ہے۔ اس سے قطع نظر کہ یہاں بیضاوی، حسینی اور صاحب جواہر کا نام ذکر کر کے منکر نے ان پر اتہام کیا ہے (کیونکہ ان حضرات نے یہ بات نہیں لکھی) میں عرض کرتا ہوں کہ منکر کے کلام کے سیاق و سباق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس کو صرف اسی خصوصیت سے انکار نہیں بلکہ وہ اس قاعدہ کلیہ (جو جامع معجزات کثیرہ ہے) کا منکر ہے کہ ”جو بھی خصوصیت کسی نبی کو دی گئی اس کا مثل ہمارے حضور ﷺ کو ضرور دیا گیا“۔

مواہب لدنیہ کے چوتھے مقصد کی دوسری فصل میں یہ قاعدہ موجود ہے اور گویا پوری فصل اسی قاعدے کی فروع کے بیان میں ہے، مثلاً لکھتے ہیں:

واما ما اعطيه سليمان عليه السلام من كلام الطير وتسخير
الشياطين والريح والملوك الذي لم يعطيه احد من بعده
فقد اعطى سيدنا محمد ﷺ مثل ذلك وزيادة (۳۶)
وہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت دی گئی مثلاً پرندوں سے کلام
کرنا، جنات اور ہوا کی تسخیر اور بادشاہت وغیرہ ان کے بعد کسی اور کو نہیں
دی گئی، لیکن وہی خصوصیت بلکہ اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کو عطا کی گئی۔

(۳۶) المواهب اللدنیة: ج ۲، ص ۵۹۲، پور بندر گجرات ۲۰۰۱ء

اور معجزہ نقش قدم کا حضرت ابراہیم کا خاصہ ہونا اس بات کے منافی نہیں ہے کہ ویسا ہی معجزہ اس ذات گرامی کو دیا جائے کہ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہو کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیتوں کی جامع ہے بلکہ حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت تو تقاضا کر رہی ہے کہ آپ بھی حضرت ابراہیم کی مذکورہ خصوصیت کے حامل ہوں، دیکھو صاحب مواہب امام قسطلانی حضرت ابراہیم کے معجزہ نقش قدم کو حضور ﷺ کے معجزہ قدم کی تائید میں لائے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

اذما خص نبی بشی من المعجزات والكرامات الا ولنبينا

ﷺ مثله كما نصوا عليه (۳۷)

اس لیے کہ جو بھی معجزہ یا بزرگی کسی نبی کو ملی اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کے

لیے ثابت ہے جیسا کہ علما نے بیان کیا ہے۔

منکر اعجاز کی دلیل کا مدار لفظ ”خاصہ“ پر ہے، جو مفسرین کے کلام میں وارد ہوا ہے، مفسرین کے امام امام رازی ہیں اور صاحب تاریخ خمیس نے انہیں امام ہمام (رازی) سے یہ معجزہ نقل کیا ہے۔

(۷) کیا تعزیه قصداً یا بلا قصد دیکھنا کفر ہے -

(۸) کیا ہولی دیکھنے یا دسہرہ میں جانے سے آدمی

کافر ہو جاتا ہے ؟ -

اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایمان و کفر تصدیق و تکذیب کا نام ہے جو دل کا فعل ہے اور زبان سے اقرار کرنا ایک زائد رکن ہے یا زبان سے اقرار کرنا دنیا میں اجرائے احکام کے لیے شرط ہے اور باطل فرقوں میں سے خوارج کے نزدیک تصدیق مع الطاعت کا نام ایمان ہے لہذا ہر گناہ کو وہ کفر بتاتے ہیں اور ہر معصیت ان کے نزدیک شرک ہے خوارج کا یہ گمراہ عقیدہ چونکہ حد شہرت کو پہنچ چکا ہے لہذا اس کی سند کی حاجت نہیں ہے۔

قائل نے فقط آنکھ کے فعل یعنی دیکھنے پر کفر کا حکم لگا دیا خواہ دل کی تصدیق ہو یا نہ ہو قائل کا یہ قول اس کے اہل سنت و جماعت کے دائرہ سے خارج ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ

تعزیه کے بارے میں یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ قوم اس کی عبادت کرتی ہے اس لیے اس کے دیکھنے سے کفر لازم آئے گا، تو قائل کا یہ حکم لگانا بھی باطل ہے ورنہ اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ چاند سورج کا دیکھنا، لنگا جتنا کو دیکھنا اور اس کا پانی پینا کفر ہو حالانکہ زمانہ بعثت سے لے کر فتح مکہ تک ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد بھی حضور اکرم ﷺ کا عمرہ کرنے آنا اور صحابہ کا اس زمانہ میں حج کرنے آنا اور فتح مکہ کے روز حضور اور تمام صحابہ کا ان باطل معبودوں کو دیکھنا ظاہر ہے، حج کی فرضیت کے بعد فتح مکہ سے پہلے جب صحابہ کرام حج کی ادائیگی کے لیے آئے اساف و نائلہ (جو بتوں کے نام ہیں) کی وجہ سے صفا اور مروہ پر سعی کرنے میں کچھ تاثر ہوا تو آیت کریمہ فلا جناح علیہ ان یطوف بہما (۳۸) نازل ہوئی۔

ہاں البتہ فقہ کی کتابوں میں مشرکین کی عیدوں میں بقصد تعظیم جانے اور ان کے افعال میں موافقت کرنے کو کفر لکھا ہے، طحاوی میں ہے:

ویکفر باتیانہ عید المشرکین تعظیماً (۳۹)

ترجمہ: آدمی کا مشرکین کی عید میں تعظیماً جانا کفر ہے۔

عالمگیری میں ہے

(یکفر) بخروجہ الی نیروز المجوس لموافقتہ معہم فیما

یفعلون فی ذلک الیوم وبشرائہ یوم نیروز شیئاً لم یکن

یشترہ قبل ذلک تعظیماً للنیروز لا لاکل والشرب وبہدائہ

ذلک الیوم للمشرکین ولو بیضۃ تعظیماً لذلک لا باجابه

دعوة مجوسی خلق رأس ولدہ. (۴۰)

ترجمہ: اس شخص کی تکفیر کی جائے گی جو مجوسیوں کے جشن نیروز میں جائے

(۳۸) البقرة: ۱۵۸

(۳۹) حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار: ج ۲/ص ۴۷۹، دارالمعرفة للطباعة والنشر بیروت لبنان

(۴۰) الفتاویٰ العالمگیریہ، ج ۲/ص ۲۷۷، الباب التاسع فی احکام المرتدین۔

ان کی ان کاموں میں موافقت کی غرض سے جو وہ اس دن کرتے ہیں اور
 نیروز کی تعظیم کے قصد سے کوئی ایسی چیز خریدے جو اس نے اس سے پہلے
 نہیں خریدی نہ کہ اس چیز کو کھانے پینے کے لیے، اسی طرح اس دن
 مشرکوں کو اس دن کی عظمت کی وجہ سے کوئی ہدیہ وغیرہ دینے سے بھی کفر
 ہو جائے گا اگرچہ تحفہ میں ایک انڈا ہی دیا ہو، مجوسی کی دعوت جو وہ اپنے
 لڑکے کے سر منڈانے میں کرے تو اس دعوت میں جانے والے کی تکفیر
 نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح دیگر فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

شام کے شہروں میں یہ رسم تھی کہ مسافر کافروں کے عبادت خانوں میں ٹھہرتے تھے جیسا
 کہ یہ ابھی تک ہندوستان کے جنوبی شہروں میں رائج ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے
 وہاں کے ذمی کافروں سے یہ عہد نامہ لکھوایا کہ وہ مسلمان مسافروں کو اپنے عبادت گھروں میں
 ٹھہرنے سے منع نہیں کریں گے یہ روایت طحاوی وغیرہ معتبر کتب میں موجود ہے اور فتاویٰ
 عالمگیری میں ہے کہ مسلمان کو مجوسی سے اس کی آگ روشن کرنے کے عوض مزدوری لینے میں کوئی
 حرج نہیں جیسا کہ خلاصہ میں لکھا ہے، نوادر ہشام میں امام محمد سے مروی ہے کہ: ”گھریا خیمہ کو
 تصاویر یا بت سازی کے لیے کرایہ پر دینا مکروہ ہے، لیکن کرایہ پر دینے والا اس کی اجرت کا
 مستحق ہے۔“ ہشام کہتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب اصباح اجیر کی جانب سے ہو جیسا
 کہ ذخیرہ میں ہے، نیز اگر گھربت سازی کے لیے کرایہ پر دیا جائے اور اس میں اصباح مستاجر
 کی جانب ہو تو اجرت جائز نہیں ہے، جیسا کہ سراجیہ میں ہے اور کسی مسلمان کا کسی ذمی کے
 یہاں عبادت خانہ اور کلیسہ بنانے کے لیے مزدوری کرنا جائز ہے اور اس کی مزدوری حلال ہے
 جیسا کہ محیط میں ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

باب الاسواق التي كانت في الجاهلية فتبايع بها الناس في

ترجمہ: یہ باب ان بازاروں کے بیان میں جو زمانہ جاہلیت میں تھے اور لوگ زمانہ اسلام میں بھی ان بازاروں میں خرید و فروخت کرتے تھے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

زمانہ جاہلیت کے افعال اور گناہوں کی جگہوں میں طاعت و فرماں برداری کے کام کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اور اس باب میں جو حدیث مروی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

كانت عكاظ و مجنة وذوالمجاز اسواقا في الجاهلية فلما كان الاسلام تأثموا من التجارة فيها فانزل الله ليس عليكم في مواسم الحج قرأ ابن عباس كذا. (۴۲)

ترجمہ: عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت میں بازار تھے جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ان بازاروں میں تجارت کرنا برا سمجھا تو اللہ نے حکم نازل فرمایا کہ حج کے موسم میں ان بازاروں میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی پڑھا ہے۔

یعنی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ان بازاروں میں جانا اور کپڑا خریدنا ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

عن جابر بن عبد الله انه سمع رسول الله ﷺ يقول عام الفتح وهو بمكة ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام. (۴۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فتح

(۴۱) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب الاسواق التي كانت في الجاهلية فتبايع بها الناس في الاسلام۔

(۴۲) مرجع سابق

(۴۳) صحیح بخاری: کتاب البیوع، باب بيع الميتة والاصنام۔

مکہ کے سال حضور ﷺ کو مکہ مبارکہ میں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام کر دیا۔
فتح الباری میں ابن حجر عسقلانی حدیث مذکور کے تحت لکھتے ہیں:

والعلة في منع بيع الاصنام عدم المنفعة المباحية فعلى هذا ان كانت بحيث اذا كسرت ينتفع برضاها جاز بيعها عند بعض العلماء من الشافعية وغيرهم والاكثر على المنع حملا للنهي على ظاهره والظاهر أن النهي عن بيعها للمبالغة في التنفير عنها ويلتحق بها في الحكم الصلبان التي تعظمها النصارى ويحرم نحت جميع ذلك وصنعتة. (۴۴)

ترجمہ: بیع اصنام کی ممانعت کی وجہ ان سے منفعت مباحیہ کا نہ ہونا ہے، لہذا اس تقدیر پر ایسے بت جو ٹوٹنے کے باوجود اپنے ریزوں کے ذریعہ نفع کا سبب بنے تو ان بتوں کی بیع بعض شوافع اور دیگر علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن اکثر علماء کرام حدیث میں وارد نہیں کو اس کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ بیع اصنام میں نہیں بتوں سے نفرت دلانے کے باعث بطور مبالغہ مستعمل ہے اور یہی حکم صلیبوں کا ہے جس کی نصاریٰ تعظیم و تکریم کرتے ہیں ان تمام بتوں اور صلیبوں کی صنعت حرام ہے۔

دیکھنا چاہیے کہ بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید و فروخت کے جواز میں اختلاف موجود ہے، بت خانہ بنانے کی مزدوری اور مجوسیوں کے عبادت خانہ کی آگ روشن کرنا تو جائز ہو اور تعزیہ کو قصد ایلا قصد دیکھنا کفر ہو جائے؟۔

تعزیہ کو قصد ایلا قصد دیکھنے کو کفر کہنے والے قائل کے شریعت محمدیہ کی مخالفت کرنے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

(۴۴) فتح الباری شرح صحیح بخاری: ابن حجر عسقلانی ج: ۴/ ص: ۴۲۶، دار المعرفۃ بیروت ۱۴۷۹ھ

(۹) کیا کعبہ شریف اور مدینہ منورہ کے خطہ کو کوئی بزرگی حاصل نہیں؟ -

کعبہ شریفہ اور مدینہ منورہ کے خطہ کی بزرگی کا انکار کرنا صرف مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی عظمت کا انکار نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کا انکار اور اس کو ہلکا سمجھنا ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے محاسنت کرنا ہے، قرآن اور حدیث ان دونوں جگہوں کی بزرگی کے بیان سے پُر ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

(۱) وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا. (۲۵)

ترجمہ: اور یاد کرو ہم نے گھر کو (خانہ کعبہ کو) مرجع انام اور جائے امن بنادیا

(۲) وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ. (۲۶)

ترجمہ: قسم ہے اس امن دینے والے شہر کی۔

(۳) رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ (۲۷)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو تیرے مقدس گھر کے

پاس اس وادی میں بسا دیا جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہے۔

(۴) إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِّلنَّاسِ لِلَّذِي بَكَتْهُ مَبَارَكًا وَهُدًى

لِّلْعَالَمِينَ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا

وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ. (۲۸)

ترجمہ: سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا یقیناً وہ مکہ مکرمہ میں

(۲۵) البقرة: ۱۲۵

(۲۶) التین: ۳

(۲۷) ابراہیم: ۳۷

(۲۸) آل عمران: ۹۷

ہے جو برکت والا اور سارے جہان کے لیے ہدایت ہے اس میں کھلی ہوئی نشانیاں اور مقام ابراہیم ہے تو جو شخص اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ محفوظ ہے اور اللہ کے لیے ان لوگوں پر حج کرنا فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور جس نے انکار کیا تو اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

(۵) وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ. (۴۹)
ترجمہ: اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم و تکریم کرتا ہے تو یہ تعظیم دلوں کی پرہیزگاری ہے۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی عظمت و فضیلت احادیث مبارکہ کی روشنی میں :

(۱) قال رسول الله ﷺ لمكة ما اطييك من بلد واحبك اليّ ولو لا ان قومي اخرجوني منك ما اسكنت غيرك. (۵۰)
ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے شہر مکہ! تو ہر شہر سے اچھا اور سب سے زیادہ مجھے پسندیدہ ہے اگر میری قوم مجھے تیری حدود سے باہر نہ کرتی تو میں تیرے علاوہ کہیں سکونت پذیر نہیں ہوتا۔

(۲) قال رسول الله ﷺ واللّٰه انك خير ارض اللّٰه ولولا اني اخرجت منك ما اخرجته. (۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اے مکہ تو اللہ کی بہترین زمین ہے اگر مجھے تجھ سے باہر نہ کیا جاتا تو میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔

(۳) وقال رسول الله ﷺ لا تزال هذه الامة بخير ما عظموا

(۴۹) الحج: ۲۲

(۵۰) سنن الترمذی: کتاب المناقب: باب فی فضل مکة

(۵۱) مسند احمد بن حنبل: ج ۴، ص ۳۰۵، مؤسسة قرطبة القاهرة

هذه الحرمه حق تعظيمها فاذا ضيعوا ذلك هلكوا. (۵۲)
ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا امت جب تک اس حرم کی تعظیم و تکریم کرتی رہے گی خیر و برکت میں رہے گی اور تعظیم نہیں کرے گی تو ہلاکت مقدر بن جائے گی۔

(۴) قال رسول اللہ ﷺ انی احرم ما بین لا بتی المدینة ان یقطع اعضاها او یقتل صیدها وقال المدینة خیر لهم لو کانو یعلمون لا یدعها رغبة الا ابدل اللہ فیها من هو خیر منه ولا یثبت احد علی لا وائها وجهدها الا کنت شفیعاً له یوم القيمة. (۵۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مدینے کی دونوں پتھریلی جانبوں کے درمیان کو حرم قرار دیتا ہوں کہ اس میں کوئی درخت کاٹا جائے یا اس کے جانور کا شکار کیا جائے۔ لوگ اگر جانتے تو کسی غرض کو خاطر بھی اس کو نہ چھوڑتے مگر یہ کہ اللہ ان کو مدینہ میں اس سے بہتر عطا فرماتا، جو شخص بھی مدینہ کی تختی اور بھوک پر ثابت قدم رہائیں قیامت کے دن اس کا شفیع ہوں گا۔

(۵) وعن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ ﷺ اللهم ان ابراهیم علیہ الصلوۃ والسلام حرم مکة فجعلها حرما وانی حرمت المدینة حرما ما بین ما زمیہا ان لا یهراق فیہا دم ولا

(۵۲) الف: ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب فضل مکة

ب: مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳/ص: ۲۶۸، مکتبہ الرشید الریاض ۱۴۰۹ھ

(۵۳) الف: صحیح مسلم: کتاب الحج، باب فضل المدینة دعاء النبی ﷺ فیہا بالبرکة

ب: سنن البیہقی الکبری: کتاب الحج: باب ماجاء فی حرم المدینة

ج: مسند احمد بن حنبل: ج ۱/ص: ۱۸۱، مؤسسة قرطبة القاہرہ

يحمل فيها سلاح لقتال ولا يخطب فيها شجرة الا
لعلف. (۵۴)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرم بناتا
ہوں اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان حرم ہے یہاں خوں ریزی نہ کی
جائے، نہ لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھائے جائیں، چارہ کے علاوہ یہاں کے
درختوں سے کسی اور غرض کے لیے پتے نہ توڑیں جائیں۔

(۶) قال رسول الله ﷺ امرت بقرية تاكل القرى يقولون
يشرب وهي المدينة تنفى الناس كما تنفى الكير خبث
الحديد (۵۵)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک بستی کی طرف ہجرت کرنے کا مجھے
حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب ہوگی جسے لوگ یثرب کہتے ہیں
حالانکہ وہ مدینہ ہے، مدینہ برے لوگوں کو اس طرح دور کرتا ہے جس طرح
بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

(۷) قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة حتى تنفى المدينة
شرارها كما ينفى الكير خبث الحديد. (۵۶)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مدینہ
برائیوں کو دور کر دے جیسا بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔

(۸) عن عائشة بنت سعد قالت سمعت سعدا قال سمعت

(۵۴) صحیح مسلم: کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة

(۵۵) بخاری: کتاب الحج، باب فضل المدینة وانها تنفی الناس

(۵۶) مسلم: کتاب الحج، باب المدینة تنفی شرارها

النبي ﷺ يقول لا يكيد اهل المدينة احد الا انما ع كما
ينما ع الملح فى الماء. (٥٧)

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت سعد سے روایت ہے وہ کہتی ہیں میں نے
حضرت سعد کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ
حضور نے فرمایا جو بھی مدینہ والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے وہ ایسے
گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

(٩) من استطاع ان يموت فى المدينة فليمت بها فانى
اشفع لمن يموت بها (٥٨)

ترجمہ: تم میں سے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو کہ مدینہ میں اس کو موت
آئے تو اس کو مدینہ میں مرنا چاہیے، اس لیے کہ جو مدینہ میں مرے گا میں
اس کا شفع ہوں گا۔

(١٠) وعن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان الايمان
ليأرز الى المدينة كما تا رز الحية الى حجرها. (٥٩)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
ایمان مدینہ میں سمٹ جائے گا جیسا کہ سانپ اپنے بل میں سمٹ جاتا ہے۔

(١١) قال عمر بن الخطاب رضى الله عنه سمعت رسول الله
ﷺ وهو بواد العتيق يقول اتانى الليلة آت من ربي فقال

(٥٧) بخارى: كتاب الحج، باب اثم من كاد اهل المدينة

(٥٨) ترمذى: كتاب المناقب، باب فى فضل المدينة

(٥٩) الف: صحيح بخارى: كتاب الحج، باب الايمان يأرز الى المدينة

ب: صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب بيان أن الاسلام غريبا و سيعود غريبا وإنه يأرز بين المسجدين

ج: ابن ماجه: كتاب المناسك، باب فضل المدينة

د: مسند احمد بن حنبل: ج ٢/ص ٢٨٦، مؤسسة قرطبة القاهرة

صل فی هذا الوادی المبارک . (۶۰)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس وقت آپ وادی عتیق میں تھے، کہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا آیا اور مجھ سے کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھیے۔

یہ تمام احادیث مشکوٰۃ شریف میں مروی ہیں۔ خدا اور اس کے رسول ﷺ سے عناد رکھنے والے شخص نے جو دلیل پیش کی ہے کہ ”اس سرزمین پر ظلم ہوتا ہے“ بالفرض محال اگر وہاں ظلم ہوتا بھی ہو تو یہ مدینہ مکہ کی عظمت و بزرگی کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ ساکنین مکہ کی جانب سے عہد رسول انو ﷺ میں وہ ظلم و ستم وقوع پذیر ہوا جو وجود آدم سے اب تک نہیں ہوا اور اس کی صراحت تفسیر عزیزی میں لا اقسام بهذا البلد وانت حل بهذا البلد۔ آیت کے تحت مذکور ہے، اس ظلم و جور کے باوجود بھی مکہ معظمہ کی بزرگی و عظمت ختم نہیں ہوئی جیسا کہ تفسیر عزیزی میں آیت مقدسہ ان الصفا والمروة من شعائر اللہ کے تحت ذکر کیا گیا۔ خانہ کعبہ اس وقت بھی قبلہ و مطاف تھا جبکہ وہ کفار کے غلبہ کے باعث بت کدہ بنا ہوا تھا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ ما بالذات لایزول بما بالغیر یعنی ذاتی فضیلت غیر کے باعث زائل نہیں ہوتی۔ اسی طرح صفا اور مروہ دونوں پہاڑیوں پر مکہ کے جاہلوں نے اساف و نائل نامی دو بتوں کو رکھ کر پوجنا شروع کر دیا تو ان کے اس شرک سے ان پہاڑیوں کے شعائر اللہ ہونے میں کچھ فرق نہ آیا اور ان پہاڑیوں کی عظمت زائل نہیں ہوئی اس لیے کہ جو ہر ذاتی وہ ہے جو غیر کے سبب زائل نہ ہو۔

مدینہ منورہ کو ظلم و ستم کی سرزمین کہنے والے جاہل بے دین شخص نے مصر و عراق کے بلوائیوں کو مدینہ منورہ کا رہنے والا سمجھ لیا ہے حالانکہ مدینہ میں مہاجر و انصار تھے ان کی جانب

(۶۰) الف: صحیح بخاری: کتاب الحج، باب قول النبی ﷺ العتیق واد مبارک

ب: صحیح ابن خزیمہ: کتاب المناسک، باب استحباب الاستقبال بالراحۃ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی نسبت کرنا رافضیوں کا شیوہ ہے۔ تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے رافضیوں کے وہ طعن نقل کیے ہیں جو وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کرتے ہیں، ان میں دسواں طعن یہ ہے کہ ”تمام صحابہ ان کے (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے) قتل پر راضی تھے“، اس کے جواب میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ ایسا صریح جھوٹ اور بہتان ہے کہ جو بچوں پر بھی مخفی نہیں“۔ (۶۱)

ساکنان مکہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور آپ کا قتل حجاج بن یوسف سقفی نے کیا جو شام کے لشکر کا سپہ سالار تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی درخواست اور طلب پر وہاں تشریف لے گئے تھے اور اہل مکہ نے اس وقت از روئے مشورہ اور مصلحتاً کوفہ جانے سے روکا تھا ہر عام و خاص ان واقعات کو جانتا ہے مگر ان ظاہری و باطنی اندھے حرمین شریفین کی عظمت و بزرگی کے شامت انکار کے باعث اس راہ پر لگا دیا۔ حرمین شریفین کی بزرگی و عظمت کے منکرین، ساکنین حرمین کے دشمن، چھوٹے، جاہل، باطل پرست، بدعتی، دین میں تحریف کرنے والے، مسلمانوں کے سواد اعظم کی تکفیر کرنے والے، قرآن و حدیث کے مقابل ایک نیا مذہب گڑھنے والے ہرگز دین محمدی کے عالم نہیں بلکہ دین محمدی کے دشمن اور شریعت احمدی کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

سبحان اللہ تعجب کا مقام ہے کہ کفار نے حضور ﷺ کو مکہ سے نکال دیا تو بھی اس کی بزرگی میں کوئی حرج واقع نہیں ہوا بلکہ اسی زمانے میں کعبہ کو اعلیٰ درجہ کی بزرگی یہ حاصل ہوئی کہ اسے قبلہ بنا دیا گیا، اللہ رب العالمین کی طرف سے اکثر آیات کا نزول اسی زمانے میں ہوا، عین اسی زمانے میں کعبہ شریف کی فضیلت و بزرگی پر حضور سید المرسلین کے پاکیزہ ارشادات ظاہر ہوئے۔ دین میں فساد برپا کرنے والے ملحدین نے خانہ کعبہ کو بزرگی سے معزول کر دیا ایسے لوگوں کی گمراہی پر ہر زمانہ کے ائمہ کرام اور اہل حل و عقد کا اتفاق ہے اور چاروں مذاہب کے افتا و قضا کی رو سے ان لوگوں کی گمراہی پر مسلمانوں کے سواد اعظم خیر الامم کا اجماع ہے۔

(۶۱) تحفہ اثنا عشریہ: ۵۲۰، مطبع شہر ہند لکھنؤ ۱۲۹۵ھ

خلاصہ کلام - اب جاننا چاہیے کہ ان مذکورہ باتوں کا قائل اہل سنت و جماعت کا مخالف اور جماعت اہل سنت سے خارج ہے اور فرق باطلہ جیسے خوارج، روافض وغیرہ اہل بدعت کے فرقوں میں داخل ہے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا کسی خارجی یا کسی رافضی کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مثل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ

فضل الرسول

اھب اللہ علیہ قبول القبول

اصل فتویٰ پر جن معتبر و معتمد علما کے دستخط اور مہر ہیں ان کے اسمائے گرامی یہاں نقل کیے جاتے ہیں تاکہ عام مومنین اور دین متین کے متبعین کے واسطے جواب کی حقیقت و درستگی ظاہر ہو جائے۔

۱۔ جناب مولانا مفتی محمد صدر الدین صاحب صدر الصدور شہر شاہجہاں بادام اجالہ

۲۔ جناب مولانا مولوی سید محمد صاحب مدرس مدرسہ عربی دہلی دام فیوضہ

۳۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحب

۴۔ جناب مولوی محمد مظہر صاحب

۵۔ جناب مولوی محمد عمر صاحب

۶۔ جناب مولوی کریم اللہ صاحب

۷۔ مولوی محمد فرید الدین صاحب واعظ جامع مسجد

۸۔ حکیم محمد امام الدین خاں صاحب

۹۔ جناب حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب

۱۰۔ قاضی احمد الدین صاحب

۱۱۔ قاضی محمد علی صاحب

- ۱۲۔ مولوی محمد عزیز الدین صاحب
- ۱۳۔ مولوی تفضل حسین خاں صاحب نواسہ حضرت مولوی رشید الدین خاں صاحب مرحوم
- ۱۴۔ سید بشیر علی صاحب امر وہوی
- ۱۵۔ جناب مولوی حیدر علی صاحب مصنف منتہی الکلام
- یقیناً وہابیہ کے واعظین نے اپنا قدم دائرۃ اہل سنت و جماعت سے نکال کر وادیٰ اعتزال و رفض و خروج میں رکھا ہے اور کیا اچھا یہ کہا گیا ہے کہ واعظ شہر کو کبھی لوگ اپنا بادشاہ جانتے ہیں اور ہمارا قول یہ ہے کہ وہ آدمی بھی نہیں ہے بجز اللہ مذہب حق میں ابھی ایسے علما ہیں جو احقاق حق میں مشغول ہیں

حیدر علی عفی عنہ

- ۱۶۔ مولانا دلدار بخش صاحب
- جواب کی حقیقت اظہر من الشمس ہے اور ہمیشہ سے یہی مشرق و مغرب میں اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

دلدار بخش عفی عنہ

- ۱۷۔ مولانا حسن الزماں صاحب
- تمام جواب صحیح و درست ہیں اور اس کے منکرین ذلیل و خوار مردود الخطاب اور عتاب کے مستحق ہیں۔

حررہ العبد المقتاق الی رحمۃ اللہ الصمد

حسن الزماں محمد عفی عنہ

☆☆☆

۱۔ احقاقِ حق (فارسی)

سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی ترجمہ و تخریج، تحقیق: مولانا اسیدالحق قادری

۲۔ عقیدہ شفاعت کتاب وسنت کی روشنی میں

سیدنا شاہ فضل رسول قادری بدایونی تسہیل و تخریج: مولانا اسیدالحق قادری

۳۔ سنت مصافحہ (عربی)

تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی ترجمہ و تخریج: مولانا اسیدالحق قادری

۴۔ الکلام السدید (عربی)

تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی ترجمہ: مولانا اسیدالحق قادری

۵۔ طوابع الانوار (تذکرہ فضل رسول)

مولانا انوارالحق عثمانی بدایونی تسہیل و ترتیب: مولانا اسیدالحق قادری

۶۔ مردے سنتے ہیں

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی، ترتیب و تخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۷۔ مضامین شہید

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی ترتیب و تخریج: صاحبزادہ مولانا عطیف قادری بدایونی

۸۔ ملت اسلامیہ کا ماضی حال مستقبل

مولانا عبدالقیوم شہید قادری بدایونی ترتیب و تقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

۹۔ عرس کی شرعی حیثیت

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی ترتیب و تخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۰۔ فلاح دارین

مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، ترتیب و تخریج: مولانا دلشاد احمد قادری

۱۱۔ خطبات صدارت

عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی ترتیب و تقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

۱۲۔ مثنوی غوثیہ

عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی ترتیب و تقدیم: مولانا اسیدالحق قادری

- ۱۳۔ عقائد اہل سنت
مولانا محمد عبدالجبار قادری بدایونی
تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری
- ۱۴۔ دعوت عمل
مولانا محمد عبدالجبار قادری بدایونی
- ۱۵۔ احکام قبور
مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
تخریج و تحقیق: مولانا دلشاد احمد قادری
- ۱۶۔ ریاض القراءت
مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
ترتیب: قاری شان رضا قادری
- ۱۷۔ تذکار محبوب
(تذکرہ عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی)
مولانا عبدالرحیم قادری بدایونی
- ۱۸۔ مدینے میں (مجموعہ کلام) تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
- ۱۹۔ مولانا فیض احمد بدایونی
پروفیسر محمد ایوب قادری،
تقدیم و ترتیب: مولانا اسیدالحق قادری
- ۲۰۔ قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ مولانا اسیدالحق قادری
- ۲۱۔ حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں مولانا اسیدالحق قادری
- ۲۲۔ احادیث قدسیہ مولانا اسیدالحق قادری
- ۲۳۔ تذکرہ ماجد مولانا اسیدالحق قادری
- ۲۴۔ عقیدہ شفاعت (ہندی) سیدنا شاہ فضل رسول قادری
- ۲۵۔ عقیدہ شفاعت (گجراتی) سیدنا شاہ فضل رسول قادری
- ۲۶۔ دعوت عمل (گجراتی) مولانا عبدالجبار قادری بدایونی
- ۲۷۔ احکام قبور (تمل) مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی
- ۲۸۔ معراج تخیل (ہندی) (مجموعہ نعت و مناقب)
تاجدار اہل سنت حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
- ۲۹۔ مولانا فیض احمد بدایونی اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (ہندی)
محمد تنویر خان قادری بدایونی
- ۳۰۔ سیرت مصطفیٰ (ﷺ) کی جہلیکیاں (ہندی) محمد تنویر خان قادری بدایونی
- ۳۱۔ پیغمبر اسلام کا مہان ویکتو (ہندی) محمد تنویر خان قادری بدایونی

عنقریب منظر عام پر آنے والی کتابیں

سيف الجبار

سيف اللہ المسلمول مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
تخریج و تحقیق: مولانا اسید الحق قادری

المقامة البغدادية (عربی دیوان)

مولانا فیض احمد قادری بدایونی

الدرر السنية

شیخ احمد بن زینی دحلان مکی
ترجمہ: مفتی حبیب الرحمن قادری بدایونی

نگارشات محب احمد

علامہ محب احمد قادری بدایونی
ترتیب و تحقیق: مولانا اسید الحق قادری

احوال و مقامات

مولانا محمد عبدالہادی قادری بدایونی
ترتیب و تلخیص: مولانا اسید الحق قادری